﴿ اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ﴾

اصلاحِ مُسلم

تالیف

ابو ایاز مُحمّد ندیم اشرف

تصحیح و نظر ثانی

مولانا مُحمّد مالک بھنڈر

مدرس جامعۃ اسلامیۃ سلفیہ گوجرانوالہ



نعمان پبلیکیشنز


For the sake of ALLAH
في سبيل الله
کتابیں
اسلامی
PDF

اِصلاحِ مُسلم

تالیف

ابوایاز محمد اشرف

تصحیح ونظر ثانی

مولانا محمد مالک بھنڈر
مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

نعمان پبلیکیشنز

کتاب .... اصلاح مسائل

تالیف .... ابو ایاز محمد اشرف

تصحیح و نظر ثانی .... مولانا محمد مالک بھنڈر
مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

اشاعت 2014ء

قیمت ....



مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369
بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256
E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

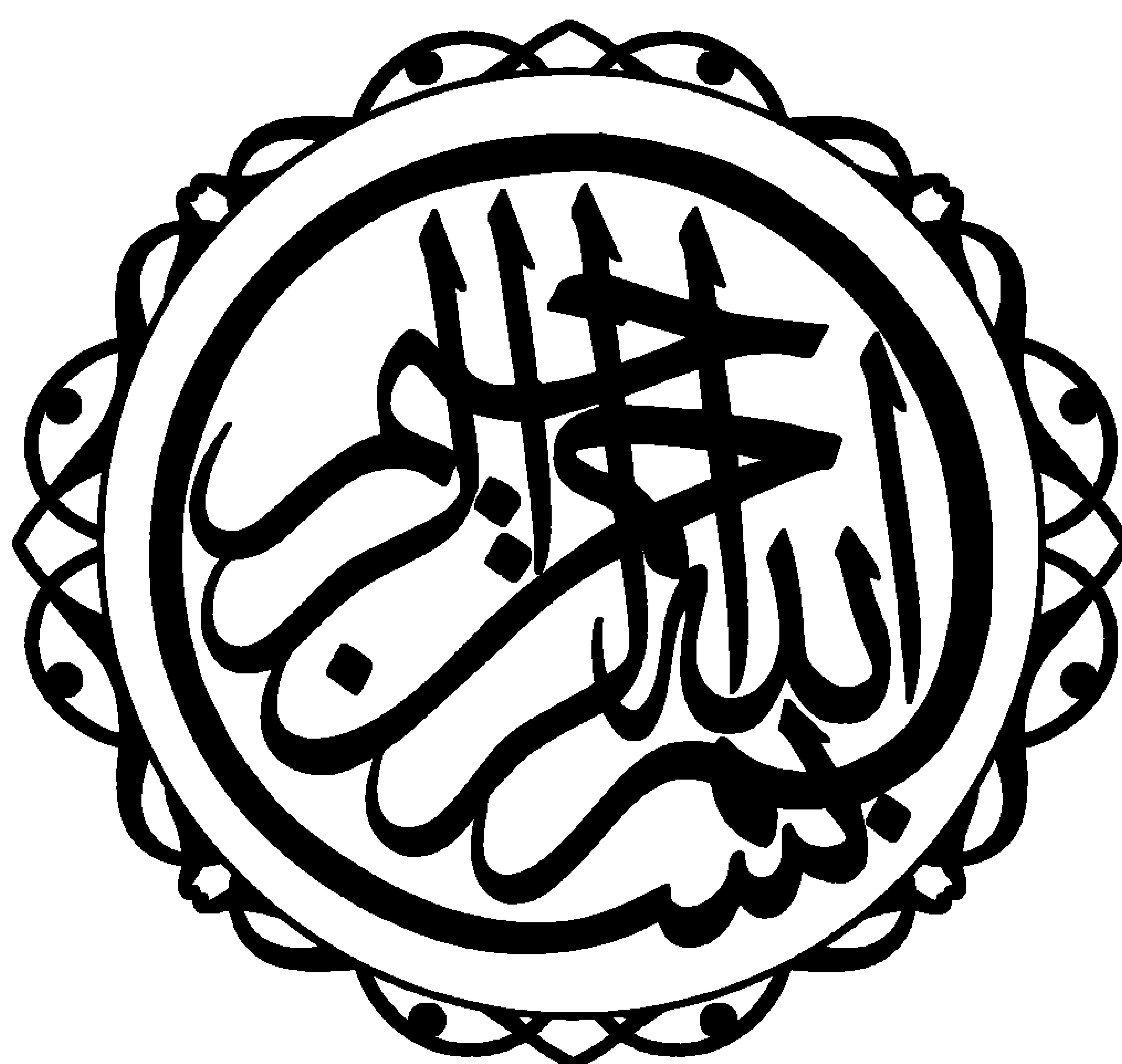
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر تالیف ''اصلاحِ مسلم'' فاضل دوست محمد ندیم اشرف صاحب کی کاوش ہے جو نہایت مفید ہے اور اس میں عقائد کی اصلاح کا اہتمام ہے۔

دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کا انحصار عقائد اور اعمال کی اصلاح پر ہے، اس سلسلے میں عقیدے کی اصلاح زیادہ ضروری ہے کیونکہ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اس لیے عقیدے کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ اکثر لوگ شرکیہ عقیدے اور شرکیہ عمل کو توحید کے منافی نہیں سمجھتے اور اس کام میں وہ اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ ان کا سارا دین بدعات و رسومات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ یہ لوگ ان بدعات و رسومات کو ہی اصل دین سمجھتے ہیں۔ جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، ایسے بدعقیدہ لوگ اُخروی نجات کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں؟

اس وقت ہمارے گرد و پیش میں عقیدوں کا بگاڑ عام ہے، جس نے دین اسلام کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے اور اخلاق و کردار کی پستی بھی عام ہے جس کی وجہ سے لوگوں کی زندگیاں امن و سکون سے محروم ہیں اور ذلت و رسوائی ہم سب مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہ کتاب یقیناً روشنی کی ایک کرن ہے اور شامِ ظلمت میں صبحِ نور کی نوید ہے۔ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور بے حد مفید پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے ہدایت کا چراغ بنائے اور ہم سب سے راضی ہو جائے۔ آمین

محمد مالک بھنڈر
مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ، ماڈل ٹاؤن
خطیب آمنہ مسجد، سپر ایشیا، گوجرانوالہ
ہجری 23-2-1434



فہرست ابواب

فہرست مضامین

باب 4 مسئلہ علم غیب

باب 5 مسئلہ حاضر ناظر

باب 6 ملک وقدرت اور تصرف و اختیار

باب 7 مسئلہ بشریت رسول اللہ ﷺ

باب 8 بدعت

باب 9 وسیلہ

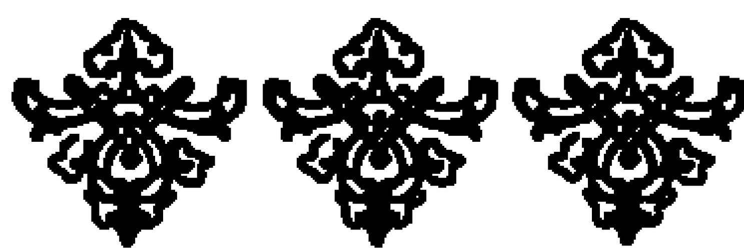
باب 10 شفاعت

باب 11 قبریں اور اسلام

باب 12 سماع موتیٰ

باب 13 حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

باب 14 تقلید



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلٰی آلہ و صحبہٖ اجمعین. امابعد! اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم.

﴿ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ﴾[التوبہ : ۷۱/۹]

"وہ (مومن) بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دین اسلام کی تبلیغ کرے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جو راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

میں نے یہ کتاب خاص طور پر اپنے چند دوستوں کی خاطر لکھی ہے جو میرے خیال میں مسلمان ہو کر راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور اس کی بہت بڑی وجہ صحیح اور درست مسائل سے لاعلمی ہے۔ میرے ان بھائیوں میں ان گنت خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ نادانستہ طور پر چند قبیح برائیوں پر کاربند ہیں۔ میری اس تصنیف کا مقصد ان برائیوں کی نشاندہی کرنا اور ان سے بچنے کی تلقین کرنا ہے۔

میرا مقصد چند اہم مسائل میں اپنا عقیدہ دلائل کے بیان کرنا ہے تاکہ میری اور آپ کی اصلاح ہو سکے۔ میری تمام بھائیوں سے اپیل ہے کہ وہ خلوص نیت سے میرے دلائل کو قرآن وحدیث سے پرکھیں اور میری بات درست ہو تو اسے قبول کر لیں اور اگر درست نہ ہو تو اس میں موجود نقص کی دلائل کے ساتھ وضاحت کریں اور مجھ جیسے دوسرے لوگوں کی اصلاح کریں۔ کیونکہ صرف اپنے ہم مسلک لوگوں کی اصلاح ہی کافی نہیں بلکہ وہ لوگ جو آپ کے ہم مسلک نہیں ہیں اور آپ کے خیال میں وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں ان کی اصلاح بھی آپ پر فرض ہے۔ وگرنہ روز قیامت اگر ان لوگوں نے بارگاہ الٰہی میں مقدمہ دائر کر دیا کہ اے اللہ! ہم گمراہ تھے۔ راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے لیکن یہ ہمارے بھائی راہ حق جانتے تھے لیکن انہوں نے ہمیں راہ راست پر لانے کی کوشش نہیں کی اور ہمیں

گمراہی کی دلدل سے نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ یہ ہمارے مجرم ہیں ہمارے ساتھ انہیں بھی سزا دیں تو ذرا سوچیں پھر کیا بنے گا؟ اس لئے اپنے ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی از حد ضروری ہے۔ کیونکہ ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور اگر کوئی ابن آدم خدانخواستہ دوزخ میں گر رہا ہے تو اس کو دوزخ میں گرنے سے بچانا ہماری ہی ذمہ داری ہے کسی اور کی نہیں۔

میں اس بات کا برملا اظہار کرتا ہوں کہ میں کوئی عالم نہیں ہوں اور مجھے اپنی کم علمی کا بھی زبردست احساس ہے۔ میں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ کوئی بات خلاف واقعہ اور غیر صحیح درج نہ ہو جائے لیکن خطا اور نسیان انسان کا خاصہ ہے۔ اس لئے اگر کوئی بات حالات و واقعات کے خلاف درج ہو گئی ہو تو اس پر پیشگی معذرت کرتا ہوں اور ہر پڑھنے والے سے اپیل کرتا ہوں کہ ہر قسم کے نقص اور غلطی سے آگاہی بخشیں۔ میں خلوصِ دل سے اپنی غلطیوں کو قبول کر کے ممنون ہوں گا۔ اور ضرور بالضرور اس کی اصلاح کروں گا۔

میری تمام بھائیوں سے پر خلوص اپیل ہے کہ میری اس تصنیف کا تعصب اور بغض سے دور رہ کر کھلے دِل اور اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف راہِ حق کی تلاش کے لئے مطالعہ کیا جائے۔ ایک اور ضروری بات عرض کر دوں کہ میرا مقصد ہرگز ہرگز اپنے مسلک کی بڑائی بیان کرنا نہیں ہے اور نہ ہی کسی کی دِل آزاری ہے۔ میرا مقصد صرف اور صرف راہِ حق کی نشاندہی کرنا اور صراط مستقیم کی سمت بتانا ہے۔ باقی ہدایت دینا اللہ ربّ العزت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور دوسرے تمام لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین یا رب العالمین۔

والسلام

ابوایاز محمد ندیم اشرف

باب نمبر1

توحید

اس باب میں

- عقیدۂ توحید کی اہمیت
- توحید کا مفہوم اور
- توحید کی تین بنیادی اقسام

کے متعلق مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

توحید

عقیدہ توحید:

اسلام میں عقائد اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اعمال کی قبولیت کا دارومدار عقائد کی صحت پر ہے۔ جب تک کسی کے عقائد درست نہیں ہوتے اس کا کوئی عمل خواہ کتنا ہی بڑے سے بڑا کیوں نہ ہو بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ وہ قطعی بے کار بے فائدہ اور بے حیثیت ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا جسم بغیر روح کے۔

اسلامی تعلیمات میں تمام امور پر عقیدہ توحید کو اوّلیت اور مرکزیت حاصل ہے۔ اسلام کی اساس و بنیاد عقیدہ توحید پر ہے اور اسی پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ توحید ہی پر بحث کی ہے۔ توحید اسلام اور ایمان کی بنیاد ہے۔ اگر اس بنیاد میں فرق آ گیا اور عقیدہ توحید مجروح ہو گیا تو پھر ایمان، اسلام، عبادت و تقویٰ سب کے سب غیر معتبر اور غیر مقبول قرار پاتے ہیں۔ یہ وہ خسارہ ہے جو کسی صورت میں پورا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ توحید ہی رہا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی بعثت سے لے کر موت تک توحید ہی کا درس دیتے رہے۔ ان کی دعوت کا آغاز بھی توحید تھا اور اختتام بھی توحید تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ [الانبياء ۲۱: ۲۵]

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم دیا تھا کہ کوئی الٰہ نہیں سوائے میرے، سو میری ہی بندگی کرو۔“

توحید کا مفہوم:

توحید کا لغوی معنی ایک ماننا، ایک جاننا اور ایک ثابت کرنا ہے۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ توحید کا مطلب اس بات کا اعتقاد اور ایمان رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال کے لحاظ سے یکتا و بے مثال ہے۔ توحید کی تین بنیادی قسمیں ہیں۔

❶ **توحید ربوبیت:** اس بات کا اعتقاد اور یقین رکھنا کہ خالق، مالک، رازق، نفع ونقصان کا مالک،

زندگی اورموت کا مالک' زمین و آسمان اورسورج و چاند بنانے والا' تصرف واختیار رکھنے والا اور کائنات کی تدبیر کرنے والاصرف ایک اللہ ہے۔ وہ اپنے افعال میں یکتا ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں ہےاور کوئی اس کے کاموں میں شریک و مددگار نہیں' اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں۔

پس توحید ربوبیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ اقرار کیا جائے کہ وہی مخلوق کا خالق و مالک ہے' وہی زندگی عطا کرنے والا اور مارنے والا ہے' وہی نافع اور ضار ہے' اضطرار اور مصیبت کے وقت وہی دعاؤں کا سننے والا اور فریادرسی کرنے والا ہے' وہی دینے اور روکنے والا ہے' ساری کائنات اسی کی مخلوق ہےاوراسی کا حکم اس میں نافذ ہے۔

❷ **توحید الوهیت**: اسے توحید عبادت بھی کہتے ہیں۔اس بات پرایمان اوریقین رکھنا کہ ہرقسم کی عبادت مثلاً حج' اعتکاف' قیام' رکوع وسجدہ' نصرت و مدد' دُعاء و پکار' نذر و نیاز' منت وقربانی' سعی و طواف' توکل و امید' خوف' خشوع وخضوع' استعانت واستغاثہ' حکم وقانون اورسوال وندا وغیرہ کے لائق صرف ایک اللہ ہے۔اسے توحید الوہیت یا توحید عبادت کہتے ہیں۔

❸ **توحید صفات**: توحید صفات کا مطلب اس بات کا اعتقاد اور یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جوصفات قرآن مجید میں بیان کی ہیں یا جوصفات نبی کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں بیان کی ہیں وہ اللہ ہی کے لئے خاص ہیں۔وہ کسی غیر میں اس طرح نہیں پائی جاتیں۔



باب نمبر2

شرک

اس باب میں

* شرک کی بنیادی اقسام
* شرک کی تباہ کاریاں اور
* شرک سے بچنے والوں کے لئے اجر

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

شرک

تمہید:

توحید کی ضد شرک ہے۔ شرک ایک ایسی شدید برائی ہے کہ کوئی مسلمان اس کی ادنیٰ نسبت بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایک عام مسلمان ہر قسم کے الزام سہ لے گا' لیکن اگر آپ اس کے عقیدہ یا عمل میں کسی معمولی درجہ کے شرک کی نشاندہی کریں تو وہ تلملا اُٹھے گا۔ شرک سے اس قدر نفرت کے باوجود انتہائی حیرت اور دکھ کی بات ہے کہ آج لوگوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے اور جب ایک توحید پرست آدمی لوگوں کی اکثریت کو سرتا پاؤں شرک میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہے تو اس پر سخت حیرت چھا جاتی ہے۔ وہ اکثر لوگوں کو شرک کو عین عبادت سمجھ کر اس میں ملوث پاتا ہے۔ صرف ملوث ہی نہیں پاتا بلکہ ان کو اس بات پر متفق پاتا ہے کہ ہم شرک سے بالکل پاک ہیں' بلکہ وہ شرک کو عین عبادت سمجھ کر اس پر کاربند ہوتے ہیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر ایک توحید پرست آدمی کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ صورت حال اس مثال کی طرح ہو جاتی ہے کہ ایک کمرہ ہے جس میں ہر طرف بدبو ہی بدبو ہے' لیکن سب لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو ہے۔ یہ بات کچھ دیر کے لئے تو اسے پریشان کر دیتی ہے لیکن جب بار بار کے تجربے کے بعد بھی اسے اپنی رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے اور بدبو کے وجود سے انکار اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے تو اس وقت دو ہی رائے اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یا تو وہ دوسروں کو صاف صاف خبردار کر دیتا ہے کہ وہ کسی مصلحت کی خاطر بدبو کو خوشبو کہہ رہے ہیں یا دوسری یہ کہ ان میں بدبو اور خوشبو میں صحیح پہچان کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہیں۔

موجودہ زمانہ میں دوسری رائے ہی صحیح ہے۔ جو لوگ شرک جیسے گھناؤنے جرم میں مبتلا ہیں انہیں اس بات کی سمجھ ہی نہیں کہ وہ کر کیا رہے ہیں؟ انہیں شرک کی حقیقت اور اصلیت کا کوئی پتہ نہیں ہوتا' ان میں توحید اور شرک کی پہچان کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شرک کو عین عبادت سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حکیمانہ بات یاد دلاتی ہے۔ ایک مرتبہ آپؓ کے سامنے کسی شخص کی نیکی کی تعریف کی گئی کہ وہ اس قدر نیک ہے کہ بدی کو جانتا بھی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تعریف سن کر فرمایا' تب تو اس کے بدی میں پڑ جانے کا بڑا

احتمال ہے کیونکہ جو شخص بدی کو جانتا ہی نہیں وہ نیکی اور بدی میں تمیز کیسے کرے گا یعنی جو شخص نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کر سکتا وہ ہر وقت بدی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

بالکل ایسی ہی صورت حال موجودہ زمانہ کی ہے کہ لوگ دنیا کی اس سب سے بڑی برائی جس کا نام شرک ہے سے واقف ہی نہیں۔ تو جو شخص بیماری سے واقف ہی نہ ہو اس سے بچ کیسے سکتا ہے۔ بلکہ اگر بیماری ہی کو صحت خیال کرنا شروع کر دے تو پھر تو وہ دوڑ کر بیماری کو گلے لگائے گا۔ جس طرح آج کل لوگ شرک کو عین عبادت سمجھ کر اس پر خشوع و خضوع سے عمل پیرا ہیں لہٰذا وقت کی ایک نہایت اہم ضرورت ہے کہ شرک جسے قرآن نے ظلم عظیم کہا ہے کو پہچانا جائے اس کی تشریح کی جائے اور شرک اور توحید میں فرق واضح کیا جائے تا کہ حقیقت واضح ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

شرک کی تعریف:

خدا کی ذات عبادات صفات افعال اختیارات اور حقوق میں کسی کو ساجھی حصہ دار یا شریک ٹھہرانے کو شرک کہتے ہیں شرک کی کئی اقسام ہیں ان میں سے چار بنیادی اور اہم قسمیں نیچے درج کی جاتی ہیں۔

① **شرک فی الذات** (اللہ کی ذات میں شرک): اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اللہ سے یا اللہ کو کسی سے قرار دینا یعنی کسی کو اللہ کا باپ یا بیٹا کہنا کسی کو اللہ تعالیٰ کا جزو ماننا یا اللہ تعالیٰ کو کسی کا جزو یا حصہ ماننا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی اللہ سے نکلا ہے یا اللہ کسی میں سے نکلا ہے۔ اسے شرک فی الذات کہتے ہیں۔

② **شرک فی العبادت** (الوہیت میں شرک): یعنی عبادت میں شرک۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کام جنہیں اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے کسی غیر کے لئے کرنا مثلاً قیام رکوع سجدہ دُعاء پکار نذر و نیاز منت قربانی طواف سوال استغاثہ استعانت نصرت مدد حج وغیرہ اور اس قسم کی دوسری عبادتیں۔ اگر اس طرح کی کوئی عبادت کسی غیر کے لئے کی جائے تو یہ شرک فی العبادت کہلاتا ہے۔

③ **شرک فی الصفات**: اللہ کی صفات میں شرک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جو صفات کمال اللہ کے لئے مخصوص ہیں ان میں کسی کو اللہ کا ساجھی حصہ دار شریک یا مددگار قرار دینا۔ اسے شرک فی الصفات کہتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ قید لگی ہوئی ہے کہ "جس مفہوم میں وہ اللہ کے ساتھ خاص ہیں اس مفہوم میں کسی غیر میں مذکورہ صفت کو سمجھنا"۔ کیونکہ بعض اوقات یہی صفتیں ہم اپنے جیسے انسانوں کے لئے بھی بولتے ہیں لیکن جب ہم انہیں اللہ کے لئے بولتے ہیں تو ان کا مفہوم الگ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک صفت ہے "سمیع" (یعنی سننے والا) یہ صفت ہم اللہ اور انسان دونوں کے لئے بولتے ہیں جب ہم یہ صفت انسان کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے لیکن جب یہی صفت اللہ کے لئے

بولی جائے تو اس کا مفہوم اور ہوگا۔ اگر کسی انسان کے لئے کوئی صفت اس مفہوم میں بول دی جائے جس مفہوم میں ہم یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بولتے ہیں تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔

④ **افعال میں شرک** : افعال میں شرک یہ ہے کہ جیسے کام اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے ویسے ہی کام اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی کرسکتا ہے۔ مثلاً اولاد دینا، صحت دینا، زندہ کرنا، بارش برسانا۔

شرک اکبرالکبائر گناہ:

شرک ظلم عظیم ہے' یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتے جب تک کہ وہ سچے دِل سے توبہ نہ کرے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴾ [النساء ٤/ ٤٨]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شریک مقرر کرے یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا''۔

② ﴿ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ [لقمان ٣١/ ١٣]

''اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ' بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے''۔

③ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟'' (آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''کیوں نہیں! یارسول اللہ ﷺ''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا''۔

آپ ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا:

''ہاں! اور جھوٹی گواہی بھی''۔

انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جملہ کو اتنی بار دہرایا کہ ہم کہنے لگے کاش! آپ ﷺ خاموش ہوجاتے۔[1]

④ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] بخاري' كتاب الشهادات' باب ما قيل في شهادة الزور: ٢٤٦٠.

نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے گزارش کی کہ بے شک یہ بات بہت بری ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے سوال کیا اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا پھر یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس لئے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ مل بیٹھ کر کھائیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے سوال کیا پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر یہ کہ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کیا جائے۔ [1]

مشرک کے تمام اعمال برباد:

شرک کرنے والا حالت شرک میں جو بھی نیکی سر انجام دیتا ہے وہ رائیگاں و بے کار ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اٹھارہ جلیل القدر پیغمبروں کا ذکر کرکے فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [الانعام ٦/ ٨٨]

''اور اگر بالفرض یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے ان کے سب ضائع ہو جاتے''۔

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ [الزمر ٣٩/ ٦٥]

''اے پیغمبرؑ! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل برباد ہو جائیں گے''۔

حالانکہ پیغمبروں سے شرک کا وقوع ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شرک کی ہلاکت و تباہی اور قباحت و برائی سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر انبیاء بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع و برباد ہو جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا ہو تو کوئی نیکی اس کو نفع نہیں دے سکتی''۔ [2]

مشرک کا ٹھکانہ دوزخ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① ﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ﴾ [المائدہ ٥/ ٧٢]

---

[1] بخاری کتاب تفسیر القرآن باب قولہ تعالیٰ: فلا تجعلوا للّٰہ أندادا و انتم تعلمون: ٤٤٧٧، کتاب الحدود، باب اثم الزناۃ: ٦٨١١.

[2] طبرانی، مسند احمد ٦٥٥٠.

''یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے' اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے''۔

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنا کر پکارتا تھا تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا''۔ ❶

③ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کرتے ہوئے مرا وہ جہنم میں داخل ہوگا''۔ ❷

④ اللہ تعالیٰ قیامت والے دِن ایک جہنمی سے کہے گا اگر تیرے پاس دُنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے میں اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا: ''ہاں!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دُنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔ ❸

⑤ دنیا کی تاریخ میں جس قدر قومیں برباد ہوئی ہیں ان کی اصل خرابی شرک ہی تھی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ﴾ [الروم ٣٠/ ٤٢]

''ان سے کہو کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں کہ آخر کار تہس نہس کر دی گئیں (ان کا جرم یہی تو تھا) کہ ان کی اکثریت مشرک بن گئی تھی''۔

شرک کرنے والا رحمتِ الٰہی اور شفاعت نبوی ﷺ سے محروم رہے گا:

① بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو جائیں گے' اور ارادہ فرمائیں گے کہ اپنی رحمت سے اہل نار میں سے (بعض کو) نکالیں تو

---

❶ بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ و من الناس من یتخذ من دون اللّٰه اندادا ﴾ (سورۃ البقرۃ) (٤٤٩٧).
بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الجنائز و من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ (١٢٣٨).

❷ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدلیل علی من مات لا یشرك باللّٰه شیئًا... الخ (٩٢).

❸ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم و ذریتہ (٣٢٣٤). بخاری، کتاب الرقاق، باب صبغة الجنة والنار (٦٠٠٧).

ملائکہ کو حکم دیں گے کہ:

"جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا تھا' اسے دوزخ سے نکال لیں"۔

چنانچہ فرشتے اسے دوزخ سے نکال لیں گے۔ ❶

② حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے مجھے اختیار دیا کہ (اگر میں چاہوں تو) میری آدھی اُمت جنت میں داخل کی جائے یا (میں چاہوں تو اُمت کے لیے) شفاعت کروں' میں نے شفاعت کو چنا"۔

اور یہ اس کے لیے ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔ ❷

تو رحمت الٰہی اور شفاعتِ رسول ﷺ کے استحقاق کی ایک شرط اُمت رسول کا فرد ہونا ہے۔ اگر کوئی نبی کریم ﷺ کی اُمت سے خارج ہے' یعنی کافر ہے' تو اس کے لیے رحمت و شفاعت نہیں ہے۔ پھر شفاعت و رحمت کی دوسری شرط توحید ہے' یعنی رحمت و شفاعت اس مومن کا حق ہے جس نے اللہ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کیا۔ اگر کوئی اُمتِ رسول ﷺ کا فرد نہیں یعنی کافر ہے یا پھر مسلمان مومن ہو کر مشرک ہے تو اس کے لیے شفاعت و رحمت نہیں ہے۔

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کی رحمت ہو یا نبی کی شفاعت! یہ مومن موّحد کا حق ہے' مسلمان ہو اور مشرک نہ ہو تو آخر جنت میں داخل ہو گا' لیکن کافر اور مشرک کے لیے نہ اللہ کی رحمت ہو گی نہ نبی کی شفاعت' یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اُمتِ رسول ﷺ کا فرد خواہ وہ کبائر کا مرتکب کیوں نہ ہو بشرطیکہ مشرک نہ ہو' یہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اگر جہنم میں گیا بھی تو اللہ کی رحمت یا نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے آخر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو گا۔

شرک نہ کرنے والے کا ٹھکانہ جنت:

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو کوئی اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا"۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری' کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالٰی: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (٧٤٣٨).

❷ جامع ترمذی، ابواب صفة القیامة والرقاق والورع، باب منه. حدیث تخییر النبی ﷺ دخول نصف امته الجنة و بین الشفاعته.

❸ مسلم' کتاب الایمان' باب الدلیل علی من مات لا یشرك با اللّٰہ شیئًا دخل الجنة (٩٢).

② حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

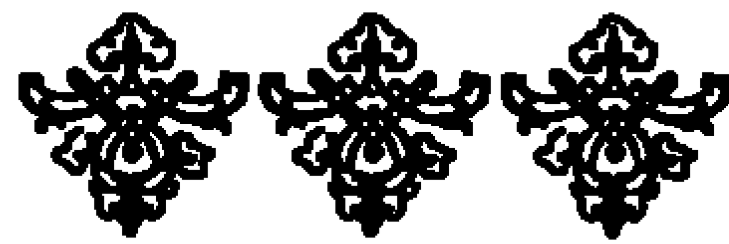
''جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو تو اس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔ ❶

③ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے آدم کے بیٹے! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہوں کے ساتھ آئے اور مجھے اس حال میں ملے کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا ہوگا تو میں تیرے پاس زمین بھر بخشش لے کر آؤں گا''۔ ❷

اس قسم کی متعدد آیات واحادیث ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے شرک کی مذمت کی ہے' اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اس کی وجہ سے تمام اعمال کے باطل ہونے کی خبر دی ہے۔ شرک کی اتنی مذمت کیوں کی گئی ہے؟ اس لئے کہ یہ ناقابل معافی جرم ہے' اگر ایک مشرک نے دنیا میں ہی شرک سے توبہ نہ کی اور توحید کا راستہ نہ اپنایا اور شرک پر ہی فوت ہو گیا' تو اس کے لئے معافی کی کوئی صورت نہیں' اس کے لئے جہنم کی دائمی سزا ہے۔ جیسے کافر' اللہ کو نہ ماننے والا' ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ایسے ہی اللہ کو ماننے کے باوجود شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ان دونوں کو جہنم کے عذاب سے کبھی نجات نہیں ملے گی' یہی وجہ ہے کہ ہر نبی نے آ کر اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید ہی کا درس دیا اور اسے شرک سے روکا' جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے۔

جب مشرک کی سزا دائمی جہنم ہے' اور تمام انبیاء نے ردِ شرک ہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے تو ضروری ہے کہ موجودہ زمانہ میں رائج کچھ شرکیہ اعمال کی نشاندہی کی جائے۔ لہٰذا آگے ان شاء اللہ العزیز کچھ شرکیہ کام اور کچھ ایسی بدعات کی نشاندہی کی جائے گی جو بالآخر آدمی کو شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بات لکھنے اور سمجھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔



---

❶ مسند احمد: ٦٥٥٠.

❷ سنن ترمذی' ابواب الدعوات' باب الحدیث القدسی یا ابن آدم انك ما دعوتنی (٣٥٤٠).

باب نمبر3

غیراللہ کو پکارنا

اس باب میں

* مدد اور پکار کی اقسام: ماتحت الاسباب مدد اور مافوق الاسباب مدد
* قرآن وحدیث کی رو سے غیراللہ کو مافوق الاسباب پکار کے شرک ہونے کے دلائل
* مِنْ دُوْنِ اللّٰه یعنی غیراللہ سے مراد صرف بت نہیں
* اہل عرب کو مشرک کہنے کی وجہ
* مافوق الاسباب طریقے سے یارسول اللہ مدد اور یاعلی مدد وغیرہ کہنے کے شرک ہونے کے دلائل
* براہِ راست پکار اور وسیلہ کے ساتھ پکار میں فرق
* وکیل اور سیڑھی جیسے دلائل کی حقیقت اور
* شرک فی الصفات

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

غیر اللہ کو پکارنا

پکار کی اقسام:

پکار‘مدد‘دعاء‘نداء یا استغاثہ کی دو اقسام ہیں: ① ماتحت الاسباب مدد۔ ② مافوق الاسباب مدد۔

❶ **ماتحت الاسباب مدد** : وہ پکار یا مدد جو ظاہری اسباب (حسی اسباب) کے تحت ہو اسے ماتحت الاسباب مدد کہتے ہیں۔ انسانوں کا آپس میں ظاہری اسباب کے تحت ایک دوسرے کو پکارنا یا مدد طلب کرنا ماتحت الاسباب مدد ہے‘ یہ بلا شک وشبہ اور بالاتفاق جائز ہے۔ بلکہ ایسا کرنا واجب اور ضروری ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔ حسی اسباب کے تحت کسی زندہ‘ حاضر اور قادر شخص سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدہ ٥/ ٥]

”اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو“۔

② ﴿ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ [الانفال ٨/ ٧٢، ٧]

”اگر وہ دین میں تم سے امداد کا مطالبہ کریں تو ان کی مدد تم پر لازم ہے“۔

③ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم“۔ ❶

④ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے کے دس سالہ دور قیام میں موسم حج میں منی میں لوگوں کی قیام گاہوں‘ عکاظ اور مجنہ میں تھے لوگوں کے پیچھے جاتے اور فرماتے:

”کون ہے جو مجھے جگہ (پناہ) دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تا کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں۔ اس کے بدلے اس کے لئے جنت ہے“۔ ❷

⑤ بیعت عقبہ ثانیہ جس میں بہتر (٧٢) آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی‘ اس بیعت میں ایک عہد یہ بھی تھا:

---

❶ بخاری‘ ابواب المظالم والقصاص‘ باب اعن اخاك ظالمًا كان او مظلومًا (٢٤٤٣).

❷ الفتح الربانی : ٢٠/ ٩٦٩.

''اور یہ کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور میری طرف سے اسی طرح مدافعت کرو گے، جیسے اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔'' ❶

اس تفصیل سے اس پہلو کی وضاحت کرنا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام سمیت تمام انسان ظاہری اسباب کی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اسباب کے تحت ایک دوسرے سے مدد مانگنا، ایک دوسرے سے سوال کرنا، نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر ہے۔ ماتحت الاسباب طریقہ سے مدد مانگنا درست ہے، اس میں کوئی جھگڑا نہیں، جھگڑا صرف ماورائے اسباب یا مافوق الاسباب مدد مانگنے پر ہے۔ یہ صورت صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔

❷ **ما فوق الاسباب (ماورائے اسباب) مدد:** مافوق الاسباب مدد یا ماورائے اسباب مدد یعنی ظاہری اسباب کے بغیر مدد کا مطلب اور تعریف یہ ہے کہ غائبانہ طور پر ایسی جگہ سے جہاں حسی اسباب (مثلاً حواس خمسہ، سننا، دیکھنا وغیرہ) ظاہری طور پر کام نہیں کرتے، کسی ہستی کو حاجت روا اور مشکل کشا جان کر اس سے مدد مانگنا، یہ صورت صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔ ایسی ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہی ہے۔ اس معنی اور مفہوم میں مدد مانگنے کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ کیونکہ مافوق الاسباب قوتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، صرف وہی ایک ایسی ہستی ہے جو کسی واسطے وسیلے اور ذریعے کے بغیر ہر کسی کی فریاد اور پکار سن سکتی ہے اور پھر اسے پورا بھی کر سکتی ہے۔ مدد اور پکار کے اس مفہوم میں جو کہ اوپر بیان ہوا ہے یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں اللہ کے علاوہ کسی انسان، بزرگ، ولی یا پیغمبر کو پکارا جائے اور اس سے مدد مانگی جائے تو یہ شرک ہوگا۔

انسان کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت پیش آئے، خاص طور پر ایسی چیز کی جو ظاہری اسباب سے پوری ہونے والی نہ ہو یا وہ اس کی دسترس میں نہ ہو مثلاً صحت اور اولاد کی طلب یا وہ اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دُعاء کا خواہش مند ہو تو انسان کو چاہیئے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگے، صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے اور اسی سے مدد طلب کرے۔ اس لئے کہ مافوق الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے بغیر دُعاؤں اور پکاروں کو سننے والی اور پھر انہیں پورا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کے اندر یہ طاقت نہیں پائی جاتی۔ مافوق الاسباب ذرائع سے سننا اور مافوق الاسباب ذرائع سے کسی کی مدد کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ

---

❶ الفتح الربانی: ۲۰/ ۲۸۰.

کوئی بھی انسان ظاہری اسباب کے بغیر نہ تو کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا ان صفات کا حامل نہیں ہے۔

پس غائبانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ذات کو حاضر و ناظر' عالم الغیب' حاجت روا اور مشکل کشاء اور مافوق الاسباب قوتوں کا مالک سمجھ کر پکارنا اور اس سے مدد طلب کرنا قرآن و حدیث کی رو سے شرک ہے۔ کیونکہ یہ ساری صفات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور اس مفہوم میں پکارنا یا مدد طلب کرنا صرف اللہ ہی کے لئے جائز ہے۔ اس بات کو آئندہ صفحات میں تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔ دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حق اور سچ بات لکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: واضح رہے کہ چونکہ ماتحت الاسباب مدد جائز ہے' لہٰذا اس کا کوئی جھگڑا نہیں' یہ قطعاً شرک نہیں' بلکہ یہ ضروری اور واجب ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ جھگڑا، تنازعہ اور اختلاف مافوق الاسباب یا ماورائے اسباب طریقے سے مدد مانگنے یعنی ظاہری اسباب کے بغیر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پکارنے پر ہے۔ لہٰذا آئندہ صفحات میں جہاں بھی مدد یا پکار کو شرک کہا جائے گا تو اس کا مطلب مافوق الاسباب مدد اور پکار ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین رہے ان شاء اللہ بات سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

کیا پکار عبادت ہے؟

جی ہاں! پکار عبادت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾ [المؤمن : ٦٠/٦]

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری پکاروں کو قبول کرتا ہوں' یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے''۔

اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر پکار کو عبادت کہا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیں کہ پکار عبادت ہے۔

صرف اللہ کو پکاریں:

اب چونکہ پکار عبادت ہے' اور عبادت صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ [بنی اسرائیل : ٢٣/١٧]

''تیرے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو''۔

اس لئے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہی درست و جائز اور باعث اجر و ثواب ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ [الجن : ۷۲/ ۱۸]

''اور مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو''۔

② ﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ○ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ ﴾

[الجن : ۷۲/ ۲۰، ۲۱]

''کہہ دیجئے میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کہہ دیں میں تمہارے لئے نقصان و نفع کا اختیار نہیں رکھتا''۔

③ ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [المؤمن: ۴۰/۱۴]

''اللہ ہی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے' خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی نا گوار ہو''۔

④ ﴿ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾ [البقرة : ۱۸۶]

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (تو کہہ دیجئے کہ) میں قریب ہوں' میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں' جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔

⑤ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ''۔[1]

پروردگار براہ راست دعاؤں کو سنتے ہیں:

یہ مسئلہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے بھی لایا گیا تھا۔ اور یہ سوال اُٹھ رہا تھا کہ کیا بغیر واسطے اور وسیلے کے ہماری فریاد براہ راست سنی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:

① ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○ ﴾ [البقرة : ۲/ ۱۸۶]

''اور اے نبی ﷺ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق سوال پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں' پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں' لہٰذا انہیں چاہئے کہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ راہ راست پا لیں''۔

---

[1] صحیح الجامع ۲/ ۱۳۱۸' رقم ۷۹۵۷ بحوالہ ترمذی' کتاب صفة القیامة باب حدیث حنظلہ ۲۵۱۶۔ صحیح الالبانی' الجزء الثانی۔

② ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [المؤمن : ٦٠/٤٠]

''اور تمہارے ربّ کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں کو قبول کرتا ہوں''۔

غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے:

مافوق الاسباب طریقے سے غیر اللہ کو پکارنا یا مدد طلب کرنا از روئے قرآن منع اور حرام ہے' یہ شرک ہے' جیسا کہ درج ذیل آیات سے ظاہر ہے:

① ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ﴾ [فاتحہ ١/٥]

''(اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے اسی طرح مدد مانگنا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے کیونکہ مدد مانگنا بھی عبادت ہی کی شاخ ہے' لہٰذا جس طرح غیر اللہ کی عبادت شرک ہے اسی طرح غیر اللہ سے مدد بھی شرک ہے۔ کیونکہ غیر اللہ سے ماورائے اسباب مدد مانگنا دراصل غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے جو کہ شرک ہے۔

② ﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ۝ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴾ [فاطر : ٣٥/ ١٣، ١٤]

''اور وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے مالک بھی نہیں ہیں' اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دُعائیں نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے' اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے' حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دینے والے کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''۔

③ ﴿ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴾ [الجن : ٢٠]

''(اے نبی ﷺ!) آپ اعلان کر دیجئے کہ (حاجت کے وقت) میں صرف اپنے رب کو آواز دیتا ہوں' کسی اور کو پکار کر اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا''۔

مذکورہ بالا دونوں آیات میں واضح طور پر غیر اللہ کو پکارنے کو شرک کہا گیا ہے' مزید آیات ملاحظہ فرمائیں:

④ ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ ﴾ [لقمان : ٣١/ ٣٠]

''یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا جس کو بھی یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے''۔

⑤ ﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴾

[الاعراف : ٧/ ١٩٧]

''وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں''۔

⑥ ﴿ أَيُشْرِكُونَ مَالَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ [الاعراف ۷/ ۱۹۱، ۱۹۲]

''کیا ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے' بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں' جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد پر قادر ہیں''۔

⑦ ﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ [الأحقاف: ٤٦/ ٥، ٦]

''اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل و بے خبر ہیں''۔

⑧ ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [یونس: ۱۰۶]

''اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ کچھ تمہارا بھلا کر سکے اور نہ نقصان' اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔

⑨ ﴿ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ﴾ [الرعد: ۱۳/۱۴]

''اسی (اللہ) کو پکارنا برحق ہے اور وہ لوگ جو اس کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے' انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا' حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں''۔

یعنی جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آ جا۔ ظاہر بات ہے پانی بے جان چیز ہے اسے پتہ ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور نہ اسے یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں نہ یہ پتا ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے نہ اس کی حاجت ہی کو جانتے ہیں اور نہ ہی ان میں اس حاجت روائی کی قدرت ہے۔

⑩ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ [النحل: ١٦/ ٢٠، ٢١]

''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں، بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اُٹھایا جائے گا؟''

⑪ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴾ [اسراء ١٧/ ٥٦]

''ان سے کہو، پکارو ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ گمان کرتے ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں''۔

⑫ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الاعراف: ٧/ ١٩٤]

''بے شک وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تمہاری مثل بندے ہیں، ان کو پکار کر دیکھو یہ تمہاری پکاروں کا جواب دیں اگر تم سچے ہو''۔

احادیث نبوی ﷺ:

① رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا زاد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرمایا کہ:

''اے لڑکے! جب تو سوال کرے تو ایک اللہ سے کر اور جب تو مدد مانگے تو ایک اللہ سے مانگ اور جان لے کہ اگر ساری امت آپ کو نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو نفع نہیں پہنچا سکتے، مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا اور اگر ساری امت آپ کو نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا، قلمیں اٹھا لی گئیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں''۔ ❶

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارتا ہو تو وہ جہنم رسید ہوگا''۔ ❷

---

❶ ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب حديث حنظله: ٢٥١٦.

❷ بخاری، کتاب التفسير، باب ﴿ ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادًا ﴾ (سورة البقرة) (٤٤٩٧).

ان آیات و احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا، اس سے مدد مانگنا، اس سے دُعاء کرنا منع اور حرام ہے۔ ایسا کرنے والا شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی تکلیف بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی دور کرتے ہیں:

① ﴿ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [الانعام ٦/ ١٧]

"اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن یہ حکم ہر ایک کے لئے اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس لئے جب آپ کے نفع و نقصان پر صرف اللہ ہی قادر مطلق ہیں تو امتیوں کے نفع و نقصان پر اولیاء و صلحاء کیسے قادر ہو سکتے ہیں؟ ہر قسم کی عبادت و الوہیت اور مشکل کشائی و حاجت روائی کا مستحق صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہٰذا جو اپنے جسم و ذات کے نفع و نقصان کے مالک نہیں وہ دوسروں کی مشکل کشائی و حاجت روائی کیسے کریں گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امام الاوّلین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا:

② ﴿ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [الأعراف ٧/ ١٨٨]

"آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سا منافع حاصل کر لیتا اور کوئی دُکھ درد بھی مجھ پر واقع نہ ہوتا۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں"۔

③ ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ [القصص : ٢٨/ ٥٦]

"(اے محمد ﷺ!) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے"۔

④ ﴿ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ [الجن : ٧٢/ ٢١ - ٢٢]

"(اے محمد ﷺ!) آپ فرما دیں میں تمہارے لئے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، آپ فرما

دیں کہ مجھے کوئی اللہ سے ہرگز نہیں بچا سکتا اور میں اس (اللہ) کے سوا کہیں بچاؤ نہیں پاتا"۔

⑤ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:
"میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا"۔ ❶

کیا غیر اللہ (من دون اللہ) سے مراد صرف بت اور پتھر ہیں:

بعض لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ وہ آیات جن میں غیر اللہ کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے وہ بتوں سے متعلق ہیں۔ ان میں بزرگوں' ولیوں اور انبیاء کو پکارنے سے منع نہیں کیا گیا۔

یعنی ان کا خیال اور عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کو دکھ سکھ میں پکارنا شرک نہیں' کیونکہ وہ غیر اللہ نہیں ہیں بلکہ غیر اللہ سے مراد صرف بت اور پتھر ہیں جن کی مشرک پوجا کرتے تھے۔

جبکہ حقیقت اس کے بالکل ہی برعکس اور اُلٹ ہے۔

غیر اللہ سے مراد:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ من دون اللہ یعنی غیر اللہ سے مراد کیا ہے؟ اس سوال کا درست اور صحیح جواب یہ ہے کہ غیر اللہ سے مراد اللہ کے سوا ہر چیز ہے۔ شجر' حجر' قبر' صنم' وثن' بت' مورتی' مجسمہ' سورج' چاند' ستارے' آگ' فرشتے' جن' انسان' ولی' بزرگ' نبی حاضر' غیر حاضر' زندہ اور فوت شدہ وغیرہ سب غیر اللہ ہیں۔

یعنی ماسوائے اللہ کے ہر چیز غیر اللہ' ہر شخص غیر اللہ ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات و احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں۔

① ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ [الاعراف : ٧/ ١٩٤]

"بے شک اللہ تعالیٰ کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری مثل بندے ہیں' ان کو پکار کر دیکھو یہ تمہاری پکاروں کا جواب دیں اگر تم سچے ہو"۔

اس آیت میں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (غیر اللہ) سے مراد انسان ہیں۔

② ﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ ﴾ [النحل: ١٦/ ٢٠، ٢١]

"اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں'

---

❶ مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالٰی و انذر عشیرتک الاقربین (٢٠٦).

بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اُٹھایا جائے گا"۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں من دون اللہ سے مراد نہ تو بت ہو سکتے اور نہ شیطان اور نہ فرشتے۔ بلکہ ان سے مراد صرف قبر والے ہیں۔ کیونکہ شیطان اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ (مردہ ہیں نہ کہ زندہ) کا اطلاق ممکن نہیں، رہے لکڑی اور پتھر کے بت تو ان کے لئے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس آیت میں غیر اللہ سے مراد یقینی طور پر وہ لوگ ہیں جو فوت ہو چکے ہیں۔

③ ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ ﴾ [بنی اسرائیل : ۱۷/ ۵۶ ، ۵۷]

"تم فرماؤ کہ پکارو انہیں جو کوئی اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو پس وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکالیف دور کرنے کا اور نہ پھیر دینے کا، جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ کون ان میں سے اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے"۔

اس آیت میں بھی غیر اللہ سے مراد نیک انسان یعنی اولیاء ہیں۔

④ ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ﴾ [النساء : ٤/ ١١٧]

"وہ اللہ کے علاوہ عورتوں کو پکارتے ہیں"۔

اس آیت میں غیر اللہ سے مراد عورتیں ہیں۔

⑤ ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ ﴾ [التوبه : ٩/ ٣١]

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اس طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں ایک معبودِ برحق کے علاوہ کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا، وہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی غیر اللہ سے مراد علماء، درویش اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

⑥ ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴾ [الكهف ١٨/ ١٠٢]

"تو کیا پھر بھی کافروں کا خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر اولیاء کو اپنا حمایتی (کارساز) بنالیں گے۔ بے شک ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں غیر اللہ سے مراد اولیاء ہیں۔

⑦ ﴿ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ [سبا: ٣٤/ ٤٠، ٤١]

”اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے‘ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے علاوہ‘ بلکہ یہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور اِن میں سے اکثر اُن پر ایمان لائے ہوئے تھے“۔

اس آیت میں فرشتوں اور جنوں کا ذکر ہے‘ جن کی مشرک عبادت کرتے تھے۔

⑧ ﴿ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ﴾ [المائدہ: ٥/ ١١٦]

”اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے بھی اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنا لو‘ (عیسیٰ علیہ السلام) کہیں گے (توبہ توبہ) آپ تو شرک سے پاک ہیں‘ مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں“۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام پر من دونِ اللہ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔

⑨ تفسیر روح المعانی‘ تفسیر کبیر اور مدارک وغیرہ میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی عظمتِ شان و علو مرتبت کے پیش نظر آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا وَلٰکِنْ اَکْرِمُوْا نَبِیَّکُمْ وَ اَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ فَاِنَّهٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّسْجَدَ لِاَحَدٍ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَنَزَلَتْ))[1]

”ہرگز نہیں! البتہ اپنے نبی کی تکریم کرو‘ اور ہر صاحبِ حق کا حق پہچانو‘ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے سجدہ کیا جائے“۔

اس حدیث میں امام المرسلین‘ سید الانبیاء حضرت ﷺ نے خود اپنی ذات پاک کو من دون اللہ قرار دیا ہے۔

---

[1] قال ابن حجر فی الفتح السماوی بتخریج احادیث البیضاوی (١/ ٣٧٠) مدلم أجدله إسناداً و نقله الواحدی فی الأسباب عن الحسن البصری و کذا أخرجه عبد بن حمید فی تفسیره عنه. روح المعانی، جلد ٣، صفحه ٢٠٧.

اسی لئے اپنے لئے سجدۂ تعظیم کی نفی و نہی فرماتے ہوئے اور اپنے آپ کو من دونِ اللہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُسْجَدَ لِاَحَدٍ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ)).

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں''۔

⑩ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کرے گا' تو اس دِن مشرکین کے معبود سرے سے اس بات کا ہی انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ قَالَ شُرَکَآؤُھُمْ مَّا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ○ فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ○ ﴾ [یونس : ۱۰/ ۲۸، ۲۹]

''اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے' سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی''۔

ظاہر ہے پتھر کی مورتیاں تو یہ کلام نہیں کر سکتیں۔ پس یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لئے پکارتے تھے وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں بلکہ وہ عقل و شعور والے افراد اور نیک لوگ اور بزرگ وغیرہ ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسمے اور بت بنا کر انہیں پوجنا شروع کر دیتے تھے۔

دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کتنا بھی نیک ہو مرنے کے بعد اسے دُنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے عقیدت والے اسے مدد کے لئے پکارتے ہیں' اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں (جو کہ عبادت کی ہی ایک شکل ہے' اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے) عرس مناتے ہیں' اس کی قبر پر میلے وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں' لیکن قبر والا ان تمام کاموں سے بے خبر اور لاعلم ہوتا ہے' اور قیامت والے دن وہ ان تمام کاموں کا انکار کر دیں گے۔

ان آیات و احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ من دُونِ اللہ یعنی غیر اللہ سے مراد صرف بت اور مجسمے نہیں بلکہ ان میں اللہ کے نیک بندے' انبیاء' اولیاء' شہداء' جن' فرشتے' شجر' حجر' پتھر اور قبر وغیرہ سب شامل ہیں۔

مشرکین مکہ اللہ کو مانتے تھے:

آج عامۃ المسلمین یہ سمجھتے ہیں یا انہیں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ اللہ کی ہستی کا اقرار اور ذاتِ پاک باری تعالیٰ کا اعتراف ہی توحید ہے۔ ہم خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم سچے مسلمان اور پکے موحد ہیں۔

مشرک تو مکے کے قریش تھے' جو اللہ ربّ العزت کی ہستی کے منکر تھے اور وجودِ باری تعالیٰ کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔

یہ خیال صرف چند لوگوں کا نہیں بلکہ اکثر لوگوں حتیٰ کہ تعلیم یافتہ طبقہ کا بھی یہ خیال ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے قائل نہیں تھے اور نبی اکرم حضرت محمد ﷺ ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات منوانا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ بات ہرگز ہرگز درست نہیں۔ بلکہ یہ ایک مغالطہ ہے' بہت بڑا مغالطہ' یہ فریب خوردگی ہے' بے حد خطرناک فریب خوردگی۔ اس مغالطہ وفریب خوردگی کے سولہ آنے خلافِ حقیقت یہ ہے کہ قریش مکہ نہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے قائل ومعترف تھے' صفاتِ ربانی پر بھی ایمان رکھتے تھے' بلکہ اللہ واحد کی عبادت بھی کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے۔ اپنے بچوں کے نام عبداللہ رکھتے تھے اور کعبہ کو کعبۃ اللہ کہتے تھے۔

مشرکین مکہ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ کیا تھا:

اہل عرب نہ تو اللہ کے منکر تھے اور نہ وہ خدا کی بنیادی صفات میں سے کسی صفت کے منکر تھے' وہ زمین وآسمان اور سورج وچاند کا خالق خدا ہی کو مانتے تھے۔ وہ زندگی لینے اور دینے والا' روزی دینے والا' نفع ونقصان کا مالک ایک اللہ ہی کو کہتے تھے۔ خالق' مالک' رازق ایک اللہ ہی کو جانتے اور مانتے تھے۔ اپنی تمام قوتوں اور قابلیتوں کو اسی کا عطیہ جانتے تھے۔ اس ساری کائنات کا انتظام وانصرام اسی کے دست تصرف میں سمجھتے تھے۔ اللہ ہی کو زندہ کرنے والا اور مارنے والا سمجھتے تھے' اور سخت مشکل میں صرف ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ اس کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

① ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ [الزخرف : ۴۳/ ۸۷]

''اور اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یہ خود کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، پھر کہاں سے یہ دھوکہ کھا رہے ہیں؟''

② ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [یونس : ۱۰ / ۳۱]

''آپ (ﷺ) کہہ دیں' کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے' یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ۔ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟''

③ ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ ﴾ [العنکبوت : ۲۹/۶۱]

"اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ۔ پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں"۔

④ ﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ ﴾ [المؤمنون ۲۳/۸۴،۸۹]

"پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا' اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے! پھر تم کدھر جادو کر دیئے جاتے ہو؟"

مشرکین سخت مشکل اور مصیبت میں ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے:

مشرکین مکہ شدید ترین مصائب و مشکلات میں ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ [الانعام : ۶ / ۴۰ ، ۴۱]

"ان سے کہو ذرا غور کر کے بتاؤ' اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے تو کیا اُس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو' اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو' پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے' ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو"۔

② ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ ﴾ [اسراء : ۱۷ / ۶۷]

"اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اُس ایک کے علاوہ دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر جب وہ تمہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو، انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مشکلات و مصائب اور دُکھ درد میں حامی و ناصر سمجھ کر پکارتے تھے۔ تلاطم امواج جو نہایت خطرناک ہوتی ہیں ان میں جب پھنس جاتے تو اس وقت صرف ایک اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے اور خالص پکار کا وعدہ بھی کر لیتے' لیکن جب وہ انہیں نجات دے دیتا تو کہتے' مجھے فلاں معبود نے اس مصیبت سے بچایا ہے۔

③ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوئے تو کچھ دور جا کر کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ گئی جس پر لوگوں نے کہا کہ آج اللہ واحد سے دُعا کرو۔ تمہیں اس طوفان سے اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد ﷺ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں یہاں سے زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا۔ چنانچہ یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ [1]

ان آیات و احادیث سے اس بات کی خوب وضاحت ہو رہی ہے کہ مشرکین مکہ ایک اللہ کو مانتے تھے۔ اس کو خالق و مالک اور رازق سمجھتے تھے اور شدید ترین مصیبت میں صرف ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے۔

لیکن افسوس اُمت محمدیہ کے عوام شرک میں اس بری طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ شدید آلام و مصائب میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے ہیں اور انہی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

اہل عرب کو کس وجہ سے مشرک کہا گیا؟

اہل عرب خالق' رازق' نفع و نقصان اور موت و حیات کا مالک' اس ساری دُنیا کو چلانے والا ایک اللہ کو ضرور سمجھتے تھے' لیکن ساتھ ہی بعض ایسی باتیں بھی مانتے اور کرتے تھے جن سے خدا کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کی حصہ داری اور شراکت لازمی آتی تھی' وہ کچھ ہستیوں یا ان کے بتوں

[1] سنن نسائی، ابوداؤد (٢٦٨٣)، و ذكره الألباني في الصحيحة (١٧٢٣).

کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ ہستیاں اللہ کے ہاں سفارش کر کے ہماری مرادیں پوری کرا دیتی ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اختیارات دے رکھے ہیں' وہ انہیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اولیاء و صالحین کی طرف رجوع اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں' اور اللہ کے ہاں ہمارا وسیلہ بنیں۔ وہ اللہ کے ہاں بزرگوں کی شفاعت مرتبہ اور قرب کا ارادہ رکھتے ہوئے انہیں پکارتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے یہ ہستیاں اور ان کی مورتیاں ہمیں اللہ کے نزدیک کر سکتی ہیں۔ اس باطل عقیدے کی وجہ سے اہل عرب کو جھوٹا' منکر اور مشرک کہا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

① ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ [الزمر : ۳۹/ ۲، ۳]

''لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو' دین کو اسی کے لئے خاص کرتے ہوئے خبردار' دین خالص اللہ کا حق ہے' رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں (اور اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری رسائی کرا دیں' اللہ یقیناً ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو''۔

② دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ وضاحت فرمائی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [یونس : ۱۰/ ۱۸]

''یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے نبی (ﷺ)! ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں' پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے' اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں''۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا ہے کہ مشرکوں نے اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے دوسروں کو کارساز بنا رکھا تھا' جو ان کی دُعاء' خوف' امید' نذر اور قربانی وغیرہ کے ذریعے عبادت کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر سکتے ہیں یہ بارگاہ الٰہی تک رسائی میں ہمارا وسیلہ ہیں۔

اور اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر سکتے ہیں تو اللہ سبحانہ نے انہیں جھوٹا قرار دیا اور ان کے اس باطل عقیدے کی وجہ سے انہیں جھوٹے' کفار اور مشرکین کا نام دیا۔

مشرکین مکہ لات وعزیٰ اور منات وہبل کو معبود سمجھ کر نہیں پکارتے تھے بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیارات دے رکھے ہیں۔ وہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف وسیلہ اور تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی تصویریں' مورتیں یا قبریں یہ سمجھ کر پوجی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ ان کے ذریعے' واسطے یا وسیلے سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے وسیلے اور واسطے سے ہماری دُعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔ ان کے نام کی نذر و نیاز دے کر ہی ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی طرزِ عمل کو شرک کہا ہے۔

لہٰذا جو شخص کسی نبی' بزرگ' درخت' قبر یا پتھر کو وسیلہ اور سفارشی سمجھ کر پکارتا ہے' اس سے فریاد کرتا ہے' نذر و نیاز سے اس کا تقرب چاہتا ہے' یہ سمجھ کر انہیں پکارتا ہے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں گے' اللہ کے ہاں ان کی سفارش اور شفاعت کی امید رکھتے ہوئے انہیں پکارتا ہے تو وہ صریحاً شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیونکہ اہل مکہ جنہیں قرآن کریم نے مشرک کہا ہے بالکل اسی عقیدہ کے ساتھ بزرگوں اور ان کی مورتیوں یعنی بتوں کو پکارتے تھے۔

① ﴿ وَ يَقُولُونَ هٰؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس : ۱۰/ ۱۸]

''اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔

② ﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [الزمر : ۳۹/ ۳]

''اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (ہستیاں) اللہ کے نزدیک مرتبے تک ہماری رسائی کر دیں''۔

پس کسی نبی' بزرگ یا ولی کو براہ راست پکارنا یا اسے سفارشی اور وسیلہ سمجھ کر پکارنا دونوں صورتوں میں شرک ہے۔ کیونکہ مشرکین مکہ بھی بتوں کو براہ راست نہیں پکارتے تھے بلکہ انہیں سفارشی اور وسیلہ اور تقرب کا ذریعہ سمجھ کر ہی پکارتے تھے' جسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔

شرک کی چار بڑی قسموں کا بیان:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ [سبا ٣٤/ ٢٢، ٢٣]

"اے نبی ﷺ! ان مشرکوں سے کہو کہ پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو وہ نہ آسمانوں میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں' وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں' ان میں سے کوئی اللہ کا مددگا بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لئے نافع نہیں ہوسکتی' سوائے اس شخص کے جس کے لئے اللہ نے شفاعت کی اجازت دی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے شرک کو اس آیت میں چار قسموں میں تقسیم کیا ہے اور چاروں کی نفی بھی کردی ہے' ہم ہر ایک کو ایک جداگانہ نام سے موسوم کرتے ہیں۔

1 شرک احتیاز (اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر اللہ کو بھی کسی چیز کا تنہا مالک سمجھنا):

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کی ہے کہ غیر اللہ بھی کسی چیز کا مستقل مالک ہو' خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں یا وہ کوئی ذرّہ برابر کی کوئی ادنیٰ سی چیز ہی کیوں نہ ہو (چنانچہ فرمایا: وہ نہ آسمانوں میں ذرّہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں)۔

2 شرک شیاع (حصہ داری کا شرک):

یعنی اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ میں حصہ داری اور شراکت کا تصور رکھنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ غیر اللہ کے لئے کسی بھی طرح کی حصہ داری کی بھی نفی کردی ہے' کون ومکان کے اندر حصہ داری ہو یا جاہ و مرتبہ کے اندر شراکت ہر صورت کی نفی کردی گئی ہے۔ (چنانچہ فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں)۔

3 شرک اعانت (مدد کرنے میں اللہ کا شریک بنانا):

یعنی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی دار نہ سہی پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی معین و مددگار ہے۔

اس شرک کی بھی نفی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کردی ہے (چنانچہ فرمایا: ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں)۔

4 شرک شفاعت (سفارش میں اللہ کا شریک ٹھہرانا):

یعنی کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جاہ وجلال کے سبب کسی کو سفارش سے گلوخلاصی دلادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی نفی کر دی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جاہ و جلال کے حوالہ سے اپنی سفارش کے ذریعہ کسی گنہگار کو نجات دلا سکے (چنانچہ فرمایا: اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لئے نافع نہیں ہوسکتی)۔

یعنی اللہ سب سے ادنیٰ اور مخفی شرک بھی قبول کرنے کو تیار نہیں' اور وہ ہے سلامتی اور نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال میں دوسرے کے جاہ وجلال کو شریک کرنا' ہاں! اگر شفاعت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو اور اس شخص کی بھی تعیین کر دی گئی ہو جس کے لئے سفارش کرنی ہے تو ایسی سفارش میں شرکت کا شائبہ نہیں ہے' کیونکہ سفارش بھی نفع کی دوسری صورتوں کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی خاص ملکیت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ سورہ سبا کی مذکورہ بالا آیت سے شرک کی کوئی قسم بھی خارج نہیں' کیونکہ شریک یا تو ملکیت میں شریک ہو گا یا تصرف میں۔ پہلی صورت میں یا تو وہ اپنے حصہ کا تنہا مالک ہو گا یا اس حصہ میں دونوں حصہ دار برابر کے شریک ہوں گے' اور دوسری صورت میں شریک یا تو خود مالک کی مدد کرے گا یا مالک کے پاس کسی غیر کی سفارش کرے گا اور یہ چاروں قسمیں ترتیب وار اس آیت میں موجود ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرک دراصل کسی کو اپنا معبود اس عقیدہ کی بنا پر بناتا ہے کہ اس کے ذریعہ اسے نفع حاصل ہو گا' حالانکہ نفع صرف اس ذات سے حاصل ہوسکتا ہے جس کے اندر ان چاروں خصلتوں میں سے کوئی بھی ایک خصلت ہو:

1. یا تو وہ ذات اس نفع کی مالک ہو جو اس کا مرید چاہتا ہے۔
2. اور اگر اس نفع کا مالک نہ ہو تو کم از کم مالک کا شریک ہو۔
3. اور اگر مالک کا شریک بھی نہ ہو تو اس کا معاون و مددگار ہو۔
4. اور اگر معاون و مددگار بھی نہ ہو تو اس کے پاس سفارش کا حق رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اوپر سے نیچے تک ان چاروں مراتب کی ترتیب وار نفی کر دی ہے' چنانچہ سب سے پہلے ملکیت کی نفی کی' پھر ساجھی داری کی' پھر امداد و تعاون کی اور سب سے اخیر میں شفاعت کی نفی کی جس کا مشرک گمان کرتے ہیں' البتہ ایک ایسی سفارش کو ثابت کیا ہے جس میں مشرکین کا کوئی حصہ نہیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کرنا۔[1]

---

[1] مدارج السالکین: ١/ ٣٤٣.

مشرکین کے بت درحقیقت اُنبیاء' اولیاء وصلحا ہی کے مجسمے تھے:

﴿ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴾ [نوح : ۷۱/ ۲۳]

''تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور نہ وَدّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو چھوڑنا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ مذکورہ پانچوں بت قوم نوح کے پانچ نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ صالحین فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دِلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے مجسمے بنا کر اپنی ان مجلسوں میں رکھ لیں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے' اور ان مجسموں کو ان صالحین کے ناموں ہی سے موسوم کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن (یہ کام انہوں نے محض ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے کیا تھا) انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ البتہ جب ایک نسل ختم ہو گئی تو پھر بعد میں آنے والوں نے ان مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔❶

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وَدّ' سواع' یعوق' یغوث نیک اولیاء تھے۔ بہت سے لوگ ان کے پیروکار تھے۔ جب یہ اولیاء اللہ وفات پا گئے تو ان کے مقتدیوں اور پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی شکلیں بنالیں تو جب ہم ان کی شکلوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ کرلیں گے تو عبادت الٰہی میں بہت ذوق شوق پیدا ہو جایا کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے ان کے مجسّمے بنا ڈالے۔ جب یہ مجسّمے بنانے والے لوگ مر گئے اور نئی نسل آئی تو شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہارے اسلاف تو ان کی عبادت کرتے تھے اور انہی کے صدقے بارش سے سیراب ہوتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کر دی۔❷

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ قوم نوح میں شرک کا آغاز صالح لوگوں کی محبت میں غلو کرنے سے ہوا۔ اس غلو محبت نے پہلے ان سے ان کی تصویریں اور ان کے مجسّمے تیار کروائے' پھر ان کو اپنی بیٹھکوں اور دیواروں پر نصب کروایا۔ پھر یہی مجسّمے قابل تعظیم اور قابل عبادت قرار پا گئے۔

تو مشرکین کے بت دراصل انبیاء' اولیاء اور صلحاء ہی کے مجسّمے تھے۔ جن کو انہوں نے ان سے محبت اور تعظیم کی وجہ سے بنایا تھا۔ بعد ازاں ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ یہ بات اس لحاظ سے بہت افسوس ناک اور عبرت ناک ہے کہ اللہ کے وہ نیک اور محبوب بندے جو شرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت

---

❶ صحيح بخاری، كتاب التفسير، تفسير سورة نوح، ح : ٤٩٣٠.

❷ بخاری، كتاب تفسير القرآن، باب ودا و لا سواعا و لا يغوث و يعوق : ٤٩٢٠.

کے لئے وقف ہوئے اور جنہوں نے ہر قیمت پر شرک کو مٹانے کی کوشش کی اور بت پرستوں' آتش پرستوں اور سورج' چاند' جن و ملائکہ کی پرستش کرنے والوں کو لا اِلٰہ الا اللہ کا سبق پڑھایا اور اپنی ساری زندگی اس کام میں وقف کر دی بلکہ اپنی جانیں تک قربان کر دیں' قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں' تلواروں سے کٹ گئے' سولی پر چڑھ گئے ان کے لہو سے زمین لالہ زار بنی مگر ان عظیم بندگانِ خدا نے اُف تک نہ کی اور ہر حال میں' ہر قیمت پر اپنا فرض ادا کیا۔ مگر افسوس کہ اللہ کے بندوں نے انہی بندگانِ خدا کو معبود بنا لیا۔ خود ان حضرات انبیاء اور اولیاء ہی کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنا لیا۔ انہی کے مزاروں اور خانقاہوں کو معبود و مسجد بنا لیا اور انہی کی پرستش شروع کر دی۔

اصل مقصد ان بتوں کی عبادت نہ تھا:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ بتوں کی پوجا اور پرستش کا مقصد ان بتوں کی عبادت نہ تھا' بلکہ مقصد ان انبیاء وصلحاء کی عبادت اور ظلی رضا تھا جن کی شکل وصورت پر وہ بت بنائے گئے تھے۔ یہ بت صرف ان انبیاء وصلحاء کی عبادت کا ذریعہ تھے۔ تقریباً تمام مفسرین نے یہی بات بیان کی ہے۔ مثلاً:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''مشرکین ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ گزشتہ حضرات' انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کی مورتیاں ہیں ان کی عبادت کا اصل مقصد ان صلحاء کی عبادت ہے جن کی شکل وصورت پر انہوں نے وہ مورتیاں بنا رکھی ہیں''۔ ❶

مزید لکھتے ہیں: ''مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ مورتیاں فرشتوں' اولیاء اور گزشتہ انبیاء کی مورتیاں ہیں۔ وہ ان مجسموں کی تعظیم اور پوجا اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کی تعظیم درحقیقت ان فرشتوں' صالحین اور انبیاء کی تعظیم اور پوجا ہے''۔ ❷

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ''مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اگلے نیک لوگوں نے اللہ کی خوب عبادت کی اور بارگاہِ الٰہی میں مقرب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا فرما دی۔ پس مشرکین نے ان بزرگوں کے پتھر کے بت تراش لئے''۔ ❸

ان تصریحات وتفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی مشرکین کے معبود بت نہ تھے بلکہ ان کے معبود انبیاء' اولیاء اور بزرگ تھے۔ یہ لوگ بظاہر تو ان بتوں کی پوجا کرتے تھے بلکہ مقصد بالذات

---

❶ تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۲۳۰، ۴۲۹/۲۶.

❷ تفسیر کبیر، جلد ٦، ص ٢٦١، ٢٦/٤٥١.

❸ حجۃ اللّٰہ بالغہ، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۸، ۱۲۳/۱.

یہ بت نہ تھے بلکہ یہ بت ان انبیاءٔ اولیاء وصلحاء کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ تھے۔ مشرکین ان بتوں کی پرستش صرف اس لئے کرتے تھے کہ اس ذریعہ سے انہیں انبیاء اولیاء اور بزرگوں کا تقرب حاصل ہو جائے گا۔ وہ ان سے خوش اور راضی ہو جائیں گے اور ان کی بگڑی بن جائے گی۔ ورنہ دُنیا میں کوئی ایسا بے وقوف اور احمق مشرک نہیں ہے جو یہ سمجھے کہ یہی ہمارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت ہمیں خدا تک پہنچا دیں گے یا یہ پتھر کے بت ہماری مشکلات حل کریں گے۔

تقریباً یہی حال آج کل کے بعض مسلمانوں کا ہے جو کہ حضرات اولیاء ؛ بزرگان دین کی قبروں' مزاروں' خانقاہوں اوران کے بعض آثار ونشانات کی تعظیم کرتے ہیں۔ مگر مقصد ان کا بھی اس قبر یا مزار کی تعظیم نہیں ہوتی بلکہ مقصد صاحب قبر اور صاحب مزار اس بزرگ کی تعظیم ہوتی ہے ورنہ ایسا احمق اور اندھا کوئی نہیں ہوسکتا جو مٹی چونے کی قبر اور مکان نشان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے یا یہ یقین کرے کہ یہ مٹی کی قبر اور اینٹ پتھر سے بنا یہ مزار انسان کو بچے دیتا ہے۔

پھر اصل الاصل مقصد انبیاء واولیاء وصلحاء کی عبادت بھی نہ تھی بلکہ اصلی مقصد قربِ الٰہی تھا:

بتوں کی عبادت کا مقصد اللہ کے نیک بندوں اور نبیوں کی تعظیم اور عبادت تھی لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں ان نیک بندوں' نبیوں اور ولیوں کی عبادت بھی اصلاً مقصود نہ تھی بلکہ اصل مقصد ان کے ذریعے بارگاہِ الٰہی میں قرب تھا۔ یعنی اصل مقصد ان بتوں' قبروں' نبیوں یا ولیوں کی عبادت نہ تھی بلکہ اصل مقصد ان کے وسیلہ سے خدا کی بارگاہ میں رسائی تھا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم ان انبیاءٔ صلحاء کی عبادت کریں گے تو یہ خوش ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر دیں گے۔ وہ ان انبیاء و اولیاء کو اس لئے پکارتے تھے کہ ان کے واسطے اور وسیلے سے ہماری خدائے واحد تک رسائی اور پہنچ ہو جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

① ﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس : ۱۰/ ۱۸]

''اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالٰی کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔

تو غیر اللہ کی عبادت کا اصل مقصد غیر اللہ کی عبادت نہ تھی بلکہ اصل مقصد شفاعت اور سفارش تھی۔ وہ غیر اللہ کی پرستش محض اس وجہ اور یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ اولیاء اللہ بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہماری نجات کا موجب بنیں گے' اور ہماری حاجات وضروریات پوری کرا دیں گے

اور ہماری مشکلات حل کرا دیں گے۔ اور ان کے اس طرزِ عمل کو ہی اللہ نے شرک قرار دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''جب ان میں سے کوئی عظیم شخص وفات پا جاتا جس کے متعلق ان کا اعتقاد ہوتا کہ عند اللہ وہ مستجاب و مقبول الشفاعۃ ہے تو اس کی شکل وصورت پر بت گھڑ لیتے اور اس خیال سے اس بت کی عبادت شروع کر دیتے کہ یہ عظیم بزرگ قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿ هٰؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ میں ان کے اسی مقولہ کی خبر دی ہے۔[1]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ''انہوں نے اپنے عالی مقام و ذی قدر صلحاء و اولیاء کی صورت پر ان بتوں کو بنا رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ نیک بندے ان کی سفارش کریں گے''۔[2]

② ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾[الزمر: ۳۹/ ۳]

''اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں' اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں''۔

③ ﴿ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾[الاحقاف: ۲۸]

''پس قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی' بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے (بلکہ دراصل) یہ محض ان کا جھوٹ اور بہتان تھا''۔

④ ایک دِن رسول اللہ ﷺ حرمِ کعبہ میں کفار کے ساتھ تشریف فرما تھے' آپ ﷺ نے ان کے سامنے پڑھا: ﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴾۔ جب آپ ﷺ ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴾ پر پہنچے تو مشرکین مکہ کہنے لگے:

قَدْ عَرَفْنَا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَ يَخْلُقُ وَلٰكِنْ اٰلِهَتَنَا هٰذِهٖ تَشْفَعُ لَنَا عِنْدَهٗ.[3]

''بالیقین ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور

---

[1] تفسیر الکبیر: ۱/ ۳۱۹، جز ۲ ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

[2] روح المعانی: ۲۹/ ۸۷، تفسیر کبیر جز ۱۶، ص ۵۹، ۶۰۔

[3] طبقات ابن سعد، جلد اوّل، صفحہ ۲۰۵۔

وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے' لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کرتے ہیں''۔

ان آیات وحدیث رسول ﷺ سے بھی یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سابقہ مشرکین کی اپنے اولیاء اللہ یا ان کے بتوں کی عبادت کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کے مقبول بندے ہمیں بھی خدا کے قریب کر دیں گے' ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے اور بارگاہِ الٰہی میں ہماری رسائی کرا دیں گے اور عند اللہ ہماری سفارش اور شفاعت کریں گے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے انہیں مشرک کہا گیا اور تباہی و بربادی ان کا مقدر بنی۔ اور جن معبودوں کو وہ تقرب الٰہی اور سفارش کا ذریعہ سمجھتے تھے' وہ ان کی کسی قسم کی مدد نہ کر سکے۔ اور وہ غیر اللہ جن کو وہ بارگاہِ الٰہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وسیلہ کو جھوٹ اور بہتان قرار دے کر واضح فرما دیا کہ یہ وسیلہ ناجائز اور حرام ہے۔

خلاصہ:

قرآن کریم کی ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف مشرکین مکہ بلکہ سابقہ مشرک اقوام وامم نے بھی من دُونِ اللہ اوثان واصنام' اولیاء وصلحاء جن جن کی بھی عبادت کی محض اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق اور فطری تقاضا کے تحت کی۔ ان غیر اللہ کی پرستش اور بندگی سے ان کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کے محبوب ومقبول بندے ہیں' ہم ان کی پوجا پاٹ کریں گے تو یہ خوش ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے' ہمیں درجہ ومرتبہ میں خدا کے قریب ونزدیک کر دیں گے' اور آخرت میں بھی بارگاہِ ربّ العزت میں ہماری عزت وسرخروئی اور نجات کا موجب ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی طرزِ عمل کو شرک کہا ہے۔

لہٰذا صرف براہِ راست بتوں یا ولیوں کو پکارنا شرک نہیں' بلکہ بتوں یا ولیوں کو سفارشی سمجھ کر پکارنا بھی شرک ہے۔ بلکہ اصل اور حقیقی شرک ہی یہ ہے جس کا اکثر لوگ شکار ہوتے ہیں کہ غیر اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں رسائی اور پہنچ حاصل کرنے کے لئے انہیں وسیلہ اور سفارشی سمجھ کر انہیں پکارا جاتا ہے۔ عند اللہ ان کی شفاعت اور سفارش کے حصول کے لئے انہیں وسیلہ اور واسطہ سمجھ کر پکارا جاتا ہے۔ یہی اصلی شرک ہے ورنہ براہِ راست بتوں یا ولیوں کا پکارنے والا شرک بہت ہی کم واقع ہوا ہے۔ یہ شرف موجودہ دور کے حنفی بریلویوں کو حاصل ہے کہ وہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ' داتا گنج بخش اور پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو پکارتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے نعروں یا رسول اللہ مدد' یا علی مدد' المدد یا غوث وغیرہ سے واضح ہے۔

ذاتی یا عطائی:

کتاب وسنت سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودین سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی وحاجت روائی پر ذاتی طور پر قادر ہیں۔ نہ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح ومقبول بندوں کو صفاتِ ربانی میں ذاتی طور پر شریک مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں' بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کرا سکتے ہیں۔

گویا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کی من جانب اللہ عطائی مِلک وقدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طواف کرتے وقت کہتے تھے:

لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهُ وَمَا مَلَکَ.

"اے اللہ! ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں' تیرا کوئی شریک نہیں' مگر وہ آپ کا شریک (ضرور) ہے' جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔"[1]

یعنی وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی مِلک وقدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے' اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے' ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار واقتدار کے قائل تھے نہ کہ ذاتی طور پر انہیں قادر و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"جان لو کہ سارے جہان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتا ہو جو وجود' قدرت اور علم وحکمت میں اللہ کے برابر ہو۔ اور ایسا عقیدہ اس وقت تک (دینا میں کہیں) موجود نہیں"۔[2]

تو اللہ تعالیٰ کی صفات' قدرت واختیار جو بھی ہیں ذاتی ہیں اس طرح ذاتی صفات کا مالک دُنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا۔ جس نے مانا اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مِلک وقدرت اور علم وحکمت عطا کی ہے۔ مالک حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔ یعنی مشرکین کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ ان کے بزرگوں' ولیوں اور انبیاء اور ان کے بتوں جو یہ صفتیں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب التلبیة و صفتها و وقتها، ح ۲۸۱۵.

[2] تفسیر الکبیر: ۳۱۹/۱، جز ۲، ص ۱۱۲.

مثلاً حاجت روائی، مشکل کشائی، حاضر ناظر و علم غیب وغیرہ پائی جاتی ہیں وہ ان کے ذاتی طور پر مالک ہیں، بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان صفتوں کا ذاتی طور پر مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنی کچھ صفتیں اپنے پیاروں کو عطا کی ہوئی ہیں اور اس عطائی عقیدے کے تحت وہ انہیں وسیلہ اور ذریعہ سمجھ کر پکارتے تھے۔ اللہ نے ان کے اس باطل عقیدے کی وجہ سے انہیں مشرک قرار دیا ہے۔

عطائی والی بات ہی غلط اور عبث ہے:

اگر کھلے ذہن کے ساتھ غور کیا جائے تو عطائی صفت یا عطائی اختیارات کی بات ہی سرے سے فضول اور غلط ہے، عبث اور مردود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے علاوہ کون سی چیز ذاتی ہے؟ اللہ کے علاوہ کون ذاتی اختیارات کا مالک ہے؟ اللہ کے علاوہ ہر شے اور ہر نفس اور اس کی ہر صفت عطائی ہے۔ اللہ کے علاوہ ہر مخلوق میں پائی جانے والی ہر صفت عطائی ہے۔

لٰہذا یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر عالم الغیب اور حاضر ناظر ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ عطائی طور پر عالم الغیب اور حاضر ناظر ہیں اس سے خاصہ خداوندی میں شرکت لازم نہیں ہوتی لٰہذا یہ شرک نہیں۔ سرے سے بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ کا اپنا وجود مبارک اور نبوت و رسالت ہی عطائی ہیں تو یہ تصور کہاں سے اور کیسے قائم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی کوئی صفت ذاتی بھی ہو سکتی ہے؟ جب موصوف بذاتِ خود عطائی ہیں تو ان کی کوئی صفت ذاتی کیسے ہو سکتی ہے؟ مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو اختیارات اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں بلکہ ہندو بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے تمام اختیارات خداداد ہیں۔

اب غور کریں کہ مکہ کا وہ مشرک اور آج کا ہندو اگر اپنے کسی بزرگ' یا اس کے بت سے حاجت روائی و مشکل کشائی کا یہ عقیدہ رکھ کر پکارے کہ ان کے اختیارات ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہیں تو کیا وہ شرک کا مرتکب ہو رہا ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ شرک کر رہا ہے بلکہ یقیناً کر رہا ہے تو اسی عقیدہ کے ساتھ اگر ایک مسلمان کسی بزرگ کو پکارتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل شرک نہیں؟ یقیناً اس کا بھی یہ عمل شرک ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر حاجت روا اور مشکل کشا مانتا ہوں جبکہ بتوں کو میں عطائی طور پر حاجت روا اور مشکل کشا مانتا ہوں۔ اس لئے انہیں پکارتا ہوں۔ تو کیا اس کا یہ طرزِ عمل شرک ہے یا نہیں؟ یقیناً شرک ہے۔ اب اسی فقرے میں بتوں کی جگہ بزرگوں کو رکھ کر پڑھیں۔

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر حاجت روا اور مشکل کشا مانتا ہوں جبکہ بزرگوں کو میں عطائی طور پر حاجت روا اور مشکل کشا مانتا ہوں، اس لئے انہیں پکارتا ہوں اور ان سے مدد طلب کرتا ہوں تو کیا اس کا یہ طرزِ عمل شرک نہیں؟ یقیناً شرک ہے۔

پس اللہ کی ہر صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے۔ مخلوق کی کوئی صفت ذاتی ہے ہی نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام و بزرگانِ دین حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جانے والی تمام صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ ان کی کوئی صفت ذاتی نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفات مثلاً عالم الغیب اور حاضر ناظر اور مشکل کشائی وغیرہ کو دوسروں میں عطائی کہہ کر ماننے جانا ہرگز درست نہیں۔ لہٰذا یہ صفات آپ اللہ کے علاوہ کسی اور میں مانیں چاہے ذاتی طور پر چاہے عطائی طور پر ہر صورت میں شرکیہ عقیدہ ہے۔

ایک ایمان والا بھی مشرک ہوسکتا ہے:

یہ ایک حقیقت ہے' جس سے اکثر مسلمان غافل ہیں' اس لیے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ اُمتِ رسول کا فرد' ایک صاحبِ ایمان' مردِ مومن بھی مشرک ہوسکتا ہے' بلکہ کتاب اللہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [يوسف : ١٢/ ١٠٦]

''اور اکثر لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ شرک بھی کرتے ہیں''۔

تو یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو' رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا فرد ہو' اور پھر بھی مشرک ہو۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج یہ ممکن ہی نہیں بلکہ اکثر ہے' عام مسلمان کلمہ گو شرک میں مبتلا ہیں' اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائے۔

کیا دُعاء اور پکار عبادت ہے؟

ایک نہایت اہم بات جس کو سمجھنا از حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا دُعاء یا پکار عبادت ہے؟

دُعاء عبادت ہے:

① حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)).[1]

''دُعاء عبادت ہے''۔

② حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)).[2]

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلاة باب الدعاء (١٤٧٩)، ترمذي ابواب الدعوات باب (٣٣٧٢).

[2] ترمذي ، ابواب الدعوات ، باب ما جاء في فضل الدعاء باب منه (٣٣٧١).

''دُعاء عبادت کا مغز ہے''۔

پکار عبادت ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾[غافر : ٤٠/ ٦٠]

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری پکاروں کو قبول کرتا ہوں۔ یقین جانو جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے''۔

اس آیت میں پکار کو عبادت کہا گیا ہے۔ دراصل پکار اور دُعاء ہم معنی الفاظ ہیں۔ کیونکہ اللہ کو پکارنے کا مطلب اللہ سے دُعاء کرنا ہے۔ جیسے ''اے اللہ! میری مدد فرما'' کہنے والا اللہ کو پکار رہا ہے' اللہ سے دُعاء کر رہا ہے' اللہ کی عبادت کر رہا ہے۔ لہٰذا اللہ کو پکارنا اللہ کی عبادت کرنا ہے بالکل ایسے ہی غیر اللہ کو پکارنا غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔

بلکہ اوپر والی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر آدمی کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ دُعائیں کرے کیونکہ جو شخص اس سے تکبر کرے اس کا ٹھکانہ جہنم بنایا گیا ہے۔ یہ تو اس شخص کا حال ہے جو اللہ سے دُعاء کرنے سے اعراض (تکبر) کرے۔ اب جو شخص دُعاء ہی کسی دوسرے سے یعنی غیر اللہ سے کرے اس کا کیا حال ہوگا؟

یہ بات بھی انتہائی غور طلب ہے کہ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مقصد اس نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا' ان سے استمداد و استغاثہ کرنا ان سے دُعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔

الغرض اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دُعاء یا پکار عبادت کی اہم قسم ہے بلکہ تمام اقسام کی جامع ہے۔ لہٰذا خالصتاً اللہ ہی کو پکارنا اور اللہ سے دُعاء کرنا واجب ہے۔ کیونکہ دعاء و پکار عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ کسی اور کے لئے پکار کسی اور کی عبادت ہے جو کہ سراسر شرک ہے۔

ایک سوال' کیا یا رسول اللہ مدد' یا علی مدد' المدد یا غوث وغیرہ کہنا درست ہے؟

اس بات کو سمجھنے کے لئے دو باتیں یاد رکھیں۔ پہلی بات یہ کہ دُعاء یا پکار عبادت ہے' اور دوسری

بات یہ کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت بلا شک وشبہ شرک ہے۔ اب ایک آدمی کی دُعاء پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ سے یوں مخاطب ہے: "یا اللہ! میری مدد فرما"۔ یا صرف اتنا کہتا ہے کہ "یا اللہ مدد" یا یہ کہتا ہے کہ "المدد اے اللہ"۔ یقیناً ایسا آدمی اللہ کو پکار رہا ہے' اللہ سے دُعا کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے۔

اب ایک دوسرے آدمی پر غور کریں جو یوں کہتا ہے کہ "یا رسول اللہ مدد"، "المدد یا رسول اللہ" یا یوں کہتا ہے کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! میری مدد فرمایئے"۔

غور کریں یہ آدمی کس سے مدد مانگ رہا ہے؟ کس سے دُعاء کر رہا ہے؟ کس کی عبادت کر رہا ہے؟ کیا یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے؟ ہر گز نہیں! بلکہ یہ آدمی رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے دُعاء کر رہا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی عبادت کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ آدمی صریحاً غیر اللہ کی عبادت کر رہا ہے جس کے شرک ہونے میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح "یا علی مدد" کہنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت کر رہا ہے اور شرک کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور المدد یا غوث کہنے والا غوث پاک کی عبادت کر رہا ہے۔ اور شرک فی العبادت یعنی الوہیت میں شرک کا ارتکاب کر رہا ہے۔

صفات میں شرک:

اس کی تعریف یہ ہے کہ جو صفات کمال خدا کے لئے مخصوص ہیں' اس مفہوم خاص میں کسی اور کو ساجھی' شریک یا حصہ دار قرار دینا۔ اس میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس مفہوم میں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اس مفہوم میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا۔ کیونکہ یہی صفتیں ہم بعض اوقات انسانوں کے لئے بھی بولتے ہیں لیکن جب ہم ان کو اللہ کے لئے بولتے ہیں تو ان کا مفہوم بالکل خاص ہوتا ہے۔

مثلاً "مددگار' یا مدد کرنے والا"۔ یہ صفت آدمی اور خدا دونوں کے لئے بولی جاتی ہے' جب ہم اس صفت کو انسان کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے لیکن جب ہم اس صفت کو خدا کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم بالکل خاص ہوتا ہے۔ اگر اس صفت کو انسان کے لئے اس مفہوم میں بول دیں جس مفہوم میں اللہ کے لئے بولتے ہیں تو یہ صفات میں شرک ہوگا۔

جب اللہ تعالیٰ کے لئے مددگار کی صفت بولی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ "یا اللہ مدد" تو ایسا کہنے والا اس مفہوم میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ وہ ہر وقت' ہر جگہ اور ہر کسی کی بغیر کسی ظاہری اسباب کے ہر قسم کی فریاد سننے اور اسے پورا کرنے پر قادر ہے۔ اس مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی اور کو پکارا جائے تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ مثلاً "یا علی مدد" کہنے والا بالکل

اسی مفہوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فوت ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور اگرچہ سننے سنانے کے ظاہری اسباب موجود نہیں ہیں لیکن اس کا اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر وقت' ہر جگہ سے اور ہر کسی کی' بغیر کسی ظاہری اسباب کے ہر قسم کی فریاد سننے اور پھر اسے پورا کرنے پر قادر ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتو پھر یا علی مدد کہنے کا کوئی مقصد نہیں رہ جاتا۔ اور یہ صریحاً شرک ہے' کیونکہ ایسا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ سننے سنانے اور حاجت روائی کی اس قسم کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ یہی حال ''یا رسول اللہ مدد'' اور ''المدد یا غوث'' وغیرہ کہنے کا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: کون سی پکار شرک ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محض کسی کو پکارنا شرک نہیں' صرف وہ پکارنا شرک ہے جو کسی کو معبود سمجھ کر پکارا جائے۔ یہ بات اس حد تک تو یقیناً صحیح ہے کہ جب ہم آپس میں ظاہری اسباب کے مطابق ایک دوسرے کو پکارتے یا بلاتے یا مدد طلب کرتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کو معبود یا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتے۔ اس لئے یہ یقیناً شرک نہیں ہے' نہ اسے آج تک کسی نے شرک سے تعبیر ہی کیا ہے' اصل مابہ النزاع پکارنا جو ہے' وہ اور ہے اور وہ ہے کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے پکارنا' اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا' دور اور نزدیک سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ میری فریاد سننے پر اور اس کے مطابق فریاد رسی پر قادر ہے' دراں حالیکہ وہ فوت شدہ ہے یہ پکارنا شرک ہے جس طرح لوگ ''یا علی مدد'' کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو' بعض لوگ ''یا رسول اللہ مدد'' کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بعض لوگ ''یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ'' یا ''المدد یا غوث اعظم'' کہہ کر پیر جیلانی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں' یہ پکارنا ظاہر بات ہے مافوق الاسباب طریقے سے ہے' کیونکہ ان میں سے کوئی بھی پکارنے والے کے سامنے زندہ موجود نہیں ہے۔ گویا پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگرچہ ان کو فوت ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں' ان کی قبریں بھی ہزاروں میل کے فاصلے پر ہیں' لیکن ان سب کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی طرح میری فریاد سن سکتے ہیں اور میری حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ تب ہی تو وہ ہزاروں میل کے فاصلے سے ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے۔ حاجت براری کے لئے ان سے دُعائیں کرتا ہے اور ان کی خوشنودی کے لئے ان کے نام کی نذر نیازیں دیتا ہے۔

لہٰذا اصل اختلاف اس ''پکار'' میں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے کسی فوت شدہ ہستی کو مشکل کشائی اور مدد حاصل کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے کیوں کہ اس طریقے سے کسی مردہ

کو پکارنا' یہ اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ بریلوی حضرات یہ تو کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس بات کی ممانعت فرماتا ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ کے ساتھ کسی کو "الٰہ"، "معبود"، "عبادت کے لائق" سمجھ کر نہ پکارا جائے۔ بالکل یہی بات ہم کہتے ہیں' پھر اختلاف کیوں؟

اختلاف یہ ہے کہ بریلوی حضرات یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ پکارا جائے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے پکارنا' اس سے دُعائیں کرنا' اس کے نام کی نذر نیاز دینا' اس سے نفع وضرر کی امید رکھنا' یہ اس کو "الٰہ" اور "معبود" بنانا ہی ہے۔ اور یوں وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیوں کہ دُعاء بھی عبادت ہے' نذر و نیاز بھی عبادت ہے' جو وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کے لئے بھی کرتے ہیں۔ بریلوی اللہ سے بھی دُعائیں کرتے ہیں مردہ بزرگوں سے بھی دُعائیں کرتے ہیں' اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں اور بزرگوں کے ناموں کی بھی نذر و نیاز دیتے ہیں' اللہ سے بھی نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مافوق الاسباب نفع وضرر کی اُمید رکھتے ہیں' اللہ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں' اللہ کو بھی دور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا تسلیم کرتے ہیں اور بزرگوں کے اندر بھی یہ قوت یا صفت تسلیم کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ شرک اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا جائے یا اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت کسی اور میں تسلیم کر لی جائے اور مذکورہ افعال سارے ایسے ہیں کہ ان میں یا تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت ہوتی ہے یا اللہ کی صفت میں مردہ بزرگوں کو شریک سمجھا جاتا ہے۔

بریلوی حضرات اس شرک صریح کا ارتکاب کرتے ہیں' یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے ہیں یا اللہ کی صفات بزرگوں میں بھی مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو شرک نہیں کرتے' کیونکہ شرک تو اس وقت ہوتا جب ہم انہیں معبود سمجھ کر پکارتے' حالانکہ جب ان کے اندر خدائی صفات تسلیم کر لی گئیں یا خدا کی طرح ان کو حق عبادت میں شریک کر لیا گیا تو وہ "معبود" تو بن گئے۔ آپ انہیں معبود کہیں یا نہ کہیں جب معبود والی چیزیں ان کے لئے مان لی گئیں تو وہ "معبود" از خود بن گئے۔ جس طرح پتھر کی مورتی کی پوجا کرنے والا ہے۔ وہ بھی اسے خدا یا معبود نہیں سمجھتا' بلکہ اسے خدا کا مظہر یا اوتار سمجھ کر اس سے دُعائیں کرتا ہے' اس کے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہے یعنی نذر دیتا ہے۔ اس سے نفع وضرر کی امیدیں رکھتا ہے اور اسے فریادرس اور حاجت روا سمجھتا ہے' اور اسے وسیلہ' واسطہ اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ مسلمان اس کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مشرک ہے کیوں کہ پتھر

کی مورتی کی پوجا کرتا ہے حالانکہ اسے وہ معبود نہیں سمجھتا' نہ معبود سمجھ کر اسے پکارتا ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مشرک ہے۔ کیونکہ وہ مورتی کو معبود سمجھتا ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اس پجاری کا معاملہ وہی ہے جو ایک عابد اور معبود کے درمیان ہوتا ہے' اس لئے وہ یقیناً مشرک ہے۔

لیکن یہی مسلمان قبروں کے ساتھ یا مردہ بزرگوں کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے تو کہتا ہے یہ شرک نہیں' حالانکہ مشرکین مکہ بھی لات وعزیٰ اور منات وہبل کو معبود نہیں سمجھتے تھے' وہ بھی ان کو خدا کا وسیلہ اور ذریعہ تقرب سمجھتے تھے' جیسا کہ خود قرآن مجید نے اس کی وضاحت کی ہے کہ قوم نوح جن پانچ بتوں کو پوجتی تھی وہ بھی معبود نہیں تھے' ان کے نیک بندے ہی تھے (جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے)۔ اس لحاظ سے تو قوم نوح علیہ السلام نے بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا' اور قرآن دیگر مشرکوں کے بارے میں بھی کہتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ [الاعراف: ۷/ ۱۹۴]

''جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں''۔

گویا کسی دور میں بھی ایسے شرک کا وجود کبھی نہیں رہا کہ جس میں غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارا گیا ہو بلکہ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی ہی تصویریں' مورتیں یا قبریں یہ سمجھ کر پوجی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے' وفات کے بعد اللہ سے ان کا ''وصال'' ہو گیا ہے اور یہ اب اللہ کے مظہر یا اوتار ہو گئے ہیں' ان کے ذریعے سے ہی ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں' ان کے وسیلے سے ہی ہماری دُعائیں اور التجائیں سنی جاسکتی ہیں اور ان کے نام کی نذریں نیازیں دے کر ہی ہم اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔ قرآن نے اسی عقیدہ وعمل کو شرک کہا ہے' اور اس کے مرتکبین کو مشرک' اگر قرآن کریم کی صراحت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر بریلوی اور شیعوں کا عقیدہ وعمل بھی وہی ہے جو گزشتہ مشرک قوموں کا عقیدہ رہا ہے تو ان کا شرک' شرک کیوں نہیں؟ محض عنوان بدل دینے سے تو شرک کی ماہیت وحقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی' جب ان دونوں گروہوں (بریلوی اور شیعوں) کا عقیدہ و عمل بھی فوت شدگان کے ساتھ وہی ہے جو مشرک قوموں کا اپنے بتوں کے ساتھ رہا ہے' تو پھر دونوں کے درمیان فرق وامتیاز کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ کیوں کر قرین عدل ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو مشرک قرار دیا جائے' جب کہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرے تو اسے مشرک تسلیم کرنے سے گریز کیا جائے۔

پس یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ مطلق پکار عبادت نہیں ہے بلکہ وہ پکار عبادت ہے جو کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے ہو' اس طریقے سے اگر اللہ کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد کی درخواست کی جائے گی تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی' کسی پتھر کی مورتی کو پکارا جائے گا یعنی اس

سے مدد طلب کی جائے گی تو اس مورتی کی پوجا (عبادت) ہوگی' قبر میں مدفون کسی شخص کو پکارا جائے گا یعنی اس سے استغاثہ واستعانت کی جائے گی تو یہ اس بزرگ کی عبادت ہوگی۔

اس لئے مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہنا جائز ہے یا نہیں۔ کیوں کہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب' حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر نہیں ہیں تو وہ ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہہ لے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں' جس طرح ''التحیات'' میں السلام علیک ایہا النبی کہا جاتا ہے۔ اگر بریلوی حضرات بھی یہ تسلیم کرلیں کہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عالم الغیب' حاضر و ناضر' سمیع و بصیر اور دور نزدیک سے فریادیں سننے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے' ہم کسی نبی' ولی اور بزرگ کے اندر یہ صفات الٰہی تسلیم نہیں کرتے تو یقیناً ان کا ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہنا شرک نہیں ہوگا۔ اسے غلط ترکیب ضرور کہا جائے گا لیکن اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔

لیکن اصل بات یہی ہے کہ بریلوی حضرات کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کا ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہنا محض ''السلام علیک ایہا النبی'' کے قبیل سے نہیں ہے کہ جسے جائز تسلیم کرلیا جائے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب' حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہیں' جیسے جب ہم ''یا اللہ'' کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری اس ندا کو سنتا ہے اسی طرح جب ہم ''یا رسول اللہ'' کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہماری اس ندا کو سنتے اور جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ اب صرف ''یا رسول اللہ'' کہنے یا نہ کہنے کا نہیں رہا بلکہ اب یہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ پایا ہے۔ اور ''یا رسول اللہ مدد'' اور ''المدد یا رسول اللہ'' کے اسٹیکرز بھی عام ہو گئے ہیں۔ پہلے صرف ''یا علی مدد'' کا نعرہ عام تھا۔ اہل توحید نے اس کے مقابلے میں کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس مشرکانہ نعرہ کی بجائے ''یا اللہ مدد'' کا نعرہ عام ہو۔ چنانچہ انہوں نے ''یا اللہ مدد'' کے اسٹیکرز عام کئے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شیعوں کے ایجاد کردہ مشرکانہ نعرے سے اہل سنت کے سادہ لوح عوام کو بچایا جائے مگر بریلوی حضرات نے ''یا اللہ مدد'' کے مقابلے میں ''یا رسول اللہ مدد'' کے اسٹیکرز چھپوا لئے اور یوں مزید ایک ایسا نعرہ ایجاد کرلیا جس میں اللہ کی بجائے اللہ کی ایک برگزیدہ مخلوق (پیغمبر ﷺ) سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ ''یا علی مدد'' یا ''یا رسول اللہ مدد'' کے نعروں کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ نعرے لگانے والوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ ما فوق الاسباب طریقے سے اور دور اور نزدیک سے ہماری فریادیں سن سکتے ہیں' ہماری مدد کر سکتے ہیں اور ہمیں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور کیا اس عقیدے کے ساتھ کسی کو پکارنا اس کی عبادت نہیں ہے؟ کیا یہ ''عبادت'' مسجدوں میں نہیں ہو رہی ہے؟ اور کیا یہ ﴿ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ

اَحَدًا﴾ کے صریحاً خلاف نہیں ہے؟

جب اللہ کے علاوہ کسی اور کے متعلق یہ عقیدہ بنالیا جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ سے ہر وقت دُعاء اور پکار کو سنتے ہیں' صاحب تصرف اور قدرت بھی ہیں' دینا اور دلانا ان کے بس میں ہے' تب ہی ان کو مشکل میں پکارا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت اپنی حاجت ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور یوں ان کو علم و تصرف اور قدرت و اختیار میں اللہ کا شریک ہی نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ ان کو آواز دے کر ثابت کر دیا جاتا ہے کہ اصلی مالک یہی ہیں' کیونکہ غلام حاجت کے وقت اپنے آقا اور مالک ہی کو آواز دیتا ہے' کسی اور کو نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے برگزیدہ ترین نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ [الجن ۷۲/ ۲۰]

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ میں (حاجت کے وقت) صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں کسی اور کو پکار کر اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا"۔

مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے' کہیں دن ہے کہیں رات' کوئی غنی ہے کوئی فقیر' کوئی تندرست ہے کوئی بیمار' کہیں شادی کہیں جنازہ وغیرہ' یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ جبکہ آج کل کے بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ سارے کام اللہ کے بندے قبروں ومزاروں میں لیٹے لیٹے کر رہے ہیں' فلاں قبر سے بخار دور ہوتا ہے' فلاں درگاہ سے پھنسیاں دور ہوتی ہیں' فلاں مزار سے اولاد ملتی ہے اور فلاں بزرگ سے فلاں ضرورت پوری ہوتی ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ سب سے بڑے کافر ومشرک ہو کر بھی توحید ربوبیت کے قائل تھے' یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خالق ومالک' رازق' زندگی وموت کا مالک' تدبیر یا تصرف کا اختیار رکھنے والا' دیکھنے اور سننے کی طاقت دینے والا صرف ایک اللہ ہے' لیکن وہ توحید الوہیت یعنی توحید عبادت کے منکر تھے' یعنی وہ اس بات کے منکر تھے کہ تمام عبادتوں مثلاً رکوع وسجود' نذر ونیاز' ذبح وقربانی' دُعاء و پکار' استعانت وفریاد رسی' منت وطواف' خشوع وخضوع وغیرہ کا مستحق صرف ایک اللہ ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ کے نیک بندے و بزرگ جن کی انہوں نے مورتیاں و بت بنا رکھے تھے ان کو بھی پکارا جا سکتا ہے' ان کے لئے نذر ونیاز اور قیام' رکوع وسجدہ اور طواف جائز ہے' ان سے بھی مدد طلب کی جا سکتی ہے' یہ بھی دستگیر وفریاد رس ہیں اور یہ بھی نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ یہ تھا مشرکین مکہ کا عقیدہ۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل کے بعض مسلمان مشرکین مکہ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے کہ یہ توحید ربوبیت کے بھی منکر کہ رزق' شفاء' زندگی' اولاد' صحت وتندرستی اللہ کے علاوہ قبروں میں

لپٹے ہوئے بزرگوں سے بھی ملتی ہے اور توحید الوہیت کے بھی منکر کہ نذر و نیاز' طواف' قربانی' مدد' استعانت وفریاد رسی' دُعاء و پکار' منت وطواف وغیرہ اللہ کے علاوہ دوسروں سے بھی جائز ہے۔ یعنی جس چیز کے مشرکین مکہ قائل تھے وہ اس سے بھی منکر ہیں' شیطان نے جو کام مشرکین مکہ سے بتوں سے کروائے وہی کام موجودہ دور کے مسلمانوں سے قبروں و مزاروں سے کروائے۔ وہ بھی بتوں کی نذرونیاز دیتے تھے اوران کو پکارتے تھے اوران کے لئے ذبح کرتے تھے اور وہاں چلہ کشیاں کرتے تھے' وہاں کپڑے چڑھاتے تھے' قبروں اور مزاروں پر جانے والے یہی سب کچھ کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو رب تو نہیں مانتے ہم تو ان کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ بالکل یہی بات مشرکین مکہ کہا کرتے تھے' وہ بھی یہی سب کچھ کرنے کے بعد کہتے تھے کہ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے، بلکہ ہم تو تقرب الٰہی چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾[الزمر ۳۹/۳]

"اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہستیاں اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں"۔

﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾[یونس ۱۰/ ۱۰]

"اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔

اس لئے شیطان نے موجودہ دور میں بڑی ہی شاطرانہ اور خطرناک چال چلی اور لوگوں کو بتوں اور مورتیوں پر لگانے کی بجائے انہیں قبروں پر لگا دیا اور ان سے بتوں اور مورتیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے کام قبروں سے کروائے کیونکہ مقصد کام سے ہے نام سے نہیں۔

اب غور وفکر والی بات یہ ہے کہ جب مشرکین کا مصائب و مشکلات میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا قیامت کو کسی کام نہ آئے گا تو موجودہ دور کے مسلمانوں کا طرزِ عمل تو ان مشرکین سے بدتر وابتر ہے کہ یہ مصائب و آلام اور شدائد و مشکلات میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی بجائے اس کی مخلوق میں سے فرشتوں' انبیاء ورسل علیہم السلام اور اولیاء وصلحاء کو پکارتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو پکارتے بھی ہیں تو اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو بھی پکارتے ہیں اور اس طرح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾[یوسف ۱۲/ ۱۰۶]

"ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہیں"۔

پس آدمی کے مسلمان و موحد ہونے کے لئے صرف توحید ربوبیت کا اقرار واعتراف کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ توحید الوہیت و عبادت کا اقرار و عمل ضروری ہے۔ کیونکہ مشرکین مکہ اور دوسرے

مشرکین کو باوجود توحید ربوبیت کے قائل و معترف ہونے کے کافر و مشرک قرار دیا گیا' ان سے جنگ و قتال روا رکھا گیا' ان کے خون و مال کو حلال سمجھا گیا اور فتح و نصرت کے بعد ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ لہٰذا مسلمان و موحد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان توحید ربوبیت کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت و عبادت کا قائل و معترف ہو۔ یہی وہ اصل توحید ہے جس کے لئے تمام آسمانی کتب نازل ہوئیں اور انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث کیے گئے۔

پس توحید ربوبیت کا اثبات ایک ایسی چیز ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس میں شرک کم ہی ہوا ہے' لیکن مسلمان بننے کے لئے یہ کافی نہیں۔ اس کے لئے توحید الوہیت یا توحید عبادت کا اقرار بھی ضروری ہے۔ مشرکین مکہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے لیکن یہ توحید عبادت کے انکار کی وجہ سے مسلمان نہ بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا توحید نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا توحید نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا توحید ہے۔ مصیبت اور مشکل کے وقت اللہ کو پکارنا توحید نہیں بلکہ مصیبت اور مشکل کے وقت صرف اللہ ہی کو پکارنا توحید ہے۔

صرف غیر اللہ کی عبادت ہی شرک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرنا شرک ہے۔ صرف غیر اللہ کو پکارنا ہی شرک نہیں بلکہ اللہ کو پکارنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارنا شرک ہے۔ بلکہ اصل شرک ہی یہ ہے کہ انسان اللہ سے بھی مدد مانگے اور غیر اللہ سے بھی مدد مانگے۔ یا اللہ مدد بھی کہے اور یا علی مدد بھی کہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی حاضر ناظر کہے اور غیر اللہ کو بھی حاضر ناظر کہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی علم غیب کا مالک سمجھے اور غیر اللہ کو بھی عالم الغیب سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے اور غیر اللہ کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے۔ چاہے ذاتی سمجھے چاہے عطائی ہر صورت میں شرک ہے۔ ویسے عطائی کی بات ہی سرے سے غلط ہے کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ذاتی ہیں باقی اللہ کے علاوہ ہر نفس، ہر چیز اور اس کی ہر صفت عطائی ہے۔ سابقہ مشرکین بھی اپنے معبودوں میں تمام اختیارات عطائی ہی مانتے تھے۔ وہ کسی کو بھی ذاتی طور پر ان اختیارات کا مالک نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ اصل اور ذاتی اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ بزرگوں' بتوں اور انبیاء وغیرہ کو بعض صفات کا عطائی طور پر مالک سمجھتے تھے اور ان کے اس طرزِ عمل کو شرک کہا گیا۔

ایک نرالی منطق:

جو لوگ قبروں میں مدفون ہستیوں کو پکارتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو ان کا ایک جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان فوت شدگان کو اس لئے پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈائریکٹ (براہِ راست) نہیں سنتا بلکہ ان فوت شدہ بزرگوں کے واسطے سے سنتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ان کا عقیدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو ڈائریکٹ نہیں سنتا لیکن یہ فوت شدہ ہستیاں سینکڑوں ہزاروں میل کی دوری سے بغیر کسی ظاہری وسیلے کے ڈائریکٹ سن لیتیں ہیں۔ اس لئے انہیں براہِ راست پکارا جاتا ہے۔ اسی لئے یا علی مدد، مدد اے پیران پیر غوث اعظم، اے داتا گنج بخش بھر دو جھولی میری، جیسے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اب ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ، داتا گنج بخش اور پیر عبدالقادر جیلانی وغیرہ کو براہِ راست پکار رہا ہے۔ آپ بتائیں کیا اس شخص اور ان ہستیوں کے درمیان سننے سنانے کا کوئی واسطہ اور وسیلہ ہے۔ کیا اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ یہ ہستیاں بغیر کسی ظاہری واسطے کے ڈائریکٹ ہماری پکار کو سن لیتی ہیں۔

پتہ نہیں ایسے لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ ایسا عقیدہ سراسر قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے اور خلافِ عقل بھی کہ اللہ تعالیٰ تو براہِ راست سنتا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ کرنے کے لئے ان فوت شدہ بزرگوں کے واسطے اور وسیلے کی ضرورت پڑ گئی اور یہ فوت شدگان سینکڑوں، ہزاروں میل کی دوری سے، منوں مٹی کے نیچے سے اور بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے ڈائریکٹ بات سن لیتی ہیں۔ کیسی نرالی منطق ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بات سنانے کے لئے تو فوت شدہ بزرگوں کے واسطے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈائریکٹ نہیں سنتے تو یہ فوت شدہ بزرگ کسی واسطے کے بغیر ڈائریکٹ کس طرح سن لیتے ہیں؟

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ: کیا غیر اللہ سے مدد مانگنا دراصل اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے؟

بزرگانِ دین، اولیاء کرام، فوت شدگان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ و پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر کو پکارنے اور ان سے مدد چاہنے والے اس پکار کے حق میں ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام واحباب وغیرہ سب عونِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کا کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ

ہے' کیونکہ مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے' استعانت بالغیر نہیں۔

یا یوں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ یا داتا گنج کو پکارنا دراصل اللہ ہی کو پکارنا ہے۔ نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بزرگ صرف وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ ان سے مدد مانگنا دراصل اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ ان کی مدد غیر مستقل ہے۔ اصل اور مستقل مدد اللہ ہی کی مدد ہے۔ لہٰذا یہ شرک نہیں ہے۔

ہماری گزارشات:

خدارا بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پکار اور مدد دو قسم کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. براہِ راست پکار 2. وسیلہ کے ساتھ پکار

ان دونوں اقسام کی الگ الگ وضاحت کی جاتی ہے:

1 براہِ راست پکار:

براہِ راست یعنی بغیر کسی وسیلے کے پکارنا۔

مثلاً یا اللہ مدد' یا رسول اللہ مدد' یا علی مدد وغیرہ کہنا کیونکہ یہ بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے براہِ راست پکار اور ندا ہے۔

اس براہِ راست پکار کی بھی دو اقسام ہیں:

الف: ماتحت الاسباب پکار (یعنی ظاہری اسباب اور ذرائع کے تحت پکار)

ب: ماورائے اسباب پکار (یعنی ظاہری اسباب اور ذرائع کے بغیر پکار)

اب سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر باشعور آدمی کو یہ بات سمجھ جانی چاہیے کہ اسباب و ذرائع کے ماتحت ایک دوسرے سے تعاون و تناصر ایک الگ مسئلہ ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی الگ مسئلہ ہے۔ اوّل الذکر پر تو سارا انتظامِ کائنات قائم ہے اور اس کے بغیر دُنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام ہی ایسا قائم کیا ہے اور ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ ایک لکھ پتی بلکہ ارب پتی اور کھرب پتی بھی جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں سے امداد و تعاون حاصل نہیں کرے گا' وہ زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا' انبیاء علیہم السلام تک بھی ان اسباب و ذرائع کے مطابق ہی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس لئے ان اسباب و ذرائع کی اہمیت و افادیت ان کی ہمہ گیری و ناگزیری اور ہر شخص کے لئے ان کی احتیاج و ضرورت محتاج وضاحت نہیں۔ یہ بالکل جائز' درست بلکہ باعث اجر و

ثواب ہے اور نہ یہ مابہ النزاع ہے۔ اس کا کوئی جھگڑا نہیں۔

اصل مسئلہ توجہ طلب جو ہے' وہ ہے ثانی الذکر صورت' یعنی ماورائے اسباب طریقے سے اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا' مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھنا۔ کیا یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ماتحت الاسباب کسی سے امداد و تعاون حاصل کرنا؟ ظاہر بات ہے دونوں یکساں نہیں' ان کے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے' مشرق و مغرب کا بعد ہے' رات اور دِن کا سا تفاوت ہے۔ مدد اور پکار لغیر اللہ کی بحث میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے عظیم اور نمایاں فرق کو نظر انداز کر کے صرف اسباب و ذرائع کی ناگزیری سے استدلال کرتے ہوئے یہ باور کرانا کہ فوت شدہ بزرگانِ کرام سے مدد چاہنا اور ان سے حاجت روائی و مشکل کشائی کرنا بھی جائز ہے اور اس کو شرک کہنا عقیدۂ باطلہ ہے' ایک بہت بڑا مغالطۂ انتہائی بددیانتی اور تلبیس کاری ہے۔

اس لئے برائے مہربانی کھلے ذہن کے ساتھ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم جس مدد اور پکار کو شرک کہتے ہیں کہ وہ اسباب و ذرائع کے ماتحت والی مدد نہیں بلکہ وہ ماورائے اسباب طریقے سے احاجت روائی اور مشکل کشائی ہے۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ غیر حاضر یا فوت شدہ شخص کو غائبانہ طور پر ایسی جگہ سے جہاں ظاہری اسباب مثلاً حواس خمسہ' ٹیلیفون وغیرہ ظاہری طور پر کام نہیں کرتے کسی ہستی کو اس عقیدے کے ساتھ پکارنا کہ وہ میری بات سنتا اور سمجھتا ہے اور میری اس حاجت اور ضرورت کو پوری کرنے پر قادر ہے۔ ایسی پکار اور مدد کو ماورائے اسباب پکار اور ماورائے اسباب مدد کہتے ہیں۔ اور اسی کو ہم شرک کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کسی مشکل میں مبتلا ہے اور وہ مدد کے لئے اللہ کے سوا کسی ایسی ہستی کو پکارتا ہے جو کسی ایسی جگہ پر ہے یا ایسی حالت میں ہے کہ ظاہری اور حقیقی اسباب (مثلاً آواز' ہوا' ٹیلیفون' انٹرنیٹ' وائرلیس وغیرہ) کے ذریعے نہ تو اس کی آواز اور پکار اس ہستی تک پہنچ سکتی ہے ہے اور نہ ہی وہ اس کی پکار سن سکتی ہے لیکن پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے اس ہستی کو پکارتا ہے کہ اگرچہ سننے سنانے کے ظاہری اسباب موجود نہیں مگر وہ میری پکار سن لیتا ہے' اگرچہ اس ہستی کے پاس میرے حالات جاننے کے ظاہری اسباب موجود نہیں ہیں مگر وہ میرے حالات سے واقف ہے۔ اگرچہ اس کے پاس میری مشکل دور کرنے کے ظاہری اسباب موجود نہیں ہیں مگر وہ پھر بھی میری مشکل کشائی اور حاجت روائی کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ پکار اور مدد مافوق الاسباب یا ماورائے اسباب ہے۔ اس قسم کی پکار اور مدد کسی غیر اللہ کے لئے چاہے وہ نبی ہو یا ولی' بت ہو یا قبر' زندہ ہو یا مردہ' شرک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی پکار سننے اور حاجت روائی کرنے کا اختیار اور صفت صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔ ظاہری اسباب کے بغیر جاننا'

سننا اور مدد کرنا صرف اللہ ہی کی قدرت اختیار میں ہے۔ جبکہ اللہ کے سوا ہر کوئی سننے' جاننے اور مدد کرنے کے لئے اسباب کا محتاج ہے۔

اس کی بہترین مثال فوت شدگان کو پکارنا ہے۔ یہ فوت شدگان پکارنے والے سے بعض اوقات کئی سو کلومیٹر کے فاصلے پر منوں مٹی کے نیچے دفن ہوتے ہیں۔ اب پاکستان میں رہ کر ایک شخص اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یا پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو پکارتا ہے' تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ پکار سننے اور سنانے کا کوئی ظاہری ذریعہ اور سبب موجود نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا حقیقی ذریعہ موجود نہیں ہے کہ ہم اپنی آواز ان ہستیوں تک پہنچا سکیں' اور نہ ان ہستیوں کے پاس کوئی ایسے حقیقی ذرائع موجود ہیں کہ وہ ہماری آواز سن سکیں۔ اور نہ ہی ان ہستیوں کے پاس کوئی ایسے حقیقی وسائل موجود ہیں کہ وہ ہماری مدد کر سکیں۔ ان سب باتوں کے باوجود ان ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ ظاہری طور پر سننے' سنانے اور حاجت روائی کے اسباب موجود نہیں لیکن وہ پھر بھی میری آواز سن کر میری مشکل دور کرنے پر قادر ہیں تو یہ پکار اور مدد مافوق الاسباب ہے اور اس قسم کی پکار اور مدد شرک ہے۔

ویسے اگر ہم اپنے سامنے موجود حاضر شخص کو یا ٹیلیفون وغیرہ پر کسی شخص کو یا پیغام بھیج کر کسی شخص سے کسی کام کا کہتے ہیں اور وہ ہماری مدد کرتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز شرک نہیں۔ کیونکہ یہ ظاہری اور حقیقی اسباب کے تحت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا قرآن و حدیث میں کہیں بھی یہ موجود ہے کہ فوت شدہ شخص کو اپنی مدد کے لئے پکارو کہ وہ بھی عونِ الٰہی کا مظہر ہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیشرو پیغمبروں سے استمداد و استعانت کی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبروں میں مدفون بزرگوں سے اپنی حاجات طلب کیں؟ انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا؟ اور آج کل قبروں پر جو گرم بازاری ہے کیا عہد صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی مثال کسی صحیح سند سے ملتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الفاظ کی شعبدہ بازی اور تاویلات سے شرک کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرک' شرک ہے' چاہے اس کا مرتکب پتھر کا پجاری ہو یا کسی قبر کا مجاور یا کسی فوت شدہ بزرگ سے استمداد و استعانت کرنے والا۔ کیوں کہ یہ سب غیر اللہ میں خدائی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ ہندو کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ جس پتھر (مورتی) کی پوجا کر رہا ہے وہ ما فوق الاسباب طریقے سے اس کی حاجت روائی پر قادر ہے' قبر کا مجاور بھی قبر میں مدفون بزرگ کی بابت یہی عقیدہ رکھتا ہے اور ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے استمداد کرنے والے شخص کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہ سب اپنے اپنے بزرگوں اور معبودوں کو خدائی صفات کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے ہیں اور انہیں مافوق الاسباب طریقے پر فریاد رس سمجھنا' حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا اور نافع و ضار سمجھنا' یہی شرک ہے کیوں کہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننا اور ماورائے

اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا' یہ صرف اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا کام ہے' یہ صفات اللہ کے سوا کسی اور میں اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہوگا۔

2 وسیلہ کے ساتھ پکار:

پکار کی یہ دوسری قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ اور واسطہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے۔ اس کی چار بڑی اقسام ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ (ان کی تفصیلی وضاحت آگے باب نمبر ۹ میں آ رہی ہے' یہاں صرف تعارفی ذکر کیا جا رہا ہے)۔

الف: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا اس کی صفات کے ذریعے وسیلہ:

مثلاً کوئی یوں دعا کرے: ''اے اللہ! تجھے تیری رحمت اور کبریائی کا واسطہ کہ مجھے بخش دے''۔

یہ وسیلہ درست' جائز اور باعث اجر وثواب ہے۔

ب: اپنے کسی عمل صالح کا وسیلہ:

مثلاً کوئی یوں دُعا کرے: ''اے اللہ! میں یہ ۱۰۰۰ روپے مسجد کی تعمیر کے لئے دے رہا ہوں کہ تو راضی ہو جائے۔ اے اللہ! مجھے میرے اس نیک عمل کے واسطے بخش دے''۔

یہ وسیلہ بھی درست جائز اور باعث اجر وثواب ہے:

ج: نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ:

اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کسی مشکل میں مبتلا ہو تو وہ کسی نیک اور صالح آدمی کے پاس جائے اور اس سے تقاضا کرے کہ میرے لئے دُعا کرے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مشکل سے نجات دے دے۔

یہ وسیلہ بھی درست' جائز اور باعث اجر وثواب ہے۔

د: نیک آدمی کی ذات کا وسیلہ:

مثلاً کوئی آدمی یوں دعا کرے کہ ''اے اللہ! میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے واسطے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے''۔

یہ وسیلہ درست نہیں۔ اس قسم کے وسیلہ کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ اختیار کیا ہو۔ اور نہ ہی اللہ اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ نے اس وسیلہ کی تعلیم دی ہے۔

اہل مکہ بھی اپنے بزرگوں' نبیوں اور ان کے بتوں کو وسیلہ سمجھ کر ہی پکارتے تھے' اور ان کے اسی

طرزِ عمل کو شرک کہا گیا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے۔

مخالفین کی دو عقلی دلیلیں:

دلیل نمبر 1: بزرگانِ دین کو سفارشی سمجھ کر پکارنے والا طبقہ ایک عذر یا عقلی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ جناب! اگر آپ کسی بادشاہ یا گورنر سے ملنا چاہیں تو براہِ راست نہیں مل سکتے بلکہ اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے زینہ بزینہ واسطے اختیار کرنے پڑیں گے' پہلے کلرک اور اس کے سیکرٹری کو ملنا ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بزرگانِ دین کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مگر یہ دلیل نہ صرف یہ کہ انتہائی بودی ہے بلکہ احمقانہ بھی ہے۔ اگر بادشاہ یا گورنر خود آپ کے پاس کھڑے ہو کر کہے کہ ''مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو' اپنی درخواست پیش کرو' میں منظور کرلوں گا'' تو کیا اس وقت بھی آپ اس کے دفتر والوں' سیکرٹری کو ڈھونڈتے پھریں گے کہ وہ ''واسطے اور وسیلے'' آئیں تو ان کے واسطے سے درخواست پیش کروں۔

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ اللہ کے دربار تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت ہے یا براہِ راست بھی اس سے درخواست اور التجا کی جاسکتی ہے؟ وہ اعلان کرتا ہے:

﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [المؤمن : ٤٠/ ٦٠]

''تم مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں کا جواب دوں گا''۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾ [البقرة : ٢/ ١٨٦]

''پکارنے والا جب بھی (دِن ہو یا رات' صبح ہو یا شام) مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو سن کر جواب دیتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ تم مجھ سے براہِ راست (ڈائریکٹ) نہ مانگو یا جب مجھ کو پکارو تو نیک بندوں کے وسیلے اور واسطے سے (اِن ڈائریکٹ) پکارو۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس شخص سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہوگا جس کے سامنے بادشاہ کھڑا کہہ رہا ہو کہ ''اپنی درخواست پیش کرو'' اور وہ اپنی درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈتا پھرے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی مثال بادشاہ یا گورنر یا ڈی سی سے دینے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [نحل: ١٦/ ٧٤]

''پس اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

خالق کو مخلوق پر' مسجود کو ساجدین پر' مالک کو غلاموں پر اور رازق کو مرزوق پر قیاس کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ بلکہ یہ سراسر گمراہی ہے اور اکبر الکبائر گناہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو وحدہٗ لا شریک ہے۔ اس کی کوئی مثال ہے ہی نہیں۔ پھر بادشاہ' گورنر یا جج وغیرہ نہ تو حاضر و ناظر ہیں' نہ عالم الغیب اور نہ ہی سمیع و بصیر' کہ وہ بغیر کسی کے بتائے لوگوں کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو سکے۔ جب کہ اللہ تو ظاہر و باطن' حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ رات کی تاریکیوں اور پہاڑوں کی غاروں میں ہونے والے کاموں کو جانتا ہے' وہ حاضر و ناظر' عالم الغیب اور سمیع و بصیر ہے' وہ ہر ذی روح کی فریاد سننے اور اسے پورا کرنے پر قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ گورنر اور جج کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟

دلیل نمبر 2: بزگانِ دین کو سفارشی سمجھ کر پکارنے والے لوگ ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تک پہنچنے کے لیے بزرگانِ دین کے واسطے اور وسیلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر یہ دلیل پہلی دلیل سے بھی بڑھ کر کمزور ہے۔ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ چھت مجھ سے دور ہے اور میں بغیر سیڑھی کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن کیا جس اللہ کو ہم پکار رہے ہیں وہ بھی ہم سے دور ہے؟!!

نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ جس اللہ سے ہمارا معاملہ ہے وہ ہمارے قریب ہے۔ شہہ رگ سے بھی قریب۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اعلان فرمایا:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ﴾[البقرة : ٢/ ١٨٦]

''(اے میرے پیغمبر!) جب لوگ آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں''۔

وہ صرف قریب ہی نہیں بلکہ اتنا قریب ہے کہ رگِ جان اتنی قریب نہیں۔ ہم خود اپنی ذات سے اتنے قریب نہیں جتنا وہ قریب ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ ﴾[ق : ٥٠/ ١٦]

''اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کے دِل میں آتے ہیں' اور ہم شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

تو کیا شہہ رگ تک پہنچنے کے لئے کسی سیڑھی' کسی وسیلہ اور ذریعہ کی ضرورت ہے؟ جو ہستی دِل میں پیدا ہونے والے خیال اور وسوسے تک جان لیتی ہے' اس کو اپنی بات سنانے کے لئے کون سی سیڑھی

اور کون سے وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ دلیل بھی خالق کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کے ذیل میں ہی آتی ہے۔ جس کے متعلق ہم دلیل نمبر 1 میں درج کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے مختلف مثالیں بنانا جائز نہیں' بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔

مسلمان' مشرکین کے نقش قدم پر:

مشرکین نے اپنے بت پیغمبروں اور بزرگوں کی شکل وصورت پر بنا رکھے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ بزرگ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے' اس کی مثال اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہو گئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جب وہ ان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ قبروں والے بزرگ عنداللہ ان کی سفارش کریں گے۔ یہ لوگ بعینہٖ مشرکین مکہ کے نقش قدم پر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بتوں کی جگہ قبروں نے لے لی ہے کیونکہ یہ مشرکین عرب جس طرح دنیوی ضروریات اصلاحِ معاش' وسعتِ رزق وغیرہ حاجات یا نجاتِ آخرت کی عنداللہ سفارش کے لیے اپنے بزرگوں کی شکل و صورت پر گھڑے ہوئے بتوں کے سامنے شرکیہ اعمال اور پوجا پاٹ کرتے تھے' کہ وہ بزرگ اور خاصانِ خدا جن کے یہ بت ہیں یا مورتیاں ہیں وہ بزرگ اس تعظیم اور عبادت کی وجہ سے خوش اور رضا مند ہو جائیں گے اور خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر کے ہماری مشکلات حل اور ضروریات پوری کرا دیں گے' اسی طرح اس زمانے کے مدعیانِ اسلام اولیاء اللہ کی قبروں پر دنیوی حاجت روائی و مشکل کشائی یا نجاتِ اُخروی کے لئے انہیں پکارتے ہیں۔ قبروں کی چوما چاٹی کرتے ہیں' طواف کرتے ہیں' چڑھاوے چڑھاتے ہیں' نذریں' منتیں مانتے ہیں' آہ و فریاد کرتے ہیں' روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

پہلے زمانہ میں یہ تصور تھا کہ یہ اولیاء اللہ ہمارے ان شرکیہ اعمال سے راضی اور خوش ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے اور اپنے اللہ سے ہمارا کام کرا دیں گے' مگر آج تو اللہ کو سفارش کرنے یا اللہ سے کام کرا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تو اکثر و بیشتر یہی ایمان و ایقان ہے کہ سب کچھ صاحبِ قبر' حضرت صاحب کے اختیار میں ہے۔ مشکل کشائی یہ خود کریں گے۔ حاجت روا یہ خود ہیں۔ ایک حضرت صاحب نے تو برملا یہاں تک کہہ دیا ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟
لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمدؐ سے!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اس لئے مشرکین کا یہ قول ہے کہ: ''ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اہلیت ہی نہیں' ہم بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بت عنداللہ ہماری سفارش کریں گے''۔

یا مشرکین کا یہ کلام کہ: ''ان کی عبادت کے بغیر خدا کی عبادت قبول نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ کا رتبہ بہت بلند ہے' اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا' لہٰذا ان کی عبادت ضروری ہے تا کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں''۔

مشرکین مکہ کے اس مذکورہ بالا قول و کلام اور عہد حاضر کے مسلمانوں کا یہ قول کہ: ''مکان پر چڑھنا ہو تو پہلے سیڑھی کا انتظام کرنا ہوگا' بھلا سیڑھی کے بغیر مکان پر کون چڑھ سکتا ہے؟'' یا یہ دلیل کہ بادشاہ یا حاکم اعلیٰ سے کوئی کام ہو تو براہِ راست عرض نہیں کیا جاسکتا' پہلے نچلے درجہ کے حکام اور افسروں کی خدمت میں درخواست گزاری جائے گی' وہ اُوپر اقتدارِ اعلیٰ تک پہنچائیں گے تب کام ہوگا۔ ہماری وہاں تک رسائی کہاں؟ یا یہ کہ براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں درخواست و دُعا جلد قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اپنی دُعائیں ان بزرگوں' اللہ والوں سے کریں گے' وہ آگے اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے' اور ہمارا کام کرادیں گے''۔

سولہ آنے توافق و تطابق ہے' مشرکین و ''مسلمین'' کی سوچ و فکر اور عقیدہ و ایمان میں مشابہت کاملہ ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ایک منطق کل کے مشرکین کی تھی اور ایک دلیل آج کے ''مسلمین'' کی ہے۔

صریح شرک کا ایک نمونہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو فوت شدہ بزرگوں کو صرف بطورِ ''وسیلہ'' پکارتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض تکلف ہے' خدائی صفات تسلیم کئے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریق سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر ہم مخاطبین کے مشہور رسالے سے ایک نظم پیش کرتے ہیں جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے' جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پرست چاہے تاویلات کے کیسے ہی حسین غلاف چڑھالیں۔ الفاظ کے خوب مینا بازار سجالیں اور کیسے ہی خوش کن عنوانات اختیار کرلیں' لیکن ان کا عقیدہ و عمل صریحاً مشرکانہ ہے۔ لیجئے! ذرا دِل پر ہاتھ رکھ کر نظم ملاحظہ فرمائیں:

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا
ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوث اعظم کا
ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے' بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا' غوث اعظم کا
جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا
گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا
سمجھ میں آ نہیں سکتا معمہ غوث اعظم کا
شفا پاتے ہیں صد ہا جاں بلب امراض مہلک سے
عجب دارالشفا ہے آستانہ غوث اعظم کا
بلاد اللہ کی تحت حکمی سے یہ ظاہر ہے
کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا
حکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا
ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل محفل پر
جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا
جو حق چاہے وہ یہ چاہیں' جو یہ چاہیں وہ حق چاہے
تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا
فقیہوں کے دِلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو
دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا
فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے
یہ دربارِ الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا
لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے ان کو
تو پھر کیسے نہ ہوتا' بول بالا غوث اعظم کا
رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسر مجلس
بجے کیونکر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا
ہمارا ظاہر و باطن ہے ان کے آگے آئینہ
کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا[1]

نظم کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیں کہ کس فراخدلی سے خدائی صفات کا اثبات ایک فوت شدہ بزرگ کے حق میں کیا گیا ہے۔

غلو عقید کا کرشمہ:

غلو عقیدت کے درج ذیل واقعہ کا تعلق حلقۂ دیوبند سے ہے۔ ہم اسے بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔

کراماتِ امدادیہ ص ۱۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے ایک مرید کسی بحری جہاز سے سفر فرما رہے تھے کہ ایک تلاطم خیز طوفان سے جہاز ٹکرا گیا' قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جائے' اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ:

''مرید نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں' اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر (مرید نے) اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا' اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا' اللہ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے۔ اسی وقت آ گبوٹ (جہاز) غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات

---

[1] ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ ﷺ'' گوجرانوالہ، جلد ۱۵، شمارہ ۶، مئی ۱۹۷۳ء۔

ملی"۔ ادھر تو قصہ پیش آیا۔ ادھر اگلے روز مخدومِ جہاں شاہ صاحب اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ' نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا' آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا' حضرت یہ تو کہیں سے رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے کر گئے۔ فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جا رہا تھا' اس میں ایک تمہارا دینی بھائی تھا' اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا' تب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی۔ اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا"۔ ❶

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا معنی:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ توحید عبادت کا اعلان ہے' کیونکہ الٰہ کے معنی معبود کے ہیں' اس لئے اس کلمہ کے معنی ہیں: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ کے سوا کوئی بھی کسی بھی قسم کی عبادت کا حق دار نہیں"۔ مشرکین مکہ نے کلمہ کے معنی بہت اچھی طرح سمجھ لئے تھے' اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ ان سے بتوں کی عبادت چھوڑنے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی یہ ہیں کہ بتوں کی عبادت کو چھوڑا جائے اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس لئے انہوں نے اس کلمہ کے پڑھنے کا انکار کیا۔ کیونکہ اس کے پڑھنے کے بعد لات ومنات وعزیٰ کی عبادت کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے کنانہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بازار ذوالمجاز میں فرماتے تھے:

"لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے"۔

ابو جہل آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ پر مٹی پھینکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: "لوگو! یہ تم کو تمہارے دین کے بارے میں دھوکا نہ دے دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی عبادت چھوڑ دو"۔ ❷

جبکہ آج کل کے قبر پرست اس فرق اور تناقض کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ اس کلمہ کو بھی پڑھتے ہیں اور مردوں کو بھی پکارتے ہیں۔ وہ یہ کلمہ اپنی زبانوں سے پڑھتے ضرور ہیں لیکن اس کے معنی کو بالکل نہیں سمجھتے۔ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بھی کہتے ہیں اور المدد یا عبدالقادر' یا علی مدد' یا رسول اللہ مدد' یا فرید' یا فلاں بھی

❶ کراماتِ امدادیہ، ص ۱۸.

❷ البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۹، ۱۴۱ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۷۳ ناشر مکتبہ عمر فاروق لاہور.

پکارتے ہیں۔ وہ ﴿ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴾ بھی کہتے ہیں اور فوت شدگان کو بھی مدد کے لئے پکارتے اور مصیبت میں ان سے فریاد بھی کرتے ہیں اور یہ طرزِ عمل توحید الوہیت کے سراسر منافی ہے اور شرک ہے۔

کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل کشا ہے؟ ایک سوال اور اس کی دس مختلف صورتیں:

① اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہستی مشکل حل کر سکتی ہے تو بتایئے کہ سائل اور مشکل کشا کے درمیان ہزاروں میلوں کی دوری پر وہ زندگی میں یا زندگی کے بعد قبر میں آواز سن سکتا ہے۔

② بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اتنے فاصلے پر آواز سن سکتا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ دنیا کی ہر زبان سے واقف ہے۔ مثلاً سرائیکی والا سرائیکی اور جرمن والا جرمن زبان میں مشکل پیش کرے گا۔

③ اگر یہ بات بھی ثابت کر دی جائے کہ وہ دنیا کی ہر زبان سے واقف ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ ایک لمحہ میں ہزاروں لوگ اپنی مشکل پیش کریں تو کیا وہ ان سب کی مشکلات اس لمحہ سن لے گا۔

④ کیا اس ہستی کو کبھی نیند آتی ہے یا وہ ہمیشہ جاگتا رہتا ہے؟ اگر اسے نیند آتی ہے تو پھر ہمیں پتہ ہونا چاہئے تا کہ صرف اسی وقت مشکل پیش کی جائے جب وہ جاگ رہا ہو۔

⑤ ایک بولنے سے قاصر شخص دل ہی دل میں اپنی مشکل پیش کرے تو کیا وہ اس کی بھی دلی فریاد سن لے گا۔

⑥ انسان کو بے شمار چھوٹی بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے' اگر غیر اللہ تمام مشکلات حل کر سکتا ہے تو اللہ کی کیا حاجت؟۔

⑦ اگر غیر اللہ تمام مشکلات حل کرنے پر قادر نہیں تو پھر ہمارے پاس فہرست ہونی چاہئے کہ کون سی مشکلات غیر اللہ حل کر سکتا ہے اور کون سی نہیں تا کہ ہم وہی مشکل اس کے سامنے پیش کریں جو وہ حل کر سکے۔

⑧ کیا خدا کے سوا کوئی ہستی ہے جو مشکل ڈال سکتی ہے یا اس کی ڈیوٹی صرف مشکلات حل کرنے کی ہے تو پھر مشکل ڈالنے والا کون ہے؟

⑨ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ مشکل ڈالنے والا اور غیر اللہ مشکل حل کرنے والا اگر ایک ہستی مشکل ڈالنے پر مصر ہو اور دوسری ہستی مشکل حل کرنے پر مصر ہو تو کون سی ہستی اپنا فیصلہ واپس لے گی۔

⑩ اللہ کے علاوہ جس ہستی کو مشکل کے وقت پکارا جاتا ہے وہ ہستی اپنی زندگی میں مشکل کے وقت کس کو پکارتی تھی؟

باب نمبر 4

مسئلہ علم غیب

اس باب میں

- علم غیب اور عالم الغیب
- وحی الٰہی اور غیب دانی کا تعلق
- شرک فی العلم
- علم غیب اور عطائی صفت
- اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے علم غیب کی نفی کے متعلقہ آیات واحادیث اوران کے متعلق یہ غلط فہمی کہ یہ آیات صرف کفار سے متعلقہ ہیں

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ علم غیب

علم غیب کیا ہے؟

ایسی چیزیں جو لوگوں سے غائب اور پوشیدہ ہوں یا آنکھوں سے اوجھل ہوں انہیں غیب کہا جاتا ہے۔ جبکہ ظاہری حواس (مثلاً کان' آنکھ وغیرہ) کے بغیر اور کسی بھی قسم کے وسیلے' واسطے اور ذریعے کے بغیر کسی چیز کا جان لینا علم غیب ہے۔

عالم الغیب کون؟

عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے اور بغیر کسی کے بتائے ہر چیز کا ذاتی طور پر علم رکھے۔ وہ ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہ ہو۔ کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی اس سے اوجھل نہ ہو' ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام چھوٹے بڑے واقعات کا اسے علم ہو' یعنی وہ ہر چیز سے ہر وقت باخبر ہو' اور یہ صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ کیونکہ وہی ایک ایسی ہستی ہے جو ہر چیز کو بغیر کسی وسیلے اور ذریعے کے جانتا ہے' چاہے وہ دور ہو یا نزدیک' پوشیدہ ہو یا ظاہر' عیب دار ہو یا بے عیب' شرعی ہو یا غیر شرعی' باپردہ ہو یا بے پردہ' مادی ہو یا غیر مادی' موجود زمانہ کی ہو یا آنے والے زمانہ کی وہ ہر چیز کو ہر وقت جانتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ...الآية ﴾ [السباء : ٣/٣٤]

''وہ عالم الغیب ہے' اس سے ذرہ برابر بھی آسمان اور زمین اوجھل نہیں''۔

جس طرح دیگر معاملات اور صفات میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح علم غیب میں بھی وہ منفرد ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں وحی کے ذریعے بتلا دیتا ہے۔ اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو اور جو علم کسی واسطے اور ذریعے سے حاصل ہو اسے علم غیب نہیں کہتے اور اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی کے بتائے اور بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ہر چیز کا علم رکھے۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے' اس کے علاوہ کوئی اور عالم الغیب نہیں' اس کے علاوہ کوئی اور غیب کی باتیں نہیں جانتا۔ اس بات کی تائید کے لئے نیچے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں۔

قرآنی آیات:

① ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾
[النمل : ۲۷/ ٦٥]

''آپ فرما دیں! اللہ کے سوا آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے' غیب کی باتیں نہیں جانتا' بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے''۔

② ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾[لقمان : ۳۱/ ۳٤]

''بلاشبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش برساتا ہے' وہی پیٹ کے بچے کو جانتا ہے' کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کمائے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ کہاں مرے گا؟ (یاد رکھو!) اللہ خوب جاننے والا اور بڑا اخبردار ہے''۔

③ ﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾[الأنعام : ٦/ ٥٩]

''اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' جنہیں وہی جانتا ہے' اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے' اسے بھی جانتا ہے۔ جو بھی پتا گرتا ہے' اسے بھی جانتا ہے' زمین کے نیچے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں' جو واضح (اور روشن) کتاب میں لکھی ہوئی نہ ہو''۔

④ ﴿ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ إِنْ اَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾[اعراف : ۷/ ۱۸۸]

''آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ہی ذات کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا' مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سا نفع حاصل کر لیتا اور کوئی تکلیف مجھ پر واقع نہ ہوتی' میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں''۔

⑤ ﴿ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ إِنْ اَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ ﴾[انعام : ٦/ ٥٠]

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے''۔

⑥ ﴿ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ﴾ [یونس : ٢٠ / ٢]
"پس (اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ غیب صرف اللہ کے پاس ہے"۔

⑦ ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [توبہ : ١٠١/٩]
"کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں' آپ بھی انہیں نہیں جانتے' ہم ہی انہیں جانتے ہیں"۔

⑧ ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ﴾ [الاحقاف : ٤٦/ ٩]
"آپ کہہ دیں کہ میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں"۔

احادیثِ مبارکہ:

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: ❶ رحم مادر میں جو کچھ ہے۔ ❷ آنے والے کل کے واقعات۔ ❸ بارش ہوگی یا نہیں۔ ❹ موت کہاں آئے گی۔ ❺ قیامت کب قائم ہوگی۔ ان پانچوں امور کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں"۔ ❶

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتی ہیں:
"جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں وہ جھوٹا ہے' غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں"۔ ❷

③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل ارشاد فرمایا:
"تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو حالانکہ اس کا علم تو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کو نہیں"۔ ❸

---

❶ بخاری' کتاب التفسیر' باب قولہ ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ (٤٧٤٨).
بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً (٧٣٧٩).
❷ بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا (٧٣٨٠).
❸ مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب بیان معنی قولِ رسول اللّٰہ ﷺ علی راس مائۃ سنۃ لا یبقی نفس منفوسۃ ممن ھو موجود الان (٢٥٣٨).

④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:
''جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ محمد ﷺ غیب جانتے ہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا''۔ [1]

⑤ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار والا مشہور واقعہ موجود ہے جس کے مطابق ایک سفر جس میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو جناب رسول اللہ ﷺ اس ہار کو تلاش کرنے کے لئے رک گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس ہار کو تلاش کرتے رہے' مگر باوجود پوری کوشش کے وہ ہار نہ مل سکا۔ تھک ہار کر جب کوچ کا اعلان کیا تو وہ اونٹ جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں اس کو اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں ہر ایک اپنی جگہ پر بلند پایہ ولی تھا عالم الغیب ہوتے تو انہیں ہار ضرور نظر آ جاتا۔ لیکن باوجود پوری تلاش کے انہیں اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ ہار اونٹ کے نیچے ہے۔ [2]

⑥ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے پھر کہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ)). [3]

''الٰہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں' بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں''۔

غور فرمایئے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لیے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفاتِ ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل: ۱۷۷۔

[2] بحوالہ بخاری شریف، کتاب التیمم باب قول اللّٰہ تعالٰی فلم تجدوا ماء (۳۳٤)۔

[3] رواہ البخاری، کتاب الجمعۃ، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی (۱۱٦٦)۔

⑦ ایک دفعہ آپ ﷺ جوتے پہن کر نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جوتوں سمیت نماز ادا کر رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے جوتے اُتار دیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی متابعت میں جوتے اُتار دیئے۔ بعد میں آپ ﷺ نے جوتے اتارنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے تو اس لیے جوتے اتارے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آ کر اس کی خبر دی کہ میرے جوتے کے نیچے کوئی نجس شے لگی ہوئی تھی۔ [1]

غور فرمائیں' اگر آپ کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہو کر اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی؟ علم غیب تو وہ ہے جو مادی وسائل و اسباب اور وسائط کے بغیر از خود ہو اور جو علم' وسائل و ذرائع اور وسائط سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں۔ یعنی حواس' علامات' تجربے اور عقل و خرد سے جو علم حاصل ہو وہ علم غیب نہیں ہے۔

⑧ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ ﷺ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے' زید بن اللُّصَیت (منافق) کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) تو نبی ہونے کے مدعی ہیں' اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں' مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے۔ اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اس درّہ میں موجود ہے' درخت کی شاخ میں اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے''۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ [2]

اگر اللہ ربّ العزت اپنے محبوب رسول ﷺ کو بطورِ معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں' تو اس کا انکار نہیں۔ یہ کتاب و سنت سے بصراحت ثابت ہے' وحی کے واسطہ و ذریعہ سے جو علم و خبر کسی نبی کو حاصل ہوگی' یہ غیب نہیں' اور جو غیب ہے یعنی بغیر واسطہ و ذریعہ' بغیر علامت و دلیل حقائق و اشیاء کا علم' یہ خاصۂ خدا ہے۔ یہ نہ کسی آسمان والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو' نہ نبی کو نہ ولی کو' نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

وحی الٰہی اور غیب دانی:

عالم الغیب اسے کہتے ہیں جسے ہر چیز کی ہر وقت خبر ہو۔ چنانچہ اسے وحی کی کوئی ضرورت نہیں

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعل (٦٥٠).

[2] سیرت ابن ھشام، مطبوعہ مصر، جلد٤، صفحہ١٦٦، ذکر غزوہ تبوک، اصابہ، جلد اوّل، صفحہ نمبر٢٩،٢٣.

سیرت ابن ھشام: ٢/٥٢٢.

ہوتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ ازل سے ابد تک ہونے والے ہر کام کو جانتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کو کسی وحی کی ضرورت ہے؟ قطعاً نہیں۔ وحی کی اسے ضرورت ہے جسے احکامات و پیغامات کا علم نہ ہو جو کہ وحی لے کر آتی ہے۔ وحی الٰہی اللہ تعالیٰ کے وہ احکامات و پیغامات ہوتے ہیں جو کہ انبیاء پر نازل ہوتے تھے اور یقیناً وہ احکامات و پیغامات انبیاء کو پہلے سے معلوم نہ ہوتے تھے' کیونکہ اگر وہ احکامات و پیغامات انبیاء کو پہلے ہی سے معلوم ہوتے تھے تو پھر وحی الٰہی کا کیا مقصد؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام کیا کرنے آتے تھے؟ اگر انبیاء کرام کو وہ احکامات و پیغامات پہلے ہی سے معلوم ہوتے تھے، تو پھر وحی کی حقیقت کیا ہوئی؟

پس جس پر وحی کا نزول ہوتا ہے تو وہ عالم الغیب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور جو عالم الغیب ہو اسے کسی قسم کی وحی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی' کیونکہ اسے ہر بات کا پہلے ہی سے علم ہوتا ہے۔ وحی اور غیب دانی ایک شخصیت میں اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ وحی کا نزول ہونا عالم الغیب ہونے کی نفی ہے اور عالم الغیب ہونا وحی کے نازل ہونے کی نفی ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی الٰہی کیا لے کر آتی تھی؟ کیا وحی وہ باتیں لے کر آتی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے معلوم ہوتی تھیں؟ تو پھر وحی الٰہی کا مقصد؟

اگر انبیاء کی غیب دانی پر یقین رکھا جائے تو انبیاء پر آنے والی آزمائشوں پر اعتراض اٹھتا ہے۔ مثلاً اگر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو پہلے ہی یہ پتہ تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلنی ہی نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ قربان ہونا ہے تو پھر باپ بیٹے کی آزمائش کیسی؟ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی پتہ تھا کہ آگ نے تو مجھے جلانا ہی نہیں تو پھر ان کی بہادری و استقامت اور صبر و استقلال کی آزمائش کیسی؟

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی آزمائشوں اور امتحانوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر آپ کو پہلے سے یہ معلوم تھا کہ فلاں وقت پر فلاں آزمائش آنی ہے' ان آزمائشوں میں فلاں فلاں تکلیفیں آنی ہیں' اور ان آزمائشوں کا نتیجہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی معلوم تھا' تو کیا آپ اسے آزمائش کہہ سکتے ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ وحی اور غیب دانی دو متضاد چیزیں ہیں۔ جس ہستی کے پاس علم غیب موجود ہو اسے وحی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور جس ہستی کے پاس وحی نازل ہوتی ہو اسے علم غیب نہیں ہوتا۔ اب یہ بات تو شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی، چنانچہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا علم اور نبی کریم ﷺ کا علم:

ایک دفعہ ایک بریلوی بھائی اور اہلحدیث بھائی کے درمیان علم غیب کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی' مسئلہ ایک مولوی صاحب کے سامنے پیش کیا گیا' مولوی صاحب بریلوی بھائی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے سوال کیا کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ ہے یا نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے پاس؟ بریلوی بھائی نے جواب دیا کہ بے شک علم اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ ہے۔ مولوی صاحب نے دوسرا سوال یہ کیا کہ اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو علم زیادہ ہے وہ تھوڑا سا زیادہ ہے یا بہت ہی زیادہ؟ بریلوی بھائی نے جواب دیا کہ بہت ہی زیادہ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تو پھر اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ یہ جو بہت ہی زیادہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس زیادہ ہے وہ نبی کریم ﷺ کو یقیناً حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ عالم الغیب نہ ہوئے۔ کیونکہ عالم الغیب کو ہر علم حاصل ہوتا ہے۔ اسے ہر وقت ہر چیز کی خبر ہوتی ہے۔ عالم الغیب کو ہر قسم کا علم حاصل ہوتا ہے' اس سے پوری کائنات کا کوئی ذرہ اوجھل نہیں ہوتا اور اس سے کسی بھی قسم کے علم کا کوئی کونا بھی چھپا نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ عالم الغیب صرف اس صورت میں ہو سکتے ہیں جب آپ کو ہر اس چیز کا علم ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ یعنی نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو عالم الغیب ماننے کا مطلب آپ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر لانا ہے۔ جو اس بات کی صاف اور واضح نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم نبی کریم حضرت محمد ﷺ سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم کتنا ہے اور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا علم کتنا ہے بلکہ حضرت محمد ﷺ سمیت بقیہ ساری کائنات کا علم کتنا ہے' اس کی تفصیل ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی کشتی والی حدیث میں حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول سے ملتی ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کہا تھا جب آپ دونوں سمندر میں کشتی کا سفر کر رہے تھے کہ ایک چڑیا آئی اور سمندر سے اپنی چونچ کے ساتھ کچھ پانی لیا' اس موقع پر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ''میرا علم اور تمہارا علم اور ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ میں سمندر سے پانی لیا ہے''۔ ❶

یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ایک سمندر ہے جبکہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ سمیت ساری کائنات کا علم چڑیا کی چونچ میں ایک دو بوند پانی کے برابر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

---

❶ بخاری، کتاب التفسیر سورۃ الکھف باب قولہ فلما جاوزا قال لفتاہ اتنا غداء نالقد لقینا من سفرنا ھذا نصبًا.

﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾[الاسراء ، بنی اسرائیل : ۱۷/۸۵]

''اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی حد نہیں ہے جبکہ اس میں سے کچھ حصہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ اور دیگر کو عطاء کیا گیا ہے اور بہت زیادہ حصہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اپنے پاس ہے' وہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ یا کسی اور کو عطاء نہیں کیا گیا۔ لہٰذا نبی کریم حضرت محمد ﷺ عالم الغیب نہ ہوئے بلکہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' نبی پاک ﷺ کو صرف وہی باتیں اور علوم معلوم ہیں جن کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' جن باتوں کی وحی آپ ﷺ کی طرف نہیں کی گئی وہ آپ کو معلوم نہیں ہیں' یعنی آپ ﷺ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ لہٰذا آپ علم غیب نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت علم رکھنا اور جاننا میں شرک:

شرک فی الصفات کی تعریف یہ ہے کہ وہ صفات کمال جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں انہیں اسی خاص مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی اور میں بھی ماننا۔ شرک فی الصفات کے لئے یہ شرط ہے کہ جس مفہوم میں وہ اللہ تعالیٰ کے خاص ہیں اسی مفہوم میں کسی غیر میں مذکورہ صفت کو سمجھنا' کیونکہ یہی صفات ہم بعض اوقات اپنے جیسے انسانوں کے لئے بھی بولتے ہیں' لیکن جب ہم انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے اور جب ہم یہی صفت کسی انسان کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کے لئے کوئی صفت اس مفہوم میں بول دی جائے جس مفہوم میں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔

مثلاً جاننا اور علم رکھنا۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں میں پائی جاتی ہے' لیکن اللہ کا جاننا اور ہے انسان کا جاننا اور۔ اللہ تعالیٰ کے جاننے اور علم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی وسیلے اور ذریعے کے ہر چیز سے باخبر ہیں' کائنات کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ آنے والے کل کے واقعات' تمام پوشیدہ و ظاہر باتوں اور دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ازل سے لے کر ابد تک ہونے والے تمام واقعات کا علم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جاننے اور علم رکھنے کی یہ صفت اسی خاص مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان' بزرگ' ولی یا پیغمبر میں بھی سمجھی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفت جاننے اور علم رکھنے میں شریک بنانا ہے۔

مثلاً اگر کسی نیک ولی یا پیغمبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ بھی کل کی بات جانتے ہیں اور وہ بھی دلوں کے بھید جانتے ہیں اور تمام پوشیدہ و ظاہر باتوں کو جانتے ہیں اور دور و نزدیک سے

تمام چیزوں اور آئندہ ہونے والے تمام واقعات سے باخبر ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک ہے۔ کیونکہ اس مفہوم میں جاننا اور علم رکھنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ کسی اور میں یہ صفت اس طرح ہرگز نہیں پائی جاتی۔ چاہے ذاتی ہو یا عطائی' ہر صورت میں شرکیہ عقیدہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: کیا غیب دانی ایک عطائی صفت ہے؟

بعض لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ "اگر اللہ تعالیٰ اپنی کوئی صفت مثلاً غیب دانی کسی کو دے دے یا عطاء کر دے تو یہ شرک نہ ہوگا کیونکہ وہ دی ہوئی صفت یعنی عطائی صفت ہوگی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ذاتی صفات کا مالک ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ ذاتی لحاظ سے غیب جانتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ ذاتی لحاظ سے غیب نہیں جانتے بلکہ عطائی لحاظ سے غیب جانتے ہیں لہٰذا یہ شرک نہیں ہے"۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس ساری بات میں شرک نہ ہونے کی بنیاد اس مفروضے پر مبنی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی صفت غیب دانی کسی کو دے دے یا عطاء کر دے"۔ شرک ہونے یا نہ ہونے سے پہلے اس مفروضے کی قرآن وحدیث سے تصدیق درکار ہے۔ یہ بات کہنے والے پہلے قرآن مجید یا سنت رسول ﷺ سے اس بات کی دلیل اور ثبوت پیش کریں کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غیب دانی کسی کو عطاء کی ہے؟ اس کا شرک ہونا یا نہ ہونا بعد کا مسئلہ ہے۔ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی علم غیب جاننے والی صفت کو عطائی صفت کہتے ہیں' یہ بات ان کے ذمہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غیب دانی نبی کریم ﷺ کو عطاء کی ہے۔ جبکہ آپ سارا قرآن پڑھ لیں' ساری احادیث کا مطالعہ کر لیں' آپ کو کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غیب دانی رسول اللہ ﷺ کو عطاء کی ہو۔ اس لئے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ عطائی طور پر غیب جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے نہ ذاتی لحاظ سے اور نہ عطائی لحاظ سے۔ ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے۔

دوسری بات یہ کہ ذاتی اور عطائی کی بحث ہی غلط ہے۔ کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ذاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ ہر نفس اور ہر نفس کی ہر صفت عطائی ہے۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ بذاتِ خود عطائی ہیں اور ان کی ہر صفت ہی عطائی ہے تو پھر ذاتی اور عطائی کا کیا سوال؟ یہ سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اللہ کے علاوہ کسی کی کوئی صفت ذاتی ہو۔ لہٰذا ذاتی اور عطائی کی بات ہی عبث اور فضول ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ: کیا رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے نفی والی آیات کے مخاطبین صرف کفار ہیں؟

① ﴿ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾[سورة الانعام : ٦/٥٠]

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''۔

② ﴿ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ﴾ [سورة الاعراف : ٧/١٨٨]

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دو' میں اپنی ذات کے لئے نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوں' سوائے اس کے جو اللہ نے چاہا ہو۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں (اپنے لئے) بہت بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی''۔

③ ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾[النمل: ٢٧/٦٥]

''آپ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے غیب نہیں جانتا''۔

اوپر درج کردہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات کہلوائی ہے کہ آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ اس سلسلہ میں بعض لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ وہ آیات جن میں نبی پاک ﷺ کے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ کافروں کو مخاطب کر کے کہی گئی ہیں' یہ آیات مسلمانوں پر لاگو نہیں ہوتیں۔

اس مسئلہ میں عرض ہے کہ فرض کریں ایک عام مسلمان کسی کافر سے یہ بات کہنا شروع کر دے کہ میں فرشتہ ہوں جبکہ حقیقتاً وہ انسان ہو' کیا ایسا آدمی سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ یقیناً ایسا آدمی جھوٹ بول رہا ہے۔ اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے علم غیب کی نفی والی آیات کے مخاطب مسلمان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں ان کے دعویٰ کے مطابق نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ واقعتاً اور حقیقتاً تو علم غیب جانتے ہیں لیکن کافروں سے کہہ رہے ہیں کہ میں علم غیب نہیں جانتا' یعنی آپ ﷺ ہیں تو عالم الغیب لیکن کافروں سے کہہ رہے ہیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ ذرا دماغ کی کھڑکیاں کھول کر غور کریں کہ اس بات کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

خدارا عقل سے کام لیں، اپنے ایمان کا بیڑہ غرق نہ کریں۔ کیا نبی کریم ﷺ سے اس طرح کے کسی عمل کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں سے کہیں کہ میں علم غیب جانتا ہوں لیکن کافروں سے کہیں کہ میں علم غیب نہیں جانتا۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے صادق و امین ہونے کا یہی مطلب ہے کہ آپ مسلمانوں سے ایک بات کہتے اور کافروں سے دوسری۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، آپ ہمیشہ ہر ایک سے چاہے وہ مسلم یا غیر مسلم ہو ہمیشہ ایک ہی صاف، سچی اور کھری بات کہتے تھے۔ مسلم و غیر مسلم سب رسول اللہ ﷺ کو راست باز مانتے تھے اور آپ کو صادق و امین کے نام سے پکارتے تھے۔ لہٰذا اصلی اور سچی بات یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب جانتے ہی نہ تھے۔ ورنہ آپ کافروں سے کبھی نہ کہتے کہ میں علم غیب نہیں جانتا، کیونکہ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے کبھی ڈپلومیسی سے کام لیا ہو، آپ ہر ایک سے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم ہمیشہ صاف، سیدھی، سچی، کھری اور دوٹوک بات کہتے۔ لہٰذا کفار سے یہ بات کہنے کا مطلب اور مفہوم کہ ''میں غیب نہیں جانتا'' صرف اور صرف یہی ہے کہ ''میں غیب نہیں جانتا''۔

کیا رسول اللہ ﷺ غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے؟

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ﴾[الجن: ٧٢/٢٦]

''اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس رسول کو چاہتا ہے کچھ بتلا دیتا ہے''۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اکثر آئندہ پیش آنے والے واقعات کی پیش گوئی فرمائی جو کہ حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ غیب کی خبریں بذریعہ وحی بتایا کرتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کی غیب کی خبروں کا وسیلہ، واسطہ اور ذریعہ وحی تھا۔ جبکہ علم غیب وسیلے، واسطے اور اسباب سے بے نیاز ہوتا ہے۔ عالم الغیب کو کسی وحی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ عالم الغیب کسی قسم کی خبر کے لئے کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیب ہر قسم کے وسیلے، واسطے اور اسباب سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی وحی کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی قسم کی خبر اور علم کے لئے کسی کے محتاج نہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ کی غیب کی خبروں کا وسیلہ اور ذریعہ وحی تھا۔

رسول اللہ ﷺ غیب کی خبروں کے لئے وحی الٰہی کے محتاج تھے، آپ آئندہ پیش آنے والے صرف ان واقعات کے بارے میں بتاتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع کرتے تھے۔

اور جن واقعات کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اطلاع نہیں پہنچاتے تھے آپ ﷺ ان کے بارے میں لاعلم ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اسی قدر غیب جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ آپ کو بتاتے' اس سے زیادہ آپ کو غیب کی باتوں کا علم نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے رسول اللہ ﷺ کو غیب کی جس قدر بات بتانا چاہتے بذریعہ وحی بتا دیتے۔ وحی نازل ہونے سے قبل آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ﴾ [النجم: ٥٣/ ٣، ٤]

''اور نہیں وہ بولتا اپنی خواہش سے مگر اللہ تعالیٰ کی وحی سے''۔

② ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾ [هود: ١١/ ٤٩]

''یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے' ہم نے اسے وحی کے ذریعے سے آپ تک پہنچا دیا' اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم''۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ ہم غیب کی خبریں آپ کو پہنچا رہے ہیں کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا۔ ایسا لازمی طور پر اسی کو کہا جاتا ہے جسے پہلے اس خبر کا پتہ نہ ہو۔ اور جسے پہلے کسی خبر کا پتہ نہ ہو بلکہ اسے بعد میں بتانے پر پتہ چلا ہو تو وہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔

③ ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ [الأنعام: ٦/ ٥٠]

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے''۔

④ ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ [الاحقاف: ٤٦/ ٩]

''آپ کہہ دیں کہ میں انوکھا پیغمبر نہیں ہوں' نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

⑤ ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ ﴾ [يوسف: ١٢/ ٣]

''ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے''۔

قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہ تھے ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر قرار نہ دیتا۔ آپ ﷺ غیب کی جو بھی خبریں بتاتے وہ بذریعہ وحی ہوتی تھیں۔
وحی کے ذریعے غیب کی خبریں بتانے والے عالم الغیب نہیں ہوتے' کیونکہ یہ غیب کی خبریں انہیں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل وہ انہیں جانتے نہ تھے۔ جبکہ عالم الغیب کے لئے کبھی کسی چیز کے نہ جاننے کا یا بے خبر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں' ان کے لئے کسی بھی چیز کا کسی بھی وقت نہ جاننے کا یا بے خبر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت ہر چیز کو جانتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے امور غیب بتلانا' امور غیب (علم غیب) پر قدرت رکھنا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں غیب کی خبریں از خود کوئی نہیں جان سکتا۔ ان کا بتانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے' کسی انسان کی خواہش پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے رسول اللہ ﷺ کو غیب کی جس قدر خبریں بتانا چاہتے بتا دیتے اور جب چاہتے بتاتے۔ جن چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ اطلاع دے دیتے وہ آپ کے علم میں آ جاتی تھیں اور جن چیزوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو مطلع نہیں کیا جاتا تھا وہ آپ ﷺ کو معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں' رسول اللہ ﷺ کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو کوئی بات دریافت کرنے کی خواہش ہوئی مگر وہ بات باوجود کوشش کے آپ کو معلوم نہ ہو سکی۔ پھر جب ارادۂ الٰہی ہوا تو فوراً بتا دی گئی۔

عہدِ رسالت میں منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر الزام لگایا' اس سے آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا' آپ نے کئی دنوں تک معاملے کی کرید کی مگر کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وحی بھیج کر بتا دیا کہ منافق کذاب ہیں جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاک دامنہ ہیں۔❶

صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے کئی ایک سوالات کئے اور اس کا کہنا یہ تھا کہ میرے ان سوالوں کا جواب نبی کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا یا شاید ایک دو آدمی جانتے ہوں۔ بہر حال وہ سوال کرتا رہا اور رسول اللہ ﷺ اسے جواب دیتے رہے' آخر میں اس نے اقرار کیا اور کہا:

"آپ ﷺ نے سچ فرمایا اور آپ واقعی نبی ہیں"۔

اس کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

---

❶ بخاری، کتاب التیمم، باب قول اللّٰہ تعالٰی فلم تجدوماء.

''اس نے جو باتیں مجھ سے پوچھیں وہ مجھے معلوم نہیں تھیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیں''۔ ❶

یعنی رسول اللہ ﷺ کو کوئی بھی بات اس وقت تک معلوم نہ ہوتی تھی جب تک اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس بات کی اطلاع نہ کر دیتے۔ وحی نازل ہونے سے قبل آپ ﷺ کو وہ بات معلوم نہ ہوتی تھی، تبھی تو وحی نازل ہوتی تھی ورنہ وحی کا کیا مقصد؟ لہٰذا رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو کس قدر علم غیب حاصل ہے؟

پچھلی بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ لیکن بذریعہ وحی آپ غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾[النجم : ۵۳/ ۳، ٤]

''اور نہیں وہ (محمد ﷺ) بولتا اپنی خواہش سے مگر اللہ تعالیٰ کی وحی سے''۔

② ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾

[هود: ۱۱/ ٤٩]

''یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم نے وحی کے ذریعے آپ تک پہنچایا' جسے اس سے پہلے نہ تو آپ ہی جانتے تھے اور نہ ہی آپ کی قوم جانتی تھی''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کس قدر ہے؟ یعنی جو علم غیب وحی کے ذریعہ حضور ﷺ کو حاصل ہوا وہ کتنا ہے؟ اس سوال کا جواب مشکل نہیں ہے' اس کا جواب انہیں آیات میں موجود ہے جو یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اتنا علم غیب حاصل ہوا جتنی وحی نازل ہوئی' یعنی وحی الٰہی علم غیب ہے۔ اور وحی الٰہی صرف دو چیزوں کا نام ہے قرآن مجید اور حدیث رسول۔ کیونکہ قرآن مجید بھی وحی ہے اور حدیث رسول ﷺ بھی وحی ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ جتنی وحی رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی وہ ساری کی ساری آپ نے بتا دی ہے۔ چاہے وہ قرآن کی شکل میں ہو چاہے حدیث کی شکل میں' اس بات کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴾ [التكوير : ۸۱/ ۲٤]

''اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں''۔

یعنی نبی کریم ﷺ کو جو بھی غیب حاصل ہوا وہ وحی کی صورت میں نازل ہوا اور آپ نے

---

❶ مسلم، كتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة و أن الولد مخلوق من مائيهما (۷۱٦).

اسے بتانے میں قطعاً بخل سے کام نہیں لیا بلکہ سارے کا سارا من وعن اپنی امت تک بذریعہ قرآن و حدیث پہنچا دیا۔ لہٰذا کل غیب جو نبی ﷺ کو حاصل ہوا وہ قرآن وحدیث ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا علم غیب قرآن مجید اور حدیث رسول ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جو علم غیب یا غیب کی خبریں حاصل ہوئیں وہ آپ ﷺ نے سارے کا سارا اپنی اُمت تک پہنچا دیا اور وہ قرآن مجید اور حدیث رسول ہے۔ پس قرآن مجید علم غیب ہے' حدیث رسول علم غیب ہے' اور بس یہی علم غیب ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا' جو کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت تک پہنچا دیا ہے۔

لہٰذا درست اور سچی بات یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بے شمار علوم عطا فرمائے۔ سب نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم آپ کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد نہ تو اتنے علوم کسی نبی مرسل کو حاصل ہیں نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ ساری مخلوق میں کوئی بھی آپ کا اس میں مماثل اور برابری کرنے والا نہیں ہے۔

بے شک آپ ﷺ نے غیب کی بہت سی خبریں دی ہیں گزرے ہوئے اور آئندہ ہونے والے بہت سے واقعات سے اُمت کو آگاہ کیا ہے۔ علاماتِ قیامت' قبر (برزخ) کے حالات' میدانِ محشر کے مناظر' جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکالیف سے آگاہ فرمایا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بتایا ہے اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ﴾ [سورة هود : ١١/ ٤٩]

''یہ غیب کی خبریں ہیں جس کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں''۔

لیکن بایں ہمہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ آپ کو کائنات کی ہر شے ہر ذرّہ اور ہر ہر قطرہ کا تفصیلی علم حاصل نہیں ہے۔ ہماری حرکات وسکنات' دِل کے خیالات سے آپ ﷺ آگاہ نہیں ہیں' سارا عالم اور لوحِ محفوظ آپ کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح نہیں ہے۔ ہر جگہ' ہر مکان' ہر گھر' ہر مجلس میں' ہر شخص کے پاس آپ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں یعنی جمیع ما کان وما یکون (سب کچھ جو ہو چکا اور سب کچھ جو ہوگا) کا علم آپ کو حاصل نہیں۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی صفت خاص ہے۔

علم غیب اور فقہ حنفی:

اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنے والے کی فقہ حنفی میں بھی تکفیر کی گئی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان کو بتلا دے اور فقہائے حنفیہ نے اس عقیدے کو کہ ''رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا'' صراحۃً

کفر قرار دیا ہے کیوں کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ﴾[النمل:۲۷/۶۵]

''کہہ دیجئے کہ آسمان والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا''۔

کے معارض (مخالف) ہے۔ یہی بات (شیخ ابن الہمام نے) مسائرہ میں ذکر کی ہے۔ ❶

فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

''کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ البتہ مرد و عورت نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بناتے ہیں' فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا کفر ہے اس لیے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں عالم الغیب نہ تھے' دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ عالم الغیب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟'' ❷

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

''ہمارے (حنفی) علماء نے کہا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے''۔ ❸



---

❶ شرح فقه اکبر، ص ۱۸۲، طبع مجتبائی بحواله توحید اور شرک کی حقیقت ص ۹۹، ۱۰۰ ناشر دارالسلام.

❷ فتاویٰ قاضی خان علی حاشیه فتاویٰ عالمگیری: ۳/ ۵۷۶، طبع بولاق ۱۳۱۰ھ.

فتاویٰ بزازیه: ص ۳۲۵، علی رحاشیه فتاویٰ عالمگیری: ٦/ ۳۲۵ حواله سابقه.

❸ فتاویٰ مولانا عبدالحیی: ۲/ ۳٤، بحواله فتاویٰ بزازیه ص ۳۳٦، علی حاشیه فتاویٰ عالمگیری: ٦ حواله سابقه.

باب نمبر 5

مسئلہ حاضر و ناظر

اس باب میں

- ❁ اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے اور
- ❁ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے حاضر ناظر نہ ہونے کے قرآن و حدیث سے دلائل
- ❁ مخالفین کی نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے دلائل اور ان کی حقیقت مثلاً
- ❁ قبر میں میت سے سوال جس میں نبی کریم ﷺ کو ھذا الرجل کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے
- ❁ یا ایھا الرسول اور السلام علیك ایھا النبی کے الفاظ سے نبی کریم ﷺ کے حاضر ناظر ہونے پر استدلال اور
- ❁ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے شاہد اور شہید ہونے سے حاضر ناظر ہونے پر استدلال وغیرہ
- ❁ اللہ تعالیٰ کی چند صفات مثلاً سننا، جاننا، دیکھنا، حاجت روائی کرنا اور حاضر اور موجود ہونا اور
- ❁ ان صفات میں شرک کب، کیوں اور کیسے ہوتا ہے

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ حاضر ناظر

حاضر و ناظر کون؟

① ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ [حدید : ٥٧/ ٤]

"تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ اور ہر کسی کے ساتھ موجود ہے اور ہر وقت ہر چیز اور ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ اور یہی معنی ہے حاضر و ناظر ہونے کا۔ کوئی خفیہ سے خفیہ مجلس ہو یا اعلانیہ کوئی میٹنگ ہو' سرگوشی ہو یا بلند مکالمہ' دِل میں کوئی سوچ ہو یا زبان پر کوئی بات' دِن کو ہو یا رات کو' پوشیدہ ہو یا ظاہر' آسمانوں میں ہو یا زمین میں' کوئی چیز ہو یا کوئی عمل' عیب دار ہو یا بے عیب' با پردہ ہو یا بے پردہ' گناہ والا کام ہو یا ثواب کا کام' جب بھی ہو' جہاں بھی ہو' جیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہوتے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

② ﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [المجادلة : ٥٨/ ٧]

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی' زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان میں چوتھا ہوتا ہے' اور پانچ کی مگر اللہ ان میں چھٹا ہوتا ہے' اور نہ اس سے کم کی اور نہ اس سے زیادہ کی۔ مگر وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں۔ پھر قیامت کے دِن (اللہ) انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حاضر ناظر ہونے کی صفت کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ آدمی کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر ایک کے عمل کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے' اور پھر قیامت کے دِن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ اس آیت میں تعداد بطورِ مثال ہے۔ مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی حاضر و ناظر ہے؟

"حاضر و ناظر" اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ صفت کسی اور میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ یعنی ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہوں پر موجود ہونا اور ایک سے زیادہ چیزوں کو دیکھنا اور ایک سے زیادہ اعمال کا مشاہدہ کرنا اور ایک سے زیادہ لوگوں کی بات کو بیک وقت سننا اور سمجھنا یہ صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہے۔ کوئی انسان' نبی' ولی' فرشتہ یا جن اس صفت کا حامل نہیں ہے۔

انسان ایک وقت میں صرف اور صرف ایک ہی جگہ موجود اور حاضر ہوسکتا ہے' ایک وقت میں صرف اور صرف۔ ایک چیز' بات یا عمل کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہ پر موجود ہونا اور ایک وقت میں ایک سے زیادہ چیزوں یا اعمال کا مشاہدہ کرنا انسان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ یعنی انسان میں یہ نقص ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہوں پر موجود اور حاضر نہیں ہو سکتا جبکہ اللہ اس نقص سے پاک ہیں بلکہ ہر نقص سے پاک ہیں وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہوں بلکہ ہر جگہ موجود اور حاضر ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے۔ کسی اور میں یہ صفت قطعاً نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا کسی اور میں حاضر ناظر ہونے کی صفت ماننا اسے اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ یہ شرک فی الصفات ہے۔ مثلاً کسی نبی یا ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ بھی ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہوں پر موجود ہوتے ہیں یا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہم میں سے ہر ایک کے اعمال دیکھ رہے ہیں اور ہر چیز سے باخبر ہیں یعنی حاضر ناظر ہیں تو یہ شرک ہے۔ کیونکہ حاضر ناظر ہونے کی صفت مخلوق میں بعینہٖ ویسے ہی مانی جا رہی ہے جیسی یہ اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے جو کہ شرک فی الصفات ہے۔

کیا نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حاضر و ناظر ہیں؟

جناب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ باوجود اس کے کہ تمام انسانوں بلکہ تمام پیغمبروں بلکہ ساری کائنات کی تمام مخلوق سے آپ کا رتبہ' مرتبہ اور شان بلند ترین اور اعلیٰ ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی ہستی کا مقام اور مرتبہ ہے تو وہ ہستی صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات آپ ﷺ کے دست مبارک سے ظاہر فرمائے اور ایسے ایسے علوم و معارف اور حقائق و اسرار آپ ﷺ کو دیئے کہ نہ تو وہ کسی رسول کو عطا ہوئے اور نہ کسی پیغمبر کو۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود آپ ﷺ حاضر و ناظر نہ تھے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اس بات کی تائید درج ذیل

آیات واحادیث سے ہوتی ہے:

① ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾

[بنی اسرائیل: ۱۷/۱]

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا"۔

اس آیت میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک جسد عنصری کے ساتھ عالم بیداری میں سفر کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر تھے۔ تو پھر جس طرح اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ، بیت المقدس، ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ سمیت ہر جگہ موجود اور حاضر ناظر ہیں اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کسی سفر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعینہٖ ایسے ہی اگر رسول اللہ ﷺ بھی حاضر ناظر ہیں اور ہر جگہ موجود ہیں تو ان کا بیت اللہ سے بیت المقدس جانا اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں تک جانا کے کیا معنی ہیں۔ یعنی اگر رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں بھی موجود ہیں اور مسجد اقصیٰ میں موجود ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا"۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد حرام یعنی بیت اللہ میں تھے تو اس وقت آپ بیت المقدس میں موجود نہ تھے اور جب آپ مسجد اقصیٰ میں تھے تو اس وقت آپ بیت المقدس میں نہ تھے یعنی رسول اللہ ﷺ ایک وقت میں صرف ایک ہی جگہ موجود ہوتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر نہ تھے۔

یہ بات احادیث سے بھی ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا مقصود ہوتا تو آپ باقاعدہ سفر کر کے جاتے تھے' اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے سفر اور سواری کی دعائیں بھی ثابت ہیں۔ جبکہ حاضر و ناظر کے لئے سفر کا لفظ بے معنی ہے۔ کیونکہ وہ ہر جگہ حاضر ہوتا ہے' حاضر و ناظر کے لئے ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسی طرح ہجرت مدینہ کے بارے میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہجرت سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں موجود تھے؟ اگر موجود تھے تو پھر ہجرت کیسی؟ اور اگر موجود نہیں تھے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر نہ تھے' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہجرت سے پہلے آپ مکہ میں موجود تھے اور مدینہ میں موجود نہ تھے۔ مکہ کے لوگ آپ کو تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ ان کے مظالم سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں

جگہوں پر موجود تھے تو پھر ہجرت کیسی؟ اسی طرح آپ کا جنگوں کے لئے سفر کرنا' حج وعمرہ وغیرہ کرنا بلکہ گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک کے سفر پر سوال اٹھتے ہیں کہ اگر آپ حاضر ناظر ہیں یعنی ہر جگہ موجود ہیں تو پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیونکہ حاضر ناظر سفر کا محتاج نہیں ہوتا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے باقاعدہ سفر کیا کرتے تھے۔

قارئین کرام نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ سے مختلف حالات و واقعات پر غور کریں تجارت کے لئے سفر کرنا' سفر سے واپس آنا' غارحراء میں جانا' پھر کچھ عرصہ بعد واپس گھر تشریف لے آنا' طائف کا سفر کرنا اور پھر واپس آنا' مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا' غارِ ثور میں چھپنا' جنگیں لڑنے کے لئے مدینہ چھوڑ کر میدانِ جنگ میں تشریف لے جانا اور اپنے پیچھے امامت کے لئے کسی اور کو مقرر کرنا' نماز کے لئے مسجد جانا' نماز ادا کر کے واپس گھر تشریف لے جانا' ازواج مطہرات کے لئے الگ الگ کمرے بنانا اور ان میں باری باری جانا' حج کے لئے روانہ ہونا' بیت اللہ کا طواف کرنا' صفا و مروہ کی سعی کرنا' حج کر کے مدینہ منورہ واپس آنا' غرض اس طرح کے بے شمار واقعات کا ذکر کیا جا سکتا ہے اور ہر ہر واقعہ آپ ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کی نفی کرتا ہے۔ ایک ہی نفس کا مختلف مقامات پر حاضر وموجود ہونے سے نہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت ثابت ہوتی ہے نہ معراج اور نہ کسی قسم کا سفر۔

اگر دِل میں تعصب نہ ہو تو مسئلہ حاضر و ناظر محض ان حالات و واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے جو ہر جگہ موجود ہو وہ کسی جگہ آتا جاتا نہیں اور جو آئے اور جائے وہ حاضر و ناظر ہوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

② حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

﴿ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾[ال عمران : ٣/ ٤٤]

''اور آپ تو ان لوگوں کے پاس تھے نہیں اس وقت جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سر پرستی کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے''۔

③ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سنا کر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوْسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ ﴾

[قصص: ٢٨/ ٤٤]

''اور آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو (اس وقت) موجود تھے''۔

④ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے حالات بتانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ [یوسف:۱۲/۱۰۲]

''یہ خبریں ہیں غیب کی جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو نہ تھا ان کے پاس جب انہوں نے اپنے ایک کام میں اتفاق کرلیا''۔

جو حاضر و ناظر ہو اس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے یا آپ ان کے پاس نہیں تھے جبکہ ان تینوں آیات میں یہ بات بیان کی جا رہی ہے کہ آپ وہاں موجود نہ تھے۔ پس اوپر درج کردہ تینوں آیات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ حضرت مریم علیہا السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں موجود اور حاضر نہ تھے بلکہ غیر موجود اور غیر حاضر تھے۔ لہٰذا آپ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ اس وقت کے واقعات کا علم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی عطا کیا۔ وحی الٰہی سے قبل آپ ان واقعات سے بے خبر تھے۔ تو لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ ان واقعات سے ہی بے خبر اور لاعلم تھے تو ان موقعوں پر حاضر اور موجود ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس رسول اللہ ﷺ قطعاً حاضر و ناظر نہ تھے۔

⑤ ﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ﴾ [سورۃ فتح : ۴۸/ ۲۷]

''تم لوگ مسجد الحرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے امن و امان کے ساتھ سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے اور تمہیں اندیشہ (کسی کا بھی) نہ ہو''۔

صاف واضح ہو رہا ہے کہ جب اللہ آپ ﷺ کو یہ فرما رہے تھے کہ تم لوگ ان شاء اللہ ضرور مسجد الحرام میں داخل ہو گے اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں موجود نہ تھے۔ اگر آپ ﷺ پہلے ہی وہاں حاضر ہوتے تو داخلے کا کیا مطلب؟ پس آپ ﷺ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

⑥ رسول اللہ ﷺ کو بری اور غیر شرعی مجالس میں حاضر اور شریک ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [انعام : ۶/۶۸]

"اور جب دیکھے تو ان لوگوں کو جو مزاح اڑاتے ہیں ہماری آیات سے تو ان سے کنارہ کر' یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالموں میں"۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خلافِ شرع مجالس میں شریک اور حاضر ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ خلافِ شرع مجالس میں کتنی توسیع ہے۔ شراب کی مجلس' زنا کی مجلس' قرآن کریم سے استہزاء اور مقابلہ کی مجلس' گانے بجانے کی مجلس' غیبت اور چغلی کی مجلس' داڑھی تراشنے کی مجلس' جوابازی کی مجلس' رقص و سرور کی مجلس' تھیٹر اور سینما وغیرہ کی ہزار ہا ایسی مجالس ہیں جن میں ہمارے جیسے گنہگار بھی شریک ہونا ہرگز گوارا نہیں کرتے چہ جائیکہ ایسی ناپاک اور غیر شرعی مجالس میں خدا تعالیٰ کے نیک اور بزرگ بندوں کو حاضر و ناظر سمجھا جائے اور خصوصاً فخر موجودات' سردارِ رُسل امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ)

احادیث مبارکہ:

① آنحضرت ﷺ نے ۴ھ میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ۹ صحابی (جن میں حضرت خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے) بطور جاسوس مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کئے۔ جب یہ حضرات مقام ہدہ میں (جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان تھا) پہنچے تو قبیلہ بنولحیان نے اس کو گھیر لیا۔ آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو اسی جگہ پر شہید کر دیا جن میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ سالارِ قافلہ بھی تھے۔ اور دو کو گرفتار کر کے مکہ مکرمہ لے گئے۔ کچھ دِنوں کے بعد ان کو بھی تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے شہادت کے وقت یہ پر درد الفاظ کہے: اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِیَّکَ. "اے اللہ! ہمارے حالات سے اپنے نبی کریم ﷺ کو مطلع کر دے"۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعاء کو قبول فرمایا اور اسی وقت آنحضرت ﷺ کو مطلع کر دیا۔ [1]

اگر آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاسوسی کے لئے آپ نے کیوں بھیجا؟ خود ہی مدینہ منورہ میں رہ کر دُشمن کے حالات بیان فرما دیتے' اور پھر یہ دس صحابی کس بے دردی اور بے جگری سے تہہ تیغ کئے گئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا یہی عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو از خود کسی چیز کا علم نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہی آپ کو اطلاع ہو سکتی ہے' اِسی لئے تو

---

[1] بخاری، کتاب المغازی باب فضل من شهد البدر باب (۱۰) رقم حدیث ۳۹۸۹.

اُنھوں نے یہ دُعاء کی کہ اے اللہ! ہماری سرگزشت سے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مطلع اور خبردار کردے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع کر دیا۔

② انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں (ایک رات) کچھ خوف اور گھبراہٹ ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ابوطلحہ کا ایک گھوڑا مانگ لیا۔ اس گھوڑے کا نام مندوب تھا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے اور واپس آ کر فرمایا کہ خوف کی تو کوئی بات ہم نے نہیں دیکھی۔ البتہ یہ گھوڑا کیا ہے دریا ہے۔ [1]

اگر آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ سے باہر جانے کی کیا ضروری تھی؟

③ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں (تقریباً ایک لاکھ سے اُوپر) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے خطاب فرمایا کہ:

"اے لوگو! خدا کی قسم میں نہیں جانتا' شاید کہ میں تم سے آج کے دن کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں"۔ [2]

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو فرما دیتے کہ میں ہر جگہ اوز ہر وقت تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور یہ ہرگز نہ فرماتے کہ میں شائد تمہارے ساتھ اس جگہ پھر کبھی ملاقات نہ کر سکوں۔ اگر آنحضرت ﷺ بعد از وفات اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خصوصاً میدانِ عرفات میں ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوئے تو اور کس کے لئے اور کس جگہ حاضر ہوتے ہوں گے؟

④ مسند احمد' صحیح مسلم اور مستدرک وغیرہ میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ناقابل فراموش جملہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اگر میری موجودگی میں دجال ظاہر ہوا تو میں تمہاری طرف سے وکیل بن کر اس سے جھگڑا کروں گا اور اگر دجال میری عدم موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر آدمی اپنا وکیل اور محافظ ہے"۔ [3]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دجال میری غیر حاضری اور عدم موجودگی میں آیا تو ہر آدمی اپنا وکیل خود ہوگا۔ کیا حاضر و ناظر بھی کبھی غیر حاضر اور عدم موجود ہوتا ہے۔ اگر آپ حاضر ناظر ہوتے تو اپنی عدم موجودگی یا غیر حاضری کا ذکر کیوں فرماتے۔ کیونکہ حاضر و ناظر تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا کرتا۔

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب الركوب على الدابة الصحبة والعصولة من الخيل (٢٨٦٢).

[2] مسند دارمی ص ٤١، مقدمه باب الاقتدار بالصلحاء (٢٢٧).

[3] مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال (٢٩٣٧).

⑤ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب میں معراج سے (یہ ۹ یا ۱۱ نبوت کا واقعہ ہے) سے واپس ہوا اور میں نے مشرکین کے سامنے اپنا یہ سارا قصہ بیان کیا کہ میں مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر جہاں تک خدا تعالیٰ کو منظور تھا' عالم بیداری میں ایک ہی رات کے اندر اپنے جسد عنصری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی خاص نوازش اور قدرت سے سیر کر آیا ہوں تو مشرکین نے کہا۔ اچھا اگر آپ واقعی گئے ہیں تو ہمیں بتلایئے کہ بیت المقدس کی فلاں فلاں چیز کہاں اور کس موقع پر واقع ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا (اور نہ میرے جانے کی یہ غرض ہی تھی)۔ اس پر مشرکین نے پھبتی اُڑائی' آپ کے الفاظ میں سنیے:

''میں اتنا پریشان ہوا کہ ایسا پریشان کبھی بھی نہ ہوا تھا''۔

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو تھوڑے وقت کے لئے میرے سامنے حاضر کر دیا' مشرکین جو پوچھتے جاتے تھے میں دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔ [1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب مجھے قریش نے جھٹلایا میں حطیم میں کھڑا ہوا' پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا' پس میں اسے دیکھ کر انہیں اس کی نشانیاں بتانے لگا۔ [2]

اگر آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو اتنی پریشانی کی کیا ضرورت تھی۔ صاف واضح ہو رہا ہے کہ جب مشرکین آپ سے بیت المقدس کے بارے میں سوال پوچھ رہے تھے تو آپ اس وقت بیت المقدس میں موجود نہ تھے۔ وگرنہ آپ پریشان کیوں ہوتے؟ اللہ نے آپ کی پریشانی دور فرمائی اور بیت المقدس کو آپ کے سامنے حاضر کر دیا۔ بیت المقدس حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہونے سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ حاضر و ناظر نہ تھے۔ کیونکہ اگر آپ پہلے ہی بیت المقدس میں حاضر تھے تو تھوڑی دیر کے لئے سامنے حاضر کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی اگر حضور ﷺ حاضر ناظر ہوتے تو آپ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوتے۔ دریں صورت اللہ تعالیٰ کو تھوڑی دیر کے لئے بیت المقدس سامنے حاضر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے بیت المقدس نبی کریم ﷺ کے سامنے حاضر کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ وہاں موجود اور حاضر نہ تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ حاضر ناظر نہ تھے۔ اور یہ واقعہ آپ ﷺ کی زندگی کا واقعہ ہے۔ تو جب آپ ﷺ اپنی زندگی میں

---

[1] بخاری' کتاب بیان الکعبة باب المعراج.

[2] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء (۳۸۸۶).

حاضر ناظر نہ تھے تو اب فوت ہونے کے بعد حاضر ناظر کیسے ہو سکتے ہیں۔

⑥ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور دیکھا کہ میری دونوں رانیں ننگی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنی دونوں رانوں کو چھپاؤ" کیونکہ ران پردہ اور چھپانے کی چیز ہے"۔ [1]

مقام حیرت ہے کہ حضور ﷺ تو ران دیکھنا گوارا نہ کریں اور یہاں یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، یعنی حاضر بھی ہیں اور سب کچھ دیکھ بھی رہے ہیں، یعنی ہر باپردہ اور بے پردہ اور ہر شرعی اور غیر شرعی مجلس میں حضور ﷺ حاضر اور موجود ہیں۔ اس سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی توہین ہو سکتی ہے؟

خدارا کچھ خوف خدا سے کام لیں اور اپنے عقائد درست کریں، کیونکہ جب تک عقیدہ درست نہیں ہوتا کوئی عبادت قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔

چند شبہات اور ان کے ازالے

پہلا شبہ: قبر میں سوال

صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ قبر میں فرشتے میت سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ:

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. [2]

"تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ مومن جواب دے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے"۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے لئے هذا الرجل کے الفاظ آئے ہیں، جس کے معنی ہیں "اس شخص"۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ هَذَا جس کا معنی "اِس" ہے۔ اشارہ قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہر میت کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ مثلاً فرض کریں کہ ایک وقت میں ہزاروں لوگ وفات پا جاتے ہیں تو اس حدیث کے پیش نظر ان ہزاروں لوگوں سے یہ سوال ہوگا کہ تم اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ لہٰذا نبی کریم ﷺ اس وقت ان ہزاروں لوگوں

---

[1] جامع الترمذی، باب ما جاء ان الفخذ عورة (۲۷۹۵).

[2] بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر (۱۳۷٤).

کے پاس حاضر ہوں گے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ عقیدہ غلط فہمی اور ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ لفظ ھٰذَا صرف اشارہ قریب کے لئے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایسی غائب اور غیر حاضر چیز یا شخص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو یا ہو رہا ہو یا کوئی ایسی بہت ہی مشہور و معروف اور اعلیٰ ہستی کہ جس کا اشارتاً ذکر کرتے ہی پتا چل جائے کہ فلاں ہستی کے متعلق بات ہو رہی ہے، تو ایسی ہستی کے متعلق ان کی غیر حاضری اور عدم موجودگی میں ھٰذَا کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس بات کے ثبوت کے طور پر چند احادیث درج کی جا رہی ہیں۔

1 بخاری شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی اعرابی اور دیہاتی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چند سوالات کر کے چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس کو واپس بلانے کے لئے گئے۔ آگے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرَائِيْلُ. [1]

”کچھ بھی نظر نہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو جبرائیل علیہ السلام تھے“۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ تو سامنے موجود تھے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلاش کرنے پر مل ہی سکے تھے۔ یعنی وہ غیر حاضر اور غیر موجود تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ھٰذَا جبرئیل سے مخاطب کر رہے ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غائب اور غیر موجود ہستی کو ھٰذَا سے مخاطب کر رہے ہیں۔

2 صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے کے ارادہ سے چل پڑا راستہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگے کہاں جاتے ہو؟

فقلت انصر هذا الرجل. [2]

”میں نے کہا میں اس شخص (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے جا رہا ہوں“۔

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ھٰذَا الرجل سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ کوسوں دور تھے۔ یعنی ان کی غیر حاضری اور عدم موجودگی میں انہیں ھٰذَا سے مخاطب کیا گیا ہے۔

3 ہجرت حبشہ کے وقت جب کفار مسلمانوں کو واپس لانے کے لئے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچے تو ہرقل

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم (٥٠).

[2] بخاری، کتاب الایمان، باب و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا.

نے ان سے نبی کریم ﷺ کے متعلق ایک سوال کیا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے وہ سوال یہ تھا:

أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ، إِنِّي سَائِلٌ عَنْ هَذَا الرَّجُلِ. ❶

"تم میں سے اس شخص کا زیادہ قریبی کون ہے؟ میں اس شخص کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں"۔

دیکھیں نبی کریم ﷺ مدینہ میں موجود ہیں، جبکہ مدینہ سے کئی سو میل دور حبشہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ کو ان کی غیر موجودگی میں هَذَا الرجل سے مخاطب کیا جا رہا ہے۔

پس کوئی ایسی شخصیت کہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو یا ہو رہا ہو تو اسے لفظ هَذَا کے ساتھ تعبیر کرنا جائز اور صحیح ہے۔ اگر چہ وہ پاس حاضر اور موجود نہ بھی ہو۔

حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ اور شراح حدیث بھی یہی لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو میت کے سامنے قبر میں حاضر نہیں کیا جاتا بلکہ آپ ﷺ کی شہرت کی بناء پر سوال ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، بعض نے یہ کہا ہے کہ میت کو قبر میں آنحضرت ﷺ نظر آتے ہیں، اگر یہ بات صحیح ثابت ہو جائے تو مومن کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن ہمیں کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت ﷺ قبر میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس قائل کو لفظ هَذَا سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ هَذَا کا اطلاق غائب پر بھی ہو سکتا ہے جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ علم ذہن میں محفوظ ہو۔❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں میت کے لئے درمیانی پردے اٹھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیتی ہے؟ تو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بعض ایسے لوگوں نے جن کی بات حجت نہیں ہو سکتی بغیر کسی دلیل اور سند کے هَذَا الرجل سے یہ احتجاج کیا ہے مگر ان کی بات حجت نہیں ہے کیونکہ ھٰذا کا اشارہ حاضر فی الذہن کے لئے آیا ہے۔ ❸

---

❶ بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام ... (۲۹٤۰).

مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب کتب النبی ﷺ إلی هرقل (٤٦۰۷).

❷ ص ۳۹۰ ج ۳ و قسطلانی علی البخاری ج ۱ ص ۱۸٤ بحواله تبريد النواظر ص ۵۰، ناشر مكتبه حضوريه گوجرانواله.

❸ شرح صدور ص ٦۰ طبع مصر و نقله فی مجموعة الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۷ بحواله تبريد النواظر ص ۱۵۰ ناشر مكتبه حضوريه گوجرانواله.

پس یہ بات ہرگز درست نہیں کہ ھٰذا صرف سامنے حاضر اور موجود شخصیت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ یہ غائب اور غیر حاضر شخصیت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا لفظ ھٰذَا سے حاضر و ناظر ثابت کرنا قطعاً درست نہیں۔

قبر میں صرف سوال نہیں اس کے جواب پر بھی غور کریں:

مخالفین نبی کریم ﷺ کا حاضر ناظر ہونا اس سوال سے ثابت کرتے ہیں جو کہ فرشتے قبر میں میت سے کرتے ہیں یہ لوگ فرشتوں کے سوال پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن میت کے جواب پر کوئی غور نہیں کرتا۔ ہم یہاں وہ حدیث مبارکہ دوبارہ لکھ رہے ہیں جس کی رو سے مخالفین ہذا کے استعمال کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو حاضر ناظر ثابت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں فرشتے کا سوال بھی ہے اور مومن کا جواب بھی۔ ذرا دوبارہ غور سے پڑھیں:

((مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ)). [1]

"تم اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مومن جواب دے گا، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مومن سے سوال یہ ہوتا ہے کہ "تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" جواب میں وہ یہ نہیں کہتا کہ "یہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں" یا "آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"، بلکہ اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ "وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ میت کے بالکل سامنے حاضر اور موجود ہیں تو وہ یہ کیوں کہتا ہے کہ "وہ اللہ کے رسول ہیں"۔ وہ یہ کیوں نہیں کہتا کہ "یہ اللہ کے رسول ہیں"۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے سامنے موجود نہیں تھے۔ ورنہ وہ کبھی انہیں "وہ" کے لفظ سے مخاطب نہ کرتا۔ بلکہ پھر وہ انہیں "یہ" یا "آپ" کے لفظ سے مخاطب کرتا۔ پس مومن کے اس جواب سے کہ "وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں" سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت میت کے سامنے حاضر اور موجود نہ تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ فرشتوں نے لفظ ہذا یعنی اس کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ بہت ہی اعلیٰ و ارفیٰ اور مشہور و معروف ہستی ہیں اور یقیناً اس سوال سے پہلے بھی ان کے متعلق ذکر اور سوال وغیرہ ہو رہے ہوں گے (مثلاً من نبیّك) لہٰذا ان کی شخصیت ذہن

---

[1] بخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر (١٣٧٤).

میں ہوگی اور میت کو بھی پتہ ہوگا کہ کس ہستی کی بات ہو رہی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق سوال میں ھٰذا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اس مضمون کی کچھ اور احادیث نیچے درج کی جا رہی ہیں۔

❶ امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرفوع روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ:

مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ كَانَ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ الَّذِيْ يُقَالُ لَهٗ مُحَمَّدٌ قَالَ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ. الحديث.❶

"تم اس شخص کے بارے میں جو تم میں موجود تھے جن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے، کیا کہتے ہو؟ مومن یہ کہتا ہے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں"۔

❷ امام ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن منذر، ابن حبان، طبرانی، ابن مردویہ، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ کی روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، یوں آیا ہے کہ جب مومن سے یہ سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے:

اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ نَا بِالْبَيِّنٰتِ. الحديث.❷

"کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے"۔

ان تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ھٰذا کا اشارہ حاضر فی الذہن کے لئے ہے نہ کہ حاضر فی القبر کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ میت جواب دیتی ہے تو یوں کہتی ہے کہ "وہ اللہ کے رسول ہیں"۔ اگر واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے سامنے حاضر ہوتے تو جواب یوں ہونا چاہئے تھا کہ "یہ اللہ کے رسول ہیں"۔

❸ مستدرک ج ۱ ص ۳۸ کی ایک حدیث میں (جس کی اعلیٰ شرط مسلم تصحیح پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہیں) یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ دفن کے بعد مردے سے جب سوال ہوتا ہے تو:

فَيُقَالُ لَهٗ مَا تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهٖ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ اَيُّ رَجُلٍ؟ فَيَقُوْلُوْنَ الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ فِيْكُمْ.❸

---

❶ شرح صدور فی احوال الموتی والقبور ص ٤٨ طبع مصر. الديباج على شرح مسلم بن الحجاج: ٢/٤٩١. الدر المنثور: ٥/٣٤.

❷ المعجم الأوسط: ٣/١٠٦، شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور الجلال الدين السيوطى: ١/١٣٦ (ط: دار المعرفة بيروت البنان طبع اولى ١٤١٧ھ بتحقيق عبدالمجيد طعمة حلبى).

❸ مستدرك حاكم ١/٥٣٥ (١٤٠٣).

''اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا اور تیری اس کے بارے میں کیا کچھ گواہی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ تم کس شخص کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں اُس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو تم میں تھا''۔

4 اس کی مزید وضاحت حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب ملائکہ مومن سے پوچھتے ہیں کہ مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ ''اس شخص کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟'' تو مومن ملائکہ سے سوال کرتا ہے کہ مَنْ؟ ''کون شخص؟'' فرشتے کہتے ہیں قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ. کہ محمد ﷺ۔ تو تب مومن کہتا ہے: اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یعنی وہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ [1]

حدیث کے ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ قبر میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس نہیں حاضر ہوتے ورنہ مومن کا سوال مَنْ؟ (کون؟) بے مقصد ثابت ہوگا۔

5 عہد رسالت میں ایک عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی، جب اس کا انتقال ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ علیہ السلام کو اطلاع دیئے بغیر دفنا دیا۔ آنحضرت ﷺ کے سوال کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وفات کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کیوں نہیں بتلایا گیا؟

عرض کی گئی کہ وہ کونسی خاص اہمیت کی حامل تھی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے اس کی قبر بتلاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہنمائی سے آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہوکر فَصَلّٰی عَلَيْهِ (اس پر نماز جنازہ پڑھی)۔ [2]

اگر رسول اللہ ﷺ قبروں میں خود تشریف فرما ہوتے تو ظاہر ہے کہ اس مرنے والی عورت کی قبر میں بھی حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کو علم ہوتا کہ یہ تو وہی عورت ہے جو مسجد کی صفائی کرتی تھی لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ ثابت ہوا کہ منکر ونکیر کے سوال کے وقت آپ علیہ السلام قبر میں موجود نہیں تھے۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ہٰذا سے حاضر ناظر ثابت نہیں ہوتا۔

6 صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ اور مسلم ج ۱ ص ۳۴ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۵ھ میں قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے آپ ﷺ کے سامنے یہ

---

[1] مسند امام احمد ص ۳۵۳ ج ٦ و درمنثور ص ۸۳ ج ٤، بحواله دين الحق حصه دوئم ص ٤٣٠، ناشر مكتب عزيزيه لاهور.

[2] صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب الصلوٰة على القبر بعد ما يدفن (١٣٣٧).

شکایت پیش کی کہ:

بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَر. [1]

"ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کا یہ قبیلہ ہے"۔

مطلب یہ کہ ان کا قبیلہ کافی فاصلے پر تھا روز آنا جانا مشکل تھا اور وہ بتا رہے تھے کہ مضر کا یہ قبیلہ درمیان میں ہم اس سے پرے رہتے ہیں اب وہ اس قبیلہ کو ھذا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ قبیلہ بھی حاضر و ناظر ہے۔ کیونکہ اس قبیلہ کو لفظ ھذا سے پکارا جا رہا ہے۔

دوسرا شبہ: یاایہا الرسول اور السلام علیک ایہا النبی سے حاضر ناظر پر استدلال

بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کو حرف "یا" سے براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً يَا اَيُّهَا النَّبِي، يَا اَيُّهَا الرَّسُوْل، يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہ اور یہ حرف ندا ہے۔ جو کہ حاضر اور موجود چیز کو خطاب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ہم آج بھی قرآن پاک پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی خطاب کے صیغہ سے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہم پر نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی تجھ پر سلامتی ہو) پڑھتے ہیں، اور یہ بھی براہِ راست خطاب ہے جو کہ حاضر چیز کو ہی کیا جاتا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

اس عقیدہ کی بنیاد دو نکات پر ہے۔

اوّل: حرف "یا"

دوم: براہِ راست خطاب۔

پہلے ہم حرف "یا" کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ جس کے متعلق مخالفین کا عقیدہ ہے کہ "یا" حاضر و ناظر ہستی کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے۔ درج ذیل قرآنی آیات پر غور کریں:

1. ﴿ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا ﴾ [القصص: ٢٨/٣٨]
2. ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ [الأسراء: ١٧/١٠٢]
3. ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ [الكافرون: ١٠٩/ ١-٢]
4. ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ [النساء: ٤/١٧١]

ان قرآنی آیات میں ھامان، فرعون، کفار اور اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو حرف یا

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب اداءِ الخمس من الإيمان (٥٣).

مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰه تعالٰی و رسوله.... (١١٥).

سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ آیات ہیں جن کو آج بھی ہم بعینہ ایسے ہی پڑھتے ہیں اور فرعون، ھامان اور کافروں کو یا فرعون، یا ھامان اور یاایھا الکافرون کے الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا فرعون، ھامان، کفار، یہودی اور عیسائی بھی حاضر و ناظر ہیں؟ مخالفین کے نظریے کے مطابق تو یہ سب بھی حاضر ناظر ثابت ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید میں یا ایھا الرسول اور یا ایھا النبی کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے، اور ہم آج بھی نبی کریم ﷺ کو اسی طرح حرف یا کے ساتھ خطاب کے صیغے سے پڑھتے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ہیں۔ ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا قرآن مجید میں فرعون اور ھامان کو یا فرعون اور یاھامان کے الفاظ کے خطاب نہیں کیا گیا؟ اور کیا ہم آج بھی انہیں اسی طرح حرف یا کے ساتھ خطاب کے صیغے کے ساتھ نہیں پڑھتے؟ تو پھر کیا فرعون اور ھامان بھی حاضر ناظر ہیں؟ اس لئے خدا کے لئے سوچیں اور سمجھیں اور عقیدہ درست کریں۔ حرف یا کے ساتھ خطاب سے کوئی حاضر ناظر نہیں بن جاتا۔ بلکہ قرآن پڑھتے ہوئے جب یا ایھا النبی اور یا ایھا الرسول کے الفاظ آتے ہیں تو اسے ہم بطور حکایت پڑھتے ہیں اور اس سے مراد کسی کو بلانا یا سنانا نہیں ہوتا بلکہ صرف تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں یا ایھا الذین امنو اور یا ایھا الکافرون بھی آتا ہے جس سے ہماری مراد مومنوں اور کافروں کو بلانا یا سنانا نہیں ہوتا بلکہ صرف تلاوت قرآن ہوتی ہے۔

یہ تو تھا حرف ''یا'' کا جواب۔ اب آیئے دوسرے نکتہ کی طرف یعنی براہِ راست خطاب کے متعلق کہ ہم ہر نماز میں السلام علیك ایھا النبی پڑھتے ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے کہ اے نبی ﷺ تجھ پر سلامتی ہو۔ اور جس کے متعلق مخالفین کا عقیدہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کو براہِ راست خطاب ہے جو کہ صرف حاضر شخص کو کیا جاتا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کا ایک جواب وہی ہے جو ہم اوپر ''یا'' کے لفظ کے ساتھ پکارنے کے سلسلہ میں لکھ آئے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی براہِ راست خطاب ہی کی ایک شکل تھا اور یہ بھی براہِ راست خطاب ہی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے وہاں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ تمام زبانی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں، اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ.... الخ تو اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔

''سلامتی ہو تجھ پر اے نبی''۔

چونکہ اس وقت آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کیا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے وقت حرفِ خطاب کو جس طرح کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا، برقرار رکھا۔ اس لئے ہم ان الفاظ کو ویسے ہی ادا کرتے ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے ہمیں تعلیم دی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر کہیں کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس مقام میں حاضر نہیں ہیں تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کلمہ دراصل شبِ معراج میں بصیغہ خطاب وارد ہوا ہے اور اس کو اسی پر برقرار رکھا گیا اور اس میں کوئی تغیر نہ کیا گیا۔ [1]

یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کسی وقت کسی شخصیت کو اس کی موجودگی اور حاضری میں خطاب ہوا تھا اور اس وقت کے ادا شدہ الفاظ کو بعد میں بعینہٖ ویسے ہی بولا جائے تو ایسا کرنے سے وہ شخصیت حاضر و ناظر نہیں بن جاتی۔ اس بات کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو تبلیغ کی اور جواب میں فرعون نے گستاخی کی تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا:

﴿ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۱۰۲)

''اے فرعون بے شک میرا خیال ہے کہ تجھے تباہ کر دیا جائے گا''۔

اب جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کیا تھا اس وقت فرعون موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر اور موجود تھا۔ اب اگر اس وقت کے خطاب کی ضمیر میں کیے گئے الفاظ کو آج بعینہٖ انہی الفاظ میں دہرایا جائے، جیسا کہ آج تمام مسلمان دورانِ تلاوت ایسا ہی کرتے ہیں تو کیا فرعون حاضر و ناظر ہو جائے گا؟

بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر کسی خاص وقت کسی ہستی کی موجودگی میں اسے کسی الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے اور اگر وہی الفاظ بعد میں دوبارہ ویسے ہی ادا کئے جائیں تو پہلے تو وہ الفاظ بطورِ خطاب ہی تھے، لیکن بعد میں وہ بطور حکایت کے ہوتے ہیں نہ کہ بطور خطاب کے۔ اور نہ ہی ایسا کرنے سے وہ شخصیت حاضر و ناظر بن جاتی ہے۔ جس طرح جب ہم قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو دوران

---

[1] مکتوبات حضرت شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۳۱۶، بحوالہ تبرید النواظر ص ۱۶۱، ناشر مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ۔

تلاوت یا فرعون اور یا ھامان کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ جو کہ ان سے براہِ راست خطاب ہے اور یقیناً جب یہ الفاظ پہلی بار کہے گئے تھے تو وہ خطاب ہی تھا۔ لیکن اب جب دورانِ تلاوت ہم ان الفاظ کو ادا کرتے ہیں تو ہمارا مقصد فرعون اور ھامان کو خطاب کرنا نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا مقصد ان کو پکارنا یا کچھ سنانا مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا کرنے سے وہ حاضر ناظر بن جاتے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تلاوت قرآن ہوتا ہے جس میں حکایتاً بطور خطاب والے الفاظ آ جاتے ہیں۔

اسی طرح تشہد ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے بھی السلام علیك ایها النبی کے الفاظ آ جاتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد نبی کریم ﷺ کو براہِ راست پکار کر سلام کہنا نہیں ہوتا۔ بلکہ تلاوت تشہد ہوتا ہے جس کے دوران نبی کریم ﷺ کو بوقت معراج کہے گئے خطاب والے الفاظ بھی آ جاتے ہیں۔ جنہیں اب ہم بطور حکایت اور دعا کے پڑھتے ہیں۔ ایسا کرنے سے نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر نہیں بن جاتے۔

دو قابل غور باتیں:

1. پہلی بات یہ کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک کے دوران بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ تشہد یہی الفاظ ادا کرتے تھے۔ السلام علیک ایہا النبی (اے نبی ﷺ تجھ پر سلامتی ہو)۔ اگر بقول مخالفین کے یہ الفاظ براہِ راست خطاب ہی ہیں تو کیا اس وقت جب، کہ نبی کریم ﷺ زندہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان موجود تھے تو کیا نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس براہِ راست سلام کا جواب دیتے تھے؟ اور اگر نہیں دیتے تھے تو کیوں نہیں دیتے تھے؟

2. دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی زندگی میں السلام علیك ایها النبی (اے نبی تجھ پر سلامتی ہو) ہی پڑھتے تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ الفاظ چھوڑ دیئے تھے۔ اس کے بجائے وہ السلام علی النبی (نبی ﷺ پر سلامتی ہو) پڑھتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف سے واضح ہے:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم التحیات میں السلام علی النبی (نبی ﷺ پر سلامتی ہو) پڑھا کرتے تھے"۔ [1]

اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی زندگی میں تو السلام علیك ایها النبی (اے نبی تجھ پر سلامتی ہو) پڑھتے تھے، لیکن بعد از وفات انہوں نے یہ خطاب والے الفاظ کیوں چھوڑے؟ اور انہوں نے خطاب والے الفاظ چھوڑ کر بغیر خطاب والے الفاظ السلام علی النبی

---

[1] بخاری ۹۲۶/۲، مسند احمد: ۳۹۲۵، بحوالہ تبرید النواظر ص ۱۷۳ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ۔

(نبی پر سلامتی ہو) کیوں ادا کرنا شروع کر دیئے؟

ان دو باتوں پر ہم کوئی تبصرہ نہیں لکھ رہے۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ ان سے کیا حق بات ابھر کر سامنے آ رہی ہے۔

تیسرا شبہ: شاہد اور شہید (گواہی دینے والا):

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴾[احزاب : ۳۳/۴۵]

''اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا''۔

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾

[سورة نساء : ٤/٤١]

''پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر اُمت میں سے گواہی دینے والا اور بلائیں گے تجھ کو اُن لوگوں پر گواہی دینے والا''۔

مخالفین یہ بات کہتے ہیں کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی صفت شاہد اور شہید کی بیان کی گئی ہے۔ جس کے معنی ہیں گواہ، گواہی دینے والا۔ نبی کریم ﷺ روز قیامت اپنی اُمت اور سابقہ انبیاء کی گواہی دیں گے۔ اور گواہی صرف وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے اور جس واقعے کی وہ گواہی دے رہا ہے، اس واقعے کے وقت حاضر اور موجود ہو۔ لہٰذا دریں حالات نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ہوئے۔

پہلا جواب:

مخالفین کا دعویٰ ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ ان واقعات پر بھی گواہ ہیں جو آپ ﷺ کی زندگی میں وقوع پذیر نہیں ہوئے اس لئے آپ ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم ایک آیت اور ایک حدیث نیچے درج کر رہے ہیں۔ انہیں غور سے پڑھیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ [البقرہ : ۲/۱۴۳]

''ہم نے اس طرح تمہیں عادل اُمت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ''۔

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمہاری قلت اور پہلی اُمتوں کی کثرت کی ایسی ہی مثال ہے جیسے سیاہ بال کے چمڑہ میں سفید

ہاں، مگر ان تمام اُمتوں پر آنحضرت ﷺ کی اُمت گواہ ہوگی"۔ ❶

اس آیت اور حدیث میں جس گواہی کی بات ہو رہی ہے وہ روزِ قیامت کی گواہی ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث اس طرح آتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دِن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا وہ اثبات میں جواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہاں! محمد ﷺ اور ان کی اُمت۔ چنانچہ یہ اُمت گواہی دے گی۔

اس ارشادِ الٰہی اور فرامین رسول ﷺ دونوں میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اُمت محمد یہ اپنے سے قبل کی اُمتوں اور لوگوں پر گواہ ہوگی۔ لہٰذا مخالفین کے اصول کی رو سے پوری اُمت محمد یہ حاضر ناظر ہوئی۔ کیونکہ ان کا نظریہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت اور پہلی اُمتوں پر گواہ ہوں گے لہٰذا وہ حاضر ناظر ہیں۔ یعنی ان کے اصول کے مطابق پہلی اُمتوں پر گواہی حاضر ناظر ہونے کی دلیل ہے۔ ان کے اسی اصول کی روشنی میں ہم یہ عرض کر رہے ہیں کہ چونکہ امت محمد یہ بھی پہلی اُمتوں پر گواہ ہوگی لہٰذا پوری کی پوری اُمت محمد یہ حاضر ناظر ہوئی۔

ذرا سوچیں کہ لوگ کس قسم کے انوکھے دلائل سے نبی کریم ﷺ کو حاضر ناظر ثابت کر رہے ہیں کہ جس کی رو سے ساری اُمت محمد یہ حاضر ناظر ثابت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

لہٰذا یہ بات نوٹ کر لیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ شاہد اور شہید ہیں۔ گواہ اور گواہی دینے والے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ حاضر ناظر ہیں۔ کیونکہ اگر پچھلی اُمتوں پر گواہ ہونے سے نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ثابت ہوتے ہوں تو پھر پورا عالم اسلام ہی حاضر ناظر ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی رو سے پورا عالم اسلام پچھلی اُمتوں پر گواہ ہے۔

دوسرا جواب: مخالفین کی غلطی کا سبب:

مخالفین کو یہ غلطی کیوں ہوئی کہ انہوں نے شاہد اور شہید کے لفظ سے حاضر و ناظر کا معنی لے لیا۔ سو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مخالفین نے دراصل لفظ شہادت سے ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے صرف یہی سمجھا کہ شہادت اور گواہی وہ ہوتی ہے جس میں مشاہدہ اور معائنہ ہو۔ حاضری اور موجودگی ہو۔ لہٰذا جب آپ گواہ اور شاہد ہوں گے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ ﷺ نے بچشم خود ہر اُمتی کو دیکھا اور اس کے ظاہر و باطن کے احوال کا مشاہدہ اور معائنہ کیا ہے۔ اور یہی حاضر و ناظر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات اس طرح نہیں ہے۔

---

❶ مسلم ج ١ ص ١٨.

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی واقعہ کی شہادت اور گواہی کے لئے اس واقعہ کا مشاہدہ ہونا، اس واقعے کے وقت موجود اور حاضر ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر گواہی قبول نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ یہ اُصول ہر جگہ اور ہر وقت لاگو نہیں ہوتا۔ بعض اوقات بغیر موجودگی اور مشاہدہ کے کسی انتہائی درست اور ٹھوس ذرائع سے کسی صحیح بات کا علم ہو جانے پر اس کی گواہی دی جاسکتی ہے۔ اس بات کے ثبوت اور وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

1 اگر شہادت کے لئے یہ ضروری ہوتا کہ بچشم خود دیکھا جائے یا گواہ اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہو تو ہم اذان تک نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمیں اِس کی گواہی دینا پڑتی ہے کہ:

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔

بتلایئے آج کل کس مؤذن نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھا ہے؟ اور کس مؤذن نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جناب رسول اللہ ﷺ پر وحی لے کر آتے دیکھا ہے، مگر گواہی اور شہادت وہ باقاعدہ دیتا رہتا ہے۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر شہادت اور ہر گواہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ گواہی اور شاہد بچشم خود اصل واقعہ کے وقت حاضر اور موجود ہو۔ بلکہ کسی ثقہ اور معتبر شخصیت یا کسی ٹھوس، معقول اور انتہائی درست وجہ سے اس واقعہ کا علم ہونے پر اس کی شہادت اور گواہی دینی جائز ہے۔ اگر چہ وہ اس واقعہ کے وقت حاضر اور موجود نہ ہو۔

2 قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ [البقرہ : ۲/۱۴۳]

''اور ہم نے اس طرح تمہیں عادل اُمت بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ''۔

اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''تمہاری قلت اور پہلی اُمت کی کثرت کی ایسی ہی مثال ہے جیسے سیاہ بال کے چمڑہ میں سفید بال۔ مگر ان تمام اُمتوں پر میری اُمت گواہ ہوگی''۔ [1]

اس آیت اور حدیث مبارکہ سے بھی یہ واضح ہو رہا ہے کہ گواہی کے لئے حاضری اور موجودگی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت اور حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اُمت محمدیہ پچھلی اُمتوں

[1] مسلم ج ۱ ص ۱۸۔

کی گواہی دے گی۔ اب ظاہر ہے ساری اُمت محمدیہ ﷺ پچھلے تمام لوگوں کے حالات و واقعات کے وقت حاضر اور موجود تو نہ تھی۔

اب اگر بغیر معائنہ اور مشاہدہ کے گواہی اور شہادت درست نہیں ہے تو اُمت محمدیہ پہلی اُمتوں پر کیوں گواہی دے گی جبکہ انہوں نے حضرت ابراہیم، حضرت نوح و دیگر انبیاء علیہم السلام کا زمانہ دیکھا نہ پایا۔ مگر قرآن وحدیث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اُمت محمدیہ گواہی دے گی۔

پس اگرچہ اس اُمت نے پچھلی اُمتوں کو اور ان کے اعمال واحوال کو بچشم خود نہیں دیکھا مگر چونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے سچے اور برحق پیغمبر رسول اللہ ﷺ نے اس اُمت کے پاس یہ قطعی، سچی اور یقینی خبر پہنچا دی ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی ہے اور خدا اور اس کے رسول سے بڑھ کر سچا اور معتبر اور کوئی بھی نہیں۔ لہٰذا ان کے ارشاد پر یقین اور اعتقاد کرتے ہوئے اُمت محمدیہ بغیر حاضری اور موجودگی کے گواہی اور شہادت دے گی۔

3 نسائی[1] وغیرہ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دیہاتی سے (جس کا نام سواد بن الحارث تھا) ایک گھوڑا خریدا۔ لیکن اس وقت آپ ﷺ کے پاس رقم موجود نہ تھی۔ رقم لینے کے لئے آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ کوئی اور گاہک آیا اور اس نے پہلی طے شدہ رقم سے زیادہ رقم اور قیمت اُس دیہاتی کو بتلائی۔ اس نے اس کے ساتھ معاملہ کر دیا۔ جب آپ ﷺ رقم اور قیمت اس کے ساتھ طے کر چکے تھے تو اُصولاً معاملہ پورا ہو گیا تھا۔ اس گنوار کو گھوڑا فروخت کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ لیکن اس نے زیادہ رقم کے لئے بے ایمانی کی اور آنحضرت ﷺ کو کہا کہ میں نے گھوڑا آپ پر فروخت ہی نہیں کیا۔ آپ ﷺ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ میرا اور تمہارا معاملہ طے ہو چکا ہے۔ میرے ذمے صرف رقم ادا کرنا ہی باقی ہے۔ سو اپنی رقم لے لو اور گھوڑا میرے حوالے کرو۔ دیہاتی بولا: آپ براہِ مہربانی گواہ پیش کریں کہ میں نے واقعی گھوڑا آپ پر فروخت کر دیا ہے۔ جس وقت یہ معاملہ طے ہوا تھا اس وقت آنحضرت ﷺ اور اُس دیہاتی کے علاوہ اور کوئی آدمی پاس موجود نہ تھا، لیکن حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ گواہی دینے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم موجود ہی نہ تھے تو تم کس طرح گواہی دیتے ہو۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ ٹھیک ہے کہ میں اُس وقت موجود نہ تھا لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ ((اِنَّكَ لَا تَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا)) بے شک آپ ﷺ سچ ہی کہا کرتے ہیں۔

---

[1] نسائی ج ۲ ص ۱۹۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲، سنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۸.

جب آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑا خریدا ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ نے ضروری خریدا ہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ صادق ہیں، اس لئے میں گواہی دیتا ہوں۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی اس عقیدت مندی اور خلوص کو دربارِ خداوندی میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ارشاد ہوا، جس کے لئے تنہا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ گواہی دے، وہ گواہی پوری ہوگئی۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ وہ تنہا دو گواہوں کے برابر اور قائم مقام ہے۔

اس حدیث سے بھی روزِ روشن کی طرح یہ ثابت ہوا کہ گواہ کے لئے اصل حادثہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ کسی معقول ذریعہ سے اصل واقعہ کا علم ہو جانا ہی شہادت کے لئے کافی ہے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اگرچہ خرید وفروخت کے وقت موجود نہ تھے، لیکن مخلوق میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر سچا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے بیان پر یقین اور اعتماد رکھتے ہوئے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہا شہادت اور گواہی دینے پر تیار ہو گئے۔

لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ گواہ صرف ایسی ہی چیز کی شہادت دے جس کو خود اس نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ بلکہ کسی چیز کے متعلق صحیح علم ہونے پر بھی شہادت درست ہے۔ مثلاً ہم نے ذاتِ باری تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ یقیناً موجود ہے۔ اسی طرح ہم گواہی دیتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں، جنت اور دوزخ موجود ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام حضرات انبیاء عظام علیہم السلام کے دُنیا میں تشریف لانے اور رسول ہونے کی شہادت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وجود کی بھی شہادت دیتے ہیں مگر ہم نے بچشم خود اُن میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم عذابِ قبر، میدانِ حشر اور پل صراط وغیرہ سینکڑوں چیزوں کی شہادت دیتے ہیں مگر ہم نے ابھی تک کچھ نہیں دیکھا۔ ہم اس کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ بے شمار قومیں دُنیا میں آئیں اور تباہ ہوئیں۔ زمین سے اُبلتے ہوئے اور آسمان سے برستے ہوئے پانی کا طوفان آیا۔ آندھی کا جھکڑ آیا۔ زلزلے کی صاعقہ انداز کڑک آئی۔ آسمان سے پتھر برسے۔ مگر ہم نے دیکھا کچھ بھی نہیں۔ کیوں شہادت دیتے ہو۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق ﷺ نے ہمیں پختہ خبریں دی ہیں۔

الحاصل قرآن کریم، حدیث شریف، لغت اور عرفِ عام سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاہد اور گواہ کے لئے اصل واقعہ میں موجود اور حاضر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی معقول وجہ سے اس چیز کا علم ہو جانا ہی کافی ہے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ کے گواہ ہونے سے ان کا حاضر وناظر ہونا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

چوتھا شبہ کلمہ طیبہ سے استدلال:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)).

”نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“۔

دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کلمہ طیبہ میں آتا ہے کہ ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“۔اب بھی ہیں' ہر ایک کے لئے ہیں' ہر وقت ہیں اور ہر جگہ ہیں۔پس رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔

اس دلیل سے نبی کریم ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔کیسے؟ نیچے چند فقرے لکھے جا رہے ہیں' انہیں ذرا غور سے پڑھیں:

1. قائداعظم پاکستان کے بانی ہیں۔
2. پرویز مشرف پاکستان کے صدر ہیں (یہ سطور جولائی ۲۰۰۶ میں لکھی گئیں)۔

یہ دونوں بیانات لفظ ”ہیں“ پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ قائداعظم' اور پرویز مشرف حاضر و ناظر ہیں۔ظاہر ہے کہ نہیں۔لہٰذا قائداعظم پاکستان کے بانی ہیں اور پرویز مشرف پاکستان کے صدر ہیں کہنے سے قائداعظم اور پرویز مشرف حاضر و ناظر نہیں بن جاتے۔بعینہٖ یہ بات کہنے سے کہ ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں“ حضرت محمد ﷺ حاضر و ناظر ثابت نہیں ہوتے۔ حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس صفت میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔آمین۔

ایک حنفی بزرگ کی وضاحت:

خاتم الفقہاء حضرت مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری پکار سن سکتے ہیں' گو دور سے ہی پکاریں شرک ہے' کیوں کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خصوصیات سے ہے۔اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں“۔ [1]

---

[1] مجموعة الفتاوىٰ از حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی مطبوعہ ١٣١٤ھ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ٢١٨ ناشر مکتبہ عمر فاروق.

شرک فی الصفات

شرک فی الصفات (صفات میں شرک) کی تعریف یہ ہے کہ وہ صفات جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان صفات کو اسی مفہوم خاص میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی اور میں بھی سمجھنا یا کسی اور کو ان میں ساجھی' شریک اور حصہ دار سمجھنا۔ اس تعریف میں یہ قید اور شرط ہے کہ جس مفہوم میں وہ خدا کے لئے مخصوص ہیں اسی مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی اور کو ساجھی' حصہ دار یا شریک ٹھہرانا۔

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہماری زبان میں الفاظ مشترک اور یکساں ہیں۔ جو الفاظ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے بطور صفت بولتے ہیں وہی الفاظ ہم مخلوق کے لئے بھی بولتے ہیں۔ مثلاً اللہ بھی موجود ہے، ہم بھی موجود ہیں۔ اللہ بھی زندہ ہے، ہم بھی زندہ ہیں۔ اللہ بھی دیکھتا ہے، ہم بھی دیکھتے ہیں۔ اس لفظی اشتراک سے مغالطہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ بات نوٹ کر لیں کہ جب ان صفات کا اطلاق اللہ پر ہوتا ہے ان کا مفہوم کچھ اور ہوگا لیکن جب یہی صفت کسی انسان کے لئے بولی جائے تو اس کا مفہوم کچھ اور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک اس وقت وقوع پذیر ہوگا۔ جب کوئی صفت اس مفہوم خاص میں کسی انسان کے لئے بول دی جائے جس مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے لئے بولی جاتی ہے۔ اس بات کی وضاحت چند مثالوں کی مدد سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حق اور سچ لکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مثال نمبر 1 ✲ سننے کی صفت:

سننے کی صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں میں پائی جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے سننے اور انسان کے سننے میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دور و نزدیک سے بلکہ ہر جگہ سے' تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی تمام باتیں' بغیر کسی واسطے' وسیلے اور ذریعے سے بیک وقت سنتے ہیں۔ چاہے کوئی آہستہ آواز میں بولے' چاہے اونچی آواز سے بولے اور چاہے وہ دل ہی دل میں کچھ کہے اور چاہے وہ کسی بھی زبان میں کچھ بولے' اور اس سننے کے دوران اللہ تعالیٰ کو نہ تو تھکاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو نیند آتی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک ہستی ہے جو ایک وقت میں تمام بولنے والے لوگوں کی تمام باتوں کو سنتے ہیں۔ لیکن جب یہ صفت کسی انسان کے لئے بولی جاتی ہے تو اس کا مفہوم انتہائی محدود ہوتا ہے۔ انسان کا کسی کی بات سننے کا دار و مدار اس کے کان پر ہے' جو کہ ایک

مقررہ دائرہ سماعت کے اندر کام کرتے ہیں۔ ایک مخصوص فاصلے کے بعد انسان کے کان کچھ نہیں سن سکتے۔ اس کے علاوہ انسان کے کان بہت زیادہ آہستہ آواز اور بہت زیادہ اونچی آواز بھی سننے کے قابل نہیں ہوتے۔ یعنی انسانی کان ایک مقررہ Pitch اور Frequency والی آوازیں ہی سن سکتا ہے۔ فاصلے کے کم اور زیادہ ہونے اور آواز کے تیز اور آہستہ ہونے کے لحاظ سے انسان کے کان ایک مقررہ حد کے اندر کام کرتے ہیں۔ اس مقررہ حد کے باہر وہ کام نہیں کرتے' اور اس مقررہ حد کے اندر بھی انسان وہ بات صرف اسی صورت میں سمجھ سکتا ہے اگر وہ بولنے والے کی زبان جانتا ہو' ورنہ سننے کے باوجود اسے کچھ سمجھ نہیں آئے گی کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کو تھکاوٹ بھی ہوتی ہے اور وہ نیند کا بھی محتاج ہے۔ دورانِ نیند اس کے سننے کی حس عارضی طور پر معطل ہو جاتی ہے۔ اس دوران وہ کچھ نہیں سن سکتا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔ وہ ہر وقت' ہر جگہ سے' ہر کسی کی' ہر زبان میں' ہر قسم کی فریاد بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے سنتے ہیں' اور اس سننے سے اللہ تعالیٰ کو نہ تو تھکاوٹ ہوتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ اس مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان' بزرگ' ولی یا پیغمبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا مثلاً یہ کہ وہ بھی دور و نزدیک سے' اپنے تمام چاہنے والوں کی باتیں' بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے بیک وقت اور ہر وقت سنتے ہیں تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ کیونکہ اس مفہوم میں سننے کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اس مفہوم میں سننے کی طاقت کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

آپ براہ راست تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کسی انتہائی قابل' متقی اور پرہیزگار ولی اور بزرگ کو لے آئیں اور اس کے سامنے اس دنیا کے اربوں لوگوں میں سے صرف پندرہ بیس آدمی پیش کئے جائیں اور وہ بیک وقت بولنا شروع کر دیں۔ آپ بتائیں کیا وہ ان پندرہ بیس آدمیوں میں ہر ایک کی ہر بات کو سن اور سمجھ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی بزرگ ایک جلسے میں شریک ہیں جس میں ہزاروں لاکھوں لوگ شریک ہیں۔ فرض کریں کہ اس جلسے کے تمام حاضرین بیک وقت بولنا شروع کر دیتے ہیں تو آپ بتائیں کہ کیا کسی ایک آدمی کی بات بھی توجہ سے سنی جا سکتی ہے۔ چہ جائیکہ ہزاروں لاکھوں کی باتیں سنی جائیں۔

اب اگر اسی بزرگ کے سامنے صرف ایک ایسا آدمی بات کرنا شروع کر دے جس کی زبان وہ بزرگ نہیں جانتے تو اس صورت حال میں باوجود سننے کے وہ بزرگ کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے' کیونکہ وہ اس کی زبان ہی نہیں جانتے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ایک وقت میں تمام لوگوں کی باتیں

سنتے ہیں' چاہے وہ کسی بھی زبان میں بول رہے ہوں۔ تو لہٰذا جب ایک زندہ آدمی ایک وقت میں صرف ایک آدمی کی بات سن سکتا ہے یا اگر بڑی ہی قابلیت دکھائے تو زیادہ سے زیادہ دو آدمیوں کی بات سن سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب وہ ان کی زبان جانتا ہو تو فوت شدگان ایک وقت میں ہزاروں لوگوں کی مختلف زبانوں میں کی گئی بات کو کیسے سن سکتے ہیں اور وہ بھی کسی ظاہری وسیلے اور واسطے کے بغیر۔

ایسا سننا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' سننے کے اس مفہوم میں کسی انسان بزرگ یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور و نزدیک سے' ہر ایک کی ہر بات کو بغیر کسی ظاہری سبب کے سنتے ہیں تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت علی ہجویری اور پیر عبدالقادر جیلانی وغیرہ کو پکارتے ہیں۔ ان کو پکارتے وقت یقینی طور پر ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بزرگ' دور و نزدیک ہر جگہ سے تمام پکارنے والوں کی باتیں' کسی ظاہری واسطے اور وسیلے کے بغیر ہر وقت سنتے ہیں' چاہے وہ کسی بھی زبان میں بات کر رہے ہوں اور چاہے ایک وقت میں کتنے ہی لوگ بات کر رہے ہوں۔ اس سلسلہ میں ان کی نیند اور تھکاوٹ کا بھی کوئی خیال نہیں رکھا جاتا اور انہیں چوبیس گھنٹے کوئی نہ کوئی پکار رہا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح تھکاوٹ نہیں ہوتی اور نہ انہیں نیند آتی ہے' ایسا عقیدہ سراسر شرک ہے' شرک فی الصفات۔ کیونکہ اس مفہوم میں سننا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

مثال نمبر 2 ٭ دیکھنے کی صفت:

دیکھنے کی صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ جب ہم یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے اور جب ہم یہ صفت انسان کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مفہوم انتہائی محدود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں' چاہے وہ چیز دور ہو یا نزدیک' پوشیدہ ہو یا ظاہر' اندھیرے میں ہو یا روشنی میں' چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی' شرعی ہو یا غیر شرعی' پردہ کی اوٹ میں ہو یا پردے کے آگے' آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں ہو یا ان کے درمیان ہو۔ الغرض وہ تمام چیزوں کو بیک وقت دیکھ رہے ہیں' کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو نیند آتی ہے۔

جبکہ انسان کے دیکھنے کا دار و مدار اس کی آنکھ پر ہے۔ اگر آنکھ صحیح ہے' نظر درست طور پر کام کر رہی ہے تو آدمی دیکھ سکتا ہے وگرنہ نہیں۔ اس کے علاوہ انسان کی نظر ایک مقررہ فاصلے تک کام کرتی

ہے' اس سے آگے کام نہیں کرتی۔ یعنی انسان کی نظر ایک خاص حد کے اندر کام کرتی ہے' انسان اس خاص حد کے اندر دیکھ سکتا ہے' اس سے آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا اور اپنے دائرہ نظر میں بھی وہ توجہ اور غور سے ایک وقت میں صرف ایک ہی چیز کو دیکھ سکتا ہے۔ اور اگر اسی چیز کے آگے کوئی پردہ آ جائے تو وہ چیز اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ انسانی آنکھ دیوار کے اس طرف نہیں دیکھ سکتی۔

علاوہ ازیں انسانی آنکھ تھک بھی جاتی ہے اور اسے نیند کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ چند گھنٹوں کی نیند کے بغیر انسان کوئی بھی کام بہتر طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان تمام عیبوں سے پاک ہے۔ کوئی پردہ یا دیوار اس کو کسی چیز کے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں تمام چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تھکاوٹ بھی نہیں ہوتی اور نہ نیند آتی ہے۔ لہٰذا اس مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان' بزرگ یا پیغمبر کے بارے میں عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے۔

مثلاً یہ کہ وہ دور و نزدیک سے' ظاہر و پوشیدہ' تمام چیزوں کو ایک ہی وقت میں اور ہر وقت دیکھتے ہیں' ایسا عقیدہ رکھنا اللہ کی صفات میں کسی اور کو شریک بنانا ہے اور یہ شرک فی الصفات ہے۔ کیونکہ اس مفہوم میں دیکھنا صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔ یہ کسی انسان' بزرگ' ولی یا پیغمبر کے بس کی بات نہیں۔ مثلاً بعض لوگ فوت شدہ بزرگوں کو اس عقیدہ کے ساتھ پکارتے ہیں کہ اگرچہ ان کے اور میرے درمیان منوں مٹی اور ہزاروں ہا دیواریں اور پردے ہیں لیکن وہ میری حالت سے باخبر ہیں اور مجھے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ ہر ایک کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔ تبھی تو انہیں پکارا جاتا ہے۔ ایسا عقیدہ سراسر شرک ہے۔ کیونکہ اس مفہوم میں دیکھنا صرف اللہ تعالیٰ کے خاص ہے۔

مثال نمبر 3 ✿ جاننے اور علم رکھنے کی صفت:

جاننا اور علم رکھنا' یہ صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں میں پائی جاتی ہے' لیکن اللہ کا جاننا اور ہے جبکہ انسان کا جاننا اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و پوشیدہ' چھوٹی و بڑی' دور و نزدیک' شرعی و غیر شرعی چیزوں' باتوں اور کاموں کو کسی کے بتائے بغیر جانتے ہیں۔ کسی کے دل میں کوئی بات ہو یا زبان پر یا آنے والے کل کے واقعات اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں' کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے۔ جبکہ انسان کو اتنی ہی باتوں کا علم ہو سکتا ہے جتنی وہ کوشش کر کے حاصل کر سکتا ہے' یا جتنا علم اللہ تعالیٰ اسے عطاء کر دیتا ہے۔

سیکھنے سے پہلے اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پہلے انسان علم کے لحاظ سے کورا ہوتا ہے۔ ایک

انسان، بزرگ، ولی یا پیغمبر جتنا مرضی علم حاصل کر لے، جتنا مرضی علم اسے عطاء ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنی سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ پانی کی۔ لہٰذا علم رکھنے اور جاننے کی یہ صفت اس مفہوم میں جس مفہوم میں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان، بزرگ، ولی یا پیغمبر میں بھی سمجھی جائے تو یہ اللہ کی صفت علم رکھنے میں کسی اور کو شریک بنانے کے برابر ہوگا۔

مثلاً اگر کسی بزرگ، ولی یا پیغمبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ بھی کل کی بات یعنی آنے والے واقعات کے بارے جانتا ہے، وہ دلوں کے بھید جانتا ہے، وہ دور و نزدیک سے تمام ظاہر و پوشیدہ کاموں اور چیزوں کو جانتا ہے۔ وہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد بھی ہونے والی واقعات اور ماکان و ما یکون اور لوح محفوظ کا علم جانتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنا اللہ کی صفت علم رکھنا میں کسی اور کو شریک بنانا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ کی صفات میں شرک ہے، کیونکہ اس مفہوم میں علم رکھنا اور جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے، کوئی اور اس بارے میں اللہ کا شریک نہیں، کسی اور میں یہ صفت اس طرح ہرگز نہیں پائی جاتی۔

ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات ہے، کیونکہ جاننے اور علم رکھنے کی صفت اس مفہوم خاص میں کسی اور میں مانی جارہی ہے، جس مفہوم میں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

جیسا کہ مشہور حنفی عالم مولانا احمد یار خان نعیمی اپنی کتاب جاء الحق میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول بیان کرتے ہوئے پہلے قرآن مجید کی یہ آیت لکھتے ہیں:

﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [حدید : ۵۷/ ۳]

''وہی اوّل ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفیٰ ﷺ بھی''۔ ❶

یعنی جو چیز حمد خدا ہے، وہی نعت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اللہ بھی اوّل مصطفیٰ ﷺ بھی اوّل۔ اللہ بھی آخر مصطفیٰ ﷺ بھی آخر، اللہ ظاہر بھی پوشیدہ بھی، مصطفیٰ ﷺ بھی ظاہر بھی پوشیدہ بھی۔ اللہ بھی ہر چیز کو جانتا ہے مصطفیٰ ﷺ بھی ہر چیز کو جانتے ہیں۔ یعنی اللہ کی بڑی بڑی صفات اوّل و آخر، حاضر و ناظر اور علیم ''خبیر'' اللہ تعالیٰ میں بھی مانی جارہی ہیں اور بعینہ ویسے ہی نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں بھی مانی جارہی ہیں، اور یہی شرک ہے: ''شرک فی الصفات''۔

---

❶ جاء الحق، حصہ اوّل، بحث علم غیب، پہلا باب، چوتھی فصل، علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں دوبارہ علم غیب صفحہ نمبر ۷۸۔

مثال نمبر 4 * مدد کرنے اور حاجت پوری کرنے کی صفت:

مدد کرنا اور حاجت پوری کرنا یعنی مددگار اور حاجت روائی اور مشکل کشائی یہ صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے لئے بولی جاتی ہے۔ یہ صفت جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی ظاہری اسباب کے ہر وقت' ہر جگہ سے' ہر کسی کی' ہر قسم کی فریاد سن کر اسے پورا کرنے پر قادر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اربوں لوگوں کی فریاد بیک وقت سننے اور پھر اسے پورا کرنے پر قادر ہیں۔ جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں اربوں لوگ بستے ہیں اور سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام کے تمام لوگوں کی فریادیں سننے اور پھر اسے پورا کرنے پر قادر ہیں۔ لیکن جب ہم مددگار کی صفت کسی انسان کے لئے بولتے ہیں تو اس کا مطلب انتہائی محدود ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ انسان کی کسی دوسرے انسان کی فریاد سننے اور پھر اسے پورا کرنے کی طاقت حسی اسباب کے ماتحت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک انسان کسی دوسرے انسان کی مدد صرف اس صورت میں کر سکتا ہے جب وہ اس مدد پر قادر ہو' یعنی وہ کام اس کے بس میں ہو۔ کیونکہ کئی کام ایسے ہوتے ہیں جو کہ اس کے بس میں ہی نہیں ہوتے جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے کسی بھی عیب سے پاک ہیں۔ لہٰذا مددگار یا حاجت روائی و مشکل کشائی کی یہ صفت جن معنوں میں اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے انہی معنوں میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان میں مانی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک ہوگا۔

مثلاً اگر کسی انسان' بزرگ' ولی یا پیغمبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ بھی دور و نزدیک سے بغیر کسی واسطے کے اپنے تمام چاہنے والوں کی فریادیں سننے اور پھر اسے پورا کرنے پر قادر ہیں تو ایسا عقیدہ دراصل اللہ کی صفات میں شرک ہے۔ کیونکہ اس مفہوم میں فریادیں سننا اور انہیں پورا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ایسا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایسا عقیدہ شرک فی الصفات ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ بزرگانِ دین' اولیاء کرام اور پیغمبر مثلاً رسول اکرم ﷺ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' علی ہجویری' پیر عبدالقادر جیلانی وغیرہ کو پکارتے ہیں۔ ان کو پکارتے وقت ان کا عقیدہ یقیناً یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کو فوت ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور ان کی قبریں بھی ہزاروں میل کے فاصلے پر ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دور و نزدیک سے' بغیر کسی ظاہری سبب کے' ہر وقت اور ہر جگہ سے' ہر کسی کی چاہے وہ کسی بھی زبان میں اپنی فریاد پیش کر رہا ہو' ہر قسم کی فریاد سننے اور پھر اسے پورا کرنے پر قادر ہے۔ تبھی تو وہ انہیں پکارتا ہے۔ ایسا عقیدہ یقیناً شرک فی الصفات ہے' کیونکہ اس مفہوم میں فریاد سننا اور پھر اسے پورا کرنا صرف اللہ کی صفت اور وصف ہے۔ کسی انسان میں یہ صفت

اس طرح نہیں پائی جاتی' یعنی حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کسی انسان میں اس مفہوم خاص میں مانی جارہی ہے جس مفہوم میں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔

مثال نمبر 5 * حاضر اور موجود ہونے کی صفت:

حاضر اور موجود ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ اور انسان دونوں کے لئے بولی جاتی ہے۔ جب حاضر یا موجود ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بولی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور موجود ہیں۔ جبکہ انسان ایک وقت میں صرف اور صرف ایک ہی جگہ موجود ہوسکتا ہے۔

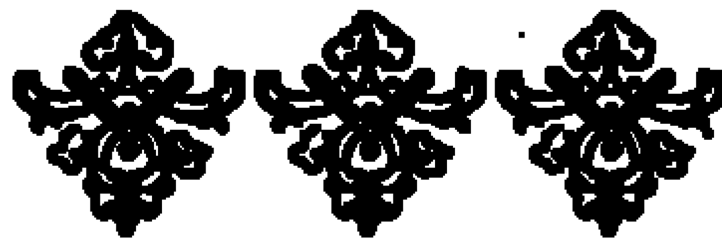
مثلاً اگر زید مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت زید صرف اور صرف مسجد میں حاضر اور موجود ہے' مسجد کے علاوہ زید کہیں بھی حاضر اور موجود نہیں ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ زید ایک ہی وقت میں مسجد میں بھی موجود ہو اور گھر میں بھی موجود ہو۔ کیونکہ انسان ایک وقت میں صرف اور صرف ایک ہی جگہ حاضر اور موجود ہوسکتا ہے۔ وہ ایک وقت میں دو یا دو سے زیادہ جگہوں پر موجود نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت میں ایک دو نہیں بلکہ ہر جگہ حاضر ہیں۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ہیں اس مفہوم میں یا اس سے ملتے جلتے مفہوم میں کسی انسان' بزرگ' ولی یا پیغمبر کے بارے میں بھی ایسا عقیدہ رکھنا اللہ کی صفت حاضر ہونے میں کسی اور کو شریک بنانا ہے۔ کیونکہ ہر جگہ حاضر ہونے کی صفت صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا یہ عقیدہ اور نظریہ ہے کہ بزرگ ولی اور پیغمبر بھی ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہوں پر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ شرک فی الصفات ہے کیونکہ موجود اور حاضر ہونے کی صفت اللہ کے علاوہ کسی اور میں اس مفہوم میں مانی جارہی ہے جس مفہوم میں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ جیسا کہ مشہور بریلوی عالم مولانا احمد یار خان نعیمی اپنی کتاب جاء الحق میں لکھتے ہیں:

> ''حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون ہے یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنی کا ثبوت بزرگانِ دین کے لئے قرآن وحدیث و اقوال علماء سے ہے''۔

---

❶ جاء الحق، حصہ اوّل، مقدمہ حاضر و ناظر کے لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں، صفحہ نمبر ۱۳۷۔

اب غور کریں کہ تمام عالم کو ایک ہی وقت دیکھنا اور دور ونزدیک سے حاجت مندوں کی پکار سننا اور اسے پورا کرنا' یہ تمام صفات بزرگان اور فوت شدگان کے لئے عین اسی مفہوم میں مانی جا رہی ہیں جس طرح یہ اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہی شرک فی الصفات ہے۔



باب نمبر6

ملک وقدرت اور تصرف واختیار

اس باب میں

- قدرت کاملہ کا مالک صرف اللہ
- نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ
- نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی بے اختیاری اور
- غیر اللہ کو پکارنے کی تین بنیادی وجوہات

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

مِلک وقدرت اورتصرف واختیار

غیر اللہ کو پکارنے کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ غیر اللہ ذاتی یا عطائی طور پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ وہ میرا دُکھ درد اور مشکلات دور کرنے پر قادر ہے۔ حالانکہ یہ بات ہرگز ہرگز درست نہیں بلکہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔

قدرتِ کاملہ اور کل اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے:

① ﴿ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ [مائدہ : ۵/ ۱۷]

''اور اللہ ہی کے لیے خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کی حکومت، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

② ﴿ مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ [فاطر : ۳۵/ ۲]

''اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں' اور اللہ جو کچھ بند کر دے اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے''۔

③ ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ [آل عمران : ۳/ ۲۶]

''آپ کہیئے ! اے اللہ سارے ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیتے ہیں اور جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں ذلت دیتے ہیں' آپ ہی کے ہاتھ میں ہے سب بھلائی' بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں''۔

④ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے پھر کہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ)). [1]

"الٰہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں' بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں"۔

غور فرمایئے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار اور علم غیب کو اللہ ربّ العزت کے لیے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفاتِ ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

⑤ بروایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے:

((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)). [2]

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی سلطنت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' الٰہی! جو تو عطاء فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دے وہ کوئی نہیں دے سکتا' اور تیرے ساتھ کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی"۔

پس کتاب اللہ اور احادیث نبوی ﷺ سے یہی ثابت ہے کہ قدرت کاملہ' تصرف اور اختیار صرف خاصہ خدا ہے۔ کوئی دوسرا ان صفات میں ہرگز شریک نہیں۔

نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ:

ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ [الانعام : ٦/ ١٧]

"اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اللہ ہی کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں' اور اگر اللہ تجھے کوئی نفع پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

---

[1] رواہ البخاری، کتاب التهجد، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی (١١٦٢).

[2] بخاری، صفة الصلوٰة (الاذان) باب الذکر بعد الصلوٰة (٨٤٤).

② ﴿ رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾ [هود: ۱۱/ ۱۰۷]

''اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا سوائے اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں''۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، برائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضۂ تامہ اللہ ربّ العزت کا ہے۔ اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی دُکھ سکھ پر قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دُکھ درد کو سوائے اس کے کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد ہے۔

اللہ کے سوا کسی کو کوئی قدرت واختیار نہیں:

اللہ کے سوا کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں، نہ وہ کسی کی کوئی تکلیف دور کر سکتا ہے نہ اس میں کمی کر سکتا ہے، نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔ پھر ایسی بے اختیار و عاجز مخلوق کو پکارنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک قرآن مجید میں بیسیوں جگہ تمام مخلوق کی ماسویٰ اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگِ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرّہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

① ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴾
[الاسراء: ۱۷/ ۵۶]

''آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو (ذرا) ان کو پکارو (تو سہی)، وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا''۔

② ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾ [سباء: ۳۴/ ۲۲]

''آپ کہیے جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرّہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے''۔

ماسوائے اللہ کسی معبود کو بھی ایک ذرّہ برابر اختیار حاصل نہیں، نہ زمین و آسمان کی تخلیق و ایجاد میں اس کا کوئی ساجھی ہے، نہ اللہ ربّ العزت کو کسی کام میں کسی کی مدد کی کوئی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی

معین و مددگار ہو۔

③ ﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا○ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴾

[سورہ فرقان: ۲۵/ ۲،۳]

"وہ (اللہ) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے' اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں بنایا' اور نہ (ہی) کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا' پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔ (ان صفتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر) مشرکین نے اللہ کے سوا (دوسرے) معبود بنا لیے جو نہ (تو) کوئی چیز پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں' اور خود اپنے لیے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتے' اور نہ موت و حیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (قیامت) کے دِن دوبارہ اُٹھنے کا"۔

④ ﴿ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ﴾ [فاطر: ۳۵/ ۱۳]

"اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے"۔

⑤ ﴿ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○ ﴾

[المؤمنون: ۲۳/ ۸۸، ۸۹، ۹۰]

"پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو' حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں"۔

یعنی مشرکین مکہ اس بات کا اعتراف اور یقین رکھتے تھے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے اور ہر چیز اور ہر کام کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے اور اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر یہ بھی اللہ کے نیک بندے ہیں ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

بالکل یہی مغالطہ آج کل کے اکثر مسلمانوں کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ' ولی یا نبی کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور تم ان کے وسیلے سے میرا قرب حاصل کرو یا انہیں مدد کے لئے پکارو۔ قطعاً نہیں۔ اسی لئے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا۔ یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے' اس لئے معبود بھی صرف اللہ ہی ہے اور اگر یہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی پکار کر اللہ کی عبادت میں شریک کر رہے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی یعنی آباؤ اجداد کی بغیر سوچے سمجھے پیروی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

⑥ ﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ﴾ [القصص (۲۸/۶۸)]

"آپ کا ربّ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے' ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں"۔

یعنی اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں' چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے اختیاری:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی' اس لیے ساتھ ہی فرما دیا کہ:

﴿ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [یوسف : ۱۲/ ۶۷]

"اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا' حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے"۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے۔ میں قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ ربّ العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الٰہی ہوگا۔ میں حکم الٰہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں:

﴿ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ [یوسف : ۱۲/ ۶۸]

"ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا"۔

تو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی مجبور محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے۔ اور تو اور وہ اپنی ذاتی تکلیف ومصیبت بھی دور نہ کر سکے:

﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ﴾

[سورہ انعام : ٦/ ٣٤]

''اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی' انہوں نے اس اپنے جھٹلائے ہوئے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آپہنچی''۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا' ظالم کفار ومشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم وستم کا ہدف ونشانہ بنے اور صبر وشکر کا مظاہرہ کیا۔ آخر اللہ ربّ العزت' قادر وقدیر کی مدد ونصرت آئی اور حق غالب آیا۔

امام المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری:

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوبِ خدا' سید الانبیاء' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک تک کو ذرّہ بھر اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

① ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ [اعراف: ٧/ ١٨٨]

''آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا' مگر جو اللہ چاہے''۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

② ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ [یونس : ١٠/ ٤٩]

''آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع کا' مگر جو اللہ چاہے''۔

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نفع وضرر کے اختیار کا واضح اعلان فرمایا ہے' ان کے جواب میں بعض لوگ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لیے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے متعلق بھی نفع وضرر اور سود وزیاں کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں' لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں۔ معاذ اللہ۔

ملاحظہ فرمائیں! اس آیت میں نہایت صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

اُمت کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کے مالک ومختار نہیں:

③ ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ ﴾ [جن : ۷۲/ ۲۱]

''آپ کہئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا''۔

گو آپ ﷺ اقلیم بلاغ وتبلیغ کے تاجدار اور مسند رشد وہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہِ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

④ ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○ ﴾

[سوره قصص : ۲۸/ ۵۶]

''تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہے ہدایت دیتا ہے' اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے''۔

⑤ ﴿ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ﴾

[آل عمران : ۳/ ۱۲۸]

''(اے محمد ﷺ!) آپ کے اختیار میں کچھ نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے' کیونکہ وہ ظالم ہیں''۔

احادیث میں آتا ہے کہ جنگ اُحد میں نبی کریم ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا''۔ ❶

گویا آپ ﷺ نے ان کی ہدایت سے نا اُمیدی ظاہر فرمائی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض کفار کے لئے قنوتِ نازلہ کا بھی اہتمام فرمایا جس میں ان کے لئے بد دعاء فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ آپ ﷺ نے بدُعاء کا سلسلہ بند فرما دیا۔ ❷

یہ قبیلے جن کے لئے آپ ﷺ بدُعاء فرماتے رہے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سب مسلمان ہو گئے۔

---

❶ ترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ آل عمران.

مسلم، الجهاد و السیر، غزوۃ أحد (۱۷۹۱).

❷ مسلم، المساجد و مواضع الصلاۃ، استصباب القنوت فی جمیع الصلاۃ (۶۷۵).

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کافروں کو ہدایت دینا' انہیں ہلاک کرنا یا ان کے معاملہ میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ نبی کریم ﷺ اس معاملہ میں بے اختیار ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہئے جو نبی کریم ﷺ کو مختارِ کل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ قبیلے جن کے لئے آپ ﷺ بددعاء فرماتے رہے وہ اللہ کی توفیق سے مسلمان ہوگئے۔

⑥ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ)). ❶

"اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطاء فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں' دینے والا نہیں"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "صاحبِ مشکوٰۃ" کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر "کتاب العلم" میں روایت کیا ہے۔ اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سباق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم وفہم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرمارہے ہیں: "دیتے اللہ ہیں' میں تو صرف بانٹتا ہوں......"۔ یعنی میں تو صرف قرآن وحدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں' باقی رہی اس کی سمجھ' سو وہ جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے۔

یارلوگوں نے اس حدیث پاک سے اُلٹا نبی کریم ﷺ کا تصرف واختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم ونظر کے نزدیک تو اس ارشادِ رسول ﷺ سے خود آپ کے مِلک واختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

"بالیقین حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار نہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث (اِنَّمَا اَنَا قَاسِمَ وَ اللّٰهُ يُعْطِي) سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ ﷺ صرف قاسم (تقسیم کرنے والے) ہیں اور مِلک واختیار آپ ﷺ کا بالکل نہیں"۔ ❷

⑦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' فرمایا: میں ایک دِن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار تھا'

---

❶ بخاری، کتاب العلم، باب من يرد اللّٰه به خيرًا يفقهه (٧١).

❷ فیض الباری جلد ١ ص ١٧١ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ٢٥١ ناشر مکتبہ عمر فاروق لاہور.

آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو' اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔ اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لیے مقدر کر دیا ہے' اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے مقدر کر دیا ہے۔ (تقدیر کے) قلم لکھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے"۔ ❶

سبحان اللہ! سوال کرنا' دُعاء کرنا' مدد طلب کرنا' یہ اللہ ہی کی ذات سے لازم ہے۔ ساری دُنیا مل کر بھی اللہ کی مشیت اور تقدیر الٰہی کے خلاف کسی کو نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصۂ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

بعض لوگ علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت محمد ﷺ کو سنبھال دی ہیں' اور حضرت ﷺ اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔ اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِي والی حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور ﷺ کو عطاء کر دیئے ہیں' ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے' نیز کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں' نیز آپ ﷺ بشر نہیں۔ اس کے مقابلہ میں ارشادِ الٰہی ملاحظہ فرمائیں:

⑧ ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾

[انعام : ٦/ ٥٠]

"آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں' اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تردید کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار اور قائم و مقسم حضور ﷺ ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصبِ نبوت کے لیے ان تینوں باتوں کا اختیار و ضرورت نہیں' نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی نے

---

❶ ترمذی، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع باب منه ٢٥١٦. مسند احمد: ٢٦٦٤.

اپنی بشریت' اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار وتصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔

⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے گروہِ قریش! (تم ایمان لاکر) اپنے آپ کو عذاب سے بچالو میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے سامنے ذرّہ بھر تمہارے کام نہیں آ سکتا۔ اے صفیہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے ذرّہ بھر تیرے کام نہیں آ سکتا' اور اے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کر لے میں اللہ کے مقابلے میں ذرّہ بھر تیرے کام نہیں آ سکتا''۔ ❶

⑩ لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ربّ العزت کو خیر وشر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں۔ دُعاء کرتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ)). ❷

''الٰہی! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں''۔

⑪ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ﴾ [فاطر : ۳۵/ ۸]

''بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے''۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہوگئی کہ سوز وگدازِ رحمت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان کے لالے تو پڑ گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

⑫ ﴿ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [الانفال (۸/ ۶۳)]

''اور (اللہ تعالیٰ نے) ان (مسلمانوں) کے دِل میں اُلفت ڈال دی' اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے (تو بھی) ان کے دِلوں میں اُلفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ تعالیٰ

---

❶ مسلم، کتاب الایمان، کتاب العلم، باب قول تعالیٰ و انذر عشیرتك الاقربین (۵۰۱).

❷ مستدرك حاكم: ۱/ ۷۰۶ (۱۹۲۴).

نے ان میں اُلفت ڈال دی' بیشک وہ زور (وقوت) والا حکمت والا ہے''۔

اس ارشادِ الٰہی میں جہاں اللہ ربّ العزت کی صفتِ قدرت واختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا' اور ان کے قلوب میں اُلفت ومحبت کے دریا بہا دیئے' وہاں حضرت ﷺ کی کمال بے اختیاری اور عدمِ قدرت کا بیان ہے کہ دُنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائل عرب میں دیرینہ عداوتوں اور بغض وکینے مٹا کر ان کو باہم شیر وشکر نہیں بنا سکتے۔

⑬ ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾

[التوبه : ٩/ ٨٠]

''آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں' (اور) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا''۔

⑭ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی دُعا مانگے تو عزم کے ساتھ دُعا مانگے۔ (کیونکہ) بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں''۔ [1]

ساری دُنیا پر اس کی مشیت وقدرت غالب ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادرِ مطلق پر دباؤ ڈال سکے' زبردستی کر سکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ.

تو کتاب اللہ کے ساتھ سنتِ رسول سے بھی اسی حقیقت کا اثبات ہوا کہ قدرت واختیار خاصۂ خدا ہے' نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ ہر قسم کی بھلائی صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ ہر قسم کا قدرت واختیار صرف اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

⑮ ﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾

[يونس : ١٠/ ٤٨، ٤٩]

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر اُمت کے لئے

---

[1] صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب المشية والارادة ص ٧٤٧٧.

ایک وقت معین ہے جب ان پر وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو ایک گھڑی یہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں"۔

یہ بات مشرکین کے عذابِ الٰہی مانگنے پر کہی جا رہی ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لئے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا چہ جائیکہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ بلکہ یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلائق' امام الانبیاء' سید الرسل حضرت محمد ﷺ بھی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو آپ ﷺ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے وہ کون سا بزرگ' ولی اور پیر ہو سکتا ہے جو کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے اور کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔

پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

① "اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ملک واختیار میں کسی کو بھی کوئی حصہ نہیں۔ اللہ کے سوا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی نفع۔ نہ کوئی تکلیف دور کرنے والا ہے اور نہ کوئی بھلائی کرنے والا۔ نہ کوئی بیمار کرنے والا ہے اور نہ کوئی آزمائش میں ڈالنے والا۔ نہ کوئی صحت دینے والا ہے اور نہ کوئی نجات دینے والا۔ لہٰذا مخلوق میں مشغول نہ ہو نہ ظاہراً نہ باطناً۔ کیونکہ یہ بالیقین اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے"۔ ❶

حضرت پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرضِ وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے وصیت کی درخواست کی تو حضرت شیخ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں وصیت فرمائی:

② "اپنے اوپر خدا کے تقویٰ کو لازم رکھو' اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ نہ کسی سے اُمید رکھو۔ تمام حاجتیں اللہ کو سونپ دو' اس کے سوا کسی پر تکیہ نہ کرو۔ سب کچھ اسی سے طلب کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید پر قائم رہو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے"۔ ❷

واللہ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کس زوردار انداز اور مؤثر ترین الفاظ میں ربّ العزت کی قدرت واختیار کا اثبات فرمایا ہے اور اللہ کے سوا ساری مخلوق کے تصرف واختیار کی نفی فرمائی ہے۔

---

❶ فتوح الغیب، مقالہ ۵۹ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۲۶۱ ناشر مکتبہ عمر فاروق لاہور۔

❷ تکملہ فتوح الغیب بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۲۶۱ ناشر مکتبہ عمر فاروق لاہور۔

غیر اللہ کو پکارنے کی بنیادی وجوہات:

ماورائے اسباب طریقے سے غیر اللہ کو پکار کر شرک کا ارتکاب کرنے والا انسان' درج ذیل تین صفات غیر اللہ میں لازم جان کر اس کو پکارتا ہے۔ ہر شرک کرنے والا بنیادی طور پر ان تین عقائد کے ساتھ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔

1 عالم الغیب:

اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ میں جس غیر اللہ کو پکار رہا ہوں' وہ عالم الغیب ہے' یعنی میرے دُکھ درد کو جانتا ہے۔ اسے میری مصیبت اور تکلیف کا خواہ وہ کہیں ہے اور میں کہیں خوب علم ہے۔ اسی طرح جو بھی اُسے پکارے اس کے حالات و مصائب سے وہ باخبر ہے۔ چاہے ذاتی ہو یا عطائی وہ علم غیب ضرور جانتا ہے۔

2 حاضر ناظر:

اس کا یہ یقین و اعتماد ہوتا ہے کہ وہ جسے پکار رہا ہے، وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ جہاں بھی میں اسے پکاروں وہ میری پکار کو سنتا ہے' میری تکلیف کو دیکھتا ہے' اور موقع پر میری مشکل کو حل اور میری حاجت روا کر دیتا ہے یا کروا دیتا ہے۔ میری ڈوبتی ہوئی کشتی کو کندھا دے کر کنارے لگا دیتا ہے۔

3 قدرت واختیار:

اس کا یہ پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے وہ قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ مالک و مختار اور متصرف فی الامور ہے۔ نفع نقصان کا مالک ہے۔ میری تکلیف میرا دُکھ درد دور کرنے پر قادر ہے۔ وہ ذاتی طور پر یا اللہ کے عطا کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ اور میری حاجت پوری کرنے پر قادر ہے۔

چاہے ذاتی ہو یا چاہے عطائی ہو غیر اللہ کو پکارنے والا یہ تین بنیادی احساسات و عقائد رکھتا ہے۔ اور جس نے پچھلے صفحات تعصب سے پاک ہو کر اور حق کی جستجو کی نیت سے پڑھے ہوں اسے بخوبی طور پر اس بات کا پتہ چل چکا ہوگا کہ یہ تینوں صفات خاصہ خدا ہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی انسان' فرشتہ' نبی' ولی' ان صفات کا مالک نہیں۔ نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر۔ اس لئے جو اللہ کو چھوڑ کر کسی ولی بزرگ یا نبی کو پکارتا ہو اسے یہ جان لینا چاہیئے کہ وہ نہ تو علم غیب رکھتا ہے' نہ حاضر و ناظر ہے اور نہ ہی اس میں حاجت پوری کرنے کا کوئی قدرت و اختیار ہے نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر۔ اس لئے انہیں پکارنا بالکل عبث اور بے کار ہے' بلکہ ایسا کرنے سے وہ شرک کی گہری دلدل میں دھنس جاتا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ سے نہایت صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونا یہ

تینوں صفات خاص اللہ ربّ العزت کے لیے ثابت ہوتی ہیں' اور غیر اللہ سے واضح طور پر ان تینوں صفتوں کی بار بار نفی کی گئی ہے۔ اللہ کے محبوب رسول ﷺ قرآن کریم میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی اپنے لیے ان تینوں صفات کی بصراحت نفی فرمارہے ہیں۔ تو پھر قدرت واختیار یا علمِ غیب یا حاضر ناظر ہونا کسی غیر اللہ' کسی ولی' کسی نبی حتیٰ کہ خود حضرت ﷺ کی صفت وشان قرار دینے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر یہ صفات کم از کم رسول اللہ ﷺ کا حق ہوتیں تو چونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ تھا لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیتے کہ میرے محبوب رسول ﷺ کو بھی میری طرح قدرت واختیار اور علم غیب حاصل ہے اور وہ حاضر و ناظر ہیں۔ تم انہیں بھی قادر و قدیر' عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانو' ورنہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔

پھر نبی کریم ﷺ اپنے قادر و متصرف' عالم الغیب' اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ فرماتے' لوگوں کو اسے ماننے کی دعوت دیتے' نہ ماننے والوں کو وعید شدید کا مستحق قرار دیتے۔ پھر اصحاب رسول ﷺ و سلف صالحین کا ہر فرد حضرت ﷺ کو اقتدار واختیار عامہ' علمِ بسیط ومحیط اور ہمہ وقت ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی صفات سے متصف مانتا۔ حدیث وفقہ کا ہر امام آپ ﷺ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرتا اور جمیع ائمۂ عقائد وکلام اپنی مصنفات میں اس عقیدہ کو صراحت کے ساتھ رقم کرتے' اور اسلاف میں یہ عقیدہ عام شائع ہوتا۔

بہرحال کتاب وسنت اور توابع سنت سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم غیب' حاظر و ناظر اور اقتدار و اختیارِ کل یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں۔ پھر یہی تینوں صفات اصل و اساسِ عبادت ولوازمِ الوہیت ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد انہی تین صفات پر قائم ہے اور یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت خاصۂ خدا ہے اور اس میں خدا کے سوا کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کوئی بندۂ خدا کسی غیر اللہ یعنی کسی نبی یا ولی کو ان تینوں صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف جانتا ہے' یعنی کسی بزرگ کو ہر جگہ حاضر و موجود یا عالم الغیب یا ہر بات پر قادر اور صاحب اختیار یقین کرتا ہے تو وہ گویا اسے اپنا معبود مانتا ہے' خواہ زبان سے اسے معبود نہ کہے بلکہ پیر و مرشد یا ولی اور نبی کہے۔ کیونکہ جب یہ صفات خاصۂ خدا ہیں تو کوئی شخص جس کسی میں یہ صفات مانے گا گویا وہ اس شخص کا معبود ہو گا۔

معجزات سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ ان کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا'

انہیں ید بیضا جیسا معجزہ عطا کیا گیا کہ جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنے کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہوگئی اور وہ جادوگر ایمان لے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بڑا چرچا تھا' چنانچہ انہیں مردوں کو زندہ کرنے' مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا' جو کوئی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ اس طرح ان کی صداقت وحقانیت واضح ہوگئی۔

ہمارے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شعر وادب اور فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا' چنانچہ انہیں قرآن کریم جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا کہ جس کی نظیر اور مثال پیش کرنے سے دُنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اور ادباء وشعراء عاجز اور قاصر رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں۔

معجزہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں ہونے والا خرق عادت امور (وہ امور جو ظاہری اور عادی اسباب کے تحت نہ ہوں بلکہ خلاف ہوں) کو کہا جاتا ہے۔ یہ سچ اور برحق ہے۔ اور یہ انبیاء کرام کی صداقت وحقانیت اور بالاتری کو نمایاں کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ معجزات کا صدور اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے۔ کسی نبی اور رسول کے اختیار میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ جب چاہے معجزہ صادر کر دے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾[الانعام : ٦/ ١٠٩]

''آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضے میں ہیں''۔

② ﴿ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [ابراهيم: ١٤/١١]

''اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں''۔

③ ﴿ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾[الرعد : ١٣/ ٣٨]

''کسی رسول سے نہیں ہوسکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے آئے''۔

معجزہ اس بات کی دلیل تو لازمی طور پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں خاص اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں' لیکن اس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے پاس کائنات میں تصرف اور اختیار ہے۔ اور نہ ہی ان معجزات سے روزمرہ معاملات پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کو مختلف مثالوں کی مدد سے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

① ﴿ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ﴾[يوسف : ١٢/ ٩٦]

''جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے''۔

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ ان کی دی ہوئی قمیص جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے

چہرے پر ڈالی گئی تو ان کا نابینا پن ختم ہو گیا اور وہ پھر سے بینا ہو گئے۔

اب اگر کوئی اس معجزے سے یہ استدلال کرے کہ انبیاء واولیاء کی طرف منسوب کی گئی چیزوں سے نفع ملتا ہے یہ ہرگز درست نہ ہوگا۔ کیونکہ معجزات وکرامات کو عام حالات پر لاگو نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا معاملہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا نماز جنازہ پڑھایا۔ [1]

بلکہ ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی لاش کو اپنے گھٹنوں پر رکھا' اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ [2]

آپ ﷺ کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ﴾[التوبة : ٩/ ٨٤]

''ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ ہرگز اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں''۔

یعنی نبی پاک ﷺ کا پڑھا گیا نمازِ جنازہ' آپ ﷺ کا لعابِ دہن اور آپ ﷺ کی قمیص مبارک کوئی چیز بھی اس کو فائدہ نہ دے سکی۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے اور نابینا کو بینا کر دیتے۔ اب کیا اس معجزے سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء واولیاء مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اندھوں کو بینا کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں' بلکہ یہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ نبی یا کرامت ولی کو عام حالات و واقعات پر لاگو اور چسپاں نہیں کیا جاتا۔ ایسا کرنا بے وقوفی اور کم عقلی بھی ہے' اور خلافِ شریعت بھی۔

③ واقعہ معراج ہمارے نبی پاک حضرت محمد ﷺ کا زبردست معجزہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو راتوں رات مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا۔

اب اگر کوئی اس معجزے سے یہ استدلال کرے کہ انبیاء کرام واولیاء کرام آسمانوں تک جاتے ہیں تو کیا یہ استدلال درست ہوگا؟

اس واقعہ معراج میں نبی کریم ﷺ کی فوت شدہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ثابت ہے۔

---

[1] بحواله بخاری شریف، تفسیر سورة برأت.

[2] بخاری، کتاب اللباس، باب لبس القمیص (٥٧٩٥).

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ ان سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیت المقدس میں بھی ملاقات ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا' اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء سے گفتگو بھی کی۔

اب اگر کوئی اس واقعہ سے یہ استدلال کرے کہ انبیاء کرام و اولیاء کرام موت کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور سنتے بولتے ہیں تو یہ استدلال سراسر غلط ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات واقعہ معراج کا حصہ ہے جو کہ معجزہ ہے اور معجزہ کو عام حالات و معاملات پر لاگو اور چسپاں نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ واقعہ معراج میں جتنے بھی واقعات پیش آئے ہیں وہ سب کے سب معجزات ہیں اور معجزات خرق عادت ہوتے ہیں' جنہیں روزمرہ معاملات پر لاگو نہیں کیا جاتا۔

ویسے بھی اگر چند منٹ کے لئے یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو پھر انہیں اب اس وقت بھی بیت المقدس میں زندہ موجود ہونا چاہئے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی۔ اب آپ بتائیں کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں زندہ موجود ہیں؟ اگر موجود ہیں تو ہمیں بھی دکھائیں اور ہماری ملاقات کرائیں۔

پس فوت شدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ایک معجزہ تھا۔ اور اس معجزہ سے یہ بات ثابت کرنا سراسر غلط ہے کہ انبیاء کرام و اولیائے کرام موت کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور باتیں بھی کرتے ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ یہ استدلال سراسر غلط ہے۔

④ یہی معاملہ غزوہ بدر میں ہلاک ہونے والے کفار کا ہے کہ جنہیں بعد از ہلاکت ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جھانکا اور فرمایا کہ تمہارے مالک نے جو سچا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے پا لیا۔ تو لوگوں کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ❶

یہ واقعہ بھی عام حالات و واقعات اور عادی و ظاہری اسباب کے تحت نہیں ہے بلکہ برعکس اور خلاف ہے اور خرق امور ہے۔ یعنی معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفارِ مکہ کو ان کے قتل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنوا رہے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار مکہ کو زندہ کیا تھا تب انہوں نے سنا۔ یعنی یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست معجزہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار مکہ کو جنہیں آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے خود قتل کر کے کنویں میں پھینکا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جھل (٣٩٧٦).

بات سنوا دی۔ لہٰذا اس واقعے سے یہ استدلال کرنا کہ مردے سنتے ہیں ہرگز درست نہ ہوگا۔ کیونکہ مردوں اور فوت شدگان کے نہ سننے کے متعلق واضح، صریح اور محکم آیات موجود ہیں:

الف: ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾[روم : ۳۰/ ۵۲]

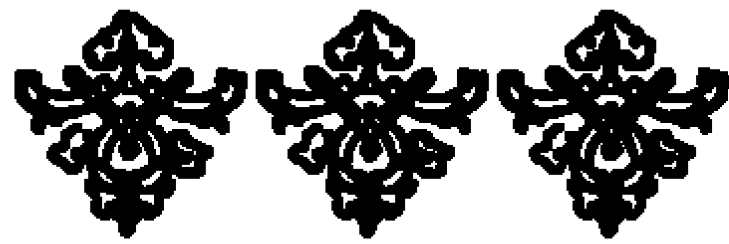
"اے پیغمبر (ﷺ)! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا"۔

ب: ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾[النحل : ۱۶/ ۸۰]

"اے نبی (ﷺ)! تم مردوں کو نہیں سنا سکتے"۔

ج: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ ﴾[فاطر : ۳۵/ ۲۲]

"اے محمد (ﷺ)! تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے"۔



باب نمبر 7

مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں

* کلمہ شہادت اور بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
* کفار کا اعتراض: ایک انسان کو نبی کیوں بنایا گیا، فرشتہ کو کیوں نہیں؟
* قرآن وحدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے دلائل
* ایک شبہ کہ یہ آیات صرف کفار کے لئے ہیں
* اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا پیدا کیا: نور یا قلم؟
* نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کس قسم کے نور ہیں؟

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ بشریتِ رسول اللہ ﷺ

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر اور انسان نہیں بلکہ نور ہیں۔ یہ لوگ آپ ﷺ کو انسان ہونے سے خارج کر کے نوری مخلوق میں داخل کر دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں اس بات کی واضح تصریح اور وضاحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر اور انسان تھے۔

کلمہ شہادت اور بشریت رسول اللہ ﷺ:

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط کلمہ شہادت پر ایمان ہے۔ اس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا' آیئے کلمہ شہادت اور اس کے ترجمے کو ذرا غور سے پڑھیں:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ)).

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔

اس کلمہ میں دو شہادتیں اور اقرار ہیں۔ پہلا اقرار اللہ تعالیٰ کی توحید کا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ دوسرا اقرار یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تو ہیں لیکن اللہ کے بندے نہیں تو کیا یہ کلمہ شہادت پر ایمان ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے۔ کلمہ شہادت میں مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کے تحت آپ ﷺ کے عبد یعنی انسان ہونے کو آپ کے منصب رسالت سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کلمے میں جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط ہے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے نوعی اعتبار سے اللہ کے بندے اور انسان ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لہٰذا کلمہ شہادت حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندے اور انسان ہونے پر بھی ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔

لہٰذا کلمہ شہادت پر ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا اقرار کرنے اور نبی کریم

حضرت محمد ﷺ کے رسول و پیغمبر ہونے کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے عبد یعنی انسان ہونے کا بھی اقرار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے کا انکار کلمہ شہادت کا انکار ہے' جو کہ اسلام اور ایمان کی بنیادی شرط ہے۔

کفارِ مکہ کا اعتراض ❁ نبی کریم ﷺ انسان کیوں ہیں؟ نوری مخلوق کیوں نہیں؟

کفار مکہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی رسالت و نبوت پر جو اعتراضات کرتے تھے' ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر کو اپنی ترجمانی کے لئے منتخب کر لیا ہو۔ اس کام یعنی نبوت و رسالت کے لئے ضروری تھا کہ نوری مخلوق میں سے کسی کو منتخب کیا جاتا۔ یہ اعتراض اور شبہ ان کے اس فاسد عقیدہ اور غلط خیال پر مبنی تھا کہ بشر یعنی انسان نبی و رسول نہیں ہوسکتا۔ یہ خیال و عقیدہ تقریباً تمام اہل باطل کا تھا کہ ہر نبی و رسول کے جھٹلانے والے اور مخالفت کرنے والوں نے اپنے اپنے نبی اور رسول پر پہلا اور بنیادی اعتراض یہی کیا کہ دعویٰ نبوت و رسالت میں تمہارے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تم انسان ہو۔ جیسے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا:

﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ [هود : ٢٧]

''ہم تو تمہیں اپنے جیسا انسان ہی سمجھتے ہیں''۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا:

﴿ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ [الشعراء : ١٥٤/٢٦]

''تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا:

﴿ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ [الشعراء : ١٨٦/٢٦]

''اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے''۔

بالکل اسی طرح کفار مکہ نے بھی آپ ﷺ کے انسان ہونے کو اعتراض بنا کر آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ وہ آپ کے بشر و انسان ہونے کا انکار تو نہ کر سکے' لیکن ان کی رسالت کا انکار کر دیا۔ وہ حضرت محمد ﷺ کے انسان ہونے کا انکار اس لئے نہ کر سکے کیوں کہ وہ آپ کے خاندان اور حسب و نسب کو جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عبداللہ آپ کے باپ ہیں' بی بی آمنہ آپ کی ماں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی ہے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیٹی ہے' قریش آپ کا قبیلہ ہے۔

وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ یہ شخص کھاتا پیتا ہے' بیمار بھی ہوتا ہے' چلتا پھرتا بھی ہے' سوتا بھی ہے۔ اور یہ سب خصوصیات حضرت انسان ہی کی ہیں' اس لئے انہوں نے آپ کی بشریت کا تو انکار نہ کیا

لیکن آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو بیان کیا ہے:

① ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾

[بنی اسرائیل : ۱۷/ ۹۶]

''کفار مکہ کو ہدایت (قرآن و رسول ﷺ) پر ایمان لانے سے صرف یہی امر مانع ہوا کہ وہ کہنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیج دیا''۔

② ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [المؤمنین : ۲/ ۳۸]

''نہیں ہے یہ رسول مگر ایسا آدمی جس نے افتراء کیا ہے اللہ پر (نبوت کا دعویدار ہو کر) اور ہم قطعاً اس پر ایمان نہیں لا سکتے''۔

③ ﴿ وَ قَالُوْا مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴾[فرقان : ۲۵/۷]

''(کفار کہنے لگے) کیا یہ بھی رسول ہو سکتا ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں وغیرہ میں ضروریات کے لئے پھرتا ہے' کیوں نہیں اتارا گیا (اس کی تصدیق کے لئے) کوئی فرشتہ جو اس کے ہمراہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا''۔

④ ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ ﴾[الانبیاء : ۲۱/۳]

''کہ یہ تو محض تم جیسا ایک آدمی ہے تو کیا تم جادو (کی بات) سننے کو جاؤ گے''۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ کو بشر اور انسان ہی سمجھتے تھے۔ ان کا اعتراض صرف آپ کی رسالت و نبوت پر تھا۔ وہ اس بات کو طعنے اور اعتراض کی بنیاد بناتے تھے کہ انسان ہونے کے باوجود یہ شخص نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا جواب ❁ ہم انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے ہیں' کسی نور یا فرشتہ کو نہیں:

① ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَّلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ ﴾[الانعام : ۶/۸–۹]

''یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی' اگر ہم اس (رسول) کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی (کی شکل میں) ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر

وہی اشکال (اعتراض) ہوتا جواب اشکال پیدا کر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا پہلا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجے' لیکن اگر ہم ان کی تجویز کے مطابق کسی فرشتے کو نبی و رسول بنا کر بھیجتے تو یہ اس کے پیغام کو سمجھنے سے قاصر رہتے اور اس سے تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ رکھتے۔ اپنی ضعیف و کمزور طبیعتوں کی بنا پر اس کے ساتھ ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے جاتے اور ذرہ بھر بھی مہلت نہ دیے جاتے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا طریق و سنت ہے کہ جب کوئی قوم معجزہ طلب کر کے ایمان نہ لائے تو اس کو فوری طور پر ہلاک و تباہ کر دیا جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت اور بندوں کی مصلحت و خیر خواہی کا تقاضا تھا کہ نبی و رسول فرشتہ کی بجائے انسان و بشر بھیجا جائے۔

کفار کے اعتراض کا اللہ تعالیٰ نے دوسرا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر ان کے مطالبے کو مانتے ہوئے ہم فرشتے کو نازل کر بھی دیتے تو دو صورتیں ہوتیں یا تو وہ اصل شکل میں ہوتا تو یہ اس کو دیکھ بھی نہ سکتے اور نہ اس سے مانوس ہو سکتے اور نہ ہی اس سے ہم کلام ہو سکتے' اور اس سے ڈر اور خوف محسوس کرتے۔ اگر انسانی شکل میں آتا تو پھر یہی شبہ پیش کرتے کہ یہ تو بشر ہے اور بشر رسول نہیں ہو سکتا' تو ان کا اعتراض فرشتہ بھیجنے کے باوجود زائل نہ ہوتا بلکہ برقرار رہتا۔

② ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾ [بنی اسرائیل : ۱۷/ ۹۵]

''اے میرے رسول ﷺ! ان بے عقل کفار سے کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ہم ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ہم ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے فرشتے ہی بھیجتے۔ لیکن چونکہ زمین پر فرشتے اور نوری مخلوق آباد نہیں بلکہ انسان آباد ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

③ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ○ ﴾ [الانبیاء : ۲۱/ ۷-۸]

''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر بھیجے سبھی مرد تھے' جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے' پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔ ہم نے ان کے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے''۔

④ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ [آل عمران: ۳/۱٦٤]
"بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا"۔

غور کریں، اللہ تعالیٰ صاف فرما رہے ہیں کہ "ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا"۔ قابل غور بات یہ ہے کہ "ان ہی میں سے" کون ہیں؟ یہ کن کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے؟ کیا فرشتوں کو؟ نوری مخلوق کو؟ ہرگز نہیں۔ "ان ہی میں سے" مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے، اور مسلمان انسان ہیں، فرشتے ہرگز نہیں۔ تو جب مسلمان انسان ہیں تو ان کا پیغمبر بھی انسان ہوگا کیونکہ وہ ان ہی میں سے بھیجا گیا ہے۔

موجودہ دور کے بعض مسلمانوں کا عقیدہ:

کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کو بشر اور انسان تو مانتے تھے لیکن وہ آپ ﷺ کو رسول تسلیم نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بشریت رسالت کے منافی ہے، یعنی ان کا عقیدہ تھا بشریت و رسالت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ جبکہ آج کل بعض مسلمان رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تو مانتے ہیں لیکن آپ کو انسان تسلیم نہیں کرتے بلکہ انہیں انسان ہونے سے خارج کر کے نوری مخلوق میں داخل کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسالت بشریت کے منافی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ رسول تو ہیں لیکن انسان نہیں۔ گویا کفارِ مکہ اور دورِ حاضر کے یہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ بشریت و رسالت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ دونوں عقائد غلط ہیں۔ رسول اللہ ﷺ انسان اور بشر بھی ہیں اور نبی و رسول بھی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بشر ہی ہیں:

ہر نبی اور رسول پر اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ عائد کیا کہ وہ اسوۂ حسنہ کا اظہار کرتے ہوئے وہی اصول و قانون اپنی ذات پر نافذ کرے جن کی تبلیغ اور اشاعت کا اسے حکم دیا گیا اور وہ لوگوں کو کامل نمونہ بن کے دکھائے۔ یہ بات تبھی مؤثر ثابت ہو سکتی تھی اگر نبی و رسول انسانوں میں سے ہی ہو۔ نبی و رسول کے فرشتہ یا نوری مخلوق ہونے کی صورت میں یہ اعتراض کیا جا سکتا تھا کہ یہ تو فرشتہ ہے یہ تو نوری مخلوق ہے۔ اس کے لئے نازل شدہ دین پر عمل کرنا آسان کام ہے، لیکن انسان ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے وحی کے ذریعے دیئے گئے احکامات پر عمل محال ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لئے انسانوں کو ہی منتخب کیا جو اپنی پیدائش، نشوونما، صحت و بیماری، کھانے پینے، رہنے سہنے، ازدواجی زندگی، بسر کرنے، رزق کمانے، اللہ کی عبادت کرنے اور بالآخر موت کی آغوش میں چلے جانے کے معاملہ میں دوسرے لوگوں ہی کی طرح ہوتے تھے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے

رسول کو اپنا احسان و رحمت قرار دیا تا کہ لوگوں کو ان سے مانوسیت پیدا ہو اور وہ ان کی بات و پیغام کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ جبکہ نبی و رسول کے نوری مخلوق ہونے کی صورت میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ [آل عمران: ٣/١٦٤]

"بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا"۔

② ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [بنی اسرائیل: ١٧/٩٣]

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دو کہ پاک ہے میرا رب میں تو صرف انسان ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں"۔

③ ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ [الکهف: ١٨/١١٠]

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دو! میں تم جیسا ہی انسان ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے"۔

④ ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ ﴾ [انبیاء: ٢١/٧]

"اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں"۔

⑤ ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [برات: ٩/١٢٨]

"بے شک تمہارے پاس ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے"۔

⑥ ﴿ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا ﴾ [بقره: ٢/١٥١]

"(اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تمہارے رو برو ہماری آیتیں پڑھتا ہے"۔

احادیث نبوی ﷺ:

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں محمد بن عبداللہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبے سے آگے بڑھاؤ جس پر اللہ پاک نے مجھے رکھا ہے"۔ ❶

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میری تعریف کرنے میں حد سے نہ گزر جانا' جیسے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں نصاریٰ حد سے تجاوز کر گئے۔ میں تو ایک بندہ ہوں' تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو"۔

---

❶ مسند احمد' ٣/ ١٥٣' (١٢١٤١) عمل الیوم واللیلة للنسائی.

❷ بخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللّٰہ تعالٰی و اذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤٥).

③ حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
''مجھے میرے حق (مرتبہ) سے زیادہ بلند نہ کرو' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنانے سے پہلے مجھے اپنا بندہ بنایا ہے''۔ ❶

④ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے جیسا انسان ہوں' جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں''۔ ❷

⑤ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا:
''ہم میں سب سے اچھے آدمی! سب سے اچھے آدمی کے بیٹے اور ہمارے سید اور سید کے بیٹے!''
اس پر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:
''اے لوگو! مناسب بات کہا کرو' شیطان تم کو ہرگز گمراہ نہ کر پائے' میں محمد ﷺ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ مجھے میرے اس درجہ سے اونچا درجہ دو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشا ہے''۔ ❸

امام الانبیاء ﷺ بشر تھے تاکہ اُمت کے لئے نمونہ بن سکیں:

امام الانبیاء ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر اور انسان تھے' اور وہ اس لئے کہ اُمت کے لئے نمونہ بن سکیں' اور اپنے عمل کو اُمت کے سامنے بطورِ نمونہ پیش کر سکیں۔ آپ ذرا غور فرمائیں! اگر پیغمبر نوری مخلوق ہوتے تو نہ کھاتا نہ پیتا' نہ شادی نہ غمی' نہ اس کے گھر مرن نہ پرن' نہ وہ بیمار ہوتا نہ زخمی ہوتا' نہ اس کی بیوی ہوتی نہ بچے ہوتے' نہ وہ کسی کا سسر ہوتا نہ کسی کا داماد بنتا' نہ تجارت کرتا' پھر وہ انسان کے لئے قابل تقلید نمونہ کس طرح بن سکتے تھے۔

وہ لوگوں سے کہتا بیوی سے اچھا سلوک کرو...... لوگ کہتے تیرے گھر بیوی جو نہیں' تب ہی ایسی باتیں کر رہے ہو' اگر تیری بیوی ہوتی تو تجھے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا۔

پیغمبر کہتا تجارت' امانت و دیانت سے کیا کرو' اس میں جھوٹ نہ بولو' کم نہ تولو' ملاوٹ نہ کرو...... لوگ کہتے' ہاں بھائی! تم ٹھیک کہتے ہو' تیرا نہ کوئی کھانے والا نہ پہننے والا' نہ تجھے اولاد کی فکر' نہ اُن کی شادیوں کے دھندے...... تمہیں کیا معلوم کہ تجارت کس طرح کی جاتی ہے۔

---

❶ مجمع الزوائد.

❷ بخاری، کتاب الصلوة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان (٤٠١).

❸ تفسير ابن كثير، تفسير سورة النساء ١٧١.

اسی حقیقت کے پیشِ نظر اللہ ربّ العزت نے انسان اور بشر کو نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا' تا کہ وہ شادی بھی کرے' اور ان کے گھر غمی بھی ہو...... مرن بھی ہو اور پرن بھی ہو...... اس کے گھر بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں...... وہ کسی کا داماد بنے اور کسی کا سسر...... وہ تجارت بھی کرے اور عبادت بھی...... غرضیکہ انسانی زندگی کے تمام عوارضات اور لوازمات اس کو پیش آئیں' اور اس طرح عملی طور پر وہ اپنے آپ کو اُمت کے لئے بطورِ نمونہ پیش کرے' اور اُمت کے افراد اس نبی کے اُسوہ حسنہ کو دیکھ کر زندگی گزار سکیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ ❁ کیا جن آیات میں رسول اللہ ﷺ کو انسان کہا گیا ہے ان کے مخاطبین صرف کفار ہیں؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ [الكهف : ١٨/١١٠]

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا انسان ہی ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے"۔

② ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [بني اسرائيل: ١٧/٩٣]

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ پاک ہے میرا رب میں تو صرف ایک انسان ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں"۔

بعض حضرات نبی پاک ﷺ کو نور ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ وہ آیات جن میں رسول اللہ ﷺ کو انسان یا بشر کہا گیا ہے وہ دراصل کافروں کو مخاطب کر کے کہی گئی ہیں' ان میں مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ فرض کریں کہ ایک مسلمان آدمی کافروں سے یہ بات کہنا شروع کر دے کہ میں جن ہوں حالانکہ حقیقتاً وہ انسان ہی ہو' تو غور کریں کہ ایسا آدمی جھوٹ بول رہا ہے یا سچ؟ یقیناً ایسا آدمی جھوٹا ہے جو باوجود انسان ہونے کے کافروں سے کہے کہ میں جن ہوں۔

اب جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آیات جن میں رسول اللہ ﷺ کو بشر اور انسان کہا گیا ہے ان کے مخاطب مسلمان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں تو ان کے اس دعویٰ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حقیقت میں تو نبی کریم حضرت محمد ﷺ نور ہیں لیکن کافروں سے کہہ رہے ہیں کہ میں انسان ہوں۔ ذرا سوچیں اس بات کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

خدارا عقل سے کام لیں' اپنے ایمان کا ستیاناس نہ کریں۔ کیا نبی کریم ﷺ کے صادق و امین ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کافروں سے ایک بات کہتے اور مسلمانوں سے دوسری۔ یعنی مسلمانوں

سے کہتے کہ میں نور ہوں۔ اور کافروں سے کہتے کہ میں انسان ہوں' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ ہمیشہ راست بازی اور صاف گوئی سے بات کرتے تھے۔ لہٰذا اصل' سچی اور کھری بات یہی ہے کہ آپ انسان تھے نور نہ تھے۔ ورنہ آپ ﷺ کافروں سے کبھی نہ کہتے کہ میں انسان ہوں۔ کیونکہ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ نے کبھی ڈپلومیسی سے کام لیا ہو۔ آپ ہر ایک سے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہمیشہ صاف' سیدھی' سچی' کھری اور دوٹوک بات کہتے تھے۔ اس لئے آپ کے دشمن بھی آپ کو صادق و امین کے نام سے پکارتے تھے۔ لہٰذا آپ کے یہ فرمانے کا مطلب کہ "میں تم جیسا انسان ہوں" کا مطلب اور مفہوم صرف اور صرف یہی ہے کہ "میں تم جیسا انسان ہوں"۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ ✽ کیا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا؟

بعض لوگ نبی ﷺ کو نور ثابت کرنے کے لئے ایک روایت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے جابر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ تیرے نبی کا نور تھا"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق کی ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر جھوٹ ہے کیونکہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں' کہیں بھی موجود نہیں۔ اور نہ ہی تفسیر عبدالرزاق میں بلکہ یہ روایت حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے۔

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں مشہور حدیثِ جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کا نور پیدا کیا' باطل ہے۔ [1]

یعنی یہ روایت صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ من گھڑت اور باطل ہے۔

مقام افسوس ہے کہ اپنے غلط عقیدے کے اثبات کے لئے باطل روایات پیش کی جا رہی ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں بالکل صحیح اور کھری حدیث کو کوئی بیان نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی' صحیح حدیث ملاحظہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ)). [2]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا"۔

لہٰذا احادیث سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا۔ بلکہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا۔ ذرا اس بات

[1] تعليقات المشكوة: ١/ ٣٤.

[2] ابوداؤد، كتاب السنة، باب في القدر (٤٧٠٠).

پر بھی غور کریں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ نے اپنے نور میں سے نور جدا کر کے محمد ﷺ کو بنایا، نور من نور اللہ یعنی نبی کریم اللہ کے نور میں سے جدا شدہ ہیں، اس افتراء کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم (ﷺ) اللہ کا جزو ہیں، حصہ ہیں، معاذ اللہ، جب جزو اور حصہ ہوئے تو اللہ کے شریک ہوئے۔

لہٰذا یہ بات صریحاً غلط ہے کہ اللہ نے اپنے نور میں سے کچھ نور جدا کر کے نبی کریم ﷺ کو بنایا، اللہ فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ﴾ [التوبة : ۹/ ۱۲۸]

"(مسلمانو!) تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول آئے"۔

ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ انسانی جنس سے ہیں، نسل آدم سے ہیں، اور آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ:

﴿ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ﴾ [آل عمران : ۳/ ۵۹]

"اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا"۔

اور نبی علیہ السلام آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ لہٰذا اولادِ آدم میں سے ایک بشر، سید البشر ﷺ کو کہنا کہ وہ اللہ کے نور سے جدا شدہ ہیں، اللہ کے نور کا جزو ہیں، یقیناً جہالت ہے۔ نبی کریم سید العرب والعجم، سید ولد آدم ﷺ بشر رسول اور سارے جہان کے لئے ہدایت کے نور تھے۔

کیا نبی پاک ﷺ نور بھی ہیں؟

جی ہاں! نبی کریم ﷺ ایک قسم کے نور بھی ہیں' لیکن کس طرح کے؟ آپ نور ہدایت ہیں۔ لوگوں کو گمراہی اور تاریکی کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر چلانے والے نور ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ [المائده : ۵/ ۱۵]

"بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب بیان کرنے والی"۔

مفسرین نے اس آیت کی دو تفسیریں بیان کی ہیں:

پہلی تفسیر اس آیت کی یہ کی جاتی ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس طرح قرآنِ مجید میں آتا ہے:

﴿ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ﴾ [الحجر : ۱۵/ ۱]

"یہ کتاب (الٰہی) کی آیتیں ہیں اور کھلے اور روشن قرآن کی"۔

اس آیت میں کتاب اور قرآن مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ بعینہٖ ایسے ہی مذکورہ آیت میں نور اور کتابِ مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ اسلوب قرآن کریم کی عظمت اور شان کے لئے

ہے۔ اس کی دوسری دلیل کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے اس آیت سے متصل اگلی آیت ہے۔ ملاحظہ کریں:

﴿ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾[المائدہ : ٥/ ١٦]

''کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے ربّ کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں یَهْدِی بِهِ الله جس کا ترجمہ ہے ''اس کے ذریعے یا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے''۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نور اور کتاب ایک ہی چیز ہے۔ اگر نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ یهدی بهما الله ہوتے۔ یعنی ''ان کے ذریعے یا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے''۔ پس اس وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے۔

دوسری تفسیر جو اس آیت کی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نور سے مراد نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ یہ تفسیر اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ شرک' کفر' ضلالت اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو ختم کرنے والے نور ہیں' نور ہدایت ہیں' گمراہی اور نافرمانی کے اندھروں میں صراطِ مستقیم دکھانے والے نور ہیں۔ لیکن یہ تفسیر سراسر غلط ہے کہ آپ ﷺ نوری مخلوق ہیں یا نورٌ من نور الله ہیں۔ اس کی دلیل یہی دو آیات ملاحظہ کریں:

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾
[المائدہ : ٥/ ١٥، ١٦]

''تمہارے پاس نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔ کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے ربّ کے درپے ہوں' سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر صراطِ مستقیم کے نور کی طرف لاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نور ہدایت ہیں' سراج منیر ہیں' کفر و شرک اور گمراہی و جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے سیدھا راستہ دکھانے والے نور ہیں لیکن نوری مخلوق ہرگز نہیں بلکہ بشر یعنی انسان ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ [الکهف : ١٨/ ١١٠]

''(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا انسان ہی ہوں''۔

رسول اللہ ﷺ نور ہیں یا بشر؟

چند سوالات اور ان کے جوابات

نور (مثلاً فرشتہ) کے متعلق سوال	متوقع جواب
سوال نمبر 1 * کیا نوری مخلوق مثلاً فرشتوں کو بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھاتے ہیں؟	جی نہیں
سوال نمبر 2 * کیا نوری مخلوق مثلاً فرشتہ کو رفع حاجت یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے؟	جی نہیں
سوال نمبر 3 * کیا کسی نور کی کوئی بیوی ہے؟	جی نہیں
سوال نمبر 4 * کیا کسی نور مثلاً فرشتہ کے والدین یعنی ماں اور باپ ہیں؟	جی نہیں
سوال نمبر 5 * کیا کسی نوری مخلوق کی کوئی اولاد ہے؟	جی نہیں
سوال نمبر 6 * کیا فرشتہ یعنی نور کو کبھی نیند آتی ہے؟	جی نہیں
سوال نمبر 7 * کیا کوئی نور کبھی بیمار ہوتا ہے؟	جی نہیں
سوال نمبر 8 * کیا اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی نور مثلاً فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجا ہے؟	جی نہیں

...... ☆☆ ......

انسان کے متعلق سوالات	متوقع جواب
سوال نمبر 1 * کیا انسانوں کو بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھاتے ہیں؟	جی ہاں
سوال نمبر 2 * کیا انسانوں کو رفع حاجت یعنی پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آتی ہے؟	جی ہاں
سوال نمبر 3 * کیا انسان کی بیوی ہوتی ہے؟	جی ہاں
سوال نمبر 4 * کیا انسانوں کے والدین یعنی ماں اور باپ ہوتے ہیں؟	جی ہاں
سوال نمبر 5 * کیا انسانوں کی اولاد ہوتی ہے؟	جی ہاں
سوال نمبر 6 * کیا انسانوں کو نیند آتی ہے؟	جی ہاں
سوال نمبر 7 * کیا انسان بیمار ہوتے ہیں؟	جی ہاں
سوال نمبر 8 * کیا اللہ تعالیٰ انسانوں کو پیغمبر بنا کر بھیجتے رہے ہیں؟	جی ہاں

...... ☆☆ ......

نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے متعلق سوال	متوقع جواب
سوال نمبر 1 * کیا رسول ﷺ کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانا کھاتے تھے؟	جی ہاں
سوال نمبر 2 * کیا رسول اللہ ﷺ کو رفع حاجت یعنی پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آتی تھی؟	جی ہاں
سوال نمبر 3 * کیا رسول اللہ ﷺ کی کوئی بیوی تھی؟	جی ہاں
سوال نمبر 4 * کیا رسول اللہ ﷺ کے والدین یعنی ماں اور باپ تھے؟	جی ہاں
سوال نمبر 5 * کیا رسول اللہ ﷺ کی کوئی اولاد تھی؟	جی ہاں
سوال نمبر 6 * کیا رسول اللہ ﷺ کو نیند آتی تھی؟	جی ہاں
سوال نمبر 7 * کیا رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تھے؟	جی ہاں
اور حضرت محمد ﷺ یقیناً رسول و پیغمبر تھے۔	

اگر آپ تعصب سے بالاتر ہو کر کھلے دل و دماغ سے ان سوالات اور ان کے جوابات پر غور کریں تو یہ بات صاف اور واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نوری مخلوق کی کوئی ایک صفت بھی رسول اللہ ﷺ میں نہیں پائی جاتی' بلکہ وہ تمام صفتیں جو انسانوں میں پائی جاتی ہیں وہ رسول اللہ ﷺ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً نوری مخلوق کو بھوک اور پیاس نہیں لگتی اس لئے نہ وہ کھانا کھاتی ہے اور نہ پانی پیتی ہے' نتیجتاً اسے رفع حاجت وغیرہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ جبکہ انسان کو بھوک اور پیاس بھی لگتی ہے' وہ کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے' اور اسے رفع حاجت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' یعنی آپ کو بھوک اور پیاس بھی لگتی تھی اور آپ کھانا بھی کھاتے تھے اور آپ کو پیاس بھی لگتی تھی اور آپ کو رفع حاجت کی بھی ضرورت پیش آتی تھی۔

اسی طرح نوری مخلوق کا کوئی رشتہ دار نہیں' یعنی نہ تو وہ کسی کی اولاد ہوتی ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہوتی ہے' اور نہ ہی اس کی کوئی بیوی ہوتی ہے۔ یعنی اس کے والدین اور بیوی بچے نہیں ہوتے۔ جبکہ انسان کے والدین بھی ہوتے ہیں' بیویاں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی ہوتے ہیں بالکل یہی انسانوں والا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے والدین بھی تھے' آپ کی بیویاں بھی تھیں اور آپ کے بچے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی اولاد تھے۔ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیویاں تھیں اور حضرت فاطمہ اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی اولاد تھیں۔

اسی طرح نور کو کبھی نیند نہیں آتی' وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا جبکہ انسانوں کو نیند بھی آتی ہے۔ اور وہ بیمار بھی ہوتے ہیں' یہی معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ کو نیند بھی آتی تھی' آپ سوتے بھی تھے اور آپ بیمار بھی ہوتے تھے۔

یعنی نوری مخلوق کی کوئی ایک صفت بھی رسول اللہ ﷺ میں نہیں پائی جاتی' بلکہ وہ تمام صفتیں جو انسانوں میں پائی جاتی ہیں' وہی آپ ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ انسان ہی تھے' نوری مخلوق ہرگز نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ ایک عام انسان نہیں تھے' خاص انسان تھے۔ بلکہ خاص الخاص انسان تھے۔ ازل سے لے کر ابد تک کے تمام انسانوں بلکہ تمام انبیاء سے اعلیٰ و ارفع مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی ہستی کا مقام و مرتبہ کے لحاظ سے نام آتا ہے تو وہ محمد ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے۔



بشریت کے لبادے میں نور؟؟؟

کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی اور وہ اس طرح کہ آپ اصل میں نور ہیں لیکن اس دنیا میں آپ بشریت کا جامہ پہن کر آئے۔

یہ لوگ اپنی بات کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ دورِ نبوت میں کئی بار ایسا ہوا کہ کچھ حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور بات چیت کے بعد جب وہ چلے جاتے تو نبی کریم ﷺ بتاتے کہ یہ فرشتے تھے جو کہ انسانی روپ میں یہاں آئے تھے۔ اس مثال سے یہ لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح وہ فرشتے نور ہوتے ہوئے انسانی شکل میں آئے اسی طرح نبی کریم ﷺ ہیں کہ آپ نور ہیں لیکن دنیا میں آپ انسانی شکل میں تشریف لائے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ بات یاد رکھیں کہ کسی بھی نفس میں ایک وقت میں ایک ہی مخلوق کی صفات پائی جاسکتی ہیں۔ کسی میں دو مخلوقوں والی مخصوص صفات بیک وقت نہیں پائی جاسکتی۔ مثلاً اگر کوئی انسان ہے (مثلاً میں اور آپ) تو وہ صرف انسان ہی ہے چاہے وہ جس روپ میں چاہے آجائے جونسا روپ مرضی دھار لے اس میں فرشتوں اور جنوں والی مخصوص خصوصیات پیدا نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس میں تمام خصوصیات انسانوں والی ہی رہیں گی۔

اس طرح جن ہے کہ چاہے یہ جونسا روپ مرضی دھار لے وہ فرشتہ نہیں بن سکتا۔ وہ انسان نہیں بن سکتا۔ یعنی اگرچہ کوئی جن انسانی شکل میں آجائے تب بھی وہ رہے گا جن ہی، آپ اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں انسانوں والی مخصوص صفات میں سے کوئی بھی صفت موجود نہیں ہوگی بلکہ اس میں تمام

صفات جنوں والی ہی ہونگی۔

اسی طرح فرشتے ہیں کہ اگر چہ وہ انسانی روپ دھار کر آ جائیں لیکن رہیں گے وہ فرشتے ہی، آپ انہیں انسان نہیں کہہ سکتے۔ صرف ان کا روپ انسانی ہے۔

لہذا فرشتوں والی جو مثال رسول اللہ ﷺ پر لاگو کی جا رہی ہے یہ ہرگز آپ پر لاگو نہیں ہوتی۔ کیونکہ فرشتے جب زمین پر انسانی شکل میں آتے ہیں تو ان کی صرف شکل انسانی ہوتی ہے۔ لیکن ان کی باقی خصوصیات فرشتوں والی ہی ہوتیں ہیں۔ ان میں انسانوں والی مخصوص صفات میں کوئی ایک صفت بھی موجود نہیں ہوتی۔ مثلاً ان کے ماں باپ نہیں ہوتے۔ ان کی اولاد نہیں ہوتی۔ وہ کھانا نہیں کھاتے۔ وہ پانی نہیں پیتے۔ وہ سوتے نہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ولقد جآء ت رسلنا ابراهيم با لبشرى قا لو سلما۔ قال سلم فما لبث ان جاء بعجل حنيذ۔ فلما رآايديهم لا تصل اليه نكر هم واوجس منهم خيفة۔ قالو لا تخف انآ ارسلنآ الى قوم لوط(هو د ١١/ ٦٩،٧٠)

ترجمہ "اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغام بر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے۔ اور سلام کیا۔ انہوں نے بھی جواب میں سلام کہا۔ اور (ابراہیم علیہ السلام) بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں جا رہے۔ تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل میں خوف محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔

غور کریں کہ فرشتے انسانی شکل میں آئے لیکن انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ کیوں؟؟ کیونکہ نور کھانا نہیں

کھاتا۔ چاہے وہ انسانی شکل میں ہو یا نورانی شکل میں۔

لہذا یہ بات یاد رکھیں کہ روپ بدلنے سے جنس نہیں بدلتی۔ مخصوص صفات نہیں بدلتیں۔ بلکہ جنس اور صفات وہی رہتی ہیں جس کا وہ اصل ہے۔ اور چونکہ فرشتوں کا اصل نور ہے اور نور کی یہ ایک مخصوص صفت ہے کہ وہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس لئے فرشتوں نے باوجود اس کے کہ وہ انسانی شکل میں آئے تھے۔ انسانوں والی مخصوص صفات حاصل نہ کر سکے۔ یعنی نور کا بشریت کا لبادہ اوڑھنے کے باوجود اس میں بشریت والی صفات پیدا نہ ہو سکیں۔ اس لئے انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ یعنی فرشتے انسانی شکل میں ہونے کے باوجود فرشتے ہی رہے انسان نہ بن سکے۔ نور لبادہ بشریت میں بھی نور ہی رہا۔ بشر نہ بن سکا۔

ان کا ماں باپ کون تھا؟

یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر انسان کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ فرشتے جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے۔ اگر وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح انسان بن گئے تھے تو ان کا باپ کون تھا؟ ان کی ماں کون تھی؟ ظاہر ہے کوئی بھی نہیں۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ انسان تھے ہی نہیں بلکہ فرشتے ہی تھے۔ کیونکہ فرشتوں کے ماں باپ نہیں ہوتے یعنی روپ بدلنے کے باوجود فرشتوں کی صفات وہی رہیں جس کا وہ اصل ہیں۔ اور فرشتوں کا اصل چونکہ نور ہے اس لئے بشریت کے روپ میں بھی ان کی صفات نوری ہی رہیں۔ یعنی لبادہ بشریت میں بھی وہ نور ہی رہے۔ بشریت والی کوئی صفت ان میں پیدا نہ ہو سکی۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ بھی تھے اور آپ کھانا بھی کھاتے تھے۔ آپ کی بیویاں بھی تھیں۔ اور آپ کے بیٹے بیٹیاں بھی تھیں۔ ان صفات پر غور کریں تو یہ سب صفات سراسر بشریت والی صفات ہیں۔ اگر آپ اصل میں نور ہوتے تو آپ میں صفات بھی نور والی ہی ہوتیں۔ یعنی نہ تو آپ کے

ماں باپ ہوتے اور نہ آپ کے بیوی بچے ہوتے اور نہ آپ کھانا کھاتے۔لہذا یہ بات سراسر غلط ہے کہ آپ اصل میں نور تھے صرف روپ انسانی تھا۔ بلکہ آپ اصل میں بھی بشر اور انسان تھے۔اور روپ بھی بشر اور انسان کا تھا۔

بشریت کا انکار:

لوگوں کا بظاہر دعوی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی لیکن اصل میں یہ لوگ بشریت کے انکاری ہیں۔کیونکہ ان کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی تخلیق مٹی سے نہیں بلکہ نور سے ہوئی اور آپ کی اصلیت نور تھی صرف آپ کا روپ بشریت کا تھا۔یہ دعوی دراصل بشریت کا انکار ہے وضاحت کے لئے اس مثال پر غور کریں۔

فرض کریں ایک جن انسان کے روپ میں آجائے یعنی جن لبادہ بشریت میں آجائے،تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ چونکہ یہ اصل میں جن ہے اور روپ میں بشر اس لیے یہ جن بھی ہے اور انسان بھی۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر کوئی یہی کہے گا یہ جن ہے انسان نہیں۔صرف اس نے روپ انسان کا دھارا ہوا ہے۔یعنی اس بیان میں کہ "یہ اصل میں جن ہے صرف روپ انسان کا ہے"۔جن کے انسان ہونے کا انکار موجود ہے۔بالکل اسی طرح اس دعوٰی کہ "نبی کریم ﷺ اصل میں نور ہیں صرف روپ بشر کا ہے" میں نبی کریم ﷺ کے بشر ہونے کا انکار موجود ہے۔

لہذا لوگوں کا یہ دعوی ان کا دوغلا پن ہے کہ نبی ﷺ بشر بھی ہیں اور نور بھی۔ان کے دل ودماغ میں جو عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ آپ صرف نور ہیں بشر نہیں کیونکہ ان کا بیان کردہ دعوی کہ "نبی ﷺ اصل میں نور ہیں

صرف روپ بشریت کا ہے'' میں نبی کریم ﷺ کے بشر ہونے کا کھلا انکار موجود ہے۔

جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اصل میں بھی بشر ہیں اور روپ بھی بشریت کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی تخلیق نور سے نہیں بلکہ مٹی سے ہوئی اور آدم علیہ السلام کی اصلیت بشر تھی اور نبی کریم ﷺ سمیت آدم علیہ السلام کی پوری اولاد کی اصلیت بشر ہے اور روپ بھی بشر کا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا سایہ:

بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے نور ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہیں تھا حالانکہ یہ بات قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(1):و للہ یسجد من فی السموت و الارض طوعا و کرھا و ظللھم بالغد و والاصال۔ (الرعد۔ ۱۳/۱۵)

ترجمہ: اور اللہ کی ہر وہ چیز سجدہ کرتی ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں، خوشی سے اور ناخوشی سے اور ان سب کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں۔

اب نبی کریم ﷺ بھی اس سرزمین میں تھے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے تھے اور آپ کا سایہ بھی سجدہ کرتا تھا۔

(2):او لم یروا الی ما خلق اللہ من شیء یتفیئوا ظللہ عن الیمین و الشمآئل سجدا للہ وھم داخرون۔(النحل۔۱۶/۴۸)

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے سب کے سائے دائیں بائیں پھرتے ہوئے نہایت عاجزی سے اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ ہر وہ چیز جو اللہ نے پیدا کی ہے وہ اور اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ اور اس ہر وہ چیز میں نبی کریم ﷺ شامل ہیں۔ آپ اور آپ کا سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

(3) ایک بار نبی کریم ﷺ کسی بات پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو گئے۔ یہ ناراضگی اتنی طویل ہو گئی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ خیال ہونے لگا کہ شاید اب رسول اللہ ﷺ کو میری حاجت نہیں رہی۔ اپنا سامان اور چارپائی کو اٹھانا چاہا۔ آپ فرماتی ہیں: (آگے حدیث کے الفاظ یہ ہیں)

"میں اسی سوچ بچار میں بیٹھی تھی، دوپہر کا وقت تھا اچانک میں نے رسول اللہ ﷺ کا سایہ دیکھ لیا۔[مسند احمد۔ ۶/۱۳۲، ۲۶۱ ح: ۲۵۵۱۶، ۲۶۷۸۰ وسندہ صحیح فی اسنادہ شمیسہ وثقھا یحی بن معین تاریخ عثمان بن سعید الدارمی ص: ۱۳۱، ت ۴۱۸، مجمع الزوائد ۴/۳۲۳]

(4) انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ہم کو نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، نماز کے دوران آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا یا پھر پیچھے کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(اس حدیث کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا) پھر میں نے جہنم کو دیکھا، پھر مجھ پر جہنم کو میرے اور تمھارے درمیان پیش کیا گیا، یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں، میں نے اپنا سایہ اور تمھارا سایہ دیکھ لیا۔[صحیح ابن خزیمہ ۲/۵۰، ۱۵۱ ح: ۸۹۲ و اسنادہ صحیح۔ مستدرک حاکم: ۴/۴۵۶ و فی النسخۃ الجدیدۃ ۴/۵۰۳ ح: ۸۴۰۸ واسنادہ حسن لذاتہ]

لیجئے نبی ﷺ خود اپنے سایہ کا اثبات فرما رہے ہیں۔ اب اور کس قسم کا ثبوت چاہیے۔

عقیدہ نور من نور اللہ قرآن پاک کی نفی ہے۔

علاوہ ازیں یہ دعویٰ کہ "رسول اللہ ﷺ اللہ کے نور ہیں" یا اللہ کے نور کا حصہ ہیں" یعنی "نور من نور اللہ" ہیں قرآن مجید کی نفی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(1): قل انمآ انا بشر مثلکم یو حیٰ الی (الکھف ١٧/ ١١٠)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) کہہ دو کہ میں تم جیسا ہی انسان ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے انسان ہونے اور ہمارے انسان ہونے میں کیا فرق بیان کیا ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں بظاہر تم جیسا انسان ہوں مگر میں اصل میں نور ہوں۔ بلکہ آپ نے بحکم اللہ تعالیٰ یہ فرمایا کہ میں بھی تم جیسا ہی انسان ہوں۔ مگر میرے اور تمہارے درمیان فرق وحی الٰہی کا ہے۔

لہذا اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ رسول اللہ ﷺ اصل میں اللہ کا نور ہیں یا اللہ کے نور کا حصہ ہیں۔ یا "نور من نور اللہ" ہیں۔ صرف روپ انسانی ہے۔ تو یہ اس آیت کی صاف نفی ہو رہی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ بحکم ربی یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں لہذا اگر ہم اصل میں نور ہیں صرف روپ بشریت کا ہے۔ تو تب رسول اللہ ﷺ بھی اصل میں نور ہیں صرف روپ بشریت کا ہے۔ اور اگر ہم اصل میں بشر ہیں اور روپ بھی بشریت کا ہے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ بھی اصل میں بشر ہیں اور روپ بھی بشریت کا ہے۔

اب آپ صاف اور کھلے دل سے غور کر لیں کہ ہم کیا ہیں؟ کیا ہم بھی اصل میں نور ہیں، صرف روپ انسانی ہے؟ یا ہم اصل میں بھی بشر ہیں اور روپ بھی بشریت کا ہے؟ اس آیت کی رو سے جو جنس ہماری ہے ویسی

ہی رسول اللہ ﷺ کی ہے۔فرق وحی الٰہی کا ہے۔

(2):لقد من اللہ علی المو منین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم (اٰل عمران ۳/ ۱٦٤)

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان میں ایک رسول بھیجا ان ہی میں سے۔

(3):لقد جاء کم رسول من انفسکم (التو به۹/ ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا تمہاری ہی جنس سے۔

اوپر درج کردہ آیت نمبر 2 میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ میں نے ایک رسول بھیجا ان ہی میں سے۔یعنی رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں سے ہی مبعوث ہوئے۔جبکہ آیت نمبر 3 میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔کہ تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا تمہاری ہی جنس سے۔اور ہماری جنس نہ تو جن ہے نہ فرشتہ نہ ہی نور۔ بلکہ ہماری جنس انسان ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا انسانوں میں سے مسلمانوں میں سے۔

اب آپ غور کرلیں کہ وہ انسان اور مسلمان کیا ہیں؟ جن میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔کیا وہ اصل میں نور ہیں اور روپ میں انسان ہیں؟ یا وہ اصل میں بھی انسان ہیں اور روپ میں بھی انسان ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مسلمان انسان اصل میں بھی انسان ہیں۔اور بہروپ بھی انسانی ہے۔کوئی بھی مسلمان انسان اصل میں نور اور بہروپ میں انسان ہرگز نہیں ہے۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ ہیں۔کہ آپ اصل میں بھی انسان ہیں اور روپ میں بھی انسان ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ اصل میں اللہ کا نور ہیں یا اللہ کے نور کا حصہ ہیں۔یا نور من

نور اللہ ہیں۔ صرف لبادہ بشریت کا ہے یعنی نبی ﷺ کی اصلیت نور ہے۔ تو لامحالہ آپ کی اصل بشریت تو نہ رہی۔ آپ کی اصل جنس انسان تو نہ رہی۔ لہذا جس طرح ہر انسان مسلمان اصل میں بھی انسان ہے اور روپ میں بھی انسان ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ اصل میں بھی انسان ہیں اور روپ میں بھی انسان ہیں۔ آپ اللہ کا نور یا اللہ کے نور کا حصہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں میں ایک رسول بھیجا۔ ان ہی میں سے انسان کی جنس سے۔

پس اس دعوے سے کہ نبی ﷺ اصل میں اللہ کا نور ہیں یا اللہ کے نور کا حصہ ہیں یعنی نور من نور اللہ ہیں صرف جامہ بشریت کا ہے۔ اوپر درج کردہ دونوں آیات کی نفی ہو رہی ہے۔ پس عقیدہ نور من نور اللہ قرآن پاک کی نفی ہے۔

نور من نور اللہ اور شرک باللہ:

یہ بات نوٹ کر لیں کہ رسول اللہ ﷺ نور ضرور ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کس قسم کے نور ہیں؟ اس بات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں کہ آپ نور ہدایت ہیں۔ گمراہی اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں صراط مستقیم دکھانے والے نور ہیں۔ جہنم کی طرف جانے والے سیاہ راستوں سے ہٹا کر جنت کی طرف جانے والے سنہری راستہ دکھانے والے نور ہیں۔ اور آپ اللہ کی مخلوق ہیں۔ جبکہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم نور اللہ کا ذاتی نور ہے۔ اور یہ نور اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی ذات کے ساتھ متصل اور قائم ہے، اور یہ نور مخلوق نہیں ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور جیسا سمجھنے یا رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے اس ذاتی نور کا حصہ یعنی نور من نور الله کہنے سے آپ کے مخلوق ہونے کا انکار ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے

کیلئے دو مثالیں عرض کی جارہی ہیں۔

(1) سورج نور ہے۔لیکن یہ وہ نورنہیں ہے جواللہ کی ذات کے ساتھ قائم اور متصل ہے۔ اور نہ اس نوراللہ کا حصہ ہے۔ بلکہ یہ نوراللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ نور ہے۔اوراللہ کی مخلوق ہے۔

(2) اسی طرح فرشتے بھی نور ہیں۔لیکن فرشتے بھی وہ نورنہیں جوکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ومتصل ہے۔اور نہ ہی فرشتے اس نوراللہ کا حصہ ہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا پیدا کردہ نور ہیں اوراللہ کی مخلوق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ ہیں۔کہ آپ نور ہدایت،سراج منیر ہیں۔لیکن آپ وہ نور ہرگز نہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور نہ ہی آپ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم اس نوراللہ کا حصہ ہیں۔یعنی آپ نور من نور اللہ نہیں۔کیونکہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم نور مخلوق نہیں۔جبکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی مخلوق ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ ویسا ہی نور ہیں۔جیسا نوراللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔یااس نوراللہ کا حصہ ہیں۔یعنی نور من نوراللہ ہیں۔تو یہ شرک ہے۔کیونکہ ایسا کہنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شراکت اور حصہ داری لازم آتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الله نور السموات والارض(النور ۱۸/ ۳۵) (اللہ نور ہے آسمانوں اورزمین کا)

اب اللہ اوراللہ کا نور یعنی وہ نور جواللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔مخلوق نہیں ہے۔لہٰذا اگر آپ رسول اللہ ﷺ کواللہ کی ذات والا نور یا اس ذاتی نور کا حصہ یعنی نور من نور الله قرار دیں۔تو پھر رسول اللہ ﷺ مخلوق نہیں رہتے بلکہ اللہ کے حصہ دار اور شریک بن جاتے ہیں۔یا یہ کہہ دیں کہ رسول اللہ ﷺ

حقیقت میں اللہ ہی ہیں۔صرف اس دنیا میں انسان کے روپ میں آئے ہیں۔تو پھر بھی آپ اللہ کی مخلوق نہیں رہتے بلکہ خالق بن جاتے ہیں۔ جو کہ شرک ہے۔

اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ اصل میں نور اللہ ہیں۔یا اللہ کے ذاتی نور کا حصہ ہیں۔ یعنی نور من نور اللہ ہیں۔یا یہ کہہ دیں کہ رسول اللہ ﷺ اصل میں اللہ ہی ہیں۔صرف جامہ بشریت کا ہے۔تو ایسا کہنے سے اللہ کے ساتھ شراکت اور حصہ داری لازم آتی ہے۔جو کہ شرک ہے۔کیونکہ ایسا کہنے سے رسول اللہ ﷺ کے مخلوق ہونے کا انکار ہوتا ہے۔اور آپ کو اللہ کی ذات کے ساتھ حصہ دار اور شریک بنایا جاتا ہے۔

لہذا اصل اور سچ یہ ہے کہ اللہ خالق ہے اور رسول اللہ ﷺ مخلوق۔رسول اللہ ﷺ نہ تو اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ کا ذاتی نور۔اور آپ اس ذاتی نور اللہ کا حصہ بھی نہیں یعنی نور من نور اللہ نہیں ہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کا اصل ان کا بشر اور انسان ہونا اور اللہ کی مخلوق ہونا ہے۔اس کے بعد وہ نور ہیں۔نور ہدایت، سراج منیر، گمراہی اور ضلالت کے تاریک اور سیاہ راستوں میں صراط مستقیم والا روشن اور سنہری راستہ دکھانے والے نور۔لیکن آپ اللہ نہیں کہ دنیا میں رسول بن کر آگئے اور آپ جامہ بشریت میں اللہ کی ذات والا نور بھی نہیں اور نہ آپ اس ذاتی نور اللہ کا حصہ ہیں۔یعنی آپ نور من نور اللہ نہیں۔ بلکہ آپ اصل میں بھی بشر ہیں۔ اور روپ میں بھی بشر ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہ بات نوٹ کرلیں کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہماری طرح بشر ہیں۔تو اس کا مطلب نعوذ باللہ

آپ کی ہمسری یا برابری کرنا نہیں ہوتا۔ ''ہماری طرح بشر ہیں'' کا مطلب صرف اور صرف جنس تک محدود ہے۔ یعنی جس طرح ہماری جنس بشر اور انسان ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی جنس بھی بشر اور انسان ہے۔ باقی آپ کے رتبہ اور مرتبہ اور درجہ کا ہمارے ساتھ ہرگز ہرگز کوئی مقابلہ نہیں۔ ہم ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کا رتبہ و مرتبہ ہرگز نہیں اس طرح کا نہیں ہے جس طرح ایک گاؤں کا چوہدری ہوتا ہے۔ یا جس طرح بڑا بھائی ہوتا ہے۔ قطعاً نہیں۔ آپ کا مرتبہ و مقام لکھنے کیلیے یہ صفحات ناکافی ہیں۔ میری سوچ اور عقل آپ کے رتبہ و مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے میں آپ کا درجہ و مقام بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

ہمارے نبی ﷺ نہ صرف افضل البشر بلکہ امام الانبیاء ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ وہ فضیلتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو کسی دوسرے نبی اور رسول کو بھی عطا نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی ہستی کا کوئی مرتبہ و مقام ہے۔ تو وہ ہستی صرف نبی کریم ﷺ کی ہے۔

افضل کون؟ بشر یا نور:

اس طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نوری مخلوق نہیں بلکہ بشر ہیں۔ تو اس کا مطلب نعوذ باللہ آپ کا مرتبہ گھٹانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل حقیقت بیان کرنا ہوتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کی بشریت، نورانیت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ کا رتبہ و مرتبہ نوری مخلوق سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کی دلیل واقع معراج ہے۔ کہ جب نوری مخلوق کے عظیم نور افضل الملائیکہ حضرت جبریل امینؑ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہ جا سکے لیکن آپ کی بشریت نورانیت سے اس قدر اعلیٰ وارفع ٹھہری کہ آپ اس مقام یعنی سدرۃ المنتہیٰ سے آگے چلے

گئے۔ جہاں نور جانے کی جراءت نہ کرسکا۔ اور پھر وہاں پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے شرف ملاقات حاصل کی۔ جسے کوئی نور حاصل نہ کرسکا۔ لہذا نبی ﷺ کو بشر کہنے سے ہرگز ہرگز آپ کی توہین نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ کی بشریت نورانیت سے ہزار ہا درجے اعلیٰ اور افضل ہے۔ آپ کا مرتبہ ومقام بشر ہوتے ہوئے نوری مخلوق سے کہیں اعلیٰ اور بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشر ہوتے ہوئے وہ فضیلت اور رتبہ عطا کیا جو کوئی نور بھی حاصل نہ کرسکا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حق اور سچ بات سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باب نمبر 8

بدعت

اس باب میں

* عمل کی قبولیت کے لئے تین بنیادی شرائط
* بدعت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں
* بدعت کی تعریف آئمہ کرام کی نظر میں
* بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ
* بدعت کی تباہ کاریاں
* اعمال کے بدعت ہونے کی بنیادی وجوہات
* بدعت کے متعلق چند شبہات مثلاً
* کیا حرج ہے؟ کیا یہ عمل منع ہے؟ کیا ہر نئی چیز بدعت ہے؟
* بدعات کا ایک بہت بڑا سبب؛ ضعیف روایات
* ضعیف روایت اور اس کے ناقابل قبول ہونے کے دلائل
* ضعیف روایات اور فضائل اعمال

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

بدعت

اسلام ایک مکمل دین:

امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ ایک خاص انعام اور فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطاء کیا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل ہے' اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے۔ دین اسلام ایک سیدھا' واضح اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسولِ پاک ﷺ کی زندگی میں ہی اس دین کی تکمیل فرمادی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدہ : ۵/۳]

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند فرمایا''۔

دین مکمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں' لہٰذا اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ امت مسلمہ کو قیامت تک جو مسائل پیش آسکتے ہیں' ان تمام مسائل کا حل اس دین میں موجود ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دین کی کوئی چیز ایسی نہیں رہنے دی جو نہ بتائی ہو۔ انسان کو زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کے متعلق راہنمائی اس دین میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [احزاب : ۳۳/ ۲]

''تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے''۔

گویا ہر زمانہ میں' ہر آدمی کے لئے' ہر پیش آمدہ مسئلہ' الجھن اور مشکل کے حل کے لئے آنحضرت ﷺ کا فرمان جلی ہو یا خفی موجود ہوگا۔ اس لئے ہر کام سے پہلے آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ کیا ہے؟ جو بھی عمل کرنے لگیں اس کے متعلق تسلی کر لیں کہ یہ اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہے؟

عمل کی قبولیت کے لئے بنیادی شرائط:

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے تین

بنیادی شرائط ہیں۔ ان کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

❶ **ایمان باللہ :** کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے پہلی شرط اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ہونا ہے' یعنی آدمی مومن اور مسلم ہو۔ ایمان اور اسلام کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴾ [الکهف : ۱۸/ ۱۰۷]

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کی میزبانی کے لئے فردوس کے باغات ہیں''۔

❷ **اخلاص :** کسی بھی عمل کی قبولیت کی دوسری شرط اخلاص اور نیک نیتی ہے' یعنی عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو' دکھاوا اور نمائش مطلوب نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)). ❶

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

❸ **عمل اور طریقہ عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو:** کسی بھی عمل کی قبولیت کی تیسری شرط اس عمل کا طریقہ ہے۔ یعنی جو بھی عمل کیا جائے وہ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ہو اور اس کا طریقہ اور ہیئت بھی سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ یعنی عمل اور اس کا طریقہ سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب : ۳۳/ ۲]

''بے شک رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے''۔

② ﴿ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر : ۵۹/ ۷]

''جو کچھ رسول اللہ (ﷺ) تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رُک جاؤ''۔

③ ﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ﴾ [الاعراف : ۷/ ۳]

''جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کی اتباع نہ کرو''۔

یعنی عمل اور اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ شریعت یعنی قرآن وحدیث کے مطابق و موافق ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک ایسا عمل جو بظاہر نیک ہی دکھائی دے لیکن اگر وہ عمل یا اس کا طریقہ اور ہیئت وترکیب سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق نہیں یعنی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو ایسا عمل قابل قبول نہیں بلکہ رد ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

---

❶ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ (۱).

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)). ❶

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد ہے (یعنی نا قابل قبول ہے)''۔

دین میں ایسا کوئی بھی عمل جو اس تیسری شرط پر پورا نہ اترتا ہو وہ بدعت ہوگا۔ یعنی جو چیز قرآن وحدیث سے ثابت شدہ نہیں' نبی ﷺ کا اس پر حکم نہیں وہ بدعت ہے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دین اسلام کے دو اصول ہیں' جو شخص ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دے نہ اس کا کوئی عمل معتبر ہے نہ دین۔ ایک یہ کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ اس کی عبادت شریعت محمدی ﷺ کے مطابق کریں نہ کہ اپنے ایجاد کردہ طریقوں اور بدعت کے مطابق اور یہی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی حقیقت ہے''۔ ❷

لہٰذا یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے' لیکن کسی عمل کے صالح ہونے کے لئے صرف نیت صالح ہونا کافی نہیں بلکہ

اتباعِ سنت اور شریعت کی پابندی بھی ضروری ہے۔

بدعت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

بدعت سے متعلقہ آیات واحادیث درج ذیل ہیں:

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ خطبہ جمعہ کے دوران یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)). ❸

''بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب اور سب سے اچھا طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے بری بات دین میں ایجاد کردہ نئی چیزیں ہیں' ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

② ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)). ❹

❶ مسلم ، كتاب الاقضيه ، باب نقض الاحكام الباطلة و رد محدثات الامور، رقم (٤٤٩٣).

❷ ترجمان السنة ج ٢ ص ٤٤، كتاب الرد على البكرى ص ٣٩ بحواله توحیداور شرک کی حقیقت ص ٢٣ ناشر مکتبہ عمر فاروق.

❸ مسلم، كتاب الجمعة ، فصل فى خطبة الجمعة ١/ ٢٨٥.

❹ مسلم ، كتاب الاقضيه ،باب نقض الاحكام الباطلة و رد محدثات الامور، رقم (٤٤٩٣).

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد ہے"۔

③ ((وَ اِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة)).[1]

"اور دین میں نئی ایجاد کردہ چیزوں سے بچتے رہنا' کیونکہ ہر نئی ایجاد شدہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

④ ((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)).[2]

"جس نے میرے اس دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد (نامقبول) ہے"۔

⑤ "(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ ہے"۔[3]

⑥ ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ [الاعراف : ۳/۷]

"جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو"۔

⑦ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾[الحشر : ۷/۵۹]

"رسول اللہ ﷺ جس چیز کا تمہیں حکم دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ"۔

⑧ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾[المائدہ : ۳/۵]

"میں نے آج کے دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی"۔

⑨ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے نیکی سمجھیں"۔[4]

⑩ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو اس میں اضافہ نہ کرو"۔[5]

---

[1] ابوداؤد، کتاب السنة، باب لزوم السنة، رقم (٤٦٠١).

[2] بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود، رقم (٢٦٩٧).

[3] نسائی: ١/ ١٨٨، کتاب العيدين، باب كيف الخطبه (١٥٧٩).

[4] بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (٣/٥).

[5] مسند احمد ١١/٥، السلسلة الصحيحة ٣٤٦ بحواله بدعت کی حقیقت ص ١٨ ناشر مکتبه دارالسنة لاهور.

بدعت کی تعریف:

لغت میں بغیر کسی سابقہ مثال کے کسی چیز کے ایجاد کرنے کو بدعت کہتے ہیں' جبکہ اہل علم نے شریعت کی رو سے بدعت کی جو تعریفیں کی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

① ایسے شرعی امور جن کا وجود نہ تو قرآن مجید سے ہو اور نہ ہی سنت نبوی ﷺ سے ہو اور انہیں نیکی سمجھ کر کیا جائے۔

② شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جس کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایجاد کیا گیا ہو' اسے نہ آپ ﷺ نے کیا ہو' نہ اس کے کرنے کا حکم دیا ہو' نہ اس پر تقریر فرمائی ہو۔

③ بدعت وہ چیز یا کام ہے جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ پایا جائے' بلکہ آپ ﷺ کے بعد عمل میں آیا ہو' اور انہیں ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

④ بدعت دین میں کئے جانے والے ان کاموں کو کہتے ہیں جنہیں ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ کے بعد دین میں شامل کیا گیا ہو' ان کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں نہ ہو۔

⑤ بدعت دین میں ایسے امور کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہ ہو اور انہیں دین سمجھ کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

بدعت کی تعریف: آئمہ کرام کی نظر میں:

① علامہ حامدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دین کے کامل ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اعمال ایجاد کئے جانے کا نام بدعت ہے"۔ [1]

② علامہ محمد ابی بکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دین کے مکمل ہونے کے بعد جو چیز دین میں نئی پیدا کی جائے وہ بدعت ہے"۔ [2]

③ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس فعل پر کوئی دلیل شرعی دلالت نہ کرے وہ بدعت ہے"۔ [3]

④ علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بدعت ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو تکمیل دین کے بعد نکالی گئی ہو"۔ [4]

---

[1] السنن والمتبوعات ص ١١، بحوالہ دین الحق حصہ دوئم ص ٢٥ ناشر مکتبہ عزیزیہ، لاہور.

[2] مختار الصحاح ص ٥٦، ٨٣/١.

[3] الاعتصام، ج١ ص ٣٦.

[4] لسان العرب، ج ٨ ص ٦.

بدعت کی تعریف: ایک بریلوی عالم کی نظر میں:

علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی فرماتے ہیں:

"بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بلکہ بعد میں ایجاد ہوئے ہوں"۔ [1]

یعنی مفتی صاحب کی نظر میں بدعت عقائد اور اعمال دونوں میں ہوتی ہے۔

مذکورہ تعریفات سے واضح ہوا کہ شریعت میں اس فعل اور عمل کو بدعت کہتے ہیں جو دین کی تکمیل اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ایجاد ہوا ہو۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جس امر کی کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو وہ بدعت ہے۔ جس عمل کا قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ سے ثبوت نہ ہو وہ بدعت ہے۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ:

بدعت کی مذمت میں جو صحیح احادیث منقول ہیں ان میں کسی ایک میں بھی بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ اپنے عموم کے اعتبار سے دین میں جو بھی بدعات ایجاد کی جائیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، اصول میں ہو یا فروع میں، عقائد میں ہو یا عبادات میں، تمام کی تمام ضلالت اور گمراہی ہیں۔ کیونکہ کتاب وسنت میں بدعت حسنہ کے دلائل کا کوئی وجود نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی اس تقسیم سے واقف نہیں تھا، کیونکہ بدعت کی مذکورہ تقسیم عہد صحابہ کے بہت بعد معرضِ وجود میں آئی، اس لئے دراصل بدعت کی یہ مذکورہ تقسیم از خود بدعت ہے۔

اس کے باوجود کچھ لوگوں نے بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے "بدعت حسنہ" اور بدعت سیئہ" کا فلسفہ ایجاد کیا ہے۔ ایسا کر کے درحقیقت انہوں نے بدعات کو رواج دینے کے لئے بدعت حسنہ کا چور دروازہ کھول دیا ہے۔ جبکہ بدعت کو حسنہ اور سیئہ دو قسموں میں تقسیم کرنا ہی باطل ہے۔ کیوں کہ اس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بدعت اور اس کی سنگینی اور اس سے بچنے کی تلقین ضرور فرمائی ہے لیکن آپ نے کہیں بھی بدعت کی اقسام بیان نہیں کیں۔ لہٰذا بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا دراصل ایک اور بدعت کا ارتکاب ہے۔ کیونکہ احادیث رسول ﷺ میں بدعت کا ذکر ہے جبکہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کا قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا دراصل اپنی طرف سے دین میں اضافہ کرنا اور نئی چیز

---

[1] جاء الحق، حصہ اوّل، بدعت کے معنی اور اس کی اقسام، پہلا باب، ص ۲۰۶۔

ایجاد کرنا ہے جو کہ بدعت ہے۔ پس شرعاً کوئی بدعت' بدعت حسنہ نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی اجازت نہیں۔ ویسے بھی آپ بدعت کو دو کی بجائے ہزار حصوں میں تقسیم کر لیں' رہے گی وہ بدعت ہی۔ اور کتاب وسنت نے مطلقاً ہر قسم کی بدعت سے منع کیا ہے' چاہے وہ بدعت حسنہ ہو یا بدعت سیۂ یا کوئی اور' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

① ((وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَّ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)). ❶

''اور بدترین امور دین میں ایجاد کردہ نئی چیزیں ہیں' اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

② ((وَ اِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَۃٌ)). ❷

''دین میں ایجاد کردہ نئی باتوں سے بچو' کیونکہ ہر نئی ایجاد شدہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

③ ((وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَۃٌ وَ کُلَّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ)). ❸

''اور سب سے بری بات دین میں ایجاد کردہ نئی چیزیں ہیں اور ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ ہے''۔

④ ((فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَاۃٍ وَ کُلَّ ضَلَاۃٍ فِی النَّارِ)). ❹

''ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ ہے''۔

غور کریں ان چاروں حدیثوں میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ کل بدعة ضلالة یعنی ''ہر بدعت گمراہی ہے'' اب چاہے آپ اس بدعت کو بدعت حسنہ کہہ لیں یا کچھ اور رہے گی وہ بدعت ہی اور ان احادیث میں ہر بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں ہر قسم کی بدعات شامل ہو گئیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا احادیث میں لفظ ''کل'' استعمال ہوا ہے جو اپنے اندر تمام قسم کی بدعات کو شامل کرتا ہے' کوئی بھی بدعت اس سے خارج نہیں ہو سکتی۔ اب چونکہ کتاب وسنت سے کسی بدعت کو اس ''کل'' سے باہر نہیں رکھا گیا' اس لئے تمام کی تمام اقسام کی بدعات ضلالت اور گمراہی ہیں' چاہے وہ بدعات حسنہ ہوں یا سیۂ۔ لہٰذا

---

❶ مسلم، کتاب الجمعة ، فصل فی خطبة الجمعة، باب تخفیف الصلوة و الخطبة، رقم (٢٠٠٥).

❷ ابوداؤد ، کتاب السنه ، باب فی لزوم السنة جلد٢، رقم (٤٦٠٧).

❸ نسائی ، کتاب العیدین ، باب کیف الخطبة، رقم (١٥٧٩).

❹ السنن والمتدعات ص ١٢ ملخصًا.

کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی بدعت کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کی ترویج واشاعت شروع کر دے۔ اس کام کی شریعت نے کسی کو کوئی اجازت نہیں دی۔ جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدوں کو توڑتا ہے۔

اگر ہم بعض بدعات کو بدعت حسنہ کہہ کر جائز قرار دے دیں تو اس سے بدعات کا چور دروازہ کھل جائے گا اور نتیجتاً قرآن وسنت میں معنوی طور پر اس طرح کا بگاڑ پیدا ہوگا جیسا کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں ہوا۔ انہی بدعات کی وجہ سے سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف وخرابی پیدا ہوگئی اور ان میں بہت سی کفر والحاد کی باتیں داخل ہوگئیں۔ اور اس کا سبب صرف یہ تھا کہ مخلوق نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے نئی نئی چیزیں داخل کر کے ان کا حلیہ ہی بدل ڈالا تھا۔ پس اسلام میں بدعت حسنہ کا مؤقف و مذہب ایک باطل موقف ہے۔ بدعت وہ بدعت ہی ہے' شریعت نے اس کی کوئی قسم بیان نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مؤقف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ہر بدعت گمراہی ہے' خواہ لوگ اسے نیکی سمجھیں''۔ [1]

حضرت پیر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف:

حضرت پیر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کے متعلق فرماتے ہیں: میں ان لوگوں کے ساتھ اس مسئلہ میں موافقت نہیں رکھتا اور کسی بدعت کو بدعت حسنہ نہیں سمجھتا اور بدعت کے اندر ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ [2]

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف:

علامہ حافظ ابن رجب ''شرح الاربعین'' میں لکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ

فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

''ہر بدعت گمراہی ہے''۔

بہت ہی جامع ترین کلمہ ہے، جس سے کوئی بدعت نہیں نکل سکتی، یہ دین کا بہت ہی بنیادی قاعدہ ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے قول کے مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ.

[2] مکتوبات جلد ۲ بحوالہ توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے ص ۸۷ ناشر مکتبہ توحید وسنت سرگودھا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ.

''جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی بات پیدا کرے جس کی بنیاد اس میں نہ ہو وہ مردود ہے''۔

لہٰذا ہر نئی چیز جو دین کی طرف منسوب کی جائے گی اور دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہو اس کے گمراہی وضلالت ہونے میں کوئی شک نہیں اور دین اس سے بری الذمہ ہے، چاہے اس میں اعتقادی مسائل ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال واعمال۔ ❶

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

ان حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ دین میں پیدا کی ہوئی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور مردود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ عبادات اور اعتقادات میں بدعت حرام ہے، لیکن بدعت کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی حرمت کا حکم مختلف ہوگا، اس لیے کہ بعض بدعتیں تو کھلا کفر ہیں، جیسے قبروں کا طواف کرنا، قبروں پر نذر و نیاز چڑھانا، اصحاب قبر سے کچھ مانگنا، ان سے استغاثہ کرنا، اسی ضمن میں غالی قسم کے جہمی اور معتزلی افراد کے اقوال بھی آتے ہیں اور بعض بدعتیں شرک کے وسائل ہیں، جیسے قبروں پر تعمیر، وہاں کی نماز اور دعا وغیرہ، بعض بدعتیں اعتقادی فسق کے درجہ میں آتی ہیں، جیسے خوارج، قدریہ اور مرجیہ وغیرہ کی بدعتیں جو سراسر شریعت کے مخالف ہیں، ان میں سے بعض بدعتیں تو معصیت ہیں جیسے ترک دنیا کی بدعت، دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنے کی بدعت اور قوت باہ کو ختم کرنے کے لیے آپریشن وغیرہ کی بدعت۔ ❷

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے اسلام میں نیکی سمجھ کر کوئی نئی چیز ایجاد کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے یہ گمان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت میں خیانت سے کام لیا ہے (یعنی یہ کام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا چاہئے تھا لیکن وہ بتائے بغیر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ نعوذ باللہ من ذلک)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیز دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی''۔ ❸

یعنی دین صرف وہ ہے جس کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں تعلیم دے دی' ان کے بعد کوئی بھی

---

❶ جامع العلوم والحکم ص ۲۳۳ بحوالہ کتاب التوحید ص ۲۱۱ ناشر دارالاندلس.

❷ الاعتصام للشاطبی: ۲/۲۷ بحوالہ کتاب التوحید ص ۲۱۰ ناشر دارالاندلس.

❸ الاعتصام للشاطبی: ۱/ ۴۹.

نئی چیز دین نہیں بن سکتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے دین میں کسی ایسی چیز کو اچھا تصور کیا جو کہ اس میں نہیں تھی تو گویا اس نے نئی شریعت تخلیق کی۔[1] یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعات کو اچھا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا گویا نئی شریعت تخلیق کر کے اس پر عمل کرنا ہے۔

بدعتی آدمی کے تمام اعمال ضائع:

بدعتی آدمی کے تمام اعمال بارگاہِ خداوندی میں ضائع اور رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

① ''اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے' نہ نماز' نہ زکوٰۃ و خیرات' نہ حج و عمرہ اور نہ جہاد۔ اور بدعتی آدمی اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے بال گوندھے ہوئے آٹے سے نکل جاتا ہے''۔[2]

② رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ دے اور توبہ کرے۔[3]

اہل بدعت شفاعت سے محروم:

بدعتی لوگ روز قیامت شفاعت رسول اللہ ﷺ سے محروم رہیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

''قیامت کے دن کچھ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے اور ان کے وضو والے اعضاء چمک رہے ہوں گے (یعنی وہ نمازی ہوں گے)۔ میں ان کو حوض کوثر سے پانی پلانے کی کوشش کروں گا کہ اچانک میرے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ میں ان کو بلاؤں گا اور ان کی سفارش کرتے ہوئے کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں' ان کو

---

[1] الاحکام لدامدی: ۲/ ۱۳۶ المستغنی للغزالی ۱/ ۲۷٤ بحوالہ بدعت کی حقیقت ص ۱۸ ناشر مکتبہ دارالسنۃ لاھور.

[2] ابن ماجہ، مقدمہ باب احتناب البدع والجدل (٤٩).

[3] ابن ماجہ، المقدمۃ، باب احتناب البدع والجدال: ٥٠.

میرے پاس آنے دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ میری بات قبول نہیں فرمائیں گے اور کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں شروع کر دی تھیں' یعنی آپ کا طریقہ چھوڑ کر بدعت کی راہ اختیار کی لہٰذا یہ آپ کی سفارش کے مستحق نہیں ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں بھی ان بدعتیوں کے لئے لعنت کی دُعاء کروں گا۔ ان سے اپنی برأت کا اظہار کروں گا اور کہوں گا کہ جس نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلی کر دی اس کو مجھ سے دور ہی لے جاؤ'' ۔[1]

شاید اسی لئے اہل بدعت نے اپنا ساقی کوثر الگ بنا لیا ہے۔ پڑھیں اور سر جھومیں:

جب زبانیں سوکھ جائیں پیاس سے
جام کوثر کا پلا احمد رضا

حشر کے دِن جب کہیں سایہ نہ ہو
اپنے سایہ میں چھپا احمد رضا

حشر و نشر میں تو ساتھ دے
ہو میرا مشکل کشا احمد رضا [نعمة الروح]

بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب کم ہی ہوتی ہے:

ہر گنہگار کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب کم ہی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر گنہگار گناہ کرتا ہے گناہ سمجھ کر' زانی زنا کرتا ہے تو زنا کو گناہ سمجھتا ہے۔ چور چوری کرتا ہے گناہ سمجھ کر' قاتل قتل کرتا ہے تو قتل کو گناہ سمجھتا ہے' ڈاکو ڈاکہ مارتا ہے گناہ سمجھ کر' جھوٹا شخص جھوٹ بولتا ہے' کوئی غیبت کرتا ہے' کوئی چغل خوری کرتا ہے' تو اسے گناہ سمجھتا ہے...... غرضیکہ ہر گناہ جو انسان کرتا ہے وہ اسے گناہ سمجھتا ہے۔ اس لئے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اُسے توبہ کی توفیق نصیب ہو ہی جاتی ہے۔ مگر جو شخص بدعت کا عظیم اور گھناؤنا گناہ کرتا ہے' وہ اسے دین اور نیکی سمجھتا ہے تو اب وہ نیکی سے توبہ کس طرح کرے' توبہ گناہوں سے ہوتی ہے۔ اور وہ بدعت کو گناہ سمجھتا ہی نہیں بلکہ نیکی سمجھتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بدعت کا ارتکاب کرنے والے شخص کو توبہ کم ہی نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض: ٦٥٨٤.
مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة و التحجيل فی الوضوء (٥٨٠).

جب تک کہ وہ اس حقیقت سے باخبر نہ ہو جائے کہ وہ جو کام کر رہا ہے وہ نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شیطان کو گناہ کے معاملہ میں بدعت زیادہ پسند ہے' کیونکہ گناہ سے توبہ کی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی"۔ ❶

اعمال کے بدعت ہونے کی چند وجوہات:

اعمال کے بدعت ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں جن میں سے چند اہم وجوہات درج ذیل ہیں۔

بنیادی وجہ ❁ قرآن وحدیث سے ثبوت کا نہ ہونا:

ایسے اعمال جن کا ذکر اور ثبوت قرآن وحدیث میں نہ ہو اور وہ دین کی تکمیل کے بعد ایجاد ہوئے ہوں تو وہ سراسر بدعت ہیں۔ مثلاً گیارھویں شریف۔ کیونکہ گیارھویں شریف حضرت پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر دی جاتی ہے' اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت پیر عبدالقادر جیلانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی سو سال بعد پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی سو سال بعد ایجاد ہوا۔ لہٰذا اس بات میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود نہیں تھا۔ لہٰذا یہ ایک ٹھوس بدعت ہے۔

جبکہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہوتا ہے لیکن ہیئت اور ترکیب اور وقت وغیرہ کی وجہ سے وہ بدعت بن جاتے ہیں۔ چند اہم وجوہات نیچے درج کی جا رہی ہیں:

❶ **وقت اور تاریخ** : بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کے کرنے کا وقت شریعت نے مقرر کر رکھا ہے' انہیں انہی مقررہ اوقات میں عمل میں لانا افضل ترین بات ہے۔ لیکن ان مقررہ اوقات کے علاوہ تمام جائز اوقات کو چھوڑ کر کسی ایک وقت کو اس طرح خاص کر لیا جائے کہ اس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اور اسے عملاً فرض کا درجہ دے دیا جائے یا فرض کی طرح اس پر ہمیشگی اختیار کی جائے۔ جبکہ شریعت نے اس وقت کو مسلمانوں پر مقرر نہیں کیا تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔

مثلاً فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دُعاء مانگنا۔ جبکہ ہاتھ اُٹھا کر دُعاء کرنا ایک مستقل عبادت ہے جو کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔ البتہ جن موقعوں پر اس کا اہتمام سنت سے ثابت ہے ان کو ترجیح دی جائے گی' مثلاً قبر کے پاس کھڑے ہو کر فوت شدہ کے لئے دُعاء کرنا' قنوت نازلہ میں دُعاء کرنا اور کسی کے مطالبے پر بارش یا صحت وغیرہ کے لئے دُعاء کرنا وغیرہ۔ ان موقعوں پر ہاتھ

---

❶ رواہ فی شرح السنۃ: ۱/۲۱۶۔

اُٹھا کر دُعاء کرنا ثابت ہے۔ ان موقعوں کے علاوہ ہاتھ اُٹھا کر اکیلے یا اجتماعی دُعاء کرنا کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے' لیکن اس عبادت کو فرض نماز کے ساتھ مخصوص کر لینا' اس پر ہمیشگی اختیار کرنا اور اسے اس طرح ادا کرنا کہ یہ دونوں عمل یعنی امام اور نمازیوں کا ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دُعا مانگنا ایک دوسرے کا حصہ معلوم ہوں حتیٰ کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دُعاء کے بغیر نماز کو ہی نامکمل سمجھنے لگنا تو یہ سنت نہیں رہتا بلکہ بدعت بن جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا اتنا ہی ضروری ہوتا تو اس کا ثبوت اسوۂ رسول ﷺ سے ضرور ملتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عہد نبوت میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دُعاء کا اہتمام کرنے میں کوئی رکاوٹ تھی؟ یقیناً نہیں تھی۔ لہٰذا اگر دور نبوت میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دُعاء کا اہتمام نہیں کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اہتمام نہ کرنا ہی سنت ہے۔ لہٰذا ایسا کوئی بھی عمل جس کے کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو اور اس کا پورے عہد نبوی ﷺ سے ثبوت نہ ملے مگر ہم نہ صرف اس پر ہمیشگی اختیار کریں بلکہ دوسروں کو اس کی دعوت بھی دیں تو یہ درست نہ ہوگا۔

یہی صورت حال اذان سے قبل درود پڑھنے کی ہے' نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا ایک مستقل عبادت ہے' جو ہر وقت جائز ہے اور کسی بھی وقت پڑھا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت نے اس کے کچھ اوقات مقرر بھی کیئے ہیں۔ ان مقررہ اوقات کے علاوہ اس درود کو کسی ایسے وقت پر مخصوص کرنا جسے شریعت نے مقرر نہیں کیا جائز اور درست نہیں۔ اذان سے قبل درود پڑھنے کا نہ تو شریعت نے حکم دیا ہے اور نہ احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے پہلے درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اور دور نبوت میں اذان سے قبل درود پڑھنے کی کوئی رکاوٹ بھی موجود نہیں تھی' کسی نے منع نہیں کیا تھا' لیکن اس کے باوجود دورِ نبوت میں اذان سے قبل درود نہیں پڑھا جاتا تھا۔ جس سے لازمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اذان سے قبل درود نہ پڑھنا سنت ہے۔

جو علت اور برائی کسی عمل کے اپنی طرف سے ایجاد کرنے میں ہے وہی علت اور برائی اپنی طرف سے تاریخ اور وقت مقرر کرنے میں ہے۔ مثلاً گیارھویں شریف' تیجہ' دسواں اور چالیسواں وغیرہ۔ شریعت نے ان میں کوئی بھی تاریخ مقرر نہیں کی اور دورِ نبوت میں ان اعمال کے کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی موجود نہیں تھی' لیکن اس کے باوجود دورِ نبوت میں کسی صحابی کی وفات پر کسی نے کوئی تیجہ' دسواں اور چالیسواں وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا۔ اس کا لازمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان اعمال کا نہ کرنا سنت اور ان کا کرنا بدعت ہے۔

اسی طرح اپنی طرف سے کوئی دِن مثلاً جمعرات کا دن مقرر کر کے مخصوص ذکر کرنا بھی درست نہیں ہے۔

❷ مذکورہ الفاظ کا شریعت میں سے نہ ہونا : بعض اعمال میں ادا ہونے والے الفاظ اور اذکار قرآن وحدیث سے نہیں ہوتے بلکہ یہ اذکار خود بنائے گئے ہوتے ہیں۔ مثلاً درود تاج اور دوسرے مختلف غیر مسنون درود مثلاً مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ ..... الخ اور اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے درود نہ تو قرآن میں کہیں آئے ہیں اور نہ حدیث نبوی ﷺ سے ان کا ذکر ملتا ہے بلکہ یہ درود نبی ﷺ کے بعد مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے بنائے، جو کہ ان کے ناجائز ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لہٰذا یہ سب درود بدعات ہیں کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ یہ درود شریعت محمدی ﷺ سے نہیں ملتے۔ ان کو شریعت محمدی ﷺ کی تکمیل کے بعد ایجاد کیا گیا۔ ان پر مہر نبوت نہیں ہے لہٰذا یہ بھی بدعت ہیں۔

❸ مسنون ذکر کی بجائے غیر مسنون ذکر پڑھنا یا ان میں اضافہ کرنا :
کسی خاص موقع پر مسنون اذکار چھوڑ کر غیر مسنون اذکار کرنا یا ان میں اضافہ کرنا دراصل شریعت میں تبدیلی اور شریعت میں اضافہ ہے۔ مثلاً ختم شریف۔ کھانے پینے کے سلسلہ میں شریعت محمدی ﷺ سے جو اعمال ثابت ہیں وہ یہ ہیں۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا'
بسم اللہ بھول جائے تو یاد آنے پر بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ [1] پڑھنا' کھانا کھانے کے بعد اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا الْمُسْلِمِیْنَ [2] پڑھنا اور اگر کوئی کہے تو کھانا ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء مانگنا۔ یہ سب کھانا کھانے کی سنتیں ہیں۔ لیکن کھانا سامنے رکھ کر اس پر سورۃ فاتحہ' سورۃ بقرہ کا کچھ حصہ' چاروں قل اور درود شریف یا کچھ اور پڑھنا یعنی ختم پڑھنا اس بات کا شریعت محمدی ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ ذکر فی نفسہٖ اگرچہ درست ہے مگر مذکورہ بیان کی گئی کیفیت میں یہ غیر مسنون ہے۔ ایسا نہ تو رسول اللہ ﷺ نے کیا نہ ایسا کرنے کی تعلیم دی اور نہ ہی کسی صحابی نے ایسا کیا۔ لہٰذا ختم نہ پڑھنا سنت ہے' اور ختم پڑھنا خلاف سنت یعنی بدعت ہے۔

شریعت نے بعض اعمال کی ایک خاص حدود مقرر کی ہیں ان میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ جیسے نمازِ ظہر میں آخر پہ دو نفل ہیں اب اگر کوئی ان میں اضافہ کر کے چار نفل پڑھ لے تو اس کا یہ عمل درست نہ ہوگا۔ یا جس طرح اذان لا اِلٰہ الا اللّٰہ پر ختم ہوتی ہے جو کلمہ طیبہ کا ایک حصہ ہے' اب اگر کوئی شخص کہے کہ میں اذان میں پورا کلمہ پڑھوں گا اور لا اِلٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ محمد الرسول اللّٰہ بھی ملاؤں گا۔

---

❶ ابو داؤد، کتاب الاطعمة، باب التسمية على الطعام (٣٧٦٧).

❷ ابو داؤد، کتاب الاطعمة، باب ما يقول اذا طعم (٣٨٥٠).

اب اگرچہ یہ کام بظاہر بہت خوش نما دکھائی دیتا ہے اور اس شخص کی نیت بھی نیک ہے لیکن اس کا یہ عمل درست نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ اذان میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور ایسے عمل سے اجر وثواب کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو اس میں اضافہ نہ کرو''۔ ❶

اس بات کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک ماری۔ پس اس نے کہا: الحمد للّٰه والسلام علی رسول اللّٰه۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں الحمدللّٰه والسلام علی رسول اللّٰه۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا۔ ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم ہر حال میں کہیں ''الحمدللّٰه''۔ ❷

حضرات گرامی! اندازہ کیجئے ''وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ'' جیسا پاکیزہ اور پیارا جملہ' مگر چھینکنے کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ جملہ پسند نہیں فرمایا...... کیوں؟ صرف اس لئے کہ چھینک کے بعد صرف الحمد للہ کہنا' رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے اور اسی پر اکتفا کرنا دین کا تقاضا ہے۔ اب چھینکنے کے بعد کوئی جملہ الحمد للہ سے زائد کہنا ثواب اور نیکی نہیں بنے گا' بلکہ بدعت اور گمراہی ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ہر کام اور ہر عمل نیکی اور دین نہیں ہوگا' بلکہ وہ کام اور وہ عمل دین اور نیکی ہوگا جس پر آنحضور ﷺ کی مہر تصدیق ثابت ہوگی۔

اس حدیث کو درج کرنے کے بعد بطورِ نتیجہ مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتے ہیں:

''اس شخص نے جو چھینک کے بعد الحمدللّٰه والسلام علی رسول اللّٰه کہا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا تھا اور نہ یہ بات تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بغض کی بنا پر اس کو چھینک کے بعد درود شریف پڑھنے سے منع کر رہے تھے۔ ان کا مطلب صرف اتنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو عبادات جس طرح مشروع اور مقرر فرمائی ہیں ان کو کسی ترمیم اور اضافہ کے بغیر ادا کرنا اتباع رسول اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ وابستگی ہے اور اپنی رائے سے ان میں کسی سابقہ اور لاحقہ کا اضافہ کرنا بہر حال لائق ستائش نہیں ہے''۔ ❸

---

❶ مسند احمد ۱۱/۵، السلسلة الصحيحة: ۳۴۶ بحوالہ بدعت کی حقیقت ص۱۸ ناشر مکتبہ دارالسنۃ لاھور.

❷ ترمذی، کتاب الادب عن رسول اللہ ﷺ، باب ما یقول العاطس اذا عطس (۲۷۳۸).

❸ شرح صحیح مسلم، ص ۱۰۹۵، جلد اوّل، طبع فرید بک سٹال ۱۴۱۵ھ۔

❹ **طریقہ کار کا سنت رسولؐ سے موافق نہ ہونا :** بعض اعمال بدعت یوں بن جاتے ہیں کہ ان کا طریقہ کار سنت کے مطابق نہیں ہوتا۔ مثلاً صحیح احادیث کی روشنی میں سجدہ سہو کی صورت میں دونوں طرف سلام ہے' لیکن اگر کوئی صرف ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل درست نہ ہوگا۔ بلکہ بدعت ہوگا۔ کیونکہ یہ سنت رسول ﷺ کے مطابق نہیں۔

❺ **فرض سے ٹکراؤ :** جو عبادت ہر وقت جائز ہو مثلاً تلاوت' دُعاء یا کوئی وظیفہ وغیرہ' اور آپ اسے کسی خاص موقع پر کرنا چاہیں تو احتیاطاً یہ معلوم کر لیں کہ کہیں اس موقع کے لئے شریعت نے کوئی فرض مقرر تو نہیں کیا۔ کیونکہ اگر اس موقع کے لئے شریعت نے کوئی فرض عائد کیا ہے تو پھر فرض ترک کر کے جائز کام میں لگے رہنا قطعاً جائز نہیں مثلاً اگر نمازِ باجماعت کھڑی ہو اور ایسا شخص جس نے یہ نماز ابھی نہیں پڑھی تو اس کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ وہ جماعت کے ساتھ شامل ہونے کی بجائے کوئی درود' وظیفہ' تلاوت یا دُعاء کرتا رہے۔ یا کوئی نفل یا سنت نماز پڑھتا رہے۔ بلکہ فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سنت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب نماز کی اقامت (تکبیر) ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی''۔ [1]

پس کسی ایسے موقع پر کوئی سنت یا نفل عبادت کرنا قطعاً جائز نہیں جس موقع پر شریعت نے کوئی فرض عبادت مقرر کی ہو۔

❻ **سنت سے ٹکراؤ :** اگر آپ کسی خاص موقع پر کوئی ایسی عبادت کرنا چاہیں جو ہر وقت جائز ہو۔ مثلاً تلاوت' دُعاء' کوئی ورد یا وظیفہ وغیرہ۔ تو پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس موقع کے لئے شریعت نے کوئی فرض تو مقرر نہیں کیا؟ اگر شریعت نے اس موقع پر کوئی فرض مقرر نہیں کیا تو پھر اب یہ دیکھنا از حد ضروری ہے کہ کیا اس خاص موقع کے لئے شریعت نے کوئی سنت مقرر کر رکھی ہے؟ اگر اس خاص موقع کے لئے شریعت نے کوئی سنت مقرر کر رکھی ہے تو سنت کو چھوڑ کر کوئی بھی نفلی عبادت درست نہ ہوگی بلکہ نفل چھوڑ کر سنت کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر چہ سنت فرض کی طرح نہیں ہے' اسے کیا جائے تو بہت زیادہ ثواب ہے اور اگر کسی وجہ سے کبھی کبھار سنت چھوٹ جائے تو گناہ لازم نہیں آتا۔ مگر جب ایک موقع کی سنت کو ہمیشہ ترک کیا جائے تو گناہ لازم آئے گا۔ کیونکہ سنت چھوڑنے کے لئے نہیں بلکہ اپنانے کے لئے ہوتی ہے' اسے اپنانا ہی حب رسول ﷺ کا تقاضا ہے' جبکہ اسے چھوڑے رکھنا اس سے بے رغبتی کی دلیل

---

[1] مسلم، صلاۃ المسافرین، باب کراھة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلوة (۷۱۰) (۱٦٤٤) (۱٦٤٦).

ہے۔اور ارشاد پاک ہے:

''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں''۔ ❶

لہٰذا سنت چھوڑ کر نفل اپنانا درست نہیں ہوگا۔

اس کی مثال فرض نماز کے بعد لا الٰہ الا اللّٰہ کا اجتماعی ورد ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ لا الٰہ الا اللّٰہ افضل الذکر ہے اور اسے کسی بھی وقت کرنا جائز ہے۔لیکن فرض نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ کا معمول اور سنت لا الٰہ الا اللّٰہ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔لہٰذا ہر فرض نماز کے بعد ہمیشہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا ورد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی سنت ختم کر دی جائے اور اس کی بجائے نفل کو لازم کر لیا جائے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ کا ورد مؤخر ہوسکتا ہے لیکن نماز کے بعد والے سنت سے ثابت شدہ اذکار کو ہمیشہ کے لئے مؤخر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

فرض نماز کے بعد چند مسنون اذکار یہ ہیں:

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تمام ہونا تکبیر (اللہ اکبر کی آواز) سے پہچان لیتا تھا۔ ❷

② حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب اپنی نماز ختم کرتے تو فرماتے: استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ۔پھر (یہ) پڑھتے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ)). ❸

اب ان سنتِ رسول ﷺ سے ثابت اذکار کو چھوڑ کر غیر ثابت شدہ ذکر کرنا درست نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد لا الٰہ الا اللّٰہ کا ٹکراؤ ایک سنت سے ہو رہا ہے لہٰذا سنت کو چھوڑ کر اسے معمول نہیں بنانا چاہئے' کیونکہ سنت رسول ﷺ ہی اس بات کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ وہ ہر مسلمان کا معمول بنے۔

❼ **آهسته اور بلند آواز سے ذکر :** شریعت میں تمام اذکار' خفیہ' آہستہ اور دل میں کئے جاتے ہیں' قرآن مجید میں ہر ذکر آہستہ، عاجزی کے ساتھ دِل میں، بغیر بلند آواز کے کرنے کا حکم ہے۔جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

---

❶ بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر ٥٠٦٣.

❷ بخاری، صفة الصلوٰة (الاذان) باب الذکر بعد الصلوٰة (٨٤٢).

❸ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰة (١٣٣٤).

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ [الاعراف: ۲۰۵/۷]

''اور ذکر کرو اپنے ربّ کا اپنے دِل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ، آہستہ، بغیر آواز بلند کئے صبح اور شام''۔

یعنی ہر ذکر بغیر آواز نکالے دِل میں کرنے کا حکم ہے۔ ماسوائے ان اذکار کے جن کے باآواز بلند کرنے کا شریعت نے حکم یا اجازت دے رکھی ہو۔ مثلاً اذان' اقامت' خطبہ وغیرہ۔ لہٰذا ایسے اذکار جن کا باآواز بلند ادا کرنا اسوۂ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ان کا ذکر بلند آواز سے کرنا جائز نہیں۔ مثلاً فرض نماز کے بعد لا الٰہ الا اللہ کا ورد اور اذان سے پہلے درود پڑھنا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان اذکار کا ان بیان کردہ موقعوں پر کرنا ہی ثابت نہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کا باآواز بلند کرنا بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ درست نہیں' کیونکہ یہ سنت نہیں۔

اسی طرح بعض لوگ لوگوں کو جمع کر کے ایک محفل منعقد کرتے ہیں اور اس محفل میں بلند آواز کے ساتھ اجتماعی طور پر مختلف قسم کے اذکار مثلاً اللہ ھو، لاالٰہ الا اللہ اور درود شریف وغیرہ کا ورد کرتے ہیں' حالانکہ شریعت محمدی ﷺ سے اس طرح محفل کا اہتمام کر کے اجتماعی طور پر بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا قطعاً ثابت نہیں۔ اس طرح کی کوئی محفل منعقد کرنے کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے بھی کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ صحابہ کرامؓ نے کبھی اس قسم کی کوئی محفل منعقد نہیں کی۔ لہٰذا اس قسم کی محفلیں منعقد نہ کرنا سنت ہے اور منعقد کرنا بدعت ہے۔

کیا جلسہ اور اجتماع وغیرہ کی تاریخ مقرر کرنا بدعت ہے؟

کسی عمل کے لئے اپنی طرف سے کوئی دِن، وقت یا تاریخ مقرر کر کے اس کے بدعت بن جانے کے سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ عمل بدعت اس وقت بنے گا جب وقت، دِن یا تاریخ اور مذکورہ عمل ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منتھی ہو جائیں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بن جائیں۔ اور اس عمل کو روزانہ، ہفتہ وار، ماہوار یا سالانہ کی بنیاد پر باقاعدہ دین سمجھتے ہوئے کیا جائے۔ اور اس دِن یا تاریخ کو وہ عمل باقاعدگی سے اس طرح کیا جائے کہ وہ ایک اسلامی تہوار کی شکل اختیار کر جائے اور اسے عملاً فرض یا سنت کا درجہ دے دیا جائے یا اسے فرض اور سنت کی طرح کیا جائے یا اس میں فرض اور سنت کی طرح ہیشگی پائی جائے جبکہ شریعت نے وہ وقت، دِن یا تاریخ مقرر نہ کی ہو۔

اس کی صورت کچھ یوں بنتی ہے کہ ہر روز کوئی وقت مقرر کر لیا جائے یا ہفتہ یا ہر ماہ یا ہر سال میں کوئی تاریخ یا دِن کسی عمل کے ساتھ اس طرح مخصوص کر لیا جائے کہ یہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم بن

جائیں اور اس وقت، تاریخ یا دِن کو وہ عمل باقاعدگی کے ساتھ روزانہ، ماہانہ یا سالانہ کی بنیاد پر مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے کیا جائے اور اسے باقاعدہ دین کا حصہ بنالیا جائے جبکہ شریعت محمدی میں وہ وقت تاریخ یا دِن اس طرح مخصوص اور مقرر نہ کیا گیا ہو تو یہ بدعت ہوگا۔

جبکہ عام جلسہ اور اجتماع میں یہ صورت نہیں پائی جاتی۔ یعنی اس میں جلسہ اور اجتماع کے لئے کوئی تاریخ اور دِن اس طرح مقرر نہیں کی جاتی کہ اس دِن یا تاریخ کو ہر سال تا قیامت باقاعدگی کے ساتھ جلسہ اور اجتماع کرنا ہے۔ یعنی جلسہ اور تاریخ ہمیشہ کے لئے فکس نہیں ہو جاتی۔ اس میں روزانہ، ماہانہ یا سالانہ کی بنیاد پر ہمیشگی نہیں پائی جاتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اسلامی تہوار کی طرح نہیں منایا جاتا۔ یعنی جلسہ اور اجتماع میں تاریخ ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے یہ آگے پیچھے ہوسکتی ہے بلکہ منسوخ بھی ہوسکتی ہے۔ جبکہ بدعت میں تاریخ آگے پیچھے نہیں ہوتی کیونکہ ایسا کرنے سے اس عمل کی روح متاثر ہوتی ہے۔ اس بات کو چند مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❶ **گیارھویں شریف** : اب گیارھویں شریف کا ختم اور گیارہ تاریخ فکس ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نتھی اور لازم و ملزوم ہیں۔ اس عمل میں ماہانہ کی بنیاد پر ہمیشگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے اور اسے مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں گیارہویں کے ختم اور گیارہ تاریخ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں نہ تو نبی کریم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر کوئی عمل ہے۔

❷ **عرس**: عرس کی تاریخ بھی فکس ہے اور اس طرح فکس ہے کہ آگے پیچھے نہیں ہوتی اور اسے ہر سال ہیشگی کے ساتھ اسلامی اور مذہبی تہوار سمجھ کر منایا جاتا ہے۔ جبکہ شریعت نے وہ تاریخ مقرر نہیں کی، اس لئے یہ بدعت ہے۔ بلکہ شریعت میں نہ تو عرس ہے اور نہ اس کی تاریخ۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات مقدسہ میں عرس کا کوئی ذکر نہیں۔ خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ نے اپنے دورِ حکومت میں کبھی نبی کریم ﷺ کا عرس نہیں منایا اور نہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے نہ کسی تابعی یا تبع تابعی نے کسی صحابی رسول کا عرس منایا ہے۔

❸ **میلاد شریف**: میلاد کے لئے ۱۲ ربیع الاوّل کی تاریخ مقرر اور مخصوص ہے۔ اس فکس تاریخ کو میلاد ہر سال باقاعدگی سے مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے منایا جاتا ہے۔ اور اسے دین کا حصہ سمجھ کر بجالایا جاتا ہے۔ جبکہ یہ کام اور تاریخ یعنی میلاد اور ۱۲ ربیع الاوّل شریعت نے مقرر نہیں کیا اس لئے یہ بدعت ہے۔ یعنی شریعت میں نہ تو میلاد شریف کا ثبوت ہے اور نہ اس کی تاریخ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں نہ کبھی اپنا میلاد منایا اور نہ اس کی تعلیم دی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور چاروں اماموں میں سے کسی نے کبھی میلاد شریف نہیں منایا۔

تعزیہ: اسی طرح تعزیہ ہے کہ جس کے ساتھ ۹ اور ۱۰ محرم فکس ہیں۔ اسے بھی ہر سال باقاعدگی سے عین دین سمجھتے ہوئے منایا جاتا ہے۔ جبکہ شریعت میں نہ تو اس عمل کا ثبوت ہے اور نہ اس کے لئے ۹ یا ۱۰ محرم کی تاریخ ہی شریعت نے فکس کی ہے۔

درود قبل از اذان: اسی طرح اذان سے قبل درود کا پڑھنا ہے کہ اس کے لئے اذان کے قبل کا وقت مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس وقت کو درود کے لئے فکس کر دیا گیا ہے۔ جبکہ شریعت نے اس وقت کو درود کے لئے فکس نہیں کیا اس لئے یہ بھی بدعت ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ درود پڑھنا ایک نہایت ہی افضل عمل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اور اسے کسی بھی وقت پڑھا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت نے اس کے لئے کچھ وقت مقرر بھی کئے ہیں۔ مثلاً دوران التحیات اور اذان کے بعد۔ اب اگر کوئی شخص درود کے لئے وہ وقت مقرر کرے جو کہ شریعت نے مقرر نہیں کیا اور اس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اور اسے باقاعدہ دین کا حصہ بنا لیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ بدعت ہوگا۔ لہٰذا اذان سے قبل درود اسی وجہ سے بدعت ہے کہ درود کے لئے شریعت نے یہ وقت مقرر اور مخصوص نہیں کیا۔

جمعرات: اسی طرح جمعرات ہے کہ بعض لوگ ہر جمعرات کو باقاعدگی کے ساتھ محفل منعقد کرتے ہیں اور مختلف اقسام کے ذکر کرتے ہیں اور اسے ایک مذہبی رسم کی طرح بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ اب سنت سے ثابت شدہ اذکار درست اور جائز ہیں ان میں سے بعض کا وقت شریعت نے خود مقرر کیا ہے۔ اب ان مقررہ اوقات کے علاوہ اگر اپنی طرف سے کوئی وقت مقرر کیا جائے تو یہ بدعت ہوگا۔ جمعرات کے دِن محفل ذکر اس وجہ سے بدعت ہے کہ شریعت نے یہ دِن مقرر نہیں کیا۔

اوپر درج کردہ مثالوں میں گیارھویں شریف اور گیارہ تاریخ، عرس اور اس کی تاریخ، میلاد شریف اور ۱۲ ربیع الاوّل، تعزیہ اور ۱۰ محرم، محفل ذکر اور جمعرات، اذان اور اس سے پہلے درود میں ہر عمل کے لئے اس کا وقت مخصوص اور مقرر ہے، اس میں ہیشگی پائی جاتی ہے، اور اسے باقاعدہ دین کا حصہ سمجھتے ہوئے روزانہ، ہفتہ وار، ماہ وار یا سالانہ کی بنیاد پر اسے ایک اسلامی اور مذہبی رسم اور فریضہ سمجھ کر منایا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت نے نہ یہ دن اور تاریخ مقرر کی ہے اور نہ اسے تہوار کی طرح منانے کا حکم ہے۔

اب آپ غور کریں کہ کیا عام جلسہ اور اجتماع میں بھی یہ شرائط پائی جاتی ہیں کہ ان کے ساتھ تاریخ ہمیشہ کے لئے فکس ہو جائے یا ان میں ہیشگی پائی جائے یا انہیں اسلامی تہوار کی طرح منایا جائے قطعاً نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کام اور عمل کے لئے وقتی طور پر کوئی وقت، دِن یا تاریخ مقرر کرنا بدعت نہیں۔ عمل بدعت اس وقت بنے گا جب:

- کسی عمل کے ساتھ وقت مستقل طور پر اس طرح متعین کر دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم بن جائیں۔
- اس پر ہمیشگی اختیار کی جائے یعنی اسے روزانہ، ماہانہ، سالانہ یا ہفتہ وار کی بنیاد پر اس میں باقاعدگی پائی جائے۔
- اسے دین کا حصہ سمجھتے ہوئے فرض یا سنت کا درجہ دے دیا جائے یا فرض اور سنت کی طرح کیا جائے اور اسے مذہبی اور اسلامی تہوار کی طرح منایا جائے۔

جبکہ شریعت سے اس وقت، دِن یا تاریخ کا اس عمل کے ساتھ کوئی ثبوت نہ ہو۔ یعنی نہ تو یہ قرآن پاک کا حکم ہو، نہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہو اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد اور فتویٰ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی نے اطلاع دی کہ فلاں مسجد کے نمازی نماز کے بعد تسبیح وتہلیل اور تکبیر بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ (اب دیکھئے کہ وہ لوگ سُبْحَانَ اللهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے' اور آنحضرت محمد ﷺ نے نماز کے بعد ان کلمات کے پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ یہ کلمات' ان کی تعداد' پڑھنے کا وقت سب شریعت اور سنت رسول سے ثابت ہے۔ مگر ان لوگوں نے زیادتی صرف اتنی کی تھی کہ بجائے پست آواز کے بلند آواز سے پڑھنے لگے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس مسجد میں پہنچے تو اتفاق سے وہ لوگ کنکریوں پر یہ کلمات بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم ان سنگریزوں پر کیا پڑھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: خداوند قدوس کی تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل کرتے ہیں۔

ان کا یہ جواب سن کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تعجب اور افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! کتنی جلدی ہلاکت و بربادی کے کاموں میں پڑ گئے ہو۔ اب تک تمہارے درمیان اصحابِ رسول ﷺ کثرت کے ساتھ موجود ہیں' اور ابھی تک رسولِ رحمت ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ کے برتن نہیں ٹوٹے"۔

پھر فتویٰ لگاتے ہوئے فرمایا:

"مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا معبود اور مشکل کشا کوئی نہیں! تم نے ایک تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے۔ تم نے یہ کام کر کے ثابت کیا ہے کہ تم محمد عربی ﷺ اور ان کے صحابہ سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو"۔

پھر فرمایا:

"تم نے ایک بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے' کیا تم علم میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ گئے ہو؟" ❶

قارئین! اندازہ لگایا آپ نے! سُبۡحَانَ اللّٰہِ، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکۡبَر اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کتنے فضائل ہیں' یہ کلمات کتنے بابرکت ہیں' اور ان کلمات کو پڑھنے پر کتنا اجر اور ثواب ملتا ہے۔ مگر جب ان لوگوں نے ان کلمات کو پڑھنے کے لئے ایک ایسی مخصوص ہیئت' مخصوص صورت اور مخصوص شکل بنائی' جو کہ سنت رسول ﷺ سے ثابت نہ تھی' تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے اس عمل اور فعل کو گمراہی سمجھا' اور تاریک اور سیاہ بدعت اور بدعت عظمیٰ کا فتویٰ لگایا...... کیوں؟ اس لئے کہ کلمات کتنے ہی بابرکت اور مبارک کیوں نہ ہوں' فعل اور عمل کتنا ہی خوشنما اور دیدہ زیب کیوں نہ ہو' لیکن جب تک اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوگا' وہ نیکی اور ثواب نہیں بن سکتا' بلکہ بدعت ہوگا' گمراہی ہوگی' ضلالت ہوگا' مخالفت رسول ﷺ پر مبنی ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا جو مسجد میں بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور درود شریف بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر فتویٰ لگایا:

مَا اَرَاکُمۡ اِلَّا مُبۡتَدِعِیۡنَ.

"میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں"۔

پھر آپ نے ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیا کہ تم کلمہ کا ذکر اور درود شریف بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو' جبکہ اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عبادات کے سلسلہ میں کچھ قوانین بنا رکھے ہیں۔ مثلاً نماز کے لئے مخصوص کیفیت' مخصوص تعداد' مخصوص اوقات وغیرہ۔ روزہ کے لئے مخصوص مہینہ اور مخصوص وقت۔ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ان مخصوص حالتوں' تعداد یا وقت میں کمی بیشی کریں۔ اسی طرح جن عبادات کی مخصوص تعداد یا مخصوص وقت شریعت نے مقرر نہیں کی ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ان کے لئے ایسی

---

❶ احکام الاحکام ج۱ ص ۵۲. مجالس الابرار ص ۱۳۳.

مسند دارمی، مقدمه باب کراهية اخذ الرارى (۲۰۴).

❷ دارمی، مقدمة، باب فی کراهة اخذ الرأی ﷺ.

کوئی چیز مخصوص کریں جو شریعت نے مخصوص نہیں کی۔ اسی طرح ہمارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ عبادت کی کوئی ایسی کیفیت بنالیں جو دین میں مشروع نہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے عبادات کی کیفیت و ہیئت کی وضاحت اپنے طرزِ عمل یعنی سنت رسول ﷺ سے کر دی ہے اور نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کو اپنانے میں ہی ہماری کامیابی ہے۔ کیونکہ ہمیں اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو زیادہ جاننے والے تھے کہ کس طرح اور کس طریقے سے ہماری اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے عبادت کی کیفیت' شکل وصورت اور وقت و تعداد وغیرہ کے تعین کا حق صرف نبی پاک ﷺ کو ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو کوئی حق نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی نیا عمل ایجاد کرے یا کسی عمل کے لئے کوئی خاص وقت یا دِن مقرر کرے یا کوئی نئے الفاظ ایجاد کرے یا کسی عمل کی کیفیت و ہیئت میں تبدیلی کرے یا جدید شکل کی کوئی عبادت ایجاد کرے اور اسے اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھے۔ ایسا کرنا بدترین بدعت ہے اور ایسا کرنے والا بہت بڑی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

دُعائیں اور اذکار افضل ترین عبادتوں میں سے ہیں اور عبادتوں کا دارومدار اتباعِ رسول ﷺ پر ہے۔ من مانے طریقے سے عبادت جائز نہیں' کسی کو یہ اختیار نہیں کہ غیر مسنون اذکار اور دعائیں لوگوں کے لئے مشروع قرار دے دے اور انہیں باقاعدہ عبادت قرار دے دے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے اور مشروع قرار دیئے ہوئے اذکار کے علاوہ اپنی طرف سے دوسرے اذکار ایجاد کئے وہ خطاکار اور غلط کار ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو نبی و پیشوا اور راہبر ماننا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ ﷺ سے صحیح طور سے ثابت شدہ اذکار کو مانا جائے اسی پر اکتفا اور عمل کیا جائے۔ اور کسی دوسرے کا ایجاد کردہ عمل رد کر دیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی بھی اچھی چیز بتلائے بغیر نہیں چھوڑی' آپ ﷺ نے ہر اچھی اور ضروری بات ہمیں بتا دی ہے۔

پس صرف اور صرف وہی عمل قابل قبول ہے جس پر آنحضرت ﷺ کی مہر تصدیق لگی ہو۔ مہر نبوت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں' بلکہ وہ رد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک شخص نیا جعلی نوٹ جاری کرے' کاغذ بہترین' رنگ اعلیٰ' لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ اب چاہے یہ اجلا اور کورا نوٹ دوسرے نوٹوں سے خوش نما لگ رہا ہو مگر پھر بھی جعلی ہے اور بے وقعت ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ اس نوٹ پر حکومت وقت کی مہر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دین میں نیکی کا کوئی نیا کام جاری کرتا ہے تو اگرچہ بظاہر وہ کام کتنا ہی خوش نما اور دیدہ زیب کیوں نہ ہو۔ حقیقت میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وہ بے وقعت اور ردّ ہے۔ وہ جعلی عمل ہے۔ کیونکہ اس عمل پر مہر نبوت نہیں ہے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی منظوری نہیں ہے۔

پس یہ بات یاد رکھیں کہ بعض اعمال شاندار ضرور ہوتے ہیں مگر جاندار نہیں ہوتے۔ کیونکہ اصل قیمت اس عمل کے ڈھانچے کی نہیں ہوتی بلکہ اصل چیز تصدیق رسول یعنی شریعت سے ثبوت ہے۔ جو کہ اس عمل کی جان ہے۔ اگر تصدیق رسول ہے' شریعت سے ثبوت ہے' تو وہ عمل جاندار بھی ہے اور شاندار بھی اور اگر شریعت سے ثبوت نہیں ہے تو ایسا عمل شاندار تو ہوسکتا ہے مگر جاندار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ایسا عمل بے جان ہے' اور ایسا ہی ہے جیسا جسم بغیر روح کے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ ❁ کیا حرج ہے' کیا ہم کوئی گناہ والا کام کررہے ہیں؟

جب کسی مروجہ رائج الوقت بدعت کی نشاندہی کی جاتی ہے تو یہ منطق پیش کی جاتی ہے کہ ہم درود وسلام' ذکر واذکار' دعوت وطعام وغیرہ نیکی کے کام ہی تو کررہے ہیں' اس میں حرج ہی کیا ہے؟ کیا ہم کوئی گناہ والا کام کررہے ہیں؟

دراصل یہ غلط فہمی شیطان کی پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ بدعت بظاہر نیک کام ہی نظر آتا ہے۔ یہ درود وسلام' تلاوت' ذکر واذکار اور دعوت طعام وغیرہ پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ ان کا ثبوت شریعت محمدی ﷺ سے نہیں ملتا یا ان کاموں کے کرنے کا طریقہ' انداز' وقت اور مقدار وغیرہ شریعت محمدی کے مطابق نہیں ہوتی۔ لہٰذا شیطان کا یہ زبردست حملہ ہے کہ وہ بدعت کو ایک اعلیٰ اور نیک کام کے طور پر پیش کرتا ہے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شیطان کے اس وسوسے میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب ایک آدمی ایسا کام کررہا ہے جس کا اسے پتہ ہے کہ یہ برا ہے' مثلاً جھوٹ' فریب' چغلی وغیرہ' تو اس بات کی قوی امید ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی انہیں چھوڑ دے گا۔ اس کے برعکس ایک آدمی ایک برا کام نیکی سمجھ کر کررہا ہے تو اس کا چھوڑنا ناممکنات میں سے ہے جب تک کہ اسے اس بات کی سمجھ نہ آجائے کہ میں جو کام کررہا ہوں وہ نیکی نہیں برائی ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے چند احادیث پیش کی جارہی ہیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ بات کی سمجھ آجائے گی۔

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس تین آدمی آئے اور نبی کریم ﷺ کی عبادت کے سلسلہ میں دریافت کیا' جب ان کو اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو کم تصور کیا اور کہنے لگے ہماری نبی ﷺ سے کیا نسبت' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ سب بخش دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن میں روزے سے رہوں گا' اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا' کبھی شادی نہ کروں گا (یعنی ہمیشہ عبادت میں مصروف رہوں گا)۔ نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی تو انہیں بلایا اور فرمایا:

"کیا تمہیں لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے

ڈرنے والا اور زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔ میں نفلی روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا' رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' لہٰذا جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں''۔ ❶

قابل غور بات یہ ہے کہ آخر ان تینوں نے کون سے گناہ کا قصد کیا تھا' آخر نماز روزہ اور شب بیداری۔ نیز اللہ کی عبادت میں منہمک ہو جانا کارِ خیر ہی تو ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے سختی سے منع فرما دیا' کیونکہ یہ طرزِ عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تھا' اگرچہ یہ چیزیں فی نفسہٖ خیر تھیں لیکن اس کی جو کیفیت وہ لوگ اختیار کر رہے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہ تھی۔

دیکھئے رات کے کچھ حصہ میں نوافل پڑھنا سنت مصطفوی ﷺ سے ثابت ہے مگر ان پر زیادتی یہ کہ ساری رات ہی پڑھوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ اسی طرح نفلی روزے بھی سنت رسول ﷺ ہیں' مگر اس پر زیادتی یہ کہ میں ساری عمر روزے رکھوں گا' آنحضرت ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ اگرچہ ان حضرات کی نیت یہی تھی کہ ان اعمال سے اپنے ربّ کی رضا حاصل کی جائے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس طریق عمل کو پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ ایسی عبادت کو اپنی سنت سے بغاوت قرار دیا۔

② ولید بن سریع جو کہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں بیان کرتے ہیں کہ ہم امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کے دن نکلے' تو آپ رضی اللہ عنہ سے آپ کے ساتھیوں میں سے ایک قوم نے نماز عید سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا' تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب نہیں دیا۔ پھر ایک قوم آئی اور انہوں نے سوال کیا۔ پس انہیں بھی جواب نہیں دیا۔ پس جب ہم عیدگاہ پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے سات اور پانچ تکبیریں کہیں پھر لوگوں کو مخاطب ہوئے (خطبہ دیا)' پھر خطبہ سے فارغ ہوئے اور سوار ہو گئے۔ پس لوگوں نے آپ سے کہا: ''اے امیر المومنین! یہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں''۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں ایسا کام نہیں کرتا' تم نے مجھ سے سنت کے بارے میں سوال کیا' بے شک نبی کریم ﷺ نے اس (عید) سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی''۔ ❷

③ ایک شخص امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ ہم احرام کہاں سے باندھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ذوالحلیفہ سے۔ اس نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ قبر نبوی ﷺ سے احرام باندھوں۔

---

❶ بخاری، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح لقول الله تعالى: ﴿ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ ﴾.

❷ نيل الاوطار: ٣/ ٣٧١، باب لاصلاة قبل العيد ولا بعدها.

آپ نے فرمایا' ایسا نہ کر میں تجھ پر فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ اس نے کہا' اس میں کون سا فتنہ ہے۔ چند ہی میل پہلے تو باندھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا' اس سے بڑھ کر اور کون سا فتنہ ہوسکتا ہے کہ تو نے ایک ایسی فضیلت حاصل کر لی جس کو حاصل کرنے سے رسول اللہ ﷺ قاصر رہے۔ ❶

④ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر آپ مسجد میں گئے اور انہیں دیکھ کر فرمایا:

"اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کسی کو کلمہ اور درود پڑھتے نہیں دیکھا۔ میں تم کو بدعتی جانتا ہوں"۔

بار بار یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکلوا دیا۔ ❷

⑤ ایک شخص نے عید کے دِن نمازِ عید سے قبل نفل نماز پڑھنی چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کیا تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا۔ (گویا وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں کوئی برا کام تو نہیں کر رہا' نیکی ہی کر رہا ہوں)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا' جب تک اس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے اور شاید تجھے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے گا۔ ❸

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی پر غور فرمائیں کہ: "ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان نوافل پر سزا دے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہو رہی ہے"۔

ثابت ہوا کہ ہر کام جو بظاہر نیکی نظر آتا ہے وہ حقیقت میں نیکی تب بنے گا جب آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوگا۔

⑥ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس نے دین میں کسی ایسی چیز کو اچھا تصور کیا جو کہ اس میں نہ تھی تو گویا اس نے نئی شریعت تخلیق کی"۔ ❹

---

❶ الاعتصام للشاطبی: ۱/ ۱۷٤، طبع دار ابن عفن: ۲/ ۵۲.

❷ دارمی، مقدمة، باب فی کراهیة اخذ الرأی ﷺ.

❸ نظم البیان بحواله شرک کیا ہے اور بدعت کیا ہے ص ۹۷ ناشر مکتبه توحید و سنت سرگودها.

❹ الاحکام للامدی: ۲/ ۱۳٦ المستعفی للغزالی ۱/ ۳۷٤ بحواله بدعت کی حقیقت ص ۱۸ ناشر مکتبه دارالسنة لاهور.

ان تمام حضرات کو کھلے ذہن سے اوپر درج کردہ حدیث و آثار پر غور کرنا چاہئے' جو غیر ثابت شدہ اعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہ کارِ خیر ہی تو ہیں ذکر و اذکار ہی ہیں۔ حالانکہ کارِ خیر صرف نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ اعمال ہیں' وہ اعمال اور ان کی کیفیت (وقت' طریقہ' تعداد وغیرہ) جو نبی ﷺ سے ثابت نہیں وہ کارِ خیر نہیں بلکہ بدعات ہیں اور کارِ شر ہیں۔

ایک اور مثال پر غور کریں کہ عیدین کی نماز سے پہلے اذان اور تکبیر نہیں کہی جاتی۔ اگر ایک آدمی نیک نیتی سے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے نماز عید سے پہلے اذان اور تکبیر کہنا شروع کر دے تو کیا اس کا یہ عمل قابل قبول ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ بعینہٖ ایسے ہی ہر وہ عمل رد اور نا قابل قبول ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ صرف اور صرف وہی عمل قابل قبول اور باعث اجر و ثواب ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یہ درست ہے کہ اعمال صالحہ کا دار و مدار نیت پر ہے' لیکن صرف نیت کا اچھا ہونا کسی عمل کی قبولیت کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے درست نیت کے ساتھ ساتھ اتباع سنت اور شریعت کی پیروی بھی ضروری ہے۔ وگرنہ ایسا عمل رائیگاں چلا جائے گا۔ اجر و ثواب صرف ایسے عمل کا ملے گا جو شرعی حدود کے اندر رہ کر کیا جائے گا۔ شرعی حدود کو پھلانگ کر جو عمل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا' بلکہ ایسا کرنے والا الٹا گناہگار بن جائے گا۔

یہ بات یاد رکھیں کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا قرب آپ کے پیچھے چل کر ہو سکتا ہے' آپ ﷺ سے آگے چل کر نہیں' یعنی آپ ﷺ کا قرب آپ ﷺ کی سنت سے ثابت شدہ اعمال پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ غیر ثابت شدہ اعمال سے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

① رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد ہے''۔ [1]

② ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الاعراف: ۷/۳]

''جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو''۔

③ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو اس میں اضافہ نہ کرو''۔ [2]

---

[1] مسلم، کتاب الاقضیه، باب نقض الاحکام الباطلة و رد محدثات الامور (۴۴۹۳).

[2] مسند احمد: ۵/ ۱۱.

④ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾[الحشر : ۷/۵۹]

''اور رسول اللہ ﷺ جس چیز کا تمہیں حکم دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ''۔

ایک مثال سے وضاحت:

اذان سے اوّل آخر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے' اس لئے کہ قرونِ اولیٰ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ جو عاشق صادق تھا' اُس نے تقریباً دس سال آنحضرت ﷺ کے سامنے اذان دی...... مگر اس اذان میں اوّل آخر بلند آواز سے یہ صلوٰۃ وسلام نہیں ملے گا...... پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سنہری دور دیکھئے...... سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مبارک زمانہ دیکھئے...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور دیکھئے...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت دیکھئے...... حسنین کریمین رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھئے...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور دیکھئے...... باقی اصحابِ رسول ہیں...... عشرہ مبشرہ ہیں' اصحابِ بدر ہیں' تابعین اور تبع تابعین ہیں' ائمہ مجتہدین ہیں' محدثین ومفسرین ہیں' امام بخاری ہیں' امام مسلم ہیں' امام ابوحنیفہ ہیں' امام مالک ہیں' امام شافعی ہیں' امام احمد بن حنبل ہیں رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کے دور میں بھی آپ کو نہیں ملے گا کہ اذان سے اوّل آخر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہو۔

لوگو! اتنا تو سوچو کہ اگر یہ کام ثواب اور نیکی ہوتا تو بلال رضی اللہ عنہ اسے کبھی نہ چھوڑتے...... اگر یہ صلوٰۃ وسلام اذان سے اوّل وآخر دین ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور عمل کرتے' تابعین اسے کبھی نہ چھوڑتے' آئمہ اربعہ اس پر ضرور عامل ہوتے...... اس لئے یہ کام اب دین اور ثواب نہیں بلکہ بدعت ہوگا۔

دلیل دی جاتی ہے کہ ہم درود ہی تو پڑھ رہے ہیں' اور درود پڑھنے کا اللہ نے خود حکم دیا ہے۔

دیکھو جی! یہ وہابی ہمیں درود سے روکتے ہیں' یہ وہابی درود کے ہیں ہی منکر۔

ہم کہتے ہیں کہ درود شریف کا پڑھنا کارِ ثواب ہے۔ ایک مرتبہ درود پڑھا جائے تو دس نیکیاں ملتی ہیں' دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور جنت میں دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ درود شریف پڑھنا نیکی ہے مگر جس جگہ اور جس مقام پر آنحضرت ﷺ نے درود نہیں پڑھا' اور نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اس جگہ اور اس مقام پر درود پڑھنا ثواب اور نیکی نہیں' بلکہ بدعت ہوگا۔

مثال کے طور پر ایک شخص مرغی ذبح کرتا ہے' اور بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر کی بجائے درود شریف پڑھ کر چھری چلاتا ہے۔ بتائیے وہ مرغی حلال ہوگی یا حرام؟ یقیناً آپ کا جواب ہوگا کہ مرغی حرام ہو جائے گی۔ اگر میں کہوں کہ اس شخص نے درود شریف پڑھ کر مرغی ذبح کی ہے پھر مرغی حرام کیوں ہے؟ تم

سب لوگ درود کے منکر ہو' گستاخ ہو۔

آپ جواب میں کہیں گے کہ جناب! ہم درود کے منکر نہیں ہیں' مگر جس مقام پر اور جس جگہ پر اس شخص نے درود پڑھا ہے وہ مقام درود پڑھنے کا نہیں تھا۔ آنحضور ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مقام پر درود نہیں پڑھا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس مقام پر اس شخص نے درود پڑھا ہے' اس مقام پر شریعت نے درود پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اور درود پڑھنا وہاں ثواب اور نیکی ہوگا جہاں شریعت نے حکم دیا ہے۔

اس لئے یاد رکھئے! بدعت ہمیشہ نیکی کا روپ دھار کر آتی ہے' بدعت ہمیشہ دین کے رنگ میں آتی ہے۔ بدعت بدترین اور گھناؤنا گناہ ہے مگر اس پر کیپسول سنہری چڑھا دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بدعتی اس کام کو نیکی' ثواب' قربِ خداوندی کا ذریعہ اور آنحضور ﷺ کی خوشنودی کا سبب سمجھتا ہے۔ جب تک بدعت نیکی کا رنگ نہ اپنائے تو اس وقت تک لوگ اس میں ملوث کس طرح ہوں۔

حنفیوں سے ایک سوال:

سوال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی چار رکعت فرض نماز پڑھ رہا ہے اور وہ دوسری رکعت میں تشہد کے بعد بھولے سے یا جان بوجھ کر پورا درود ابراہیمی پڑھ لے تو اس کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟

فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے ملاحظہ فرمائیں:

"اگر درمیانی تشہد میں درود پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہے"۔ [1]

سوال یہ کہ کیوں؟ کیا شریعت نے اس مقام پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا ہے؟ کیا درود شریف پڑھنا باعث اجر و ثواب نہیں؟ اور اگر ایسا ہے تو مذکورہ صورت میں درود پڑھنے سے سجدہ سہو کیوں لازم آتا ہے؟

ہمارے خیال میں فقہ حنفی کی رو سے ہی اس کا جواب یہ ہے کہ جس مقام اور جس موقع پر اس شخص نے درود پڑھا' شریعت میں اس موقع پر درود پڑھنے کا کوئی حکم نہیں۔ کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ اس موقع پر صرف التحیات پڑھنے اور تشہد پڑھنے کا حکم ہے اور بس۔ اس سے آگے درود پڑھنے کا کوئی حکم نہیں۔ اب جو اس موقع پر درود پڑھے گا وہ حدود سے تجاوز کرے گا۔ سنت کے خلاف چلے گا۔ کیونکہ اس موقع پر درود پڑھنا درست نہیں۔ جو ایسا کرے گا اس کے لئے سجدۂ سہو ضروری ہے۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ ۶۳۶/۳، فتاوٰی عالمگیری ۱۲۷/۱، فتح القدیر ۴۳۸/۱.

بحوالہ دین الحق، حصہ دوئم ص ۵۱۹.

پیارے قارئین! ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شریعت نے جس عمل کا جس مقام پر جتنا عمل کرنے کا حکم اور اجازت دی ہے، اتنا ہی کریں۔ جس عمل کا شریعت سے ثبوت نہیں ملتا وہ نہ کریں وہ بدعت ہے۔ جس مقام اور موقع پر کسی عمل کا ثبوت نہیں ملتا اس مقام اور موقع پر وہ عمل نہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ جس عمل کے جتنا عمل کرنے کا شریعت سے ثبوت ہے' اتنا ہی کریں اور شریعت کی قائم کردہ حد سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ شریعت میں کسی عمل کا جس کیفیت اور ہیئت میں ثبوت ہے اس عمل کو اسی کیفیت اور ہیئت میں سرانجام دینا ضروری ہے' کیونکہ یہی سنت ہے۔ اپنی ایجاد کردہ کیفیت اور ہیئت میں کسی عمل کا سرانجام دینا ہرگز درست نہیں' کیونکہ یہ خلافِ سنت اور بدعت ہوتا ہے۔

دین وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی مہر ہو:

اس بات کو نہایت اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہر نیکی کا کام نیکی نہیں ہوگا۔ اور وہ کام بھی نیکی نہیں ہوگا جسے ہم نے یا ہمارے بزرگوں نے ازخود نیکی اور ثواب سمجھ لیا ہے بلکہ نیکی صرف وہ ہے جس پر امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی مہر لگی ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد ہے''۔[1]

لہٰذا یہ بات سمجھ لیں کہ انسان کا ہر عمل اور ہر عبادت چاہے وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیا گیا ہو اور چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت اور خوشنما کیوں نہ ہو وہ کام اور عمل اس وقت تک عبادت اور نیکی نہیں ہوگا جب تک رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کی مہر اس پر چسپاں نہ ہوگی۔ کیونکہ کسی عمل کی قبولیت کے لئے صرف نیک نیتی شرط نہیں بلکہ ہر عمل کی قبولیت کے لئے تین بنیادی شرائط ہیں۔

اوّل: مسلمان ہونا۔

دوم: نیک نیت ہونا۔

سوئم: عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہونا۔

ان تینوں شرائط میں سے کوئی ایک شرط چھوٹ جانے سے وہ عمل رائیگاں ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کی نیت بھی نیک ہے اور عمل بھی سنت رسول کے مطابق ہے لیکن وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر ہے تو اس کا وہ عمل رائیگاں ہے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی مسلمان ہے اور عمل بھی سنت رسول کے مطابق کر رہا ہے لیکن اس کی نیت درست نہیں تو ایسے شخص کا وہ عمل بھی رائیگاں جائے گا۔ بالکل ایسے ہی اگر ایک آدمی مسلمان ہے اور اس کی نیت بھی درست ہے لیکن اس کا عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق نہیں تو

---

[1] مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة و رد محدثات الامور (۴۴۹۳).

ایسے آدمی کا عمل بھی رائیگاں اور ضائع جائے گا۔کوئی بھی عمل صرف اسی وقت قابل قبول ہوگا جب وہ عمل اوپر درج کردہ تینوں شرائط کے مطابق کیا جائے۔یعنی مسلمان ہوتے ہوئے نیک نیتی کے ساتھ سنت رسولؐ کے مطابق کیا گیا عمل ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے درجے کو پہنچے گا۔

وہ عبادات جو نبی کریم ﷺ نے نہیں کیں' ان کا نہ کرنا بھی سنت ہے:

جن کاموں کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ان کا نہ کرنا بھی سنت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو رسول اللہ ﷺ کے کئے ہوئے کاموں میں پیروی کا حکم دیا ہے اسی طرح ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ترک کردہ کاموں میں بھی پیروی کا حکم دیا ہے۔یعنی ہم بھی وہ کام نہ کریں جن کو آپ ﷺ نے نہیں کیا۔کیونکہ ترک نبوی بھی اسی طرح سنت ہے جس طرح فعل نبوی سنت ہے۔

لہٰذا اگر ہم آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے کام کو سنت قرار دے دیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم آپ ﷺ کے کسی کئے ہوئے کام کے چھوڑ دینے کو سنت قرار دے دیں۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے انجام دیئے ہوئے افعال کا کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے ترک کردہ افعال کا ترک کرنا سنت ہے۔جس عمل کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم اس عمل کو کر کے تقربِ الٰہی حاصل نہیں کر سکتے۔نبی کریم ﷺ کے نہ کئے ہوئے کاموں کو کرنے والا مجرم ہے۔کیونکہ اگر انہیں کرنا ضروری ہوتا تو آپ ﷺ انہیں ضرور کرتے۔

مثلاً عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت' ختم شریف' قل شریف وغیرہ۔اور اس قسم کے دوسرے اعمال جن کے کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کوئی امر مانع نہیں تھا' اور وہ وقت بھی شرعی احکام کے بتانے کا تھا۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کرنے کا کوئی حکم دیا تو اس کا مطلب اس بات کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں نہ کرنا ہی سنت ہے۔کیونکہ اگر یہ چیزیں دین میں داخل ہوتیں اور ایسی عبادت ہوتیں جن سے اجر وثواب مل سکتا تھا تو آپ انہیں ہرگز نہ چھوڑتے' یا کم از کم پوری زندگی میں ایک ہی بار کر لیتے۔تب بھی وہ سنت بن جاتی۔لہٰذا ان کاموں کا آپ ﷺ کا چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا چھوڑنا ہی سنت ہے اور ان کا کرنا بدعت ہے۔ایسے کاموں سے تقربِ الٰہی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ درج ذیل آثار سے ظاہر ہے:

① حضرت حذیفہ بن یمان نے بیان کیا ہے جو عبادت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی اسے تم بھی مت کرو۔کیونکہ پہلے لوگوں نے بعد والوں کے لئے نئی بات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔[1]

---

[1] الاعتصام علامہ شاطبی: ۲/ ۳۱۰.

② امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو چیز رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی''۔❶

حنفی علماء کی صراحت:

① ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

''پیروی جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی پیروی ہوتی ہے۔ پس جس نے کسی ایسے کام میں مواظبت کی جو کہ حضور ﷺ نے نہیں کی تو وہ بدعتی ہے''۔❷

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پیروی جس طرح فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں واجب بھی ہوگی''۔❸

③ مولوی قطب الدین حنفی ترجمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

''اور اتباع کرنا آنحضرت ﷺ کا جیسے فعل آنحضرت میں لازم ہے ویسے ہی جو حضرت نے کبھی نہ کیا ہو اس فعل کے نہ کرنے میں بھی اتباع لازم ہے''۔❹

علامہ احمد رضا خان بریلوی کی صراحت:

④ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے رسالہ الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب میں لکھتے ہیں:

''اور جس امر سے مصطفیٰ ﷺ بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی و مشروع نہیں ہوسکتا''۔❺

⑤ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب حنفی بریلوی فرماتے ہیں:

''اس سلسلہ میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی امر مانع نہ ہو اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام یقیناً ناجائز اور بدعت ہے''۔❻

---

❶ الاعتصام للشاطبی: ۱/ ٤٩.

❷ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ٤١، مرقاۃ المفاتیح: ۱/٩٥.

❸ اشعة اللمعات ص ٣٦ ج ۱ طبع مکتبہ نورانی پشاور بحوالہ دین الحق حصہ دوئم ص ۱٣٤ ناشر مکتبہ عزیزیہ لاہور.

❹ مظاهر حق ص ۱۲۱۹ بحوالہ دین الحق حصہ دوئم ص ۱٣٤ ناشر مکتبہ عزیزیہ لاہور.

❺ فتاویٰ رضویہ ص ٦٩ ج ٤، بحوالہ دین الحق، حصّہ دوئم، ص ٣٦۱، ٣٦٢.

❻ شرح صحیح مسلم، ۲/٥٤٥ بحوالہ دین الحق، حصّہ دوئم ص ٤٦٧.

یعنی کسی عمل کے محرک اور سبب کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس کو ترک کیا ہو تو ایسا عمل قطعاً دین کا حصہ نہیں بن سکتا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جن افعال کو نبی کریم ﷺ نے ترک کیا ہے' ان کو چھوڑنا ہی سنت ہے اور ان کا کرنا بدعت ہے۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ مخالفین جو بدعات کرتے ہیں ان کے کرنے کا موقع ومحل اور دواعی ومحرکات آنحضرت ﷺ کی زندگی مبارکہ میں بھی موجود تھے مگر آپ ﷺ نے ان کو نہیں کیا بلکہ انہیں چھوڑ دیا' لہٰذا ان کا چھوڑنا اور ترک کرنا ہی سنت ہے اور اس ترک کی پیروی کرنا ہی سنت کی پیروی کرنا ہے اور اس کی مخالفت یعنی نبی کریم ﷺ کے نہ کئے ہوئے اعمال کا کرنا بدعت ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ ✽ یہ عمل منع تو نہیں ہے:

بدعت کے جواز کے لئے یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ شریعت میں یہ عمل منع تو نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ شرعی مسائل کی ممانعت کے سلسلہ میں دو باتیں یاد رکھیں۔

① پہلی بات تو یہ کہ جس عمل یا کام سے قرآن وحدیث نے منع کیا ہے وہ تو منع ہے ہی اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

② دوسری بات یہ کہ وہ عمل جسے قرآن وحدیث نے منع نہیں کیا تو اب اس عمل کے متعلق یہ معلوم کرنا از حد ضروری ہے کہ کیا اس کے کرنے کا حکم موجود ہے؟ یعنی اس کے عمل کرنے کی دلیل چاہئے۔

ایسے عمل کے بارے میں یہ دیکھنا از حد ضروری ہے کہ اس عمل کا قرآن کریم سے یا اسوۂ رسول ﷺ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ثبوت مل جاتا ہے تو پھر یہ عمل سنت رسول ﷺ ہوگا اور اگر ثبوت نہیں ملتا تو پھر یہ جائز نہ ہوگا' بلکہ یہ بھی منع ہوگا۔ کیونکہ شرعی امور میں کسی عمل کی دلیل یا ثبوت کا نہ ملنا اس عمل کے منع ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)).[1]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر (حکم) نہیں ہے تو وہ رد ہے''۔

پس شرعی اُمور کے سلسلہ اِس سنہری اصول کو یاد رکھیں کہ کسی عمل کی دلیل یا ثبوت کا نہ ملنا اس عمل کے منع ہونے کی دلیل ہے یعنی شرعی امور میں کسی عمل کی ممانعت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ شریعت میں اس کا ذکر اور ثبوت نہ ہو۔ بدعت کی شناخت اور پہچان ہی یہ ہے کہ اس کا وجود کتاب وسنت سے نہ ہو۔ شرعی مسائل کے جواز کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد نہ

---

[1] مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلة و رد محدثات الامور.

ہوئی، یعنی اسے منع نہ کیا گیا ہو بلکہ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا عمل نص شرعی یعنی قرآن و حدیث سے ثابت شدہ نہ ہو۔ غیر ثابت شدہ عمل رد ہے۔ اسی وجہ سے بعض سلف سے منقول ہے کہ:

''ہر وہ عبادت جسے اصحاب رسول ﷺ نے سر انجام نہ دیا ہو تم بھی وہ عبادت نہ کرو''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عبادات میں اصل ممانعت ہے اِلا یہ کہ نص (قرآن و حدیث سے دلیل اور ثبوت) وارد ہو اور عادات (دنیاوی معاملات) میں اصل اباحت (اجازت، جواز) ہے مگر یہ کہ ممانعت کی کوئی نص ثابت ہو''۔ ❶

مزید فرماتے ہیں:

''اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ عبادات میں اصل توقف ہے۔ یعنی کوئی عبادت نہیں مگر وہی جسے اللہ نے مشروع کیا ہے''۔ ❷

اس کلیہ کی تصدیق ایک بریلوی عالم کی زبانی سنیے۔ علامہ مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی فرماتے ہیں:

''اپنی عقل سے عبادت کے طور طریقے وضع کرنا جائز نہیں۔ لوگ اپنی عقل سے عبادت کے طریقے وضع کر لیتے ہیں، پھر اس کی تائید میں دلائل شرعیہ تلاش کرتے ہیں اور جو ان کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت نہ کریں اس کو لعنت ملامت کرتے ہیں۔ اسی کا نام احداث فی الدین اور بدعت سیۂ ہے۔ عبادت صرف اسی طریقے سے کرنی چاہیے جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ نے عبادت کی ہے اور جس طرح آپ ﷺ نے ہدایت دی ہے اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل رہا ہے''۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''مصنوعی زاہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کر لی ہے، اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لئے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گامزن رہے''۔ ❸

---

❶ بحوالہ وسیلہ کے انواع واحکام از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ص ۳۷ ناشر طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

❷ محموعه فتاویٰ ابن تیمیه ص ۱۷ ج ۲۹.

❸ بتیان القرآن، ص ۷۵۱ ج ۱، ص ۲۸۰ ج ۳ طبع فرید بك سٹال لاهور ۱٤۲۰ھ ۲۰۰۰ء بحواله دین الحق حصه دوئم ص ۱۱۳ ناشر مکتبه عزیزیه لاهور.

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ دین میں صرف وہ اعمال جائز اور درست ہیں جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے اور دین میں وہ تمام اعمال جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا وہ سب منع ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دنیاوی معاملات میں صرف وہ کام منع ہیں جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ دنیاوی معاملات میں جن کاموں کو شریعت نے منع نہیں کیا وہ تمام کام جائز اور درست ہیں۔ یعنی دینی معاملات میں تمام کام منع ہیں سوائے ان کاموں کے جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے مل جائے اور دنیاوی معاملات تمام کام جائز اور درست ہیں' سوائے ان اعمال کے جن کے منع اور ناجائز ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے مل جائے۔

اگر کسی عمل کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کے منع ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو پھر یہ سوال کئی ایک بدعات کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نماز عید کے پہلے اذان کے منع ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ ہر نماز کے لئے غسل مستحب ہے' تو اس کے منع ہونے کی کیا دلیل ہے؟ غرض اس طرح کے سوال بہت سارے بدعتی اور شرکیہ امور کے بارے میں کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرز پر بہت ساری بدعات کے دروازے کھل جائیں گے اور جس کا جو جی چاہے گا کرتا جائے گا۔ روکنے پر ان کا جواب یہی ہوگا کہ اس کے منع ہونے کی کیا دلیل ہے؟

پس کسی بھی عمل کے منع ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عمل کو نہ کیا ہو۔ اس وجہ سے اہل علم کے نزدیک یہ قاعدہ اور کلیہ ہے کہ وہ عمل جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ کیا ہو تو ان کا اس عمل کو نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل سنت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ دین کو جاننے اور سمجھنے والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے' کیونکہ ان کی تربیت خود نبی ﷺ نے کی تھی۔ لہٰذا جو اعمال نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور نہ ہی انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے تو یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ سنت نہیں ہیں' بلکہ ایسے تمام اعمال بدعات ہیں اور انہیں چھوڑ دینا ہی سنت ہے۔ ایسے کاموں کا کرنا شریعت کی خلاف ورزی ہے۔

اس لئے جو بھی عمل کرنا ہو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے پوچھ کر کریں۔ قرآن مجید دیکھیں' حدیث رسول دیکھیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھیں۔ اگر ان جگہوں سے ثبوت مل جاتا ہے تو ایسا عمل ضرور کریں' قیامت کے دن بہت اجر ملے گا۔ لیکن اگر ان جگہوں سے ثبوت نہیں ملتا تو جو مرضی کرو' بھوکے مر جاؤ' الٹے لٹک جاؤ' ایک پاؤں پر کھڑے رہو' کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا' بلکہ الٹا مجرم بن جاؤ گے' قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے' نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ جس نے میرے بعد دین میں

تبدیلی کی اس کو مجھ سے دور ہی لے جاؤ۔[1] کیونکہ اللہ کی عبادت اپنی خواہشات کے مطابق نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہی درست ہے۔ لہٰذا ایسا عمل جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہیں ملتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل نہیں ہے تو ہمیں بھی وہ عمل نہیں کرنا چاہئے۔

بدعات کی ممانعت کا ثبوت:

بدعات کی ممانعت کے متعلق ایک نہایت اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے کہ دلیل وجود اور اثبات کی ہوتی ہے۔ نہی اور منع کی دلیل کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی فعل پہلے ہو رہا ہو اور بعد میں شریعت نے منع کرنا ہو۔ جیسا کہ نکاح متعہ' شراب پینا' نماز میں باتیں کرنا وغیرہ جو کہ ایک وقت میں ہو رہے تھے' مگر بعد میں شریعت نے انہیں منع کر دیا۔

مگر ایسا فعل جو زمانہ نزول وحی کے وقت موجود ہی نہیں تھا بلکہ شریعت کی تکمیل اور دورِ نبوت کے بعد وجود میں آیا تو اس کے قبل از وجود منع کرنے اور روکنے کی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی ایسا عمل جو ابھی وجود میں آیا ہی نہیں تو اسے اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اسے منع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے وجود کا زمانہ خود اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ یعنی کسی عمل کے منع ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ دورِ نبوت کے بعد وجود میں آیا۔

لہٰذا بدعت کی ممانعت کا ثبوت مانگنا الٹی منطق ہے۔ کیونکہ اصولی بات یہ ہے' دلیل ہمیشہ کسی عمل کے اثبات کی ہوتی ہے۔ یعنی جو کوئی جو عمل کر رہا ہے اس کے کرنے کی دلیل پیش کرے۔ نہ کہ ایسے عمل کے منع کی دلیل مانگی جائے جس کا شریعت میں وجود ہی نہیں ہے۔

یہ تو کوئی اصول نہیں ہے کہ جس شئے کی ممانعت حدیث شریف میں وارد نہ ہوا سے بے دھڑک کرتے چلے جائیں' اس طرح تو بدعات کا دروازہ بلکہ گیٹ کھل جائے گا' اور دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔

محترم قارئین! ذرا توجہ فرمائیں کہ پیغمبر ﷺ نے قیامت تک ایجاد ہونے والی تمام بدعات کا الگ الگ نام لے کر تھوڑا ہی منع کرنا تھا۔ سینکڑوں سالوں میں پتہ نہیں کتنی بدعات جاری ہو چکی ہیں' مختلف علاقوں میں مختلف بدعات جاری ہیں اور قیامت تک پتہ نہیں کتنی بدعات جاری ہو جائیں گی۔ تو کیا آپ ﷺ نے ان تمام کا نام لے کر منع کرنا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تو اصول بیان فرما دیئے۔ کامل اور مکمل دین پیش فرما کر اپنی

---

[1] مسلم، کتاب الوضوء، باب استحباب اطالة والحجیل الوضوء (٥٨٤).

اتباع کا حکم دے دیا اور فرمایا: ((اِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ)) کہ "تم نئی نئی پیدا ہونے والی چیزوں سے بچو"۔ ❶

غور کریں کیا یہ ممانعت کا ثبوت نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے تو ارشاد فرمادیا: ((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) کہ "جو ہمارے اس دین میں نئی بات نکالے گا وہ مردود ہوگی"۔ بتائیں کیا یہ ممانعت کا ثبوت نہیں ہے؟

تھوڑی توجہ فرمائیں۔ کیا اس زریں اصول کی وجہ سے تمام ممکنہ بدعات کی ممانعت خودبخود ظاہر نہیں ہوگئی؟ آپ کے یہی فرامین ممانعت کا ثبوت ہیں۔

ممانعت کا ثبوت مانگنے والو! تم لوگ اپنے آپ کو سنی حنفی کہلاتے ہو‘ اگر آپ سے کوئی یہ سوال کرے اور ممانعت کا ثبوت مانگے تو بھلا آپ کیا جواب دیں گے؟

1. اہل تشیع اپنی اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰهِ کہتے ہیں آپ یہ کلمہ اذان میں نہیں کہتے‘ اس کلمہ کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
2. وہ اپنی اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ کہتے ہیں‘ آپ نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
3. وہ اپنی اذان کے آخر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا جملہ دوبار کہتے ہیں‘ آپ دوبار نہیں کرتے‘ دوبار کہنے کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
4. وہ تعزیہ تابوت وغیرہ نکالتے ہیں آپ اس سے منع کرتے ہیں‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
5. آپ بلند آواز سے آمین نہیں کہتے‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
6. آپ تہجد کے لئے اذان نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
7. نمازِ جنازہ کے لئے آپ نہ اذان کہتے ہیں اور نہ تکبیر‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
8. عیدین کی نماز کے لیے آپ نہ اذان کہتے ہیں نہ اقامت‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
9. صبح کی نماز میں آپ قنوت نہیں پڑھتے‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
10. آپ کے نزدیک عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا منع ہے‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔
11. سورۃ توبہ کے شروع میں آپ بِسْمِ اللّٰهِ نہیں پڑھتے‘ اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔

گرامی قدر قارئین! اس طرح کے سینکڑوں سوالات پیش کیے جا سکتے ہیں‘ مگر مبتدعین کے ذوق کے مطابق صرف انہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

---

❶ ابو داؤد، کتاب السنه، باب لزوم السنه (٤٦٠٧).

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ثبوت ممانعت کا نہیں ہوتا' بلکہ ثابت کرنے کا ہوتا ہے۔

بدعتی دین کو ناقص تصور کرتا ہے:

آج اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے جو دین اسلام میں موجود نہیں ہے یعنی وہ کام آنحضورﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں نہیں تھا' اور پھر وہ شخص اس کام کو دین اور ثواب سمجھتا ہے تو وہ عملی طور پر اس بات کا دعویدار ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ کا بھیجا ہوا دین ناقص ہے جس میں نیکی اور ثواب کا یہ کام بیان نہیں ہوا۔ جو آج میں نے سمجھا ہے۔

اس کے علاوہ وہ شخص اس بات کا بھی مدعی ہے کہ نیکی کی جس بات اور ثواب کے جس کام کا آج مجھے علم ہوا ہے۔ (معاذ اللہ) آنحضرتﷺ اور اصحابِ رسول کی قدوسی جماعت کو نیکی کے اس کام کا علم نہیں تھا یا ان کو علم تو تھا مگر اُمت کو بتا کر نہیں گئے۔

ایسا ہم اس لئے سمجھتے ہیں کہ چونکہ پیغمبرﷺ نے اُمت تک کامل و مکمل دین پہنچا دیا اور رضاء الٰہی کے جتنے طریقے ممکن تھے سب اُمت کو بتا دیئے ہیں' لہٰذا بدعتی جب کوئی نیا کام کرتا ہے دین میں کوئی اختراع کرتا ہے تو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے کہ نبیﷺ نے یہ احکاماتِ الٰہی نہیں پہنچائے۔ یعنی پورا دین نہیں پہنچایا۔ ثواب حاصل کرنے کے کچھ طریقے ایسے بھی ہیں جو آپﷺ نے نہیں بتائے اور جو اب میں اُمت کو بتا رہا ہوں۔

جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے اسلام میں نیکی سمجھ کر کوئی چیز ایجاد کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے گمان کیا ہے کہ محمدﷺ نے تبلیغ رسالت میں خیانت سے کام لیا ہے۔ (نعوذ باللہ) یاد رکھیں! جو چیز رسول اللہﷺ کے زمانہ میں دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی۔'' [1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبادت و نیکی اور دین کا ہر کام کرتے ہوئے پرکھنا ہوگا' اور یہ دیکھنا ہوگا کہ آنحضرتﷺ کا اس بارے کیا عمل تھا۔ اگر اس کا ثبوت آنحضرتﷺ اور ان کے دور سے مل جائے تو وہ کام سنت ہوگا' ثواب ہوگا' نیکی ہوگا' دین ہوگا' خدا کی رضا مندی اور خوشنودی کا سبب ہوگا' اگر اس کام کا ثبوت اور نام و نشان آنحضرتﷺ کی سیرت و سنت میں نہ ہو تو پھر وہ کام بظاہر کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو' بظاہر نیکی معلوم ہو وہ سنت اور دین نہیں ہوگا بلکہ بدعت' ضلالت اور گمراہی ہوگا' وہ کام غضب خداوندی کا موجب ہوگا' اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہوگا۔

---

[1] الاعتصام للشاطبی : ١/ ٤٩.

تیسرا شبہ اور اس کا ازالہ * کیا کائنات کی ہر نئی چیز بدعت ہے؟

کچھ لوگوں کو جب بدعت کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے تو وہ یہ اعتراض کرتے ہیں' اگر ہر نئی چیز بدعت ہے تو پھر تو یہ بجلی' ٹیلی فون' کار' موٹر سائیکل' جہاز' ٹینک' میزائل وغیرہ اور اس طرح اور بھی بے شمار چیزیں نئی ہیں' تو پھر یہ بھی بدعت ہوئیں۔ تو آپ ان کا استعمال بھی ترک کر دیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بدعت کے متعلق حدیث نبوی ﷺ یہاں دوبارہ درج کی جاتی ہے' اسے ذرا غور سے پڑھیں:

((وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ)). ❶

''اور سب سے بری بات دین میں ایجاد کردہ نئی چیزیں ہیں اور ہر نئی چیز بدعت ہے''۔

غور کریں اس حدیث میں دین میں ایجاد کردہ نئی چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے' نہ کہ نئی دنیاوی چیزوں کی ایجاد کو بدعت کہا گیا ہے۔ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ دین میں ہر نو ایجاد شدہ چیز بدعت ہے' جبکہ دنیا میں نو ایجاد شدہ چیز بدعت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ دنیاوی ساز و سامان میں اور صنعت و حرفت میں نئی چیزوں کی اختراع کرو۔ دنیاوی چیزوں میں نئی چیزوں کی ایجاد کی کوئی بندش نہیں بلکہ دنیا کی کوئی چیز ایجاد کرنے پر جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ اور سہولت ہو ثواب ملے گا۔ بشرطیکہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے متصادم نہ ہوتی ہوں۔

کیونکہ دُنیاوی ایجادات کی بنیاد تجربات ہیں جو ہر دور میں جاری رہتے ہیں اور ہر آنے والا زمانہ ان میں نئی کشش اور جدت پیدا کرتا ہے۔ مگر دین کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ اس کی بنیاد تجربات پر نہیں بلکہ وحی پر ہے۔ جو ہر وقت اور ہر دور میں جاری نہیں رہتی بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی منقطع ہو چکی ہے۔ اس لئے اب دین میں کوئی نئی چیز' کوئی نیا عمل پیدا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ دُنیاوی امور میں نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی اور وہ سب کی سب درست ہیں بشرطیکہ وہ شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

اسی لئے دنیاوی چیزوں کے بارے میں سلف صالحین نے جو اصول استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

''زمین کی اشیاء مخلوق کے لئے اصل حلت ہے (یعنی ہر چیز حلال ہے)۔ جب تک کہ کسی چیز کے حرام ہونے کا شریعت نے حکم نہ دیا ہو''۔

جبکہ دینی امور کے بارے میں سلف صالحین نے جو اصول استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:

''دینی امور میں مخلوق کے لئے اصل حرمت ہے (یعنی ہر چیز منع ہے) سوائے ان کے چیزوں

---

❶ مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلوٰة والخطبة (٢٠٠٥).

کے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے یا جن کا شریعت سے ثبوت ملتا ہے"۔

لٰہذا وہ چیزیں جو دنیوی منافع یا معاشی امور کے لئے ایجاد کی گئی ہوں اور ان کے خلاف نص موجود نہیں ان کا استعمال جائز ہے' مثلاً بجلی' ٹیلیفون' میزائل' کار' موٹر سائیکل' ہوائی جہاز' فریج اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ ویسے بھی ان کے استعمال سے دین میں تغیر وتبدل پیدا نہیں ہوتا۔ ان سے کسی عمل کی اصل شکل وصورت اور کیفیت و ہیئت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ اپنے دنیاوی فائدے کے لئے اس کے بندے نئی چیزیں ایجاد کریں۔ یہ ہرگز بدعت نہیں ہے۔ بلکہ بدعت دینی اور شرعی امور یعنی دین اسلام میں نئی باتوں کے اضافہ کا نام ہے۔ دین میں صرف وہ اعمال جائز' درست اور باعث ثواب ہیں جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے اور وہ تمام دینی اعمال جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا وہ سب منع ہیں۔ اس کے برعکس دنیاوی معاملات میں صرف وہ کام منع ہیں جن کو شریعت نے منع کیا ہے' جبکہ ایسے دنیاوی معاملات جن کو شریعت نے منع نہیں کیا اور وہ شریعت سے متصادم نہیں ہیں۔ وہ تمام معاملات جائز اور درست ہیں۔

محکمات اور متشابہات:

﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ ﴾ [آل عمران : ۳/ ۷]

"وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اُتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں' پس جن کے دِلوں میں کجی ہے وہ اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور اپنی مراد کی جستجو کے لئے حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے' یہ ہمارے ربّ کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں"۔

اس آیت میں آیات کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں "محکمات" اور "متشابہات"۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں وہ حکایات وقصص' امر ونہی اور احکام ومسائل ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح اور اٹل ہے۔ اور ان کے سمجھنے میں کسی کو کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس متشابہات ہیں' مثلاً اللہ کی ہستی' قضا وقدر کے مسائل' جنت دوزخ اور ملائکہ وغیرہ کے مسائل جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر

ہے یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو کہ جس سے اصل حقیقت پر پردہ ڈالا جا سکے۔ اسی لئے آگے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دِلوں میں کجی ہوتی ہے وہ اپنی مراد کی جستجو کے لئے ان متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے غلط عقائد کا پرچار کرتے ہیں۔ جیسا کہ عیسائی ہیں' قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ اور نبی کہا ہے۔ یہ واضح اور محکم بات ہے لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بلکہ اللہ ہی بنا دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہی طرزِ عمل بعض مسلمانوں نے اپنایا ہوا ہے۔ قرآن کے واضح اور محکم عقائد کے برعکس متشابہات کو بنیاد بنا کر غلط اور گمراہ کن عقائد کا پرچار کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات محکمات کو بھی اپنے صوفیانہ اور فلسفیانہ گورکھ دھندے میں الجھا کر انہیں متشابہات بنا دیتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا عبداللہ (اللہ کا بندہ)' بشر (انسان) اور رجل (آدمی) کہا گیا ہے جو کہ واضح ترین اور محکم ترین بات ہے۔ لیکن یار لوگ اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر' شرک اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالنے کے معنی میں نور یعنی نورِ ہدایت اور سراج منیر جو کہا گیا ہے اسے بنیاد بنا کر اپنے غلط عقائد کا پرچار کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر کے نوری مخلوق میں داخل کر دیتے ہیں۔

محکمات اور متشابہات کا یہ حکم سو فیصدی احادیث پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ صحیح احادیث محکمات ہیں جبکہ ضعیف احادیث متشابہات ہیں۔ اُمت مسلمہ میں اختلاف اور تفرقہ بازی کا سب سے بڑا سبب یہی متشابہات یعنی ضعیف احادیث ہیں۔ مسلمانوں میں جو بھی غلط اور گمراہ کن عقائد اور نظریات رواج پا چکے ہیں ان کی بنیادی اور اصل وجہ محکمات یعنی صحیح احادیث کو چھوڑ کر متشابہات یعنی ضعیف احادیث کو اپنانا اور ان کا پرچار کرنا ہے۔ بدعات کی ترویج واشاعت کی یہ بنیادی وجہ ہے۔ اگر ضعیف اور موضوع روایات کو چھوڑ کر صحیح اور حسن احادیث کو اپنا لیا جائے تو تمام بدعات سے چھٹکارا ہو جائے اور تمام اختلافات اور تمام فرقے یکمشت ختم ہو سکتے ہیں اور اُمت مسلمہ واحد اُمت مسلمہ بن سکتی ہے۔

بدعات کا ایک بہت بڑا سبب' ضعیف اور موضوع روایات:

بدعات کی ترویج واشاعت کا ایک بہت بڑا سبب ضعیف' موضوع اور من گھڑت روایات کی ترویج واشاعت ہے۔ ضعیف اور موضوع روایات سے واقفیت نہ ہونے یا واقفیت ہوتے ہوئے جان بوجھ کر اس پر عمل کرنے کی وجہ سے بہت سی بدعات رواج پا گئیں ہیں۔ بدعات کے عام ہونے کی ایک

بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ لوگ روایت سن کر اس بات کی تحقیق نہیں کرتے کہ یہ روایت صحیح اور حسن ہے یا ضعیف اور موضوع۔ یا یہ ایک جھوٹی اور من گھڑت بات ہے جسے انتشار پھیلانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے اسے بغیر کسی تحقیق کے مان لینا اور اس پر عمل پیرا ہو جانا درست نہیں۔ اس کے متعلق یہ تحقیق کرنا از حد ضروری ہے کہ مذکورہ حدیث صحیح اور حسن ہے' یا کہ ضعیف۔ کیونکہ دلیل اور حجت صرف صحیح اور حسن حدیث ہی بن سکتی ہے۔ جبکہ ضعیف حدیث دلیل اور حجت نہیں بن سکتی' اور یہ نا قابل عمل ہے۔ جبکہ موضوع حدیث کی نسبت بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہیں' کیونکہ وہ ذات نبوی ﷺ پر گھڑی ہوئی اور جھوٹی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

"آخری زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے' وہ تمہیں ایسی ایسی احادیث سنائیں گے جنہیں تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے نہیں سنا ہوگا۔ لہٰذا ان سے اپنے آپ کو بچانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنہ میں ڈال دیں"۔ ❷

ان احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایسی باتیں اور احادیث موجود ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے بیان نہیں کیا لیکن انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہی ضعیف اور موضوع احادیث ہیں۔ لہٰذا ان سے بچنا چاہئے' کیونکہ ان پر گمراہی' فتنہ اور جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ کی کوئی بات ضعیف بھی ہو سکتی ہے؟

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے یا بعض لوگ احادیث کے متعلق کنفیوژن پیدا کرنے کے لئے اور صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان فرق مٹانے کے لئے یہ بات کہتے ہیں کہ حدیث اور سنت تو وحی ہے اور وحی ضعیف کیسے ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہو اور ضعیف بھی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ مسئلہ دراصل حدیث کے معنی و مفہوم اور اس کے اطلاق کے متعلق درست علم کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

---

❶ بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ (۱۰۷)۔

❷ صحیح مسلم، المقدمہ، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء والا حتیاط فی تحملها (۱۵)۔

حدیث کا حقیقی معنی:

رسول اللہ ﷺ کے قول، عمل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ اور احادیث اور سنن رسول ﷺ بھی وحی ہیں۔ لہٰذا یہ بات بالکل سو فیصدی حقیقت پر مبنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سنن ضعیف ہو ہی نہیں سکتیں۔ بشرطیکہ وہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سنن ہوں۔ پس واقع اور نفس الامر میں، حقیقی طور پر ہم جس کو حدیث اور سنت کہیں گے وہ ضعیف نہیں ہوگی۔ اس کو ہم ضعیف کہہ ہی نہیں سکتے۔

حدیث کا اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں حدیث اور سنت کا معنی یہ کیا گیا ہے:

''جو چیز رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے وہ حدیث اور سنت ہے''۔

اہل علم ہر وہ بات جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دی جائے قطع نظر اس کے کہ یہ نسبت درست ہے یا غلط اور وہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں، بلکہ صرف آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے اسے حدیث اور سنت کہہ دیتے ہیں۔

حدیث کے اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے احادیث کو صحیح، حسن، ضعیف، متروک اور موضوع وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔

ضعیف حدیث:

حدیث کے اس اصطلاحی معنی کہ ''جو بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے اسے حدیث کہتے ہیں'' کے اعتبار سے ضعیف حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کا حدیث ہونا یا سنت ہونا پایۂ ثبوت تک نہ پہنچے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب شدہ اس حدیث کو ضعیف حدیث کہتے ہیں کہ جس کا حدیث ہونا ہی پایۂ ثبوت تک نہ پہنچے۔ یعنی وہ صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب شدہ ہو، ثابت شدہ نہ ہو۔ اس کے متعلق اس بات میں شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ بات نبی کریم ﷺ نے فرمائی بھی ہے یا نہیں؟ یعنی اس بات کا ٹھوس اور واضح ثبوت نہیں ہوتا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ بلکہ زیادہ قوی بات یہ ہوتی ہے کہ ایسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہی نہیں۔ یعنی اس کے حدیث ہونے میں ہی شبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے ضعیف حدیث کہتے ہیں۔

اگر اس کا حدیث ہونا پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو پھر اس کے ضعیف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر تو وہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اس میں ضعف کیسا؟ وہ تو حجت اور دلیل ہے۔

لہٰذا یہ بات نوٹ کرلیں کہ جب کسی حدیث کوضعیف کہا جاتا ہےتو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حدیث ہونا اور سنت ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسے اب حدیث کہنا ہی نہیں چاہئے' بلکہ اسے روایت کہنا چاہئے۔

احادیث اور روایات کی اقسام:

اہل علم اور محدثین کرام نے قبولیت کے اعتبار سے روایات یا احادیث کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1 مقبول روایات:

مقبول روایات یا مقبول احادیث وہ روایات اور احادیث ہیں جن کو قبول کیا جائے گا اور یہ لازمی طور پر قابل عمل ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جن کے متعلق یقین کامل ہوتا ہے کہ یہ درست طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب شدہ اور یہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا قول' فعل یا تقریر ہیں۔ ان میں صحیح اور حسن احادیث شامل ہیں۔

2 مردود روایات:

مقبول کا اُلٹ مردود ہے۔ یعنی وہ روایات جن کے متعلق اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ یہ درست طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب شدہ ہے بلکہ غالب امکان یہ ہوتا ہے کہ ان کی نسبت غلط طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دی گئی ہے اور دراصل یہ رسول اللہ ﷺ کا قول' فعل یا تقریر ہے ہی نہیں۔ اس لئے انہیں قبول نہیں کیا جاتا۔ انہیں مردود روایات کہتے ہیں اور یہ قابل عمل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہوتی ہی نہیں' اس لئے ان پر عمل کیسا؟ ان میں ضعیف اور موضوع روایات شامل ہیں۔

ضعیف روایات کے نا قابل قبول ہونے کے دلائل:

اہل علم اور محدثین کرام رحمہم اللہ نے روایات اور احادیث کی جو دو بنیادی اقسام بیان کی ہیں یعنی مقبول اور مردود' اس تقسیم سے ہی آدمی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ضعیف روایات قابل قبول اور قابل عمل نہیں۔ کیونکہ اگر انہیں قبول کیا جاتا تو انہیں مقبول روایات کی قسم میں شامل کیا جانا چاہئے تھا' لیکن اس کے برعکس ضعیف روایات کو مردود روایات کی قسم میں شامل کیا گیا ہے جس کا واضع طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ نا قابل قبول اور نا قابل عمل ہے۔

دوسری بات یہ کہ ضعیف روایت کے متعلق غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان

ہے ہی نہیں اس کے ثبوت کے متعلق شک وشبہ ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے شک وشبہ والی چیزوں سے بچنے اور انہیں چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ شک وشبہ والی چیزوں کے متعلق ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حلال' ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں کہ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا''۔ [1]

② نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس چیز کو چھوڑ دو' جو کھٹک کا باعث ہے اور اس کو اختیار کرو جس میں کھٹک نہیں''۔

لہٰذا چونکہ ضعیف روایت وہ بات ہوتی ہے جس کے ثبوت میں شبہ ہوتا ہے' جس میں کھٹک ہوتی ہے۔ اس لئے اپنا دین اور اپنی آبرو بچانے کے لئے ضعیف روایات کو چھوڑنا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب اس کے مقابلہ میں صحیح احادیث موجود ہوں۔ اہل تحقیق علماء کا مسلک یہی ہے کہ ضعیف روایات قابل قبول نہیں۔ نہ عقائد میں نہ اعمال میں نہ اقوال میں نہ مسائل میں اور نہ فضائل میں۔

ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرنے کے موضوع پر چند جید علمائے کرام کا مؤقف کچھ یوں ہے۔

امام دار قطنیؒ کا موقف:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے بات پہنچا دینے کا حکم دینے کے بعد اپنی ذات پاک پر جھوٹ بولنے والے کو آگ کی وعید سنائی ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اپنی طرف ضعیف کی بجائے صحیح بات پہنچا دینے کا حکم دیا ہے نہ کہ ہر اس چیز کے پہنچا دینے کا حکم دیا ہے جس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دی گئی ہو۔ [3]

امام مسلم رحمہ اللہ کا موقف:

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه (٥٢).

[2] ترمذی، ابواب صفة القیامة، باب اوفی الحوض منه. صحیح ترمذی، حدیث نمبر ٢٠٤٥.

[3] صحیح مسلم، مقدمه، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللّٰه ﷺ (٣).

''جو شخص ضعیف حدیث کے ضعف کو جاننے کے باوجود اس کے ضعف کو بیان نہیں کرتا وہ اپنے فعل کی وجہ سے گناہگار ہے' اور عوام الناس کو دھوکا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی بیان کردہ احادیث کو سننے والا ان سب پر یا ان میں سے بعض پر عمل کرے' اور ممکن ہے کہ وہ سب احادیث یا ان میں سے بعض احادیث جھوٹی ہوں اور ان کی کوئی اصل نہ ہو' (اس صورت میں صحیح احادیث نا قابل عمل ہو جاتی ہیں)' جبکہ صحیح احادیث اس قدر ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ضعیف احادیث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ البتہ ایسے شخص کو عالم کی بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے''۔ [1]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آئمہ کرام میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے واجب یا مستحب عمل ثابت ہو سکتا ہے' جو شخص یہ کہتا ہے اس نے اجماع کی مخالفت کی''۔ [2]

یعنی امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک واجب اور مستحب عمل صرف صحیح اور حسن احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

علامہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت:

علامہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بعض جہال' بدمست یا نیم ملا' شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدمست ہیں کہ احادیث صحاح' مرفوعہ' محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ بات پیش کرتے ہیں۔ انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کیونکہ صحیح کے سامنے ضعیف واجب الترک ہے''۔ [3]

ضعیف روایات اور فضائل اعمال:

تقریباً تمام مسالک میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ عقائد' احکام و مسائل اور اعمال میں صرف صحیح اور حسن احادیث معتبر ہیں۔ ان میں ضعیف احادیث نا قابل قبول ہیں۔ یہ بات سب کے نزدیک بالاتفاق درست اور صحیح ہے۔ البتہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۷۹،۱۷۷.

[2] التوسل والوسیلہ، قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة: ۲/۱۷٦ (٤٧٨).

[3] احکام شریعت ص ٦٢ حصہ اوّل. فتاویٰ رضویہ ص ١٩٩ ج ١٠ جزو اوّل بحوالہ دین الحق حصہ دوئم ص ٤٤٩، ٤٥٠، ناشر مکتبہ عزیزیہ لاہور.

ضعیف روایت کسی بھی موقع پر قبول نہیں کی جائے گی نہ احکام و مسائل میں نہ عقائد و اعمال میں اور نہ فضائل میں جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کرلیا جائے گا۔ جیسا کہ حنفی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی جاء الحق میں لکھتے ہیں:

''صحیح اور حسن' احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہیں' احکام میں معتبر نہیں۔ یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے''۔ (1)

یعنی فضائل اعمال یا اعمال کی فضیلت کے سلسلہ میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ یہ بات نوٹ کر لیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قابل عمل کہنے والے فضائل اعمال یعنی اعمال کی فضیلت کی بات کر رہے ہیں اعمال کی نہیں' یعنی ان کے نزدیک بھی اعمال میں صرف صحیح اور حسن احادیث ہی معتبر ہیں۔ البتہ اعمال کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ضعیف احادیث معتبر ہیں۔

ایک مثال سے بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ''پندرھویں شعبان کے روزے کا اتنا اجر و ثواب ہے''۔ اس بات میں پندرھویں شعبان کا روزہ عمل ہے اور اس کا اجر و ثواب اس کی فضیلت ہے۔ اب پندرھویں شعبان کے روزے کے اثبات کے لئے' اس کے نبی کریم ﷺ کے سنت ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں صرف صحیح اور حسن احادیث معتبر ہیں کیونکہ یہ عمل ہے۔ اب کے اس کا اتنا اجر و ثواب ہے یہ فضائل اعمال ہے۔ اس میں ان کے نزدیک ضعیف روایت معتبر ہوتی ہے۔

کیا فضائل اعمال میں ضعیف روایات کو قبول کیا جائے گا؟

اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات قبول کی جائیں گی یا نہیں۔ اس سلسلہ میں دو مؤقف ہیں۔

اہل تحقیق علماء کا خیال ہے کہ ضعیف روایت کسی بھی موقع پر قبول نہیں کی جائے گی نہ عقائد و اعمال میں' نہ احکام و مسائل میں اور نہ فضائل اعمال میں۔

جبکہ دوسرے گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو قبول کیا جائے گا۔

ایک صریح ناانصافی:

یہ بات صریحاً ناانصافی پر مبنی ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت والی بات آدھی بیان کی جائے اور باقی چھوڑ دی جائے۔ یعنی یہ بات کہ ''فضائل اعمال میں ضعیف روایات کو قبول کیا جائے گا'' یہ بات مکمل نہیں بلکہ نامکمل ہے۔

---

(1) جاء الحق، حصہ دوم، مقدمہ، قاعدہ نمبر ۲، صفحہ ۴۳۳.

وہ علماء کرام جنہوں نے فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو قبول کرنے کی بات کی ہے۔ان کی پوری اور مکمل بات یوں ہے:

''ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں چند شرائط کے ساتھ قبول کیا جائے گا''۔

کس قدر ناانصافی کی بات ہے کہ فضائل اعمال' فضائل کا شور سنایا جاتا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ان شرائط کا ذکر تک نہیں کیا جاتا جو کہ انہی علماء نے لگائی ہیں جنہوں نے فضائل اعمال میں ضعیف روایات کو قبول کرنے کی بات کی ہے۔

فضائل اعمال میں ضعیف روایات قبول کرنے کی شرائط:

وہ علماء جنہوں نے فضائل اعمال میں ضعیف روایت قبول کرنے کی بات کی ہے انہوں نے علی الاطلاق انہیں قبول کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ چند شرائط لگائی ہیں۔ان شرائط کے تحت ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں قبول کیا جائے گا۔ان شرائط کے بغیر ضعیف روایت فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔وہ شرائط تین ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی شرط:

فضائل اعمال والے بزرگوں نے ضعیف روایت قبول کرنے کی پہلی شرط جو لگائی ہے وہ یہ ہے:

''ضعیف روایت کا ضعف شدید نہ ہو''۔

یعنی اگر کسی ضعیف روایت کا ضعف شدید ہو تو پھر وہ روایت فضائل اعمال میں بھی قبول نہیں۔ اگر ضعیف روایت کا ضعف ہلکا ہے تو پھر اسے فضائل اعمال میں قبول کیا جاسکتا ہے۔

دوسری شرط:

ان علماء نے ضعیف روایت فضائل اعمال میں قبول کرنے کی جو دوسری شرط لگائی وہ یہ ہے:

''ضعیف حدیث میں جس عمل کی فضیلت بیان کی جارہی ہے وہ عمل بذاتِ خود کسی آیت یا نبی کریم ﷺ کی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت ہو''۔

مثلاً پندرھویں شعبان کے روزے کا یہ اجر و ثواب ہے۔اس میں پندرھویں شعبان کا روزہ عمل ہے اور اس کا اجر و ثواب اس کی فضیلت ہے۔اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ضعیف روایت صرف اسی صورت میں قبول کی جائے گی کہ وہ عمل یعنی پندرھویں شعبان کا روزہ بذاتِ خود کسی آیت یا نبی کریم ﷺ کی صحیح اور حسن حدیث سے ثابت ہو۔اگر پندرھویں شعبان کا روزہ ہی قرآن مجید یا صحیح اور حسن حدیث سے ثابت نہیں ہو رہا تو پھر اس کی فضیلت کے سلسلہ میں بھی ضعیف روایت قبول نہیں کی

جائے گی۔

یعنی اگر کوئی عمل بذاتِ خود کسی آیت یا صحیح اور حسن حدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی فضیلت جو کہ ضعیف روایت بیان کر رہی ہے قبول کی جاسکتی ہے بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو۔

یعنی عمل اس بات پر ہو رہا ہے جو کہ صحیح اور حسن حدیث سے ثابت ہے۔ ضعیف حدیث پر عمل نہیں ہو رہا، صرف اس کی فضیلت قبول کی جا رہی ہے۔

اور وہ عمل جس کی فضیلت تو کسی ضعیف روایت میں بیان ہوئی ہے لیکن وہ عمل بذاتِ خود کسی آیت یا صحیح اور حسن حدیث سے ثابت نہیں تو فضائل اعمال والے بھی یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کرنا کیونکہ وہ کسی آیت یا صحیح یا حسن حدیث میں نہیں آیا۔ تو کیا ضعیف روایت پر عمل ہوا؟ بالکل نہیں ہوا۔

تیسری شرط:

فضائل اعمال میں ضعیف روایت قبول کرنے کی بات کرنے والے علماء نے ضعیف روایت قبول کرنے کی جو تیسری شرط لگائی ہے وہ یہ ہے:

''اس بات کا پختہ عقیدہ رکھنا کہ یہ فضیلت ثابت نہیں''۔

مثلاً ایک روایت کچھ اس طرح ہے کہ سورہ حشر کی آخری آیات کی تلاوت کریں تو ستر ہزار فرشتے دُعاء کرتے ہیں۔ اب تلاوت قرآن پاک تو عمل ہے اور باعث ثواب ہی ثواب ہے۔ چاہے سورۃ حشر ہو یا کوئی اور سورۃ۔ لیکن ستر ہزار فرشتوں والی روایت ثابت نہیں۔ یعنی یہ ضعیف روایت ہے۔ اب آپ سورۃ حشر کی آیات پڑھتے جائیں اور ساتھ عقیدہ یہ رکھنا ہے کہ ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں والی فضیلت ثابت نہیں۔ ذرا سوچیں اور غور کریں کہ کیا ضعیف روایت پر عمل ہوا؟ اس تیسری شرط کا نتیجہ بھی یہ نکلتا ہے کہ ضعیف روایت قابل عمل نہیں۔

خلاصہ کلام:

فضائل اعمال میں ضعیف روایت قبول کرنے والے علماء کرام نے ضعیف روایت قبول کرنے کی جو شرائط لگائیں وہ مختصراً یوں ہیں:

1. ضعیف روایت کا ضعف شدید نہ ہو۔
2. جس عمل کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے وہ عمل بذاتِ خود کسی نص صریح صحیح (آیت یا صحیح اور حسن حدیث) سے ثابت ہو۔
3. یہ پختہ عقیدہ رکھنا کہ یہ فضیلت ثابت نہیں۔

ان تینوں شرطوں پر عمل کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضعیف روایت بالکل قابل قبول نہیں نہ اعمال میں' نہ احکام میں' نہ عقائد میں اور نہ ہی فضائل میں۔ کیونکہ جن علماء نے یہ کہا ہے کہ فضائل میں ضعیف روایات قابل قبول ہیں انہوں نے ساتھ جو تین شرائط لگائی ہیں۔ آدمی اگر کھلے دِل و دماغ سے ان شرائط پر غور کرے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ضعیف روایت فضائل میں بھی قابل قبول نہیں۔

یحییٰ بن معین' ابن حزم اور ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بھی فضائل اعمال میں بھی صرف مقبول احادیث ہی قابل استدلال ہیں۔[قواعد الحدیث]

شیخ احمد شاکر' شیخ البانی اور شیخ محمد محی الدین عبدالحمید اور دیگر محققین کا مؤقف بھی یہی ہے۔[بحوالہ مقام حدیث اور اصل اہل سنت ص ۲۲۵ ناشر دار الاندلس] الغرض' صحیح اور حق بات یہی ہے کہ فضائل اعمال میں بھی ضعیف حدیث بیان نہ کی جائے۔ کیونکہ کسی عمل کی جس فضیلت کو بیان کیا جائے گا سننے والا اس فضیلت کی سچائی پر ایمان لائے گا (تبھی اس عمل کو بجالائے گا) اور یہی عقیدہ ہے اور عقائد میں ضعیف حدیث سے استدلال بالاتفاق ناجائز ہے۔

دینِ الٰہی کا اصل محافظ اللہ تعالیٰ ہے' لہٰذا یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دین اسلام کی کوئی بات ایسی ہو جو مقبول احادیث (صحیح اور حسن) میں بیان ہونے سے رہ گئی ہو۔ دوسرے الفاظ میں اصل دین مقبول روایات میں موجود ہے' اور جو دین نہیں ہے اس کی مؤثر جرح موجود ہے۔ لہٰذا صحیح اور حسن روایات کی موجودگی میں ضعیف روایات پر عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس ہمیں حدیث سے دلیل لینے سے قبل اس بات کا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ آیا وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ یعنی حدیث صحیح ہے یا ضعیف۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے ان محدثین کرام پر جنہوں نے بڑی محنت و کاوش کے ذریعے ذخیرہ احادیث کو جمع کیا اور صرف جمع ہی نہیں کیا بلکہ ان کی تخریج بھی کی۔ یعنی صحیح و ضعیف کا فرق واضح کیا' ناسخ اور منسوخ کی پہچان بتائی۔ صحیح' حسن' ضعیف' موضوع' ناسخ اور منسوخ کی ایسی تمیز واضح کی کہ کسی کے لئے کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔ آج ہر حدیث سے متعلق یہ بات واضح ہے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف۔ اور یہ کام آج سے کئی سو سال پہلے اسی وقت ہو گیا تھا جب احادیث کی کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس وقت ہمارے پاس تمام احادیث باقاعدہ تحقیق و تخریج کے ساتھ موجود ہیں۔ ضرورت صرف تھوڑی بہت چھان بین کی ہے کہ اس حدیث کے متعلق محدثین نے کیا بیان کیا ہے۔ یعنی اس تحقیق کو دیکھنے کی ضرورت ہے جو کہ کئی سو سال پہلے ہو چکی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز حق سامنے آ جائے گا۔ اور بدعات سے چھٹکارا ہو جائے گا۔

محدثین کرام کی ان تھک مساعی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے نہ صرف صحیح احادیث کی ترویج واشاعت کی بلکہ موضوع اور جعلی روایات کو چھانٹ کرالگ کیا۔ ایسے اصول وضوابط مقرر کیے جن کی مدد سے ہم صحیح اور موضوع احادیث میں تمیز کر سکتے ہیں اور ایسے دجالوں کی نقاب کشائی کی جو صحیح احادیث میں موضوع احادیث ملا دیا کرتے تھے۔ محدثین کرام نے ضعیف اور موضوع روایات کے الگ سے مجموعے بھی تیار کر دیئے ہیں' تا کہ ہر شخص ان کا علم حاصل کر سکے۔

عربی زبان میں کتنی ہی ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں صرف وضوع احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پس خالص دین ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہاں سب کچھ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ کھرا اور کھوٹا الگ الگ ہے۔ حق باطل سے بالکل جدا ہے۔ ان کا اتصال ممکن ہی نہیں۔ دین ہمارے لیے (الحمدللہ) قرآن وحدیث کی صورت میں تا قیامت بالکل محفوظ ہے۔

صحیح احادیث کے ساتھ موضوع (من گھڑت) اور ضعیف احادیث کی آمیزش کے بہانے ذخیرۂ احادیث کو نا قابلِ اعتماد قرار دے کر سنت سے گریز کی راہ پیدا کرنا دراصل علم حدیث سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ غور فرمایئے! کبھی آپ کو بازار سے کوئی دوا خریدنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا آپ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ بازار میں اصلی اور نقلی دونوں طرح کی اشیاء موجود ہیں' اشیاء خریدنے کا ارادہ ترک کیا؟ کرنے کا کام تو یہ ہے کہ خوب چھان پھٹک کر اصلی چیز خریدی جائے نہ کہ سرے سے خریداری کا ارادہ ترک کر دیا جائے۔

جس طرح توحید کے ساتھ شرک کا وجود توحید پر عمل نہ کرنے کا بہانہ نہیں بن سکتا یا نیکی کے ساتھ برائی کا وجود نیکی ترک کرنے کا جواز نہیں بن سکتا اسی طرح صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف یا موضوع احادیث کا وجود بھی صحیح احادیث کو ترک کرنے کا جواز نہیں بن سکتا۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ دُنیاوی معاملات کی طرح دینی معاملات میں بھی تحقیق کی جائے' صحیح احادیث کو صدق دِل سے قبول کر کے ان پر عمل کیا جائے اور ضعیف یا موضوع احادیث کو بلا تامل ترک کر دیا جائے۔

چند ضعیف اور موضوع روایات:

1 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''معاذ! تمہارے سامنے جب مقدمات پیش کیے جائیں گے' تو تم ان کا فیصلہ کیسے کرو گے؟'' معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کی کتاب کے مطابق''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اگر وہ بات اللہ کی کتاب میں نہ ہوئی؟'' معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مطابق"۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "اگر سنت رسول ﷺ میں بھی نہ پاؤ تو؟" معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: "پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر اُٹھا نہ رکھوں گا"۔ راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے رسول کے قاصد کو یہ توفیق عطا فرمائی جس سے اللہ کے رسول ﷺ بھی راضی ہوئے"۔

وضاحت: یہ حدیث ضعیف (منکر) ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

مسند احمد: ٥/ ٢٣٠۔ السلسلة الضعيفة : ج ٢، ح : ٨٨١۔

2 "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

وضاحت: یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے، ملاحظہ ہو:

جامع بيان العلم و فضله: ١٦٨٤۔ السلسلة الضعيفة: ٥٨۔

3 "میرے اہل بیت ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

وضاحت: یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

السلة الضعيفة : ج ١، ح ٦٢۔

4 "میری اُمت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس (یعنی امام شافعی) ہوگا، جو میری اُمت کے لیے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا اور میری اُمت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ میری اُمت کا چراغ ہوگا"۔

وضاحت: یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

السلة الضعيفة: ج ١، ح : ٥٧٠ ۔

5 "علماء کی پیروی کرو، کیونکہ وہ دُنیا کا چراغ اور آخرت کی قندیلیں ہیں"۔

وضاحت: یہ حدیث موضوع ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

السلسلة الضعيفة، ج١، ح : ٣٧٨ ۔

6 ((اِخْتِلَافُ أُمَّتِيْ رَحْمَةٌ)). [1]

"میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے"۔

تحقیق: ہمارے علم کے مطابق کسی کتاب میں بھی اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مجھے اس کی نہ صحیح سند ملی اور نہ ضعیف اور نہ موضوع"۔ [2] علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

---

[1] السلسلة الضعيفة: ٥٧. تذكرة الموضوعات: ٩٠. كنز العمال: ٢٨٦٨٦.

[2] فيض القدير للمناوی.

"باطل مکذوب" یعنی یہ روایت باطل اور جھوٹی ہے۔ ❶

7 ((لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ)).

"اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات پیدا نہ کرتا"۔

تحقیق: اس کی کوئی سند بھی ہمارے علم میں نہیں ہے۔ امام صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ امام دیلمی کی (گنجینۂ موضوعات) کتاب الفردوس میں بھی یہ روایت (لفظاً یا معناً) نہیں ملی۔ ابن عساکر والی روایت کو ابن جوزی اور سیوطی دونوں نے موضوع قرار دیا ہے، جس کے الفاظ اس روایت سے مختلف ہیں۔

8 ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ)). ❷

"جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں"۔

تحقیق: یہ روایت امام عقیلی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور امام عقیلی ہی یہ روایت لکھنے کے بعد اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ یہ بے اصل ہے۔ اس روایت میں محمد بن مروان راوی ہے جو کہ متروک الحدیث ہے۔ حافظ جریر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ محمد بن مروان کذاب ہے۔ سارے اہل علم اس کو کذاب اور وضاع کہتے ہیں۔ ❸

9 ((يَا جَابِرُ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ)).

"اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو پیدا کیا وہ تیرے نبی کا نور تھا"۔

تحقیق: یہ روایت نہ تو مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے اور نہ تفسیر عبدالرزاق میں بلکہ تلاش بسیار کے باوجود اس کی کوئی سند بھی نہیں ملی۔ یہ صحیح روایت کے بھی خلاف ہے۔ دیکھئے محترم ڈاکٹر جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ کی کتاب "عقیدہ نور من نور اللہ کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں (ص: ۴۰ تا ۴۸)" اس مفہوم کی ایک مختصر روایت رافضیوں کی اصول کافی: ۱/۴۴۲، نمبر: ۱۰ میں ابوجعفر (محمد بن علی بن الحسین، الباقر) سے منقول ہے۔ لیکن یہ سند اہل السنہ اور اہل الرفض دونوں کے نزدیک موضوع ہے۔

10 حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ الاحکام.

❷ رواه عقيلي و قال لاصل له.

❸ ميزان الاعتدال جلد ٣ ص ١٣٨، ٢٧٨.

"جب آدم علیہ السلام نے لغزش کا ارتکاب کیا تو عرض کرنے لگے: اے میرے ربّ میں تجھ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے آدم آپ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیسے پہچانا جب کہ میں نے ابھی انہیں (صورت بشری میں) پیدا ابھی نہیں کیا"۔

کہنے لگے:

"اے میرے ربّ! اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونکی تو میں نے سر اوپر اٹھایا' کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے ایک پائے پر لکھا ہوا ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر اُسی ہستی کا نام لکھا ہے جو تجھے سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"آدم! تم نے سچ کہا' بے شک وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے مجھ سے ان کے وسیلے سے سوال کیا ہے تو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا"۔

تحقیق: اسے حافظ ذہبی نے موضوع اور باطل قرار دیا ہے۔[1] اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید اسلم کے بارے صاحب مستدرک امام حاکم فرماتے ہیں: (رُوِیَ عَنْ اَبِیْهِ اَحَادِیْثُ مَوْضُوْعَةٌ) یعنی "اس نے اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کی ہیں"۔(جن میں ملامت اسی پر ہے) اس کا شاگرد عبداللہ بن اسلم مجہول (یا متہم) ہے۔ المعجم الصغیر میں مجہول راویوں کے ساتھ اس کی دوسری سند موجود ہے جس کا موضوع ہونا ظاہر ہے۔

11 مؤذن کے ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) کہتے وقت جو شخص کہے: ((اَشْهَدُ اَنَّ مَحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيًّا)) اور شہادت کی انگلیوں کو چوم کر ان کے باطنی حصہ کو اپنی آنکھوں پر پھیرے تو ایسا شخص میری شفاعت کا حق دار ہوگا۔

---

[1] میزان وغیرہ۔

اس روایت کو دیلمی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں۔ ❶

12 ''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں''۔ ❷

یہ روایت بھی نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس کی روایت میں ایک راوی حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جسے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ہلاک ہونے والا کہتے ہیں۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ اسے متروک الحدیث کہتے ہیں اور امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ اسے ضعیف اور بے بنیاد روایتیں بیان کرنے والا کہتے ہیں۔ اور امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ اسے کثیر الوہم کہتے ہیں۔ ❸

13 ''جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس (مقتدی) کی قراءت ہے''۔ ❹

یہ روایت طحاوی شریف کے علاوہ ایک دو اور کتابوں میں بھی مذکور ہے مگر حسن بن عمارہ، ابوھارون العبدی اور جابر جعفی وغیرہ جیسے راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چند اعمال جن پر غور و فکر لازمی ہے:

دین سے عدم واقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے بہت سارے ایسے اعمال ہیں جو کہ دین کا حصہ بن چکے ہیں، حالانکہ دین کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ایسے اعمال کا قرآن مجید حدیث رسول ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن کوئی غور و فکر نہیں کرتے، کوئی تحقیق نہیں کرتے اور اندھا دھند بغیر سوچے سمجھے ان پر عمل پیرا ہیں۔ خدارا تحقیق کریں، علماء حضرات سے پوچھیں کہ کیا یہ عمل قرآن مجید یا حدیث رسول سے ثابت ہے؟ اگر وہ عمل قرآن و حدیث سے مل جاتا ہے تو بڑی خوشی اور توجہ سے اس پر عمل کریں وگرنہ اسے فوراً چھوڑ دیں۔ کیونکہ جو عمل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، وہ رد ہے۔ مردود ہے اور بدعت ہے۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ نیچے چند اعمال درج کیے جاتے ہیں جن کا ہمارے خیال میں قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ اعمال کرنے والوں کو ان کے متعلق ضرور تحقیق کرنی چاہیے اور ان کا ثبوت قرآن و حدیث سے تلاش کرنا چاہیے:

تقلید، عید میلاد النبی، تیجہ، دسواں، چالیسواں، گیارھویں شریف، ختم شریف، قل شریف کا ختم، اذان سے پہلے درود و سلام پڑھنا، ہر فرض نماز کے بعد مقتدی اور امام کا اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دُعاء

---

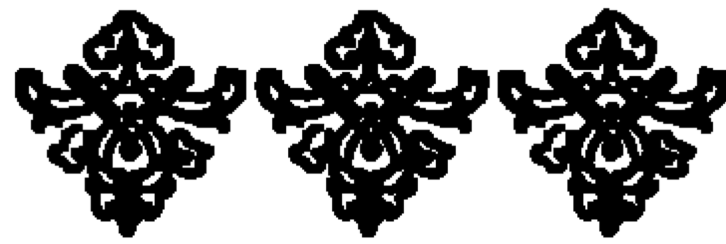
❶ موضوعات کبیر.

❷ بیہقی.

❸ میزان اعتدال، ص ۲٤۱ جلد ۱، ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان جلد ۲ ص ۲٤٦.

❹ طحاوی شریف.

مانگنا' تشہد میں صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر انگلی اٹھانا' نماز جمعہ کے تین خطبے' انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا' قبر کی زیارت کی غرض سے سفر کر کے قبر کی زیارت کرنا' عرس منانا' الصلوٰة والسلام علیك یا رسول اللّٰہ والا درود پڑھنا' نماز میں غلطی ہو جانے پر صرف ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا' فوت شدگان کو قرآن خوانی کا ثواب پہنچانا (دُعاء اور صدقے کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے)' نماز شروع کرتے وقت زبان سے نیت کرنا' رفع الیدین کرتے وقت کانوں کو ہاتھ لگانا' عقیدۂ حلول' عقیدہ تجلی' عقیدۂ وحدۃ الوجود' قبروں پر چراغاں کرنا' وتروں میں دعائے قنوت پڑھتے وقت رفع الیدین کرنا' فرض نماز کے بعد با آواز بلند اجتماعی طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد کرنا' نیاز چڑھانا' میلاد شریف' چلہ کشی' چڑھاوے' کونڈے' عقیدہ وحدۃ الشہود' درود تاج' درود ماہی' ذکر کے حلقے اور محفلیں' فاتحہ شریف' نماز عید سے قبل خطبہ دینا۔



باب نمبر9

وسیلہ

اس باب میں

- وسیلہ کے لفظی معنی اور اس کی اقسام
- ان کے جائز ہونے کی شرائط
- شرعی وسیلہ کی چند جائز صورتیں
- نیک آدمی کی ذات کا وسیلہ
- خالق کا مخلوق پر قیاس کرتے ہوئے وسیلہ اختیار کرنا اور
- ناجائز وسیلہ کی ایک قبیح صورت

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

وسیلہ

مسئلہ وسیلہ کے متعلق مسلمانوں میں شدید اضطراب اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے حلال سمجھتے ہیں اور کچھ حرام۔ حالانکہ اس کی کچھ اقسام حلال ہیں اور کچھ حرام۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ وسیلہ کیا ہے' اس کی انواع و اقسام کیا ہیں؟ ان میں کون سی اقسام حلال اور جائز ہیں اور کون سی حرام اور نا جائز؟ اور دین اسلام میں اس کا صحیح حکم کیا ہے؟

وسیلہ کے لفظی معنی عربی لغت میں:

عربی لغت میں الوسیلہ کے معنی قربت اور واسطہ کے ہیں' یعنی وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ کسی دوسری چیز تک پہنچا یا تقرب حاصل کیا جائے۔ وسیلہ کے معنی مطلوب تک تقرب حاصل کرنے اور رغبت کے ساتھ اس تک پہنچنے کے ہیں۔ وسیلہ کے معنی قربت کے بھی ہیں۔ وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔

وسیلہ کی اقسام:

وسیلہ کی دو اقسام ہیں: ① تکوینی یا مادی وسیلہ۔ ② شرعی وسیلہ۔

① تکوینی یا مادی وسیلہ : ہر وہ مادی ذریعہ اور طبعی سبب تکوینی یا مادی وسیلہ ہے جو کسی کو اس کی منزل مقصود تک پہنچا دے۔ مثلاً بس' کار وغیرہ جو ایک انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے' پانی پیاس بجھانے کا وسیلہ ہے اور کھانا بھوک مٹانے کا ذریعہ ہے' اسی طرح بلب اور ٹیوب روشنی پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ ہیٹر حرارت پہنچانے اور ایئر کنڈیشنر ٹھنڈک پہنچانے کا وسیلہ ہے' وغیرہ وغیرہ۔

مادی وسیلہ کے جائز ہونے کی شرائط:

کسی بھی مادی یا تکوینی وسیلہ کے جائز ہونے کی دو شرائط ہیں:

① شرعی طور پر جائز ہو یعنی شریعت نے اس سے منع نہ کیا ہو۔

② مطلوب کے لئے اس وسیلہ کا استعمال مفید ہو یا کم از کم زیادہ امید اس بات کی ہو کہ یہ مفید ہوگا۔

پانی' بس' تجارت اور مزدوری وغیرہ جائز مادی وسیلے ہیں۔ جبکہ شراب' سود' چوری' دھوکا' فریب

اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ ناجائز اور حرام مادی وسیلہ کی مثالیں ہیں۔

❷ **شرعی وسیلہ** : شرعی وسیلہ وہ سبب یا ذریعہ ہے' جو اس طریقے کے مطابق منزل مقصود تک پہنچائے یعنی بارگاہ خداوندی تک رسائی ہو اور تقرب الٰہی کا حصول ہو جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں یا نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً برائی کے بعد نیک کام کرنا برائی کو مٹا دینے کا وسیلہ ہے۔ صلہ رحمی' درازی عمر اور وسعت رزق کا وسیلہ ہے۔ اذان کے بعد نبی اکرم ﷺ سے منقول دُعاء پڑھنا آپ ﷺ کی شفاعت کے حصول کا وسیلہ ہے۔

شرعی وسیلہ کے جائز ہونے کی شرط:

شرعی وسیلہ کے جائز ہونے کی نہایت ضروری اور واحد شرط یہ ہے کہ شرعی طور پر ثابت ہو' یعنی قرآن کریم یا سنت نبوی ﷺ سے اس کا ثبوت ملتا ہو' یعنی صرف وہی وسیلہ جائز اور درست ہوگا جسے یا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہو یا اس کا بیان احادیث صحیحہ میں ملتا ہو۔

شرعی وسیلے ایسے وسیلے ہیں جن کے متعلق ہمیں صرف شریعت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ وسیلے جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ یہ بات صرف اور صرف شریعت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تجربات اور خبروں سے وسیلہ کے جواز کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا ہے بلکہ صحیح اور جائز وسیلہ کتاب و سنت کی روشنی سے ثابت ہونے والا وسیلہ ہے۔

تنبیہ:

شرعی وسیلہ کے جائز ہونے کے لئے یہ بات ہرگز کافی نہیں کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد نہ ہوئی ہو' یعنی اس سے منع نہ کیا گیا ہو' بلکہ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہو۔ کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)). ❶

''جس نے ہماری سند کے بغیر کسی عمل کو اپنا معمول بنا لیا تو وہ عمل مردود ہے''۔

لہٰذا ایسا شرعی وسیلہ جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو وہ رد ہے' کیونکہ کسی بھی شرعی عمل کے قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا۔ نبی اکرم ﷺ کا اس پر عمل نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل نہیں ہے۔ لہٰذا جس چیز پر نبی

❶ مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة و رد محدثات الامور (٤٤٩٣).

اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے دورِ نبوت میں عمل نہیں کیا' باوجود اس کے کہ اس عمل کے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی تو اس کا مطلب صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ اس عمل کو جائز نہیں سمجھتے تھے' لہٰذا ایسے عمل کا نہ کرنا ہی سنت ہے اور ایسا عمل کرنا خلاف سنت اور بدعت ہے۔

شرعی وسیلہ کی جائز صورتیں:

قرآنِ کریم اور سنت مطہرہ کے مطالعہ کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وسیلہ کی کچھ صورتیں ایسی ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے' ان کی طرف توجہ دلائی ہے' ان میں سے بعض صورتیں قرآن کریم میں وارد ہیں' اور بعض کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں استعمال فرمایا ہے اور ان کی طرف رغبت دلائی ہے۔ وسیلہ کی ان انواع و اقسام میں ذات' جاہ' حقوق یا مقامات کی حرمت کا واسطہ نہیں دیا گیا ہے۔ وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا اس کی صفات کے ذریعے وسیلہ۔

② کسی عمل صالح کے ذریعہ وسیلہ۔

③ نیک آدمی کی دُعاء کا وسیلہ۔

④ اپنی بے کسی و عاجزی کا حوالہ۔

❶ اللّٰہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا اس کی صفات کا وسیلہ : اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اسماءِ حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم پاک یا اس کی صفات میں سے کسی ایک صفتِ حمیدہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا' مثلاً کوئی مسلمان یوں دُعاء کرے:

"اے اللہ! تو رحمٰن و رحیم اور لطیف و خبیر ہے' میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے عافیت عطاء فرما"۔

یا یوں دُعاء مانگے:

"اے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں' جو ہر چیز سے وسیع ہے کہ مجھ پر رحم فرما اور میرے گناہ بخش دے"۔

اس وسیلہ کی مشروعیت کی دلیل اللہ عزوجل کا درج ذیل ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [الاعراف : ۷/۱۸۰]

"اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں' تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو"۔

اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ کا وسیلہ دے کر پکارا کرو۔ اِسی طرح حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ایک دُعاء ہے جسے آپ نماز میں سلام سے پہلے پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَ قُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ)). ❶

''اے اللہ! تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے وسیلے سے تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جب تک تو میرے لئے زندگی کو بہتر جانے' زندہ رکھ اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو تو فوت کر لے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی بات حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو غم وفکر میں مبتلا کر دیتی تو آپ یہ دُعاء فرمائے:

((يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ)). ❷

''اے زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے فریاد رسی کرتا ہوں''۔

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث مبارکہ یہ واضح کرتی ہیں کہ وسیلے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم مبارک یا آپ کی صفاتِ حمیدہ میں سے کسی صفت مقدس کے وسیلہ سے دُعاء کریں۔ اسی قسم کے وسیلے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ اسی وسیلے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استعمال فرمایا۔

❷ **عمل صالح کا وسیلہ**: اس کی مثال اس طرح ہے' جیسے کوئی مسلمان یوں دُعاء کرے:

''اے اللہ! میں تیرے ساتھ جو ایمان رکھتا ہوں' تیرے ساتھ محبت رکھتا ہوں' تیرے رسول کی اتباع کرتا ہوں' ان کے وسیلہ سے میرے گناہ معاف فرما دے''۔

یا یہ دُعاء کرنے والا اپنے کسی ایسے عظیم الشان عمل صالح کو یاد کرے جس میں اس نے خوفِ خدا' تقویٰ' اللہ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم کرنے اور اللہ کی اطاعت کرنے کا خوب مظاہرہ کیا ہو اور پھر اپنے اس عمل صالح کو دُعاء میں بطورِ وسیلہ پیش کرے تاکہ اس کی دُعاء ضرور شرفِ قبولیت حاصل کر لے۔ یہ نہایت بہترین اور خوبصورت وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مشروع قرار دیا ہے اور اسے پسند فرمایا ہے۔ اس کی مشروعیت پر درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ دلالت کناں ہیں:

① ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾[آل عمران : ۱۶/۳]

''جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار' ہم ایمان لے آئے' سو ہم کو بخش دے' ہمارے

---

❶ نسائی، حاکم، کتاب الافتتاح ، باب الدعاء بعد الذکر نوع اخر من الدعاء.

❷ ترمذی، ابواب الدعوات، باب قول یا حي یا قیوم (٣٥٢٤).

گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

اصحابِ غار کا قصہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''تم میں سے پہلے لوگوں میں سے تین شخص سفر کر رہے تھے کہ رات بسر کرنے کے لئے ایک غار میں آ گئے' ادھر پہاڑ کی ایک چٹان آ گری جس نے غار کے منہ کو بند کر دیا' (آپس میں مشورہ کرتے ہوئے) کہنے لگے: اس چٹان سے اس کے سوا تمہیں اور کوئی بات نجات نہیں دے سکتی کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دُعاء کرو۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے کچھ نیک اعمال پر نگاہ دوڑاؤ جنہیں تم نے خالص اللہ ہی کے لئے سرانجام دیا ہو' شاید اس طرح اللہ تعالیٰ اس چٹان کو ہٹا دے)۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: ''اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے' ان سے پہلے میں اپنے اہل و عیال کو دودھ نہیں پلاتا تھا۔ ایک دن میں چارے کی تلاش میں بہت ہی دور نکل گیا' حتیٰ کہ جب واپس آیا' تو والدین سو چکے تھے۔ جب میں دودھ دوہ کر لایا' تو وہ دونوں سوئے ہوئے تھے۔ میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اپنے والدین سے پہلے اہل وعیال کو دودھ پلاؤں' میں دودھ کا برتن ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا' حتیٰ کہ صبح ہو گئی' وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا' تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں''۔ چٹان تھوڑی سی کھسک گئی' مگر ابھی تک وہ غار سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دوسرے شخص نے کہا: ''اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی' جس سے مجھے بہت محبت تھی' میں نے اس سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا مگر وہ نہ مانی' حتیٰ کہ ایک دفعہ وہ قحط میں مبتلا ہو گئی اور وہ میرے پاس آئی تو میں نے اس شرط پر اُسے ایک سو بیس دینار دے دیئے کہ وہ میرے مطالبہ کو پورا کر دے گی' وہ مان گئی' حتیٰ کہ جب مجھے اس پر مکمل دسترس حاصل ہو گئی تو وہ کہنے لگی کہ میں اس کام کو تیرے لیے حلال نہیں سمجھتی' (صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور نہ کھول مہر کو مگر اس کے لیے رہنے دے جس کا یہ حق ہے)۔ میں نے بھی اس کام میں سوچا اور دست درازی سے رُک گیا' حالانکہ مجھے اس کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی' میں نے وہ سونا بھی چھوڑ دیا جو اسے دیا تھا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے' جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں''۔ چٹان تھوڑی

سی اور کھسک گئی' مگر ابھی تک وہ غار سے باہر نکل نہیں سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اور تیسرے شخص نے کہا کہ "اے اللہ! میں نے کام پر کچھ مزدور لگائے تھے' میں نے انہیں اُن کی مزدوری دے دی' مگر ایک شخص اپنی مزدوری کو چھوڑ کر چلا گیا' میں نے اس کی اُجرت کو بارآور کیا' حتیٰ کہ اس سے بہت سا مال ہو گیا۔ ایک عرصہ کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا' اے اللہ کے بندے! میری اُجرت تو دے دے۔ میں نے کہا کہ یہ اونٹ' گائے' بکریاں اور غلام جو تم دیکھتے ہو' یہ سب تمہاری اجرت ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے ساتھ مذاق نہ کر۔ میں نے کہا نہیں' میں مذاق نہیں کرتا۔ اس نے سارے مال کو لے لیا اور ہانک کر لے گیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے' جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں"۔ چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ تینوں اس سے باہر نکل کر اپنی راہ چل دیئے"۔ [1]

اس حدیث پاک سے واضح ہوا' جب ان آدمیوں پر انتہائی مشکل وقت آیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا' اسے اخلاص سے پکارا' اپنے ان اعمال صالحہ کو یاد کیا جو انہوں نے آسانی کے اوقات میں اللہ کی رضا کے لئے کئے تھے تاکہ مشکل وقت میں کام آئیں۔ پہلے آدمی نے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی' شفقت اور محبت کو وسیلہ بنایا' دوسرے آدمی نے زنا سے پاک دامنی اور عفت وعصمت کو وسیلہ کے طور پر پیش کیا' تیسرے آدمی نے ایک مزدور کی حق خدمت کی جو حفاظت کی تھی اسے وسیلہ بنایا۔ ان تینوں نے اپنے بہترین عمل صالحہ کے ذریعے سے خدائے ذوالجلال کو پکارا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور پھر اس کرامت کا ظہور ہوا کہ تدریجاً تین مرحلوں میں غار کے منہ پر پڑا ہوا پتھر ہٹ گیا۔

③ نیک آدمی کی دُعاء کا وسیلہ : وسیلہ کی اس قسم کی صورت یوں ہے کہ کوئی مسلمان شدید تکلیف میں مبتلا ہو یا کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائے یا اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی نافرمانی ہو جائے اور وہ چاہے کہ کسی قوی سبب کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تو وہ کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جس کے بارے میں اس کا اعتقاد ہو کہ وہ صالح اور متقی ہے یا کتاب وسنت کا عالم اور صاحب علم و فضل ہے اور اس سے دُعاء کا مطالبہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دُور کر دے اور غم و فکر سے اسے نجات دے دے' تو یہ بھی شرعی وسیلہ کی ایک قسم ہے۔ شریعت مطہرہ اس کی مشروعیت پر دلالت کناں ہے'

---

[1] بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار (٣٤٦٥).

وسیلہ کی اس نوعیت کی کئی مثالیں سنت شریفہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے بھی ہمیں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ خشک سالی کی وجہ سے قحط میں مبتلا تھے۔ اسی دور میں ایک دن آپ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال مویشی ہلاک ہو گئے ہیں' اہل و عیال بھوکے ہیں' لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعاء فرمایئے تاکہ وہ ہم پر بارش نازل فرما دے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعاء شروع کر دی: ''اے اللہ! ہمیں بارش عطاء فرما''۔ لوگوں نے بھی دُعاء کے لئے آپ کے ساتھ ہاتھ اُٹھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں واللہ اس وقت آسمان آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ آپ نے ابھی اپنے ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ آسمان پر پہاڑوں کی مانند بادل نمودار ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہو گئی۔ (1)

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث مبارکہ جن کا تعلق عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ کرام سے ہے' اس قدر وضاحت و صراحت پیش کر رہی ہیں کہ کسی قسم کے جنگ و جدال اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین کے ساتھ وسیلہ کی صورت جس پر سلف صالح عمل پیرا تھے' یہ تھی کہ وہ وسیلہ پیش کرنے والا اس شخص کے پاس آتا' جس کے وسیلہ کو پیش کرنا مقصود ہوتا اور اس کے سامنے عرضِ احوال کے بعد دُعاء کی درخواست کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت و حاجت کو پورا فرما دے' وہ دُعاء کرتے اور اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے سرفراز فرماتے۔

وسیلہ کی اس صورت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس نیک انسان کی ذات' جاہ اور حق کا وسیلہ پیش کرتے ہیں' بلکہ اس کی دُعاء' اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور ان کی اللہ تعالیٰ سے فریاد رسی کو بطورِ وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ * کیا نیک آدمی کی ذات کا وسیلہ جائز ہے؟

نیک لوگوں کے جاہ' مرتبے' حرمت اور حق کے ساتھ وسیلے کے جواز کے لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بطورِ حجت اور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

''قحط کے زمانہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعاء کی درخواست کرتے اور خود یہ دُعاء کرتے کہ اے اللہ! ہم پہلے تیرے نبی کا

(1) بخاری، ابواب الاستسقاء، باب الاستسقاء فی المسجد الجامع (۱۰۱۳).

وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو بارش نازل فرما دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ کو پیش کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش عنایت فرما۔ چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔ اسی طرح جب بھی قحط سالی کا عالم آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دُعاء کا مطالبہ کرتے تھے''۔ [1]

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ کا ذکر ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ وسیلہ کس قسم کا ہے؟ کیا یہ وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ ہے، یا یہ وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعاء کے ساتھ ہے؟ اس بات کا فیصلہ کرنے سے پہلے کہ یہ وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ تھا یا دُعاء کے ساتھ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں قحط سالی کے دنوں کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس قسم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ اس کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں، دو اشکال پیدا ہو سکتے ہیں:

1. کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کا واسطہ دے کر اس طرح کی کوئی دُعاء کرتے تھے: ''اے اللہ! ہم تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی حرمت اور ان کے مقام کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ تو ہمیں بارش عطاء کر''۔
2. کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دُعاء کی درخواست کرتے کہ اے اللہ کے رسول ہمارے لئے بارش کی دُعاء فرمائیں۔

ان میں سے پہلے احتمال کا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس قسم کا کوئی ایک واقعہ بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی دعاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر کیا ہو اور پھر آپ کے حق وجاہ اور قدر و منزلت کے وسیلہ سے دعاء کی ہو۔ یعنی اس قسم کی دعاء کہ ''اے اللہ! ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے بارش عطاء فرما''۔ کسی صحابی رسول سے منقول نہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ جس قسم کے واقعات سے کتب سنت بھری پڑی ہیں وہ اوپر درج کردہ دوسرا طریقہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وسیلے کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی یا کوئی مصیبت نازل ہوتی تو بارگاہِ نبوت میں حاضری دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعاء کریں تاکہ ہماری ضرورت پوری ہو جائے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذ قحطوا (۱۰۱۰).

کا وسیلہ حضور اکرم ﷺ کی دُعاء کے ساتھ تھا' حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ نہ تھا۔

اس کی ایک مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا جبکہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس شخص نے تنگی احوال' خشک سالی اور مال مویشی کی ہلاکت کا ذکر کر کے درخواست کی کہ آپ دُعاء فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ نجات کا سامان مہیا فرما دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگنے کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دُعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور بارانِ رحمت نازل فرما دی۔ [1]

یہ اور اس جیسی دیگر احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وسیلہ کی اس صورت پر عمل پیرا تھے کہ وسیلہ پیش کرنے والا اس شخصیت کے پاس آتا جس کا وسیلہ پیش کرنا مقصود ہوتا اور اس شخصیت سے دُعاء کی درخواست کرتا۔ وہ شخصیت اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرتی' اللہ تعالیٰ دُعاء قبول فرما لیتے' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اس شخصیت کی دُعاء کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس شخصیت کی ذات' مرتبہ اور حرمت کو بطور وسیلہ پیش نہیں کیا جاتا تھا' اور وہ شخصیت زندہ' حاضر اور ان کے سامنے موجود ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ شخصیت زندہ ہوگی تو دُعاء کرے گی' جو شخص اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے' اس سے دعا کا مطالبہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اور وہ کیسے دُعاء کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ کو اختیار کیا یعنی ان سے دُعاء کی درخواست کی۔ اور نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پیش نہیں کیا' یعنی ان سے دعا کی درخواست نہیں کی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے موجود نہ تھے بلکہ وہ فوت ہو چکے تھے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کہ ''اے اللہ! ہم پہلے تیرے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے' تو بارش نازل فرما دیتا تھا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ کو پیش کرتے ہیں'' کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ ''اے اللہ! پہلے جب بارش نہ ہوتی تھی تو ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دُعاء کی درخواست کرتے' آپ ﷺ دُعاء فرماتے اور اے اللہ! تو ہمیں بارش عطاء کر دیتا۔ اب چونکہ آنحضرت ﷺ اس دُنیا میں نہیں رہے اس لئے ان کے بعد اب ہم آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دُعاء کا مطالبہ کر رہے ہیں تا کہ اے اللہ تو ہمیں بارش عطاء کر دے''۔

اس بات کی مزید وضاحت اس بات سے ہوگی جب آپ اس بات پر غور کریں اور اس سوال کا

[1] صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب الاستسقاء فی المسجد الجامع (۱۰۱۳).

جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ کو کیوں اختیار کیا؟ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو لیکن اسے حضور ﷺ کے مقام سے کوئی نسبت نہیں۔ اس سوال کا جواب صرف یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک وسیلہ کا مطلب اس شخص سے دُعاء کروانا تھا' اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا وسیلہ ناممکن تھا' یعنی رسول اللہ ﷺ سے دُعاء کروانا ناممکن تھا' کیونکہ آپ ﷺ وفات پا چکے تھے اور آپ ایک ایسے مقام (برزخ) پر منتقل ہو چکے تھے جس کے حالات دنیا کے حالات سے بالکل مختلف ہیں اور جن کی کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ آپ ﷺ سے دُعاء کا مطالبہ کرتے' اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہ خالصاً عربی تھے' نبی کریم ﷺ کی صحبت بھی آپ کو میسر رہی' دین کا مکمل فہم بھی رکھتے تھے اور متعدد بار قرآن مجید آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوا۔ وسیلے کا وہ ذریعہ اختیار کیا جو کہ جائز اور ممکن تھا۔ انہوں نے زندہ' حاضر' سامنے موجود' نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے بلند مقام رکھنے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرابت رکھنے کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ بارش کی دُعاء فرمائیں۔

اگر آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ ممکن اور جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی آپ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتخاب نہ کرتے' اور پھر اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق کرنا بھی ناممکن ہوتا۔ کیونکہ اگر حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ کے وسیلے کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے وسیلہ کو اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے حضور ﷺ کی اقتداء چھوڑ کر کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اگر ذات اور مرتبے کے ساتھ ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی آنحضرت ﷺ کی ذات کے وسیلہ کو ترک کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے وسیلہ کو اختیار نہ کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت محمد ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ کو اختیار نہ کرنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس عمل پر اتفاق کرنا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ وسیلہ کو جائز تصور نہیں کرتے تھے۔ اگر آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ جائز اور درست ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو کبھی گوارا نہ کرتے کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بجائے حضور ﷺ کی ذات کا وسیلہ افضل ترین اور اعلیٰ ترین تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ

کی ذات کے ساتھ وسیلہ کو اس لئے ترک کیا کہ ان کے نزدیک یہ جائز ہی نہ تھا۔ بلکہ ان کا اجماع اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ مذکورہ وسیلہ شرعی طور پر ناجائز ہے ورنہ وہ افضل اور اعلیٰ ترین عمل کی بجائے ایک ادنیٰ عمل کو اختیار کیوں کرتے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وسیلہ کا مطلب مذکورہ شخصیت کی دُعاء ہی جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعاء کی درخواست کی' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے دُعاء کروانا ممکن نہیں رہا تھا' جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعاء کی درخواست کرتے۔ اور یہ مذکورہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعاء کی درخواست کرنا' صرف ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ثابت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا کا وسیلہ ہی اختیار کیا ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ وسیلہ کا اختیار منقول نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام بھی وسیلہ کی اسی صورت پر عمل پیرا تھے کہ وہ کسی ایسی شخصیت کے پاس جاتے جو ان کے خیال میں زیادہ نیک' متقی اور پرہیزگار ہوتی اور وہ اس سے دُعاء کی درخواست کرتے تھے۔ وہ کبھی اس کی شخصیت کی ذات اور مرتبے کا وسیلہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ زیر بحث حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو دُعاء کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اے اللہ! ہر بلا گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ سے دور ہوتی ہے' میری قوم تیرے نبی سے قربت کے باعث میری طرف متوجہ ہوئی ہے تاکہ تجھ سے دُعاء کی جائے (اے اللہ!) یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں جبکہ ہماری پیشانیاں توبہ کے باعث جھکی ہوئی ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں بارش عطاء فرما دے"۔ [1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس دُعاء کے الفاظ پر غور کریں تو اس سے بھی اس بات کی صاف وضاحت ہو جاتی ہے کہ وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعاء کے ساتھ تھا نہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ۔ لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا مطلب کہ "ہم پہلے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو بارش نازل فرما دیتا تھا' اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش

---

[1] فتح الباری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ص ٦٤١، دارالسلام طبع اولی جلد ٢ (١٠١٠).

کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش عطاء فرما"۔ یہی ہے کہ "ہم پہلے تیرے نبی ﷺ سے دُعاء کی درخواست کرتے تھے اور اسے بطور وسیلہ پیش کرتے تھے، تو تو بارش نازل فرما دیتا تھا۔ اب چونکہ تیرے نبی کی وفات کے بعد ان سے دُعاء کروانا ممکن نہیں رہا لہٰذا ہم تیرے نبی کے چچا سے دُعاء کی درخواست کرتے ہیں اور ان کی دُعاء کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش عطاء فرما"۔

لہٰذا سچ اور حق بات یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے وسیلہ کو اختیار نہیں کرتے تھے، اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ سے دُعاء کی درخواست کرتے اور اسے بطور وسیلہ پیش کرتے۔ وہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد شدید تکلیف اور مصائب میں بھی کبھی آپؐ کے وسیلہ کو اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ کسی شخصیت کے وسیلہ کی صرف دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک مذکورہ شخصیت کی دُعاء کا وسیلہ اور دوسرا اس کی ذات کا وسیلہ۔ نبی کریم ﷺ کی دُعاء کا وسیلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زندگی میں اختیار کیا کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اب ایسا ناممکن تھا اور نبی کریم ﷺ کی ذات کا وسیلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زندگی میں اختیار نہیں کرتے تھے تو اب وفات کے بعد وہ ایسا کیونکر کرسکتے تھے۔

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ وسیلہ کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس کو ترک کرنا اس بات کی بہت بڑی اور واضح دلیل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ وسیلہ کو شرعی طور پر جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا جائز ہوتا تو مختلف حوادث و واقعات کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ نہیں تو کم از کم ایک بار ہی منقول ہوتا، کیونکہ وہ آپ ﷺ سے شدید محبت رکھتے تھے اور بے پناہ تعظیم کرتے تھے۔ لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرنا ایک بار بھی ثابت نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ شرعی طور پر جائز ہی نہیں بلکہ صحیح روایات کی روشنی میں ثابت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی دُعاء کو بطور وسیلہ اختیار کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وسلف صالحین کی دُعاؤں کو بطور وسیلہ اختیار کیا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ وسیلہ کو نہ تو آپ ﷺ کی زندگی میں اختیار کیا اور نہ ہی وفات کے بعد۔ جب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ وسیلہ جائز نہیں تو پھر کسی صحابی یا بزرگ اور ولی کی ذات کا وسیلہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ (واللہ اعلم)

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دُعا کرانے کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

''اس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزرے ہوئے (فوت شدگان) اور غائب لوگوں کو وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہ تھے (اگر فوت شدہ سے دُعا کرنا جائز ہوتا) تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں''۔ ❶

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض حضرات یہاں ایک موضوع (گھڑی ہوئی) روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش الٰہی پر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔

یہ روایت بے اصل اور بے سند ہے۔ اسے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع اور باطل قرار دیا ہے۔ امام مستدرک حاکم اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ روایت قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کی ہیں۔ کسی نبی نے کبھی کسی نبی، بزرگ اور ولی کا واسطہ اور وسیلہ نہیں پکڑا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ یہی رہا کہ بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے دُعا نہیں کی۔ انہوں نے بھی کبھی کسی بزرگ، ولی اور پیر کا وسیلہ اور واسطہ نہیں پکڑا حتیٰ کہ خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت، اور امہات المومنین نے بھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق ہمیشہ بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے تھے۔

ایک حنفی بزرگ کی وضاحت:

علامہ آلوسی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اسی معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دُعا کرے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے وہ درخواست کی جائے وہ زندہ ہو۔ لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب ہو تو ایسے استغاثے کے ناجائز

❶ البلاغ المبین ص ١٦ طبع لاہور بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ٨٤ ناشر دارالسلام۔

ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور مردوں سے استغاثہ ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا"۔ ❶

تیسرا شبہ اور اس کا ازالہ * خالق کا مخلوق پر قیاس:

مخالفین یہ کہتے ہیں کہ صالحین کی ذات اور اُن کے بلند مقامات کے ساتھ وسیلہ پکڑنا ایک مطلوب اور جائز امر ہے' کیونکہ اس کی بنیاد منطق اور حقیقت پر قائم ہے اور وہ اس طرح کہ ہم میں سے کسی کو جب کسی بادشاہ' وزیر یا کسی بڑے حکمران سے کوئی کام ہو تو وہ سیدھا اس کے پاس نہیں جاتا' کیونکہ اسے احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ خود سیدھا اس کے پاس چلا گیا' تو وہ اس کی طرف التفات نہیں کرے گا۔ لہٰذا اس صورت میں ہم کسی ایسے شخص کو تلاش کرتے ہیں جو اس کا مقرب ہو' اس کے دربار میں رسائی رکھتا ہو' ایسے شخص کو ہم اپنے اور متعلقہ حاکم کے مابین واسطہ بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم اس طریقے کو اختیار کریں' تو وہ ہماری بات کو سنتا ہے اور ہماری ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کی نوعیت اسی انداز کی ہے کہ وہ تو سب عظیموں سے عظیم اور سب بڑوں سے بڑا ہے۔ ہم گناہ گار' نافرمان اور بارگاہِ الٰہی سے بہت دور ہیں' لہٰذا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اسے براہِ راست پکاریں۔ اگر ہم نے اسے براہِ راست پکارا تو وہ ناکام و نامراد لوٹا دے گا یا ہماری طرف قطعاً نظر التفات نہ فرمائے گا' جبکہ کچھ نیک لوگ بھی ہیں' مثلاً انبیاء' مرسلین' شہداء' یہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ یہ جب بھی دُعاء کریں' وہ اُن کی سنتا ہے۔ جب بھی کسی کی شفاعت کریں' وہ اُن کی سفارش کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ان کی جاہ کا وسیلہ پکڑیں' اپنی دُعاء سے پہلے ان کا ذکر کریں تا کہ ان کے اکرام کی بدولت اللہ تعالیٰ ہماری طرف بھی نظر رحمت سے دیکھ لے۔ ان کے پاسِ خاطر سے ہماری دُعاء کو بھی قبول کر لے۔ لہٰذا تم ہمیں اس نوع کے وسیلہ سے کیوں منع کرتے ہو' جبکہ انسان آپس میں انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے اس قسم کے وسیلہ کو اختیار کرتے ہیں' تو اپنے رب اور معبود کے ساتھ معاملہ میں اس وسیلہ کو کیوں اختیار نہ کریں؟

ہم اس شبہ کے جواب میں عرض کریں گے کہ لوگو! تم نے یہ بات کر کے درحقیقت خالق کو مخلوق پر قیاس کر لیا ہے۔ تم نے قیوم السماوات والارض' احکم الحاکمین' اعدل العادلین اور رؤف الرحیم کی ذاتِ اقدس کو ان حکمرانوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ظالم' ڈکٹیٹر اور جابر ہیں۔ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کو پیش نظر نہیں رکھتے' بلکہ اپنے اور رعایا کے مابین پردے لٹکا رکھتے ہیں اور دربان بٹھا دیتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں

---

❶ تفسیر روح المعانی: ۲/ ۲۹۷، طبع قدیم ۱۳۰۱ھ، روح المعانی ۱۲۵/۶.

کے لیے ان تک واسطوں اور وسیلوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں ہوتی اور پھر ان واسطوں اور وسیلوں کو بھی رشوتوں اور عطیوں کے ساتھ خوش کرنا پڑتا ہے' ان کے سو سو ناز اُٹھانے پڑتے ہیں' انہیں خوش کرنے کے لیے کئی کئی طرح کے حیلے بہانے کرنے پڑتے ہیں' تو اے عقل کے دشمنو! تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ جب تم اس قسم کی مثالیں بیان کرتے ہو تو درحقیقت اپنے رب کی مذمت بیان کرتے ہو' اس کی شان میں گستاخی کرتے ہو' اسے ایذاء پہنچاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بارہ میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہو جو اسے انتہائی ناپسند ہیں اور اس کی ناراضگی کا باعث بنتی ہیں۔

کیا تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان ظالم حکمرانوں اور فاسق و فاجر ڈکٹیٹروں پر قیاس کر کے درحقیقت تم اللہ تعالیٰ کو نہایت بری صفات کے ساتھ موصوف قرار دے رہے ہو۔ تعجب ہے کہ تمہارا دین تمہیں اس بات کی آخر کیسے اجازت دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کی تعظیم اور خالق و مالک کے شایانِ شان تمجید کے مقابلہ میں اس قسم کی مثالوں کی آخر تم نے کیسے جرأت کر لی ہے؟۔

غور فرمائیے کہ اگر کسی کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ کسی حاکم سے بالمشافہ گفتگو کر سکتا ہو یا کسی واسطہ و وسیلہ کے بغیر ہم کلام ہو سکتا ہو تو کیا یہ بات بہتر اور باعث تعریف ہے یا یہ کہ وہ لمبے واسطوں اور وسیلوں کے بغیر گفتگو کر ہی نہ سکتا ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں تم بڑے فخر سے بیان کیا کرتے ہو اور لوگوں سے کہا کرتے ہو کہ آپ حد درجہ متواضع تھے۔ تکبر اور فخر کا آپ کے ہاں نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ لوگوں کے اس قدر قریب تھے کہ ایک کمزور سے کمزور شخص بھی آپ سے ملاقات کر کے ہم کلام ہو سکتا تھا' حتیٰ کہ ایک اعرابی' جاہل اور درشت مزاج بادیہ نشین بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بغیر کسی واسطہ و وسیلہ کے آپ سے ہم کلام ہو سکتا تھا۔ آپ اس کی ضرورت و حاجت کا جائزہ لیتے اور اگر وہ مستحق ہوتا' تو اس کی ضرورت کو پورا فرما دیتے۔ تو آپ ہی فرمائیے کہ اس طرح کے حکمران بہتر ہیں یا وہ جن کی تم مثالیں بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے؟ افسوس کہ تم یہ کیسی باتیں کرتے ہو۔ آہ! یہ تم نے کیسے گوارا کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو ظالم بادشاہوں کے ساتھ تشبیہ دو۔ شیطان نے کس طرح چابک دستی کے ساتھ اس قیاس کی خرابی و برائی کو تمہاری آنکھوں سے اوجھل کر دیا' جس میں تم نے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا ظالم حکمرانوں پر قیاس کیا ہے۔

لوگو! اگر تم اللہ رب ذوالجلال کو سب سے زیادہ عادل' سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ نیک آدمی کے ساتھ تشبیہ دیتے' تو پھر بھی یہ کفر تھا' مگر اس کا کیا کیا جائے اور اس پر کیا کہا جائے کہ تم نے اس ذاتِ اقدس کو سب سے زیادہ ظالم' فاسق و فاجر اور خبیث لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے؟

لوگو! اگر تم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے متقی و عادل حکمران پر اللہ تعالیٰ کو قیاس کرتے' تو پھر بھی شرک میں مبتلا ہو جاتے' مگر آہ! شیطان نے تمہیں کس قدر تباہ و برباد کر دیا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو ظالم اور مفسد بادشاہوں' امیروں اور وزیروں پر قیاس کرنے لگے۔

یاد رکھو کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ دینا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس طرح کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ [النحل : ١٦/ ٧٣ ، ٧٤]

''اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو اِن کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ (کسی اور طرح کا) مقدور رکھتے ہیں' تو (لوگو!) اللہ کے بارہ میں مثالیں نہ بناؤ اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ہر قسم کی مخلوق کے مابین کسی قسم کی تشبیہ کلی کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ ﴾ [الشوریٰ : ٤٢/ ١١]

''اس جیسی کوئی چیز نہیں''۔

تشبیہ کی بدترین صورت یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو شریر اور فاسق و فاجر حکمرانوں کے ساتھ تشبیہ دے' جبکہ وہ یہ خیال کر رہا ہو کہ وہ بزعم خویش بہت اچھا کام کر رہا ہے۔

امام عز بن عبدالسلام نے اپنے رسالہ ''الواسطہ'' میں فرمایا ہے:

''جو شخص انبیاء کرام اور دیگر مشائخ علم و دین کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان اس طرح کے واسطے بنائے جس طرح بادشاہوں اور ان کی رعایا کے درمیان دربان واسطے ہوتے ہیں اور کہے کہ یہ واسطے لوگوں کی حاجتوں اور ضرورتوں کو دربارِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہی کی توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت' رزق اور فتح و نصرت عطاء فرماتا ہے' یعنی مخلوق ان سے سوال کرتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں جس طرح کہ بادشاہ کے مقرب درباری لوگوں کی حاجتوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے بادشاہوں سے سوال کرتے اور لوگ ان مقربانِ دربارِ شاہی سے سوال کیا کرتے ہیں' کیونکہ ادب کے باعث وہ براہِ راست بادشاہ سلامت سے ہمکلام ہونے کا حوصلہ نہیں پاتے اور پھر براہِ راست بادشاہ سے سوال کرنے کی نسبت ان واسطوں اور وسیلوں کی معرفت سوال کرنا ان کے لئے زیادہ منفعت بخش ہوتا ہے' کیونکہ یہ دربان ان کی نسبت بادشاہ کے زیادہ قریب

ہوتے ہیں۔ الغرض جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان اس طرح کے واسطے بنائے' وہ کافر اور مشرک ہے۔ واجب ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ توبہ کرے تو ٹھیک وگرنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے تشبیہیں بیان کرتے ہیں' یعنی خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ آہ! انہوں نے مخلوق کو اللہ کا شریک بنا دیا ہے''۔ [1]

کچھ مزید دلائل:

فوت شدہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ نہ بنانے کے مؤقف کی تائید درج ذیل دلائل سے بھی ہوتی ہے:

1. رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری حیات طیبہ میں کسی بھی موقع پر حضرت ابراہیم یا حضرت اسماعیل یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی دوسرے جلیل القدر پیغمبر کو وسیلہ نہیں بنایا۔ بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ یعنی کسی کی ذات کا وسیلہ پانا نبی کریم ﷺ کی سنت نہیں۔
2. عہد صحابہ میں کسی صحابی کا رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ پانا ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی کسی صحابی نے نبی کریم ﷺ کی ذات کا وسیلہ استعمال نہیں کیا۔ حتیٰ کہ خاندان رسول ﷺ، اہل بیت اور امہات المومنین نے بھی کبھی کسی دعا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک کو بطور وسیلہ پیش نہیں کیا۔ ہاں! حضور ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دُعاء کروایا کرتے تھے جبکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی بجائے کسی دوسرے صحابی سے دُعاء کروایا کرتے تھے۔ بعد از وفات صحابہ کرام نہ تو آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور نہ ہی کسی اور کا اور نہ ہی کسی صحابی کا رسول اللہ ﷺ کی قبر پر حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دُعاء کروانا ثابت ہے۔
3. عہد صحابہ کے بعد سلف صالحین اور تابعین و تبع تابعین میں سے بھی کسی نے کسی صحابی یا نبی کریم ﷺ کی ذات کا وسیلہ اختیار نہیں کیا۔ سلف صالحین کے طرزِ عمل کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبرستان میں ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اے قبر والو! کیا تمہیں خبر ہے کہ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ میں تم سے صرف دُعا کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ کیا تم میرے حال سے واقف ہو یا غافل؟'' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بات سن کر پوچھا:

---

[1] یہ مضمون علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الوسیلہ سے لیا گیا ہے ترجمہ بنام وسیلہ کے انواع و احکام ص ۱۶۷ تا ۱۷۲ ناشر طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

''کیا انہوں نے تیری بات کا کوئی جواب دیا ہے؟'' اس آدمی نے کہا کہ نہیں۔ تب امام صاحب نے فرمایا: ''پھٹکار ہو تجھ پر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں' تو ایسے جسموں سے کیوں ہمکلام ہے جو نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کسی کی آواز سنتے ہیں''۔ پھر امام صاحب نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر : ۳۵/ ۲۲]

''اے نبی ﷺ! تو انہیں (اپنی بات) نہیں سنا سکتا جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں''۔ ❶

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فوت شدگان سے دُعا کروانا اور ان کو شفاعت کے لئے وسیلہ بنانا' ناجائز اور حرام ہے۔

4 اپنی بے کسی' بے بسی اور عاجزی کا وسیلہ:

اپنی تکلیف' اپنی تقصیر اور فقر و حاجت کا اظہار کر کے اس سے دُعا کی جائے۔ اس صورت میں گویا انسان اپنی بے چارگی و بے کسی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا وسیلہ اور حوالہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے حوالے سے دُعا فرمائی:

﴿ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ۲۱/ ۸۳]

''بے شک مجھے تکلیف (بیماری) پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

اور جیسے زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا فرمائی تو اس میں ظاہری اسباب کے مطابق اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اس طرح اظہار فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ [مریم:۱۹/ ٤]

''اے میرے ربّ! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اُٹھا ہے' لیکن اے میرے ربّ! میں کبھی بھی تجھ سے دُعا کر کے محروم نہیں رہا ہوں''۔

مقام محمود بمعنی وسیلہ:

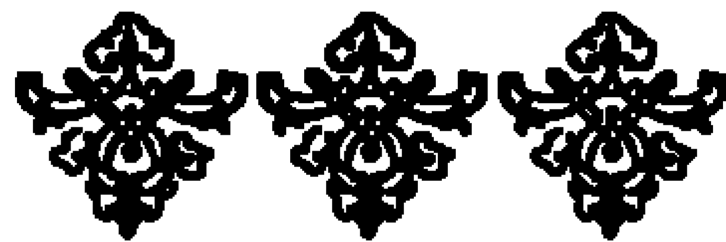
حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی ﷺ کو عطا کیا جائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے لئے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا:

❶ غرائب فی تحقیق المذاهب و تفهیم المسائل ص ۹۱، ۱/ ۱۰۲.

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا نِالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مُقَامَ مَحْمُوْدَ نِالَّذِيْ وَعَدْتَهُ۔ ❶

ناجائز وسیلہ کی ایک قبیح ترین صورت:

بعض لوگوں نے وسیلہ کے جواز کے سلسلہ میں یہاں تک غلو کیا کہ انہوں نے مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں کا وسیلہ بھی جائز ٹھہرا دیا۔ مثلاً قبر' قبر کی مٹی' قبروں پر لٹکتی ہوئی مختلف چیزیں' بال' نقش پا و پتھر' قبروں کے قریب و جوار کے درخت' قبر کی عمارت' قبر کے قریب کا پانی وغیرہ۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی عظیم چیز کے ساتھ مل جائے وہ بھی عظیم بن جاتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ قبر والے کا وسیلہ تو پکڑتے ہی ہیں جو بذاتِ خود ایک ناجائز وسیلہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس قبر کی مٹی' پتھر' عمارت' قریب و جوار دوسری مختلف چیزیں مثلاً پانی' درخت کو بھی وسیلہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ناجائز وسیلہ کی ایک انتہائی قبیح ترین صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔



---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن بمن سمحه سهو (٨٤٩)۔

ابوداؤد، کتاب الصلوٰة، باب ما جاء فی الدعاء عند الاذان (٥٢٩)۔

باب نمبر 10

شفاعت

اس باب میں

- شفاعت کے لفظی معنی اور شرعی معنی
- بلا اجازت سفارش ناممکن
- سفارش صرف وہی کرے گا جسے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے
- شفاعت صرف اس کی ہوگی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی
- شفاعت کے حق دار لوگ
- شفاعت سے محروم رہ جانے والے
- انبیاء، فرشتے، مومن اور شہید سفارش کریں گے
- شفاعت کی دعا

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

شفاعت

شفاعت کا لفظی مطلب:

شفاعت کا مصدر "شفعٌ" ہے۔ جس کا مطلب ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور جوڑنا (جفت) بنانا۔ شفاعت کا مطلب ہے کسی کمزور آدمی کی مدد کے لئے کسی بڑے آدمی کا ساتھ مل جانا یا دوسرے لفظوں میں سفارش کرنا۔

شفاعت کے شرعی معنی:

شریعت میں قیامت کے روز کسی گنہگار آدمی کی مغفرت اور بخشش کے لئے فرشتہ' نبی' شہید یا ولی وغیرہ کی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کو شفاعت کہتے ہیں۔ سفارش کی ابتداء رسول اکرم ﷺ کی شفاعت سے ہوگی۔ آپ ﷺ کی اس ابتدائی شفاعت کو شفاعت کبریٰ یا شفاعت عظمیٰ کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی شفاعت عظمیٰ کے بعد دیگر انبیاء' صلحاء اور اولیاء کی سفارشات شروع ہوں گی۔

شفاعت کے بارے میں ہمارے ہاں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے' عام طور پر شفاعت کا تصور یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اثر و رسوخ ہے۔ ان کی ہر بات مانی جاتی ہے لہٰذا اگر ہم کسی صالح اور ولی اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور اسے راضی کر لیں تو وہ قیامت کے روز ہماری سفارش کر کے ہمیں ضرور بخشوا لے گا اور ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

شفاعت کا یہی وہ تصور ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے بار بار خبردار کیا ہے کہ قیامت کے روز ایسی شفاعت ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

① ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ [سورہ بقرہ: ۱۲۳/۲]

"اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے کام نہیں آئے گا اور نہ کسی کے حق میں کسی کی سفارش فائدہ دے گی نہ ہی کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی یہ لوگ مدد کئے جائیں گے"۔

② ﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [سورہ یونس : ۱۸/۱۰]

''یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔

③ ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ [سورہ زمر : ۴۳/۳۹، ۴۴]

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کوئی اور سفارشی بنا رکھے ہیں' کہو اگر چہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں کہ شفاعت کا اختیار تو سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے''۔

④ ﴿ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ ﴾ [انعام : ۹۴/۶]

''(دیکھ لو!) تم لوگ ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار اکیلا پیدا کیا تھا' اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی دیکھتے ہیں جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہاری حاجتیں پوری کرنے (یا مرادیں برلانے) میں ان کا بھی کوئی حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے رابطے ٹوٹ گئے اور تم سے وہ تمہارے (سفارشی) گم ہو گئے جن کے بارے میں تم (سفارش) کا گمان رکھتے تھے''۔

یہ ہے انجام اس سفارش کا جس کا تصور ہمارے ہاں عام پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں شفاعت کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ اسے سمجھنے میں معمولی سی غلطی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ) لہٰذا ضروری ہے کہ کتاب وسنت سے ثابت شدہ عقیدۂ شفاعت کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔

بلا اجازت شفاعت قطعاً ناممکن ہے:

سب سے پہلی بات کہ جس کو ذہن نشین کرنا انتہائی ضروری ہے وہ یہ کہ قیامت کے روز شفاعت کی اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔ کسی کو از خود شفاعت کرنے کی مجال نہیں ہوگی۔ دوسری بات جس کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے وہ یہ کہ شفاعت قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔ کوئی اللہ تعالیٰ سے زبردستی اپنی شفاعت نہیں منوا سکے گا۔ قرآن مجید

کی چند آیات بطورِ ثبوت ملاحظہ ہوں:

① ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ [سورہ زمر: ۳۹/۴۴]

"کہو! سفارش ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے"۔

② ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ [سورہ بقرہ: ۲/ ۲۵۵]

"کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے"۔

③ ﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾ [سورہ کہف: ۱۸/ ۲۶]

"اور وہ اپنے فیصلہ میں کسی کو شریک نہیں کرتا"۔

قیامت کے روز صرف وہی شخص شفاعت کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے:

تیسری بات جو شفاعت کے سلسلہ میں سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سفارش صرف وہی شخص کرے گا جسے اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ کوئی شخص بلا اجازت کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ [سورہ یونس: ۱۰/۳]

"کوئی سفارش کرنے والا نہیں اِلَّا یہ کہ اس کی اجازت کے بعد سفارش کرے"۔

② ﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ [سورہ طٰہٰ: ۲۰/۱۰۹]

"قیامت کے روز کوئی سفارش فائدہ نہ دے گی سوائے اس شخص کی سفارش کے جسے رحمان نے اجازت دی ہو اور اس سفارشی کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند بھی آئے"۔

③ ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ [سورہ ہود: ۱۱/۱۰۵]

"جب وہ دن آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی سوائے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے"۔

صرف اسی شخص کے لئے سفارش کی جا سکے گی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی:

چوتھی بات جو کہ سفارش کے سلسلہ میں سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سفارش صرف اسی شخص کی کی جا سکے گی جس شخص کی سفارش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ ہاں! اس شخص کے بارہ میں سفارش پیش کی جائے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ [سورہ سبا: ۳۴/۲۳]

"اور اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی سفارش کسی کو فائدہ نہیں دے سکتی سوائے اس کے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو"۔

② ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾[الانبياء : ٢١ / ٢٨]
"اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس کی سفارش کرنے پر اللہ راضی ہو"۔
③ ﴿ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴾[النجم : ٥٣/ ٢٦]
"جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے"۔

لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے سفارشی قیامت کے روز کسی کام نہیں آئیں گے:

① ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴾
[سورہ زمر : ٣٩/٤٣]

"کیا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سفارشی بنا رکھا ہے' ان سے پوچھو کیا وہ شفاعت کر سکتے ہیں جن کے اختیار میں کچھ بھی نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟"
② ﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس : ١٠/١٨]
"اور یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات کا مطلق مالک ہے۔ کسی کو معاف کرنے یا نہ کرنے' کسی کو اذنِ شفاعت دینے یا نہ دینے' کسی کی سفارش قبول کرنے یا نہ کرنے کا تمام تر اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی محبوب ہستی اللہ عزوجل کی پُر جلال عدالت میں اپنی مرضی سے سفارش کرنے کی جسارت نہیں کر سکے گی۔ نہ ہی کوئی ولی اللہ زبردستی اپنی سفارش منوا سکے گا۔ نہ ہی کسی برگزیدہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا اندازِ کلام اختیار کرنے کی مجال ہوگی کہ میں تو اپنے فلاں امتی یا مرید کو ضرور جنت میں لے کر جاؤں گا یا میرا فلاں پیارا اور چہیتا جنت میں نہ گیا تو میں بھی نہیں جاؤں گا یا میں اپنے فلاں دامن گرفتہ کا پروانہ بخشش لے کر ہی رہوں گا' وغیرہ۔ (العیاذ باللہ)

شفاعت کا حق دار کون خوش نصیب ہوگا؟

① حدیث نبوی ﷺ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کون خوش نصیب شخص ہوگا جو آپ کی شفاعت کا حقدار ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"وہ شخص میری شفاعت کا حقدار ہوگا جس نے خلوصِ دِل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا اور جس

کے دِل نے اس کی زبان کی اور زبان نے اس کے دِل کی بات کی تصدیق کی۔ پھر مجھے جس قدر مخلوق کی شفاعت کی اجازت ہوگی اتنی مخلوق کی سفارش کروں گا۔ اس طرح میں تین مرتبہ کروں گا۔ پھر مجھے اس سے زیادہ کی اجازت نہ ہوگی"۔ ❶

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر نبی سے مخصوص دُعا قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا' چنانچہ ہر نبی نے اس دُعا کو اسی دُنیا میں مانگ لیا' البتہ میں نے اس دُعا کو چھپا کر رکھا ہے' تاکہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کر سکوں۔ پس میری اس دُعا کا ہر اس شخص کو فائدہ پہنچے گا جو شرک سے بچ بچا کر زندگی گزار گیا"۔ ❷

ان دونوں حدیثوں پر غور کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف توحید خالص کو شفاعت کے حصول کا سبب قرار دیا ہے۔ ایسی توحید جس میں شرک کا شائبہ تک نہ موجود ہو۔ اس کے علاوہ مشرکین کے اس عقیدہ کی بھی تردید فرمائی گئی ہے کہ وہ بعض ہستیوں کو اپنا شفاعت کنندہ محض اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ یہ بہت نیک اور برگزیدہ بندے ہیں اور ہم ان سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں' اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے توحید میں اخلاص کا پایا جانا اور ہر قسم کے شرک سے بچنا اور شفاعت کے لئے اللہ کا راضی ہونا۔ جب اخلاص پیدا ہو جائے گا تو پھر اس کو شفاعت بھی حاصل ہو جائے گی۔

پس اللہ تعالیٰ مخلص اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا' اور اپنے خاص لوگوں کو سفارش کی اجازت دے گا جن کی شفاعت کے سبب اللہ تعالیٰ اہل توحید کی مغفرت فرمائیں گے۔

اور جس شفاعت کا قرآن نے انکار کیا ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو۔ اور دوسری شفاعت جس کا قرآن نے انکار کیا ہے وہ بلا اذن ربی شفاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنی اجازت سے شفاعت کا اثبات فرما رہے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا ہے کہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لئے ہوگی۔

مشرک شفاعت سے محروم:

① ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ ﴾ [التوبہ: ۹/۱۱۳]

---

❶ مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار (٤٥٩).

❷ مسلم، کتاب الایمان، اختباء النبی دعوة الشفاعة لامته (٤٩١).

"پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کریں' اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں"۔

② ﴿ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَأْوٰهُ النَّارُ ﴾ [المائدہ : ٥/٧٢]

"یقین مانو جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

③ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہر نبی سے مخصوص دُعا قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ چنانچہ ہر نبی نے اس دُعا کو اسی دُنیا میں مانگ لیا۔ البتہ میں نے اس دُعا کو چھپا کر رکھا ہے' تا کہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کر سکوں۔ پس میری اس دُعا کا ہر اس شخص کو فائدہ پہنچے گا جو شرک سے بچ بچا کر زندگی گزار گیا"۔ [1]

یعنی جو شخص شرک سے نہ بچ سکا تو ایسا شخص نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

④ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری آدھی امت جنت میں داخل کی جائے یا میں شفاعت اختیار کروں تو میں نے شفاعت کو چنا اور یہ اس کے لئے ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے"۔ [2]

مشرک بیٹے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی سفارش رد کر دی گئی:

﴿ وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ [سورہ ہود: ١١/ ٤٥، ٤٧]

"اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب سے درخواست کی اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے جواب میں ارشاد ہوا وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے' اس کا عمل اچھا نہیں' پس تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، اختباء النبی دعوة الشفاعة لامنه (٤٩١).

[2] ترمذی، کتاب الزھد، باب منه حدیث تخییر النبی ﷺ ... (٢٤٤١).

جس کا تجھے علم نہیں' میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لے۔نوح (علیہ السلام) نے فوراً عرض کی اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ایسی بات کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں' اگر تو نے مجھے معاف نہ فرمایا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں برباد ہو جاؤں گا''۔

قیامت کے روز مشرک اپنے عقیدے کے باطل ہونے کا خود اعتراف کرینگے:

﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۝ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ [سورہ شعراء : ۲۶/۹۷تا۱۰۲]

''اللہ کی قسم! ہم تو سخت گمراہی میں مبتلا تھے جب تم کو رب العالمین کا شریک ٹھہرا رہے تھے' ہمیں تو (ان) مجرم لوگوں نے ہی گمراہ کیا ہے (جس کا نتیجہ ہے کہ آج) ہمارا کوئی سفارشی ہے نہ جگری دوست۔کاش! ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں''۔

شفاعت کا اسلامی عقیدہ:

رسول اکرم ﷺ دُنیا میں بھی سید الانبیاء ہیں اور آخرت میں بھی سید الانبیاء ہوں گے۔ قیامت کے روز شفاعت کی ابتداء آپ ﷺ سے ہوگی۔اس شفاعت کی تفصیل آپ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمائی ہے۔شفاعت کے صحیح اسلامی عقیدہ کی جتنی وضاحت آپ ﷺ کی بیان کردہ اس حدیث سے ہوتی ہے اتنی کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔لہٰذا ہم شفاعت کے صحیح اسلامی تصور کی وضاحت آپ ﷺ کی بیان کردہ اس حدیث کے حوالے سے ہی کر رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے تمام انسانوں کو ایک ہموار میدان میں جمع فرمائے گا جہاں پکارنے والا انہیں آسانی سے پکار سکے گا اور دیکھنے والا آسانی سے دیکھ سکے گا۔سورج قریب آ جائے گا جس کی وجہ سے پریشانی اور تکلیف ناقابل برداشت ہو جائے گی۔لوگ آپس میں کہیں گے دیکھو! کیسا سخت وقت آن پہنچا ہے۔ کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو تمہارے رب کے حضور سفارش کر سکے (تاکہ حساب کتاب شروع ہو)۔باہمی مشورے کے بعد لوگ کہیں گے کہ ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے۔لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:

''آپ ابو البشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی'

فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا' آج آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں' آپ دیکھ رہے ہیں آج ہم کس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں''۔

حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے:

''آج میرا رب اس قدر غصہ میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا نہ اس کے بعد ہوگا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے (جنت میں) درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا لیکن میں نافرمانی کر بیٹھا جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ (یا اللہ!) مجھے معاف فرما' (یا اللہ!) مجھے معاف فرما۔ تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ' نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ''۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:

''اے نوح علیہ السلام! آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (قرآن مجید میں) شکرگزار بندہ کہا ہے۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں ہماری کیا حالت ہو رہی ہے''۔

حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے:

''آج میرا رب اتنے غصہ میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا' نہ اس کے بعد کبھی ہوگا (میں نے دُنیا میں) اپنی قوم کے لئے بددعا کی (اور وہ ہلاک ہوگئی) اس لئے آج مجھے اپنی جان کی فکر ہے' (یا اللہ!) مجھے معاف فرما۔ (یا اللہ!) مجھے معاف فرما۔ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ''۔

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:

''اے ابراہیم علیہ السلام! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں۔ آپ رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے ہیں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے:

''آج میرا رب اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اس قدر غصہ میں آیا نہ اس کے بعد آئے گا۔ (دُنیا میں) میں نے تین جھوٹ بولے تھے' جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کی فکر ہے (اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہ لے)۔ (یا اللہ!) مجھے بچانا۔ (یا اللہ!) مجھے بچانا۔ میرے علاوہ تم کسی اور کے پاس جاؤ' موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ (شاید وہ تمہاری سفارش کر سکیں)''۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:

''اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت سے آپ کو فضیلت عطا فرمائی' اور آپ سے ہم کلام ہو کر سارے لوگوں پر فضیلت دی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے:

''آج میرا رب اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اس سے پہلے اتنا غصہ میں آیا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غصہ میں آئے گا۔ (دنیا میں) میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا' جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہ تھا' جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ (یا اللہ!) مجھے بچانا۔ (یا اللہ!) مجھے بچانا۔ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ' عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ''۔

چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:

''اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں' اس کا فرمان ہیں جو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اللہ کی روح ہیں۔ آپ نے بچپن کی عمر میں گود میں رہ کر لوگوں سے باتیں کیں' آج ہمارے لئے (اللہ کے حضور) سفارش کر دیجئے۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے:

''آج میرا رب اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی غصہ میں آیا نہ اس کے بعد کبھی ایسے غصہ میں آئے گا''۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی گناہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ جواب میں حضرت عیسیٰ نفسی نفسی کہیں گے اور فرمائیں گے' میرے علاوہ کسی دوسرے کے پاس جاؤ' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیئے ہیں' اپنے رب کے حضور ہمارے لئے سفارش فرما دیجئے۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں ہماری کیا حالت ہو رہی ہے''۔

چنانچہ میں (میدانِ محشر سے) چلوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثناء کے وہ کلمے میرے دِل میں ڈال دے گا جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلائے۔ پھر ارشاد ہو گا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا' سفارش کریں آپ کی سفارش سنی جائے گی''۔

اس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا۔ حساب کتاب کے بعد کچھ لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کچھ لوگ جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ مزید فرماتے ہیں:

''میں اللہ تعالیٰ سے (پھر) سفارش کروں گا اور میرے لئے ایک حد مقرر کردی جائے گی' میں اتنے آدمیوں کو جہنم سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سجدہ میں گر پڑوں گا' پھر اس وقت تک سجدے میں پڑا رہوں گا جب تک اللہ چاہے گا''۔

پھر کہا جائے گا:

''اے محمد (ﷺ)! سر اٹھاؤ' بات کہو سنی جائے گی۔ سوال کرو دیئے جاؤ گے۔ سفارش کرو قبول کی جائے گی''۔

چنانچہ میرے لئے ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ میں (اس کے مطابق) لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور جنت میں لے جاؤں گا۔ (اسی طرح تین چار بار ہوگا' راوی کہتا ہے) مجھے یاد نہیں تیسری یا چوتھی بار سفارش کے بعد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے یا اللہ اب تو جہنم میں کوئی بھی موحد باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے' یعنی جنہیں قرآن کے حکم کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔[1] اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پھر میں اپنے رب سے حاضری کی اجازت مانگوں گا' مجھے اجازت دی جائے گی' اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد وثناء کے وہ کلمے سکھائے گا جو اس وقت میں نہیں جانتا۔ میں ان کلموں سے اس کی حمد وثناء بیان کروں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ ارشاد ہوگا' اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھاؤ' بات کہو سنی جائے گی۔ سوال کرو دیئے جاؤ گے' سفارش کرو مانی جائے گی۔ میں عرض کروں گا' اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ ارشاد ہوگا: ''جاؤ اور جہنم سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دِل میں جو کے برابر ایمان ہے''۔ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار (٦٥٦٥).

گا۔ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کروں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ ارشاد ہوگا: ''اے محمد (ﷺ)! سر اٹھاؤ' بات کہو' سنی جائے گی۔ سوال کرو' دیئے جاؤ گے۔ سفارش کرو' قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا' اے میرے رب! میری امت' میری امت۔ ارشاد ہوگا ''جاؤ ان لوگوں کو جہنم سے نکال لاؤ جن کے دِل میں چیونٹی یا رائی برابر ایمان ہے''۔ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔ پھر (تیسری مرتبہ) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انہیں کلمات حمد سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کروں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ ارشاد ہوگا: ''اے محمد ﷺ! سر اُٹھاؤ' بات کہو سنی جائے گی' سوال کرو دیئے جاؤ گے' سفارش کرو قبول کی جائے گی''۔ میں عرض کروں گا: ''اے میرے ربّ! میری اُمت' میری اُمت''۔ ارشاد ہوگا: ''جاؤ جہنم سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم' بہت کم اس سے بھی کم ایمان ہے''۔ پھر میں ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لاؤں گا''۔ [1]

حدیث شفاعت سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

① قیامت کے روز اللہ اس قدر غضبناک ہوں گے کہ جلیل القدر اور اُولوالعزم انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ سارے کے سارے انبیاء کرام اللہ کی پکڑ اور گرفت سے اس قدر خوف زدہ اور لرزہ براندام ہوں گے کہ اپنی جان کی امان طلب کر رہے ہوں گے۔ جہاں انبیاء کرام کا یہ حال ہوگا وہاں امت کے عام اولیاء' صلحا اور شہداء وغیرہ کا جو حال ہوسکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایسے عالم میں اگر کوئی یہ سمجھ کر بیٹھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھ کر میری سفارش کریں گے یا معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ میری دادرسی کو آئیں گے یا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ مجھے اللہ کی پکڑ سے بچالیں گے یا سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ میری دادرسی کریں گے۔ تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی حاکم اعلیٰ کا کوئی ادنیٰ سا ملازم اپنے حاکم کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہو اور اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوں اور کوئی حاجت مند آ کر اس ادنیٰ ملازم کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے کہ حضور آپ ہی حاکم اعلیٰ کے سامنے میرے سفارشی ہیں۔ آپ ہی میرے حمایتی اور مددگار ہیں۔ غور فرمایئے کیا ایسی صورت حال میں وہ ادنیٰ ملازم واقعی اس حاجت مند کا سفارشی بن جائے گا یا اس کی کچھ حمایت کر سکے گا؟ ظاہر ہے ایسا کرنا تو اس ملازم کے بس میں نہیں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب تعالٰی یوم القیامة.... (٧٥١٠) (٧٤٤٠).

ہوگا البتہ اس سے حاجت مند اپنی ناکامی اور نامرادی کا پورا پورا بندوبست کرلے گا۔

② دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ مقامِ محمود پر فائز ہونے کے باوجود بلا اجازت سفارش نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ اذنِ شفاعت حاصل کرنے کے لئے نامعلوم مدت تک اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں پڑے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے اور اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، اجازت عطا فرمائیں گے۔

غور فرمائیے! اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مقامِ محمود عطا فرمانے کا وعدہ دُنیا میں ہی کر لیا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ کو سفارش کرنے سے پہلے اجازت حاصل کرنی پڑے گی، اس صورت حال میں اس شخص سے بڑا دھوکہ باز اور کون ہوگا جو یہ دعویٰ کرے کہ میں قیامت کے دن اپنے مریدوں کی سفارش کروں گا یا میں اپنے متوسلین کو اللہ سے بخشوالوں گا یا اپنے دامن گرفتوں کو جنت میں لے جاؤں گا اور اس شخص سے زیادہ فریب خوردہ کون ہوگا جو اپنے ''مرشد شفیع'' کے آستانہ پر نذرانوں کے ڈھیر لگا کر یہ سمجھ بیٹھے کہ میری شفاعت کا انتظام تو پکا ہو گیا ہے۔

③ حدیث شفاعت سے تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کو لوگوں کی لا محدود تعداد جہنم سے نکالنے کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ ایک حد مقرر کر دی جائے گی کہ آپ صرف ایمان کے فلاں درجہ والے لوگوں کو جہنم سے نکال سکتے ہیں، گویا آپ کی سفارش کے نتیجہ میں صرف وہی شخص جہنم سے نکلے گا جسے اللہ تعالیٰ نکالنے کی اجازت دیں گے۔ اب لمحہ بھر کے لئے فرض کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سفارش کی اجازت دے دیتے ہیں اور پچاس یا سو مریدوں کے حق میں ان کی سفارش قبول کر لیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہوگا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ ضد کر بیٹھیں یا اللہ! میرے مرید تو لاکھوں کی تعداد میں ہیں میں تو سب کو نکال کر لاؤں گا یا سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اَڑ بیٹھیں کہ میں نے اپنے ہزاروں مریدوں سے وعدہ کر رکھا ہے لہٰذا ان سب کو جہنم سے نکالوں گا؟ ایسا تصور کرنا اور سوچنا اللہ عزوجل اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی اتنی بڑی گستاخی ہے کہ اس سے زیادہ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

④ حدیث شفاعت سے چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سفارش کا فائدہ صرف عقیدۂ توحید پر مرنے والوں کو ہی ہوگا جب جہنم سے سارے موحد نکل آئیں گے تو رسول اکرم ﷺ از خود ہی سفارش سے رک جائیں گے اور فرما دیں گے ''یا اللہ! اب تو جہنم میں وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک دیا ہے''۔ یعنی کافر اور مشرک لوگ۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

الف: اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی نبی، کوئی فرشتہ یا کوئی ولی سفارش نہیں کر سکے گا۔
ب: سفارش کرنے والا صرف اس کے لئے سفارش کر سکے گا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی۔
ج: مشرک کے لئے قطعاً کوئی سفارش نہیں ہوگی۔

چوتھی دفعہ رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کی اجازت نہیں ملے گی:

رسول اللہ ﷺ کو چوتھی مرتبہ شفاعت کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی بے پایاں رحمت اور ذاتی شفاعت سے مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کریں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث شفاعت میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پھر میں چوتھی مرتبہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گا اور پہلے جیسی حمد وثناء کروں گا۔ سجدے میں گر پڑوں گا پھر کہا جائے گا: ''اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھاؤ، بات کہو سنی جائے گی، سوال کرو دیئے جاؤ گے، سفارش کرو مانی جائے گی''۔

میں عرض کروں گا:

''اے میرے رب! مجھے ان لوگوں کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دیجئے جنہوں نے دُنیا میں (صرف) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے:

''یہ آپ کا کام نہیں بلکہ میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہے اسے میں خود جہنم سے نکالوں گا''۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث شفاعت میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور میری امت کے باقی لوگ (جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی) اہل جہنم (کافر اور مشرکوں) کے ساتھ جہنم میں داخل کئے جائیں گے تو اہل جہنم (یعنی کافر اور مشرک مسلمانوں سے) کہیں گے: ''تم لوگ اللہ کی عبادت کرتے تھے لیکن تمہاری وہ (خالص) عبادت تمہارے کسی کام نہ آئی''۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: ''میری عزت کی قسم! میں انہیں آگ سے ضرور آزاد کروں گا''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انہیں جہنم سے نکال لائیں گے۔ وہ لوگ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، چنانچہ انہیں (جنت کے دروازے پر) نہر حیات میں داخل کیا جائے گا اور وہ اسی

---

[1] بخاری، التوحید، باب کلام الرب عزوجل یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرھم (۷۵۰۹)۔

طرح تر و تازہ ہو جائیں گے' جس طرح بیج سیلاب کی مٹی میں اُگتا ہے ان کی آنکھوں کے درمیان یہ الفاظ لکھ دیئے جائیں گے ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں''۔ انہیں لے جایا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اہل جنت انہیں ''جہنمی'' کہہ کر پکاریں گے۔ اللہ تعالیٰ عز و جل فرمائیں گے: ''نہیں! بلکہ یہ تو عتقاء الجبار عز و جل (جبار عز و جل کے آزاد کردہ) ہیں''۔ ❶

اہل بدعت شفاعت سے محروم:

اہل شرک کی طرح اہل بدعت بھی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے اور ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے' میں ان کو پانی پلانے کی کوشش کروں گا کہ میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ میں ان کو بلاؤں گا اور ان کی سفارش کرتے ہوئے کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی اور میرے ساتھی ہیں' ان کو آنے دیا جائے' لیکن اللہ تعالیٰ میری بات قبول نہیں کریں گے اور فرمائیں گے ''آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین کو بدل ڈالا' اور آپ کا طریقہ چھوڑ کر بدعت اختیار کی لہٰذا یہ آپ کی سفارش کے مستحق نہیں ہیں''۔ میں بھی ان بدعتیوں کے لئے لعنت کا اظہار کروں گا اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کروں گا کہ میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ❷

زبردستی شفاعت:

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں' ولیوں' بزرگوں' پیروں اور مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو کہ آج کل کے بعض مسلمانوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھ جائیں گے اور ہمیں بخشوا کر اُٹھیں گے۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جن کو انہوں نے اپنا ولی' پیر اور سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ ضرور بالضرور اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو زور دے کر کہیں گے کہ اس شخص کو چھوڑ دیجئے ورنہ میں روٹھ جاؤں گا۔ جیسے بادشاہ کے وزراءُ امراء اور قریبی ساتھی اپنے دوستوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں' یا جیسے دُنیا میں بغیر اجازت کے سفارش ہوتی ہے کہ سفارش کرنے والا خود بخود جا کر سفارش کرنا شروع کر دیتا ہے اور جس سے سفارش کی جا رہی ہو وہ سفارش کرنے والے کی طاقت' عہدہ یا محبت سے مجبور ہو کر

---

❶ مسند احمد (٣/١٤٤) (١٢٤٩١).

❷ مسلم، كتاب الوضوء، باب استحباب إطالة و التحجيل الوضوء (٥٧٩) (٢٤٦).

اس کی سفارش قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح انبیاء اولیاء جس کی چاہیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی طاقت یا محبت کے آگے مجبور ہو کر ان کی سفارش قبول کر لیں گے۔ (العیاذ باللہ)

یہ سراسر جاہلانہ اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے لوگ اولیاء کے نام پر ذبح کرتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور مختلف خدمتیں کر کے انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر یہ خوش اور راضی ہو گئے تو ہمارا کام بن گیا۔ کیونکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے چھڑا لیں گے۔ حالانکہ ذبح، نذر و نیاز، منت، قربانی وغیرہ عبادتیں ہیں اور عبادت صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ جبکہ ایسے لوگ یہی عبادتیں اولیاء کے نام کی کر کے صریحاً شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ کے ہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔ اللہ کے ہاں شفاعت دوسری قسم کی ہوگی، جس میں شفاعت صرف وہی کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء و شہداء بھی اور بزرگ و صالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا بلکہ یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے اس قدر لرزاں و ترساں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ اڑ رہا ہوگا۔

① ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴾ [الانبیاء: ۲۱/ ۲۸]

"وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے سوائے ان کے جن سے اللہ خوش ہو، وہ تو خود ہیبت الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں"۔

② ﴿ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴾ [الزمر: ۳۹/ ۴۳]

"کیا اس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو کیا وہ شفاعت کریں گے، خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟"۔

③ ﴿ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ [یونس: ۱۰/ ۱۸]

"یہ لوگ اللہ کے سوا اُن لوگوں کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" "اے محمد ﷺ! ان سے کہو، کیا تم اللہ کی اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمینوں میں؟" پاک ہے وہ اور بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔

④ ﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ [البقرہ: ۲/ ۲۵۵]

"کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے"۔

سفارش کون کرے گا؟

انبیاء' فرشتے' مومن اور شہید سفارش کریں گے:

① حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اللہ عزوجل فرمائے گا فرشتے بھی سفارش کر چکے' انبیاء سفارش کر چکے' مومن سفارش کر چکے' اب ارحم الراحمین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا' چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر جہنم سے ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی ہوگی''۔ ❶

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کی فضیلتیں گنوائی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے ستر آدمیوں کی سفارش کا حق دیا جائے گا۔ ❷

③ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے دیدار والی حدیث میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''آج تم لوگ اپنے حق کے لئے جتنا تقاضا (یا مطالبہ) مجھ سے کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ شدید تقاضا مومن (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ سے اس وقت کریں گے جب انہیں اپنے بارے میں اطمینان ہو جائے گا کہ وہ نجات پا گئے ہیں۔ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے' روزے رکھتے تھے اور دوسرے نیک اعمال کرتے تھے (انہیں معاف فرما دیجئے)''۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ''جاؤ جس کے دِل میں دینار برابر ایمان پاؤ اسے نکال لاؤ''۔ اللہ تعالیٰ ان گنہگاروں کے چہرے جہنم پر حرام کر دیں گے۔ پس جب اہل ایمان وہاں آئیں گے تو دیکھیں گے کہ بعض لوگ قدموں تک آگ میں ڈوبے ہوئے ہیں' بعض لوگ نصف پنڈلیوں تک آگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جس جس کو پہچانیں گے' انہیں نکال کر لے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے (اور دوبارہ سفارش کریں گے)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

---

❶ مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الاخرة ربهم سبحانه و تعالیٰ (٤٥٤) (٣٠٢).

❷ ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب فضل الشهادة فی سبیل اللّٰه (٢٧٩٩).

''اچھا جاؤ جس کے دِل میں نصف دینار کے برابر ایمان پاؤ' اسے نکال لاؤ''۔ (چنانچہ یہ لوگ جائیں گے اور) جسے جسے پہچانیں گے' اسے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے (اور پھر سفارش کریں گے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اچھا جاؤ جس شخص کے دِل میں رائی برابر ایمان پاؤ اسے بھی نکال لاؤ''۔ (چنانچہ یہ لوگ جائیں گے اور) جسے پہچانیں گے اسے نکال لائیں گے''۔ ❶

④ اس کے علاوہ روزہ اور قرآن بھی سفارش کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ اور قرآن بھی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: ''اے میرے رب میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور اپنی خواہشات پوری کرنے سے روکے رکھا۔ لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا: ''اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات (قیام کے لئے) سونے سے روکے رکھا لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما''۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی''۔ ❷

اذنِ شفاعت کا مقصد کیا ہے؟

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمام اختیارات کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے' کسی کو معاف کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ شفاعت قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ کسی کو جنت یا جہنم میں بھیجنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے' تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شفاعت کا مقصد کیا ہے؟

شفاعت درحقیقت قیامت کے روز انبیاء' صلحاء' شہداء اور اولیاء کے لئے ایک اعزاز ہوگا جو انہیں اللہ کریم کی طرف سے عطا کیا جائے گا۔ جن گنہگاروں کو اللہ کریم معاف فرمانے کا فیصلہ کر چکے ہوں گے' انہیں از خود جنت میں لے جانے کے بجائے اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو یہ اعزاز عطا فرمائیں گے کہ وہ ان کے لئے سفارش کریں اور انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائیں۔

قیامت کے روز حساب کتاب شروع کرنے کا وقت تو اللہ تعالیٰ نے خود طے کر رکھا ہے جسے آگے پیچھے کرنا کسی کے اختیار میں نہیں' تاہم طے شدہ وقت پر حساب کتاب شروع کرنے کے لئے

---

❶ بخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ (۷۴۳۹).

❷ مسند احمد، طبرانی، صحیح الترغیب والترھیب، للالبانی، رقم حدیث: ۹۷۳.

رسول اکرم ﷺ کو شفاعت (کبریٰ) کا موقع عطا فرمایا جائے گا' جس کا مقصد زمین و آسمان کی ساری مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محترم' سب سے زیادہ مکرم' سب سے زیادہ معتبر اور سب سے زیادہ برگزیدہ ہستی' حضرت محمد ﷺ کو شفاعت کا سب سے بڑا اعزاز ''مقامِ محمود'' عطا فرمانا ہوگا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی شفاعت کبریٰ کے نتیجہ میں ہی حساب کتاب کا آغاز ہوگا۔ ایسی ہی صورت حال دیگر شفاعتوں کی ہوگی۔ انبیاءؑ اولیاء اور صلحاء کو ان کے اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق شفاعت کے مواقع عطا فرما کر لوگوں کے سامنے ان کی عزت افزائی کی جائے گی اور اس بات کی قدر کی جائے گی کہ دُنیا میں انہوں نے اپنے رب کی رضا کے مطابق زندگی بسر کی۔

پس اذن شفاعت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بدلنا نہیں بلکہ انبیاءؑ اولیاء کو اعزاز عطا فرمانا ہے۔ جن جن اولیاء اور صلحاء کی اللہ تعالیٰ عزت افزائی فرمانا چاہیں گے انہیں شفاعت کی اجازت عطا فرمائیں گے' اور شفاعت کرنے والے اپنی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کی اجازت کے مطابق صرف اس گنہگار کے لئے سفارش کریں گے جن کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت فرمائیں گے۔ گویا یہ خالص اللہ تعالیٰ کا انعام اور اعزاز ہوگا جس سے وہ قیامت کے روز اپنے مقرب اور محبوب بندوں کو نوازے گا۔

شفاعت کی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور مؤحد لوگوں پر عنایت کرتے ہوئے انہیں ان لوگوں کی دُعا کی وجہ سے معاف فرما دیتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے از راہ تکریم شفاعت کی اجازت فرمائی ہوتی ہے۔ یعنی شفاعت کی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ نیک لوگوں کی دُعا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''ہر نبی سے مخصوص دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا' چنانچہ ہر نبی نے اس دعا کو اسی دُنیا میں مانگ لیا۔ البتہ میں نے اس دُعاء کو چھپا کر رکھا ہے' تاکہ قیامت کے دِن اپنی اُمت کی شفاعت کرسکوں''۔ ❶

شفاعت کے لئے دُعا کیسے کی جائے:

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ بروز قیامت شفاعت کریں گے۔ لہٰذا ہمیں اس شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرنی چاہئے' لیکن اس کا طریقہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم براہِ راست نبی کریم ﷺ کو پکارنا شروع کر دیں اور ان ہی سے دُعا کرنا شروع کر دیں کہ

---

❶ مسلم، كتاب الايمان، اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لامته (٣٣٤).

''یارسول اللہ ﷺ! ہماری شفاعت کرنا''۔ ایسا کرنے والا غیر اللہ کو پکار رہا ہے' غیر اللہ سے دُعا کر رہا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کر رہا ہے' جو کہ صریحاً حرام اور شرک ہے۔ کیونکہ دُعا اور پکار عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی جائز ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ [الجن: ۷۲/ ۱۸]

''اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''۔

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴾ [الجن: ۷۲/ ۲۰]

''کہہ دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کو آواز دیتا ہوں اور کسی اور کو پکار کر اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا''۔

لٰہذا نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کے خواہشمند کو کچھ اس طرح دُعا کرنی چاہئے:

- ''اے اللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرما''۔
- ''اے اللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ رکھنا''۔
- ''اے اللہ! میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو شفاعت کی اجازت فرمانا''۔

شفاعت کے لئے ضروری شرائط:

قرآن وحدیث کی رو سے جس شفاعت وسفارش کا اقرار واثبات ہے وہ شفاعت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہوگی:

① **شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی** ❁ شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مشروط ہوگی' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ [البقرہ: ۲/ ۲۵۵]

''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے''۔

② **شفاعت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ خود متعین فرمائیں گے** ❁ شفاعت یا سفارش وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ آپ سفارش پیش کریں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ [طٰہٰ: ۲۰/ ۱۰۹]

''قیامت کے روز کوئی سفارش فائدہ نہ دے گی سوائے اس شخص کی سفارش کے جسے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس سفارشی کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند بھی آئے''۔

③ **شفاعت صرف اسی کی ہوگی جسے اللہ تعالیٰ متعین فرمائیں گے** ❁ شفاعت کرنے والے صرف اسی شخص کی شفاعت کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا کہ ان کی میرے سامنے سفارش کرو۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾[الانبیاء : ۲۱/ ۲۸]

''اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کے لئے جس سے اللہ راضی ہو''۔

④ **شفاعت کے حق دار صرف اہل توحید ہوں گے** ✲ شفاعت صرف اہل توحید کو حاصل ہوگی۔ اہل شرک اور اہل بدعت شفاعت سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ شخص میری شفاعت کا حقدار ہوگا جس نے خلوص دِل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیا اور جس کے دِل نے اس کی زبان اور زبان نے اس کے دِل کی تصدیق کی''۔ ❶

⑤ **شفاعت شرک کرنے والے شخص تک نہیں پہنچے گی** ✲ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر نبی کی ایک دُعا ایسی ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے۔ ہر نبی نے جلدی کی اور (دُنیا میں ہی) وہ مانگ لی جبکہ میں نے اپنی دُعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ کر رکھی ہے۔ میری یہ سفارش ہر اس آدمی کو پہنچے گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا''۔ ❷

⑥ اس کے علاوہ اہل بدعت بھی شفاعت سے محروم رہیں گے۔



---

❶ بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث (۹۹).

❷ مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی ﷺ دعوة الشفاعة لامتهٖ (۳٤٠).

باب نمبر 11

قبریں اور اسلام

اس باب میں

* قبر پر مسجد
* مسجد میں قبر اور ان میں نماز کی ادائیگی
* قبروں پر مزار، گنبد اور عمارت
* رسول اللہ ﷺ کی قبر پر عمارت، گنبد اور مسجد
* زیارت قبور اور اس کے آداب
* قبروں پر اجتماع
* شرک فی العبادت
* عرس کی اصلیت
* کل کے بت پرست اور آج کے بت پرست میں فرق اور
* ذبح لغیر اللہ

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

قبریں اوراسلام

قبریں اورمسجدیں:

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے میرے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ایسی قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں''۔ ❶

بت وہ چیز ہے جہاں مشرک لوگ آ کر منتیں مانتے' چڑھاوے چڑھاتے' مرادیں مانگتے' عبادتیں کرتے' نذر و نیاز دیتے' مدد مانگتے' سوال کرتے' دُعائیں مانگتے اور اسے پکارتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی خطرہ تھا کہ کہیں لوگ میری قبر کے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ کرلیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دُعاء کی کہ ''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا''۔ یعنی میری قبر کو ایسی جگہ نہ بنانا جہاں لوگ آ کر عبادتیں کریں۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا:

''لوگو! کان کھول کر سن لو' تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا۔ میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں''۔ ❷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی:

''الٰہی میری قبر کو بت نہ بننے دینا' ان قوموں پر اللہ کی لعنت جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا''۔ ❸

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں ''وثن'' ''صنم'' کا ہم معنی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے' اس کا سجدہ کیا جائے اور خصوصیت کے ساتھ وہاں آ کر عبادت کی جائے۔ کیونکہ جس نے یہ سب کیا وہ شدید غضب خداوندی میں مبتلا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور پوری اُمت کو ان قوموں کی بدعملی اور اس کے برے نتائج سے ڈراتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کی

---

❶ مؤطاء امام مالك، كتاب الصلوٰة، باب جامع الصلوٰة.

❷ مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المساجد على القبور و اتخاذ الصور فيها.... الخ (٥٣٢).

❸ مسند احمد ٣٥٢، حديث ٧٧٧٦. طبقات ابن سعد : ٢/ ٢٤١. مسند حميدى: ١٠٢٥.

طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھیں اور ان کو قبلہ وسجدہ گاہ بنایا' جس طرح کہ بت پرست قومیں اپنے خود ساختہ بتوں کو سجدہ کرتی ہیں اور ان کی تعظیم بجالاتی ہیں۔ یہ شرکِ اکبر ہے' رسول اللہ ﷺ ان باتوں کی برائی ہمیشہ اس لیے بیان فرماتے رہے کہ یہ اللہ کی ناراضگی اور اس کے غیظ وغضب کا باعث ہیں۔ ❶

③ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے' ان پر بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ ❷

اگر قبر پر مسجد بنالی جائے تو وہاں جو عبادت کی جائے گی اس کی نسبت قبر والے کی طرف ہونے کا گمان ہے اور اس مسجد کو اس قبر والے کی وجہ سے زیادہ مقدس سمجھا جانے کا امکان ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمادیا ہے' تاکہ قبر پر یا اس کے آس پاس کوئی آدمی عبادت کا اہتمام نہ کر سکے۔

یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو قبر کے آگے پیچھے یا دائیں بائیں یا قبر والے بزرگ سے محبت کی بنا پر قبر کے قریب ہی مسجد بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ بعض جگہوں پر ایسا ہی ہے کہ قبر یا مزار کے ساتھ اس کے بالکل نزدیک مسجد بنا دی جاتی ہے بلکہ بعض جگہوں پر مسجد اور مزار ایک ہی چار دیواری کے اندر ہوتے ہیں۔ بلکہ مسجد کا نام بھی مزار کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ شریعت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ صریحاً قبروں پر مسجدیں بنانے والا معاملہ ہی ہے۔

قبر پر مسجد بنانا یا مسجد میں قبر بنانا ہم معنی ہیں:

قبر پر مسجد بنانا اور مسجد میں قبر بنانے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ہی صورتیں حرام ہیں۔ کیونکہ قبروں کی تعظیم جو کہ قبر پرستی کا ذریعہ اور پیش خیمہ ہے دونوں صورتوں میں یکساں طور پر موجود ہے۔ اس کی تائید بوقت وفات النبی ﷺ اس حدیث سے ہوتی ہے:

"صحابہ نے مشورہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو مسجد میں دفن کریں' مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی سخت مخالفت کی اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ان قوموں پر اللہ کی لعنت' جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا"۔ ❸

---

❶ فتح الباری لابن رجب حنبلی من الکواکب الداری لابن عروۃ ٦٥/ ٢/٩٠.

❷ جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ لحصیص القبور و الکتابہ علیھا (١٠٥٢) . نسائی، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر (٢٠٢٨).

❸ طبقات ابن سعد: ٢/ ٢٤١.

غور کریں کہ مسجد پہلے سے موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں دفن کرنے پر مشورہ کر رہے ہیں' یعنی مسجد میں قبر بنانے پر بات ہو رہی ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان قوموں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق رائے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی کی بجائے حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا۔

پس مسجد میں قبر بنانے کے مشورہ پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنانا کہ اللہ کی لعنت ہو ان قوموں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق کر لینا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ مسجد میں قبر بنانا اور قبر پر مسجد بنانا' ایک ہی بات ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ناجائز ہیں۔

لہٰذا کسی قبر پر مسجد تعمیر کرنا اور کسی مسجد میں قبر بنانا دونوں ممنوع اور حرام ہیں۔ کیونکہ مسجد میں قبر بنانا قبر پر مسجد تعمیر کرنے کے ہی حکم میں آتا ہے۔ صرف قبر کی تعمیر مسجد کی تعمیر سے پہلے کی بجائے بعد میں عمل میں آئی۔ ممانعت اور حرمت میں دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ جو خرابی قبر پر مسجد تعمیر کرنے میں ہے' بالکل وہی خرابی مسجد میں قبر تعمیر کرنے پر ہے۔

قبر کے اردگرد یا قریب وجوار میں مسجد بنانا بھی قبر پر مسجد بنانا ہی ہے:

قبر پر مسجد تعمیر کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ صرف قبر کے عین اوپر مسجد کی تعمیر منع ہے اور اس کے اردگرد یا آگے پیچھے اور قرب وجوار میں مسجد بنانا جائز ہے۔ کیونکہ قبر کی کل زمین ایک یا دو گز ہوتی ہے' اب ظاہر ہے کہ مسجد ایک یا دو گز کی نہیں ہوتی۔ اس ایک یا دو گز جگہ پر مسجد کی تعمیر روکنے کے کیا معنی؟ مطلب اس کا یہ ہے' قبر کے آس پاس' آگے یا پیچھے یا کسی ایک طرف اس طرح مسجد تعمیر کرنا کہ قبر اس کے اندر ہو چاہے درمیان میں ہو اور چاہے کسی کونے میں ہو۔ یہی قبر پر مسجد بنانا ہے۔ جس سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے' اس پر بیٹھے اور اس پر کچھ تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ "شَرْحُ الصُّدُوْرِ فِيْ تَحْرِيْمِ رَفْعِ الْقُبُوْرِ" میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الجنائز، باب النهي عن تخصيص القبر والبناء عليه (٢٢٤٥).

مذکور کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میں خاص قبر (یعنی اس کی دو گز زمین) کے اوپر بناء وتعمیر سے منع کیا گیا ہے (نہ کہ اس کے اردگرد یا قریب' پاس مشاہد ومساجد تعمیر کرنے سے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی اور کہیں بھی ایسا نہیں دیکھا یا سنا گیا کہ قبروں کی تعظیم میں لوگ خاص قبر پر روضہ یا مسجد تعمیر کرتے ہوں' درحقیقت یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے حکم کا یہ معنی قرار دینا گویا آپ ﷺ پر یہ الزام رکھنا ہے کہ آپ ﷺ عبث اور بے مطلب بات بھی کہتے تھے' العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ منع اسی چیز سے کیا جاتا ہے جو زیر عمل آتی یا آ سکتی ہو' جو ناممکن العمل ہو اس سے روکنا کیا معنی؟...... اور زیر عمل یہی صورت آتی رہی ہے کہ لوگ قبروں کے قریب چاروں طرف سے مساجد اور مشاہد تعمیر کرتے ہیں' حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' خاص قبر کے متصل چاروں طرف ہاتھ دو ہاتھ اونچی دیوار قائم کرنا یا قبر کے اطراف وجوانب میں اس طرح قبے' مساجد اور مشاہد تعمیر کرنا کہ قبر اس کے اندر ہو (بیچ میں یا کسی گوشہ میں) یہ سب عربی زبان ومحاورے کی رو سے بِنَاء عَلَی الْقَبْر کا مصداق ہے' جس سے آنحضرت ﷺ نے بتاکید منع فرمایا ہے''۔ ❶

قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا منع ہے:

① حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر بناء وتعمیر' ان پر بیٹھنے اور ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ ❷

② عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو نہ قبر پر نماز پڑھو''۔ ❸

---

❶ شرح الصدور فی تحریم رفع القبور للشوکانی بحوالہ قبروں پر مساجد اور اسلام از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ص ٤٩ ناشر مکتبہ اسلامیہ۔

❷ مسند ابی یعلیٰ: ٢/ ٦٦۔

جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراهية تحصيص القبور والكتابه عليها ١٠٥٢۔

نسائی، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر ٢٠٢٨۔

❸ معجم کبیر طبرانی: ٣/ ٢/١٤٥ و ٣/ ١/١٥٠۔

③ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ❶

④ ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو''۔ ❷

پس قبر کی طرف رُخ کر کے سجدہ و نماز ادا کرنا قبر پر مسجد بنانا ہے' کیونکہ ہر وہ جگہ مسجد ہے جہاں سجدہ کیا جائے۔ اسی طرح قبر پر مسجد تعمیر کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر کو قبلہ بنا لیا جائے گا' اس کے پاس نماز پڑھنے کو برکت وسعادت کا ذریعہ سمجھا جانے لگے گا اور یہ چیز رفتہ رفتہ قبر ہی کو مسجود و مقصود بنا دے گی۔

ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۳۷۲/۲) میں اس نہی کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے میں صاحب قبر کی غلو آمیز تعظیم پائی جاتی ہے۔ گویا کہ اسے معبود کا درجہ دیا گیا ہے' قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد اگر واقعی قبر یا صاحبِ قبر کی تعظیم ہو تو یہ کفر ہے لیکن اگر نماز اللہ ہی کے لئے پڑھی جائے لیکن قبر کی طرف رُخ کر کے پڑھی جائے تو یہ ایک کافرانہ عمل کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے یہ بھی مکروہ تحریمی اور حرام ہے''۔ ❸

قبروں کی مجاوری (قبروں پر بیٹھنا):

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا قبر پر (مجاور بن کر) بیٹھنے سے، قبر کو پختہ بنانے سے اور قبر پر کوئی عمارت بنانے سے۔ ❹

② صحیح مسلم کتاب الجنائز میں مجاوری کا جو گناہ عظیم ہے، امام مسلم اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کو یوں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد گرامی جناب رسول کریم ﷺ کا...... فرمایا:

''تم میں سے کوئی آگ کے انگار پر بیٹھ جائے وہ انگارہ اس کے کپڑوں کو جلا ڈالے اور پھر اس کی کھال کو جا لگے، یہ تکلیف اس عمل سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی شخص قبر پر (مجاور بن کر) بیٹھ جائے''۔

---

❶ صحیح ابن حبان: ۳۴۳.

❷ صحیح مسلم: کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر و الصلوة علیه (۲۲۵۰).

❸ شرح مشکوٰة: ۳۷۲/۲، مرقاة المفاتیح: ۳۸۹/۲.

❹ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۳۲۲۵، اسناد صحیح.

❺ مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس، (۹۷۱) (۲۲۴۵) (۹۷۰).

③ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نہ قبروں پر بیٹھو، نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو''۔ ❶

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد میں نماز جائز نہیں:

احادیث متقدمہ سے یہ مسئلہ بھی بالکل واضح ہے کہ ان مسجدوں میں جن کے اندر قبر ہو' خواہ وہ قبر پر تعمیر کی گئی ہوں یا ان کے اندر بعد میں قبر بنائی گئی ہو' نماز پڑھنا ناجائز اور ممنوع ہے۔ کیونکہ ان احادیث میں قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی نہی و ممانعت ان مساجد کے اندر نماز پڑھنے کی ممانعت کو مستلزم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اصول یہ ہے کہ وسیلہ و ذریعہ کی ممانعت مقصود بالوسیلہ کی ممنوعیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی کسی شئے تک پہنچنے کے ذریعے سے دور رہنے کی ہدایت کا مطلب و مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شئے بجائے خود ممنوع ہے اس سے دور رہا جائے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اصل مقصود اقامت نماز ہے اور مساجد کی تعمیر اس کا ایک ذریعہ۔ سو جب قبروں پر مساجد تعمیر کرنا ہی ممنوع اور ناجائز ہے تو ان میں نماز پڑھنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع اور ناجائز ہوگا۔

ایک مثال:

مثال کے طور پر جب شریعت نے شراب کی خرید و فروخت سے منع کر دیا تو شراب نوشی کی ممانعت بھی اس نہی میں داخل ہے۔ بلکہ شراب نوشی کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی کہ وہی اصل مقصود ہے اور خرید و فروخت اس کا ایک وسیلہ و ذریعہ۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت کا مقصد اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ہے' جیسے ہر گاؤں اور محلّہ میں مسجدیں تعمیر کرنے کے حکم کا منشا محض مسجدیں بنا دینا نہیں بلکہ اصل مقصد ان میں نماز قائم کرنا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا اس مسجد کے اندر نماز جائز ہے جس میں قبر ہو؟ اور کیا اس مسجد میں لوگ پنج وقتہ نماز باجماعت اور جمعہ کے لئے جمع ہو سکتے ہیں؟ قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے؟ یا اس کو دیوار سے گھیر دیا جائے؟ تو شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ الحمد للہ' تمام ائمہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قبر پر مسجد بنانا حرام ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ہے ''جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ قبروں کو مسجد بنا لیا

---

❶ مسلم، کتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلوٰة (٩٧٢) (٢٢٥٠).

کرتے تھے' خبردار تم ایسا نہ کرنا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "ائمہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی میت کو مسجد میں دفن کرنا ہرگز جائز نہیں ہے' اگر مسجد قبر سے پہلے ہو تو قبر کو تبدیل کر دیا جائے' یا قبر اگر نئی ہو تو نعش کو نکال کر عام قبرستان میں دفن کر دیا جائے اور اگر مسجد بعد میں بنائی گئی ہو تو یا مسجد ختم کر دی جائے یا پھر قبر کی صورت زائل کر دی جائے۔ بہر کیف وہ مسجد جس میں قبر ہو اس میں فرض ونفل کوئی نماز جائز نہیں ہے' یہ شرعاً بالکل ممنوع ہے"۔ ❶

تقرب الٰہی کی نیت سے قبر کے نزدیک نماز درست نہیں:

نماز اللہ کے لیے پڑھی جائے' لیکن اولیاء و مشائخ کی مزاروں پر پڑھی جائے' یہ بھی درست نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسے شرکِ خفی سے تعبیر فرماتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: "احبار و رہبان" (علماء و مشائخ) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ بتوں کی طرح قبروں کو سجدہ کیا جائے' یہ شرک جلی ہے' یا ان قبروں میں تقرب الی اللہ کی نیت سے نماز پڑھی جائے اور یہ شرکِ خفی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا" کا یہی معنی و مفہوم ہے۔ ❷

یعنی اگر قبروں کو سجدہ کیا جائے تو وہ شرکِ جلی ہے' لیکن سجدہ تو خدا کو کیا جائے نماز خدا کی پڑھی جائے' لیکن بزرگوں کی قبروں کے نزدیک پڑھی جائے' تاکہ برکت ہو' ان بزرگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو' اور اجر و ثواب میں زیادتی ہوگی' تو یہ شرکِ خفی ہے۔ شاید اسی لیے مقبروں میں نماز حرام ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زمین تمام کی تمام مسجد ہے سوائے مقبرہ اور حمام کے"۔ ❸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز سے نہی فرمائی ہے ان میں سے ایک مقبرہ ہے۔ ❹

فقہ حنفی کی معتبر کتاب ردّ المختار میں مرقوم ہے: "بتوں کی عبادت کی اصل وجہ نیک لوگوں کی

---

❶ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱/ ۱۰۷، ۲/ ۱۹۲، ۲۲/ ۱۹٤.

❷ حجۃ اللّٰہ البالغۃ، جلد اوّل باب المساجد بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۳۵۹، ناشر مکتبہ عمر فاروق.

❸ ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء ان الارض کلما مسجد الا المقبرہ والحمام (۳۱۷).

❹ ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ ما یصلی الیہ وفیہ، ۳٤٦.

ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب المواقع التی نکرہ فیھا الصلوٰۃ، ۷٤٦.

قبروں پر مسجدیں بنانا ہے"۔ ❶

قبروں پر مزار' گنبد اور عمارت:

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے' اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔ ❷

② حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے' ان پر بیٹھنے اور نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ ❸

اونچی قبریں:

① ابوالہیاج اسدیؒ نے کہا کہ مجھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسے کام کے لئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا اور وہ یہ کہ ہر تصویر اور مورتی مٹا دوں اور ہر اونچی قبر کو (عام قبروں کے) برابر کر دو۔ ❹

② حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کچھ ساتھیوںؓ کے ساتھ روم کی سرزمین پر تھے کہ وہاں ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے ان کی قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا' چنانچہ اسے برابر کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے کہ آپ ﷺ قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے"۔ ❺

③ عبداللہ بن شرحبیل بن حسنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ قبروں کو برابر کر دینے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ آپ کی صاحبزادی ام عمرو کی قبر ہے۔ آپ نے اسے بھی برابر کر دینے کی تاکید فرمائی سو اسے بھی برابر کر دیا گیا۔ ❻

---

❶ اکمل البیان: ٤٥ بحوالہ کلمہ گو مشرک ص ٨٨ ناشر مکتبہ دعوۃ الاسلامیہ لاہور.

❷ مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن تحصیص القبر والبناء علیه (٢٢٤٥).

❸ ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء والنهی عن البناء علی القبور (١٥٦٤).
مسند ابی یعلی ٢/٦٦، ٢/٢٩٧ (١٠٢٠).
مجمع الزوائد ٣/٦١.

❹ مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر (٩٦٩).

❺ مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر (٩٦٨).

❻ مصنف ابن ابی شیبه: ٤/ ١٣٨ـ مخطوطه مکتبه ظاهریه دمشق.

یہ احادیث اس بات کی بہت بڑی دلیل ہیں کہ شرعی مقدار سے زیادہ اونچی قبر کو عام قبروں کے برابر کر دینا واجب اور لازم ہے۔ قبروں کو شرعی حد سے بلند بنانا' ان کے اوپر یا آس پاس مسجد بنانا' قبر کے اوپر عمارت مثلاً گنبد' مزار' قبہ وغیرہ تعمیر کرنا منع ہے۔ شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ایسی قبروں کو برابر کرنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ لہٰذا جن آستانوں' مزاروں اور گدیوں پر جو بڑی بڑی عمارات' گنبد اور قبے وغیرہ بنائے گئے ہیں یہ سراسر ناجائز ہیں۔ ان سب کو گرانا واجب اور ضروری ہے اور تمام اونچی قبروں کو عام قبروں کے برابر کرنا لازمی ہے۔

واضح رہے قبر کو بالشت دو بالشت اونچی بنانا کہ وہ ممتاز رہے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو مشروع ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے۔ یہ شریعت کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ قبریں جو مشروع حد سے زیادہ اونچی ہیں انہیں عام قبروں کے برابر کر دینا چاہیے اور قبر پر جو بنا و تعمیر ہو یعنی قبہ وغیرہ ہو اسے ڈھا دیا جانا چاہئے۔

حنفی علماء کی صراحت:

1. چنانچہ ملا علی قاری حنفی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قبر پر جو بناء و تعمیر وغیرہ ہو اسے زمین کے برابر کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اونچائی کو نہیں جو قبر کی علامت اور حفاظت کی خاطر ہوتی ہے۔ الازھار میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا: قبر کو بالشت دو بالشت بنانا مستحب ہے' اس سے اونچی بنانا مکروہ ہے بلکہ اس سے اونچی ہو تو اسے ڈھا دینا مستحب ہے"۔ [1]

2. امام فخر الدین قاضی خاں حنفی فرماتے ہیں:

"یعنی قبر کو پختہ نہ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے' چاندی کے پانی سے مرصع کرنے اور اس کے اوپر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ بناء سے مراد ایسا قبہ ہے جیسا کہ ہمارے دیار میں قبروں پر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قبر کو پختہ کرنے' اس کی لپائی کرنے' اس پر عمارت بلند کرنے اور قبہ وغیرہ بنانے سے روکا ہے"۔ [2]

---

[1] مرقاۃ: ۲/ ۳۷۲۔ تحفۃ الاحوذی: ۲/ ۱۵٤، وقاۃ المفاتیح: ٤/ ۱۰۰.

[2] فتاویٰ قاضی خاں، برحاشیہ عالمگیری ص ۱۹٤ ج ۱ طبع حافظ کتب خانہ کوئٹہ ۱۹۸٤ء بحوالہ دین الحق حصہ دوئم ص ۲۷٦ ناشر مکتبہ عزیزیہ لاہور.

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم اس بات کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے اور ہم مکروہ سمجھتے ہیں کہ قبر پختہ بنائی جائے یا اس پر لپائی کی جائے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو مربع بنانے سے منع فرمایا ہے۔ یہی میرا اور میرے استاذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے''۔ ❶

علامہ ابن عابدین درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ قبر پر عمارت بنانے کو مکروہ جانتے تھے۔ خواہ مکان ہو یا گنبد یا اسی طرح کی کوئی اور چیز۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے' اس پر لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اسے روایت کیا ہے امام مسلم وغیرہ نے''۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر' عمارت' گنبد اور مسجد:

سوال یہ ہے کہ قبر پر عمارت کی تعمیر اور قبر کے مسجد کے اندر ہونے کی ممانعت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر عمارت کیوں ہے؟ اس پر گنبد کیوں ہے؟ اور یہ قبر مسجد نبوی کے اندر کیوں ہے؟ ان سب باتوں کی وجوہات ترتیب وار پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور عمارت:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر عمارت کیوں موجود ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کے متعلق یہ دُعاء فرمائی تھی:

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا''۔ ❸

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میری قبر کو عید (یعنی عرس و میلہ کی چیز) مت بنالینا''۔ ❹

---

❶ کتاب الآثار ص ٤٩ طبع کتب خانه مجیدیه، الاثار المحمدبن الحسن، باب تسنیم القبور و تحصیصها ١/ ٢٣٠ (٢٥٤).

❷ ردالمحتار ٢/٢٥٧، فتاویٰ شامی ص ٢٣٧ ج ٢.

❸ موطا امام مالك، کتاب الصلٰوة، باب جامع الصلٰوة.

❹ ابوداؤد، کتاب المناسك، باب زیارة القبور (٢٠٤٢).

جس قبر پر کسی قسم کی عبادت مثلاً قیام' دُعاء' پکار' طواف' منت یا نذر و نیاز وغیرہ کی جائے وہ بھی بت کے زمرے میں شامل ہو جاتی ہے' اور اسی چیز سے بچنے کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی قبر کو نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ کو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر دفن کیا گیا تاکہ کوئی آدمی آپ ﷺ کی قبر پر آ کر کسی قسم کی عبادت کا اہتمام نہ کر سکے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے جو کہ صحیح بخاری میں مذکور ہیں:

"ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ فوت ہوئے' فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں' اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا جائے گا تو آپ ﷺ کی قبر لوگوں کے سامنے کھلی جگہ پر نمایاں ہوتی' چار دیواری کے اندر نہ ہوتی"۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کس وجہ سے گھر کے اندر دفن کیا گیا' یعنی ان لوگوں کا سدباب کرنے کے لئے جن سے خطرہ تھا کہ مستقبل میں آپ ﷺ کی قبر پر عبادت شروع کر دیں گے اور اسے عبادت گاہ بنا لیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت بھی اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر کو مسجد اور سجدہ گاہ بنانے کا خطرہ نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی قبر کھلی جگہ پر نمایاں ہوتی' حجرہ کے اندر نہ ہوتی' وہ روایت کچھ یوں ہے:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور ﷺ کو مسجد نبوی میں دفن کریں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (عین وفات کے وقت) جبکہ حضور ﷺ میری جھولی میں سر اقدس رکھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا"۔ لہٰذا مسجد میں حضور ﷺ کو دفن نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حضور ﷺ کی قبر کو بھی سجدے کرنے لگیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ حضور ﷺ کو اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں۔ ❷

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وضاحت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خیال کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیان سے بھی

---

❶ بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبیؐ وی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

❷ طبقات ابن سعد، جلد دوم، صفحہ ۲۴۱.

ہوتی ہے۔ زنجویہ نے بہ طریق عمر مولیٰ غفرہ روایت کیا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے تدفین کے متعلق باہم مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے یہ رائے دی کہ ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ دفن کریں جہاں آپ نماز پڑھتے تھے''۔ یعنی مسجد میں۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور فرمایا: ''پناہ بخدا کہ ہم آپ کی قبر کو بت اور آستانہ بنا دیں، جس پر رسوم بندگی ادا کی جائیں'' (یعنی ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو قبلۂ حاجات اور مقصود و مسجود بنا لیے جانے کا خطرہ ہے) تو کچھ دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا جائے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی مہاجرین مدفون ہیں''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا: ''ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی جگہ قبرستان میں بنا دی جائے کہ لوگ اس سے لپٹنا اور وہاں دعا و التجا شروع کر دیں۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس سے دُعا و التجاء کی جائے اور اللہ کا حق رسول کے حق سے برتر و بالا ہے۔ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھلی فضا میں بنا دیں گے تو اس طرح اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور پھر اس برائی کے ازالہ کے لیے اگر ہم قبر سے جسم اطہر کو نکال کر کسی بند جگہ لے جانا چاہیں گے تو قبر شریف کو کھودنے کی جسارت کون کرے گا؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو آپ کی کیا رائے ہے۔ تب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ قُبِضَ رُوحُهُ)). ❶

''ہر نبی وہیں دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی''۔

یہ سن کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''واللہ آپ نے انتہائی معقول اور تسلی بخش صورت بیان فرمائی''۔ چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے چاروں طرف نشان لگایا اور حضرت علی، حضرت عباس و حضرت فضل بن عباس اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم نے وہاں سے چارپائی اُٹھائی اور ٹھیک چارپائی کی جگہ قبر کھودی گئی''۔ ❷

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کی بجائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے (چار دیواری) میں اسی لیے دفن کیا گیا تا کہ کوئی شخص آ کر وہاں نماز نہ پڑھے اور اسے

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، ذكر وفاته و دفنه (١٦٢٨) و طبقات ابن سعد جز الوفات: (٢/ ٢٣١).

❷ جامع كبير سيوطى: ٣/ ١٤٧/ ٢١١.

مسجد نہ بنالے کہ اس طرح آپ کی قبر بت بن جاتی"۔ ❶

چار دیواری کے اندر دفن ہونا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے:

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ چار دیواری کے اندر دفن ہونا رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور کے لئے چار دیواری کے اندر قبر بنانا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"انبیاء کرام علیہم السلام جہاں فوت ہوں وہیں دفن کئے جاتے ہیں"۔ ❷

لہٰذا چونکہ نبی کریم ﷺ نے حجرۂ عائشہ صدیقہؓ کے اندر وفات پائی اس لئے انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

ایک حنفی عالم کی وضاحت:

جید حنفی عالم علامہ شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کوٹھوں میں دفن کرنا اموات کو مکروہ ہے ہے کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے"۔

مزید لکھتے ہیں:

"جس کوٹھے میں کوئی مرے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا' اسے اس کوٹھے میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کا خاصہ ہے' بلکہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے"۔ ❸

پہلے پہل قبر مسجد کے اندر نہ تھی:

اگرچہ آج نبی کریم ﷺ کی قبر مسجد نبوی کے اندر نظر آ رہی ہے لیکن عہد صحابہ میں ایسا نہ تھا' کیونکہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو اس حجرہ میں دفن کیا تھا جو مسجد کے پہلو میں تھا۔ اس وقت حجرہ مسجد میں شامل نہ تھا۔ مسجد اور حجرہ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ اس میں ایک دروازہ تھا جو مسجد میں کھلتا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس سے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ یہ ہے اصل صورت واقعہ جو کہ متفق علیہ ہے۔

---

❶ العقود الدرية، ص: ٣٣٨، ١/٣٥٤.

❷ طبقات ابن سعد، حز الوفات: ٢/ ٢٣١.

سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته و دفنه (١٦٢٨).

❸ ندائے حق، جلد ۱ صفحہ ۴۶۷۔ مراقی الفلاح۔ نور الادصناح و نحاة الارواح، كتاب الصلوٰة، باب احكام الجنائز فصل فی حملها و دفنها ١/٩٨۔

یعنی دورِ نبوت اور خلفائے راشدین کے دور تک حجرہ اور قبر ہرگز ہرگز مسجد میں شامل نہیں تھی۔ مسجد کی عمارت علیحدہ تھی اور حجرہ اور قبر کی عمارت علیحدہ تھی۔

قبر مسجد میں کب شامل کی گئی:

نبی کریم ﷺ کو حجرہ کے اندر دفن کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر مصلحت یہ تھی کہ ان کے بعد بھی کوئی قبر نبوی کو سجدہ گاہ نہ بنا سکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تفصیل گزر چکی ہے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد وہ کچھ ہوا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ ہوا یہ کہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر جدید کے لئے مسجد کو گرانے اور ازواج مطہرات کے حجروں کو اس میں شامل کرنے کا حکم دے دیا اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا (جس میں آنحضرت ﷺ مدفون تھے) کو بھی مسجد میں داخل کر دیا گیا' اس طرح قبر نبوی مسجد کے اندر آ گئی۔ [1]

اس واقعہ کے وقت مدینہ منورہ میں صحابہ میں سے کوئی بھی حیات نہ تھا' جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ موجود تھے' یہ ان کا وہم ہے۔ علامہ حافظ محمد بن عبدالہادی تحریر فرماتے ہیں:

حجرۂ نبوی کو مسجد شریف کے اندر ولید بن عبدالملک کی خلافت میں داخل کیا گیا' اس وقت مدینہ منورہ کے تمام صحابہ دُنیا سے رُخصت ہو چکے تھے' مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں' ان کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی اور ولید بن عبدالملک ۸۶ھ میں خلیفہ ہوا اور ۹۶ھ میں اس کی وفات ہوئی ہے' اس لیے مسجد نبوی کی تعمیر جدید اور حجرہ شریفہ کو اس کے اندر داخل کرنے کا واقعہ ۸۶ھ اور ۹۶ھ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ [2]

پھر حقیقت تو یہ ہے کہ مقصود حجرہ شریفہ کو مسجد نبوی میں داخل کرنا نہیں تھا بلکہ مقصود بالذات مسجد کی توسیع تھی' اس سلسلہ میں ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں شامل کیا گیا تو حجرہ عائشہ بھی جس میں آپ ﷺ کی قبر شریف ہے مسجد کے اندر آ گیا' اس پر بعض سلف (مثلاً سعید بن مسیب) نے اسی وقت اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما دیا تھا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ (۹/ ۷۵) میں قبر شریف کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی تاریخ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''روایت ہے کہ سعید بن مسیب نے حجرۂ عائشہ کو مسجد نبوی

---

[1] تاریخ ابن جریر: ۵/ ۲۲۲، ۲۲۳.

تاریخ ابن کثیر: ۹/ ۷٤/ ۵، تاریخ الطبری ۳/٦٧٦.

[2] الصارم المنکی ۱۳٦، ۱۳۷، ۱/۱۵۱.

میں داخل کرنے پر نقد و انکار کیا تھا' انہیں ڈر تھا کہ قبر مسجد نبوی میں آ گئی تو اس کو سجدہ گاہ بنالیا جائے گا''۔ [1]

مسطورہ بالا تفصیل و تحقیق سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ حجرۂ عائشہ کو جس میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف ہے مسجد نبوی میں شامل کرنے کی غلطی ولید بن عبدالملک نے کی ہے اور اس وقت صحابہ کرام میں سے کوئی مدینہ میں حیات نہ تھا۔ نیز یہ عمل صحابہ کی اس منشا کے بالکل خلاف ہوا جو نبی کریم ﷺ کو حجرۂ مبارکہ کے اندر دفن کرنے میں ان کے پیش نظر تھا' اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد (قبر نبوی کے ساتھ) جو کچھ ہوا اسے دلیل بنائے' کیونکہ یہ تبدیلی احادیث صحیحہ اور ان سے صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے جو کچھ سمجھا تھا اس کے بالکل خلاف ہے۔ نیز یہ خلفاء راشدین حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے جب مسجد نبوی کی توسیع کی تھی تو قبر نبوی کو مسجد میں داخل نہیں کیا تھا' اس لیے ہم قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے قبر نبوی کو مسجد میں داخل کر کے غلطی کی ہے' اللہ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ اسے مسجد نبوی کی توسیع کرنی ہی تھی تو حجرۂ مبارکہ سے کوئی تعرض کیے بغیر دوسری جہات میں کر سکتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے صاف فرما دیا تھا کہ حجرۂ نبوی کی طرف توسیع نہیں کی جا سکتی۔ [2]

کیونکہ اسے شامل مسجد کرنے سے وہ مخدور لازم آ کے رہے گا' حدیثوں میں جس سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

قبر نبوی کے ساتھ سلف و خلف کا رویہ:

احادیث نبویہ اور سنت خلفاء راشدین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب لوگوں نے قبر نبوی کو مسجد نبوی میں داخل کیا تھا تو انہوں نے بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ خلاف ورزی حتی الامکان کم ہو۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم (۵/۱۴) میں فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ کے اندر مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کے سبب جب صحابہ و تابعین نے مسجد نبوی میں اضافہ و توسیع کی ضرورت محسوس کی اور اتنا اضافہ امہات المومنین کے حجرے بشمول حجرۂ عائشہ جو رسول اللہ ﷺ اور صاحبین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی آرام گاہ ہے' مسجد نبوی میں شامل کر لیے گئے' تو قبروں کے اردگرد چاروں طرف ایک مدور بلند دیوار تعمیر کر دی گئی' تا کہ مسجد نبوی کے اندر قبر ظاہر نہ ہو کہ عوام اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں اور کوئی خرابی پیدا ہو۔ پھر قبر شریف کے شمالی گوشوں پر دو دیواریں منحنی صورت میں بنا دی گئیں اور ان کو ملا دیا گیا

---

[1] بحوالہ قبروں پر مساجد اور اسلام ص ۷۷ از علامہ ناصر الدین البانی ناشر مکتبہ اسلامیہ۔

[2] طبقات: ٤/ ٢١. ابن عساكر: ٨/ ٤٧٨.

تا کہ کسی کے لیے قبر نبوی کا استقبال ہی ممکن نہ ہو۔ یہ تفصیل امام قرطبی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے' اسے حافظ ابن حجر حنبلی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے''۔ ❶

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الجواب الباہر فی زوار المقابر (۹/۲) میں تحریر فرماتے ہیں: ''حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب مسجد میں شامل کیا گیا تو اس کے دروازہ کو بند کر دیا گیا اور اس کے گرد ایک اور دیوار قائم کر دی گئی تا کہ حجرہ درگاہ اور قبر بت بننے سے محفوظ رہیں''۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور گنبد:

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گنبد کیوں ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گنبد کی تعمیر کئی سو سال بعد عمل میں آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی حکم جاری نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جو چیز دین اور شریعت مکمل ہونے کے کئی سو سال بعد وجود میں آئی ہو اسے شرعی دلیل بنانا قطعاً ثابت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جسم اطہر کو حجرۂ مقدسہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی یہیں دفن ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ میں ایک دیوار بنا کر قبور کا حصہ الگ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجرۂ مبارکہ کی مرمت کرائی۔ اُس وقت قبریں اپنی حالت پر کچی تھیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں مغربی دیوار گر گئی۔ خلیفہ نے ابن مزاہم کو مرمت کا حکم دیا۔ حجرہ صاف کرایا گیا اور دیوار بنا دی گئی۔ اس وقت حجرہ شریف مربع تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے حکم دیا کہ حجرہ مسجد میں شامل کیا جائے۔ مدینہ منورہ کے علماء اسے ناپسند کرتے تھے' ان کا خیال تھا کہ قبور مسجد میں نہ آئیں بلکہ الگ رہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے شمال کی طرف ایک زاویہ بڑھا کر حجرہ کی مربع عمارت کو مخمس کر دیا۔ قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ خیال تھا کہ زاویہ شمال کی طرف ہونے سے قبر شریف کو سجدہ نہیں ہو سکے گا۔

اس کے بعد حجرہ کی ہمیشہ ترمیم ہوتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو قائم رکھنے کے جذبہ کی وجہ سے اکثر مرمت پر کفایت کی گئی۔ علامہ علی بن عبداللہ سمہودی نے وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ میں اسے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

---

❶ الکواکب الداری: ٦٥/ ١/٩١، بحوالہ قبروں پر مساجد اور اسلام از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ص ٧٧، ناشر مکتبہ اسلامیہ۔

❷ حوالہ سابقہ۔

حجرۂ مسجد میں شامل ہونے کے بعد حجرہ پر اینٹوں کی جالی لگا دی گئی۔ حجرہ کی چھت مسجد کی چھت سے مل گئی۔ اس کے بعد منصور بن قلادون صالحی ۶۷۸ھ نے جالی کی جگہ لکڑی لگا دی' لکڑی کا جنگلہ نیچے سے مربع تھا اوپر سے مثمن (آٹھ کونہ) کر دیا گیا۔ اسے قبہ رزاق کہتے تھے۔ یہ کمال الدین بن احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورہ سے کیا گیا۔ مگر اس وقت کے اہل علم نے اسے ناپسند کیا۔ چنانچہ جب کمال الدین کو معزول کیا گیا تو عوام نے اسے قبہ سازی کی پاداش سمجھا۔

جب یہ خستہ ہو گیا تو ملک ناصر حسن بن محمد قلادون نے اس کی مرمت کی۔ پھر ۷۶۵ھ میں ملک اشرف بن حسین شعبان نے اس کی مرمت کی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا' یہاں تک کہ موجودہ گنبد خضریٰ کی تعمیر عمل میں آئی۔ ان ترمیمات کا مفصل تذکرہ علامہ سمہوی نے قریب ایک سو صفحات میں کیا ہے۔

یہ تغیرات ملکی اور تعمیری مصالح کی بناء پر ہوتے رہے۔ ان کی بنیاد حضور ﷺ کے کسی ارشاد یا وصیت کی بناء پر نہیں تھی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں کوئی اثر اس کے ثبوت میں پایا جاتا ہے۔ گنبد خضراء کی عمارت کو دوسری قبروں کے گنبدوں اور قبوں کے لئے دلیل بنا کر پیش کرنا عقل و نقل کسی اعتبار سے درست نہیں۔ قبہ مبارک کے ان تغیرات کی کوئی شرعی سند نہیں۔

شریعت اس چیز کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت اور حدیث میں لوگوں کو بتائی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی قبر پر گنبد وغیرہ کی تعمیر کا حکم نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں دیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حکم نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔ بلکہ یہ گنبد نبی کریم ﷺ کی وفات کے کئی سو سال بعد معرضِ وجود میں آیا۔

انبیاء و اولیاء کے اس دُنیا سے چلے جانے کے بعد ان سے متعلقہ شروع ہو جانے والے تمام کام جائز اور درست نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں بعض کام سراسر ناجائز اور حرام ہوتے ہیں' جیسا کہ مشرکین مکہ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ کیا کہ ان کے بت بنا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیئے اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا گیا۔ اب ظاہر ہے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے تو انہیں ان حرام کاموں کی تعلیم نہیں دی تھی۔ یہ تو ان کے اپنے ذہن کی غلط سوچ کا نتیجہ تھا۔ کیا ان کے اس سراسر ناجائز اور حرام کام کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور کیا ان کے اس غلط اور حرام کام کو شریعت کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر گنبد کی تعمیر کو قطعاً شریعت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور اس گنبد کو دوسری قبر کے گنبد اور قبوں کے لئے دلیل بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ گنبد کسی شرعی حکم کی بنا پر تعمیر

نہیں کیا گیا۔

محققین علماء احناف نے قبروں کے ساتھ اس معاملہ کو صراحۃً ناجائز فرمایا ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا:

''اولیاء کی قبروں کو اونچا کرنا' ان پر گنبد بنانا' عرس کرنا' چراغ جلانا بدعت ہے۔ ان میں بعض بدعات مکروہ (تحریمی) ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے قبر پر چراغ جلانے والے اور سجدہ کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے' اور فرمایا: نہ میری قبر پر میلہ لگے نہ اس پر مسجد بنائی جائے۔ نہ ایسی مساجد میں نماز ادا کی جائے۔ نہ کسی مقررہ تاریخ میں وہاں اجتماع کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اُونچی قبروں کو برابر کر دیں اور جہاں تصویر دیکھیں اسے مٹا دیں''۔

مسجد نبوی میں نماز:

احادیث کی رو سے ایسی مسجد (جس کے اندر قبر ہو) میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ چاہے قبر پہلے سے ہو اور مسجد بعد میں بنائی گئی یا مسجد پہلے بنائی گئی ہو اور قبر بعد میں بنائی یا داخل کی گئی ہو۔ اس حکم سے کوئی مسجد مستثنیٰ نہیں سوائے مسجد نبوی کے۔ کیونکہ مسجد نبوی کی فضیلت کی احادیث علیحدہ سے موجود ہیں۔ اور مسجد نبوی کو یہ فضیلت اس میں قبر نبوی ﷺ بننے سے پہلے کی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے' سوائے مسجد حرام کے''۔ [1]

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میرے گھر اور میرے منبر والی جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے''۔ [2]

پس مسجد نبوی اپنی ان خصوصیات اور دیگر فضیلتوں کی وجہ سے اس حکم عام سے کہ جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز مکروہ ہے' مستثنیٰ ہے۔

کیونکہ مسجد نبوی کو جو فضیلتیں حاصل ہیں وہ اس میں حجرہ مبارک اور قبر نبوی کے داخل کئے جانے کے پہلے ہی سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ گمان کرنا مسجد نبوی کو فضیلت قبر نبوی کی وجہ سے حاصل ہے' خام خیالی ہے۔

---

[1] مسلم، کتاب الحج، فضل الصلٰوة بمسجدی مکة والمدینة، رقم ٣٣٧٤.

[2] مسلم، کتاب الحج، باب فضل ما بین قبره ﷺ و منبر و فضل موضوع منبره (٣٣٦٨).

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح:

یہ بات شیخ الاسلام نے اپنی کتاب الجواب الباهر فی زوار المقابر میں صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔فرماتے ہیں:

''ان تمام مساجد کے اندر نماز ممنوع ہے جس میں کوئی قبر ہو' بخلاف مسجد نبوی کے کہ اس میں نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور اس کو یہ حرمت وفضیلت آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی حاصل تھی اور خلفاء راشدین کے عہد سعید میں بھی' جبکہ حجرۂ مبارکہ جس میں قبر نبوی ہے مسجد شریف میں داخل نہیں تھا۔ حجرۂ مبارکہ کو مسجد نبوی میں صحابہ کرام کا مبارک عہد گزر جانے کے بعد شامل کیا گیا''۔ ❶

کتاب مذکور میں دوسری جگہ (۶۷/ ۱، ۶۹/۲) لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی کی فضیلت اس میں حجرہ مبارکہ کو شامل کئے جانے سے پہلے ہی سے ثابت ہے' اس کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ خاتم النبیین' سید المرسلین ﷺ نے بنفس نفیس اس کی تاسیس وتعمیر فرمائی تھی کہ خود آپ ﷺ اور قیامت تک آنے والے مؤمنین اس کے اندر نماز ادا فرمائیں' پس اس مسجد شریف کی فضیلت نبی ﷺ کی نسبت سے ہے' اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اس مسجد کے اندر نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے' سوائے مسجد حرام کے''۔ ❷

پھر اسی کتاب میں ایک اور جگہ (۵۵/ ۱، ۲) تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مسجد نبوی کو جس میں کہ نبی کریم ﷺ اور مہاجرین وانصار نماز پڑھتے رہے' کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی بلکہ اس کو فضیلت اس وقت حاصل ہوئی جب ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں قبر نبوی کو مسجد میں داخل کیا گیا' سو ایسا اعتقاد رکھنے والا انتہائی جاہل ہے' بلکہ مرتد اور قابل گردن زنی ہے' کیونکہ وہ حدیث رسول کی تکذیب کر رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے' دعا وعبادت کرتے تھے اور اس کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے' آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی ان کا یہی عقیدہ رہا' آپ ﷺ کی تعلیم کردہ شریعت کے علاوہ کوئی نئی شریعت ان کے لیے

---

❶ الجواب الباهر فی زوار المقابر ص ۲۲/۲، ۱۰/۱، ۷۴.

فتاویٰ ابن تیمیه ۲۷/۴۲۳، ۲۷/۴۰۰.

❷ مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلوٰة بمسجدی مكة والمدينة (۳۳۷۴).

نہیں آئی' بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو صحابہ کو اس بات سے کہ آپ ﷺ کی قبر کو درگاہ بنایا جائے یا کسی کی قبر کو مسجد بنایا جائے صراحتاً وتاکیداً منع فرما دیا تھا' تا کہ شرک کا سد باب اور روک تھام ہو سکے"۔ ❶

زیارت قبور:

پچھلی امتوں کو شرک میں مبتلا کرنے میں قبروں کا بہت بڑا حصہ ہے' اسی لئے نبی کریم ﷺ نے شروع میں لوگوں کو قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا۔ بعد میں جب اجازت دی تو اس کے ساتھ یہ پابندی لگا دی کہ کچھ مانگنے کے لئے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لئے قبروں کی زیارت کی جائے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ظاہر ہے۔

① حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا۔ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت یاد دلاتی ہیں"۔ ❷

② حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا' لیکن اب اجازت دیتا ہوں' کیونکہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے"۔ ❸

③ جبکہ مسلم میں ہے کہ قبریں موت یاد دلاتی ہیں۔ ❹

زیارت قبور کے آداب:

عام قبروں کی زیارت مسنون ہے۔ قبر پر جائے تو دُعاء مسنون پڑھے۔ الفاظ آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں۔ اختلاف کے باوجود ان میں ایک چیز قدرِ مشترک ہے۔ ان دعاؤں میں صاحب قبر کے لئے دُعاء کی گئی ہے' صاحب قبر سے کچھ نہیں مانگا گیا۔ اس ادب کا ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے یا کسی دوسرے کے لئے دُعاء کرنا عبادت ہے۔ جب یہ دُعاء کسی دوسرے سے کی جائے تو یہ اس کی عبادت ہوگی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

---

❶ حواله سابقه.

❷ مسلم، كتاب الجنائز، باب جواز زيارة القبور (۹۷۷).

❸ ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء في زيارة القبور (۱۵۷۱).

❹ مسلم، كتاب الجنائز، باب في جواز زيارة القبور المشركين (۹۷۷).

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)). ❶

''دُعاء عبادت کا مغز ہے''۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)). ❷

''دُعاء ہی عبادت ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کو پکارنا یعنی غیر اللہ سے دعا کرنا غیر اللہ کی عبادت کرنا ہی حقیقی شرک ہے۔

کیونکہ عبادت اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے۔ اس میں اس کے ساتھ نہ کوئی ولی شریک ہوسکتا ہے نہ کوئی نبی۔ جس نے کسی نبی سے یا ولی سے دُعاء کی اس نے اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ اس لئے قبر کی زیارت کے وقت صاحب قبر کے لئے اگر اللہ سے دُعاء کی تو یہ عبادت ہوگی۔ ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا' اور اگر اس نے خود صاحب قبر سے دُعاء کی' اس سے کچھ طلب کیا تو یہ شرک ہوگا۔ اس کے تمام اعمال ضائع ہوں گے۔

بلکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ قبر کو مقام تقرب بھی نہ سمجھے۔ وہاں یہ سمجھ کر دُعاء کرنا کہ یہاں دُعاء زیادہ قبول ہوتی ہے یا جلد قبول ہوتی ہے' یہ بھی غلط ہے۔

زیارت کا ایک یہی صحیح طریقہ ہے کہ مسنون دُعاء پڑھے اور مقبور کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعاء کرے جس طرح جنازہ میں دُعاء کی جاتی ہے۔ اصحابِ قبور نہ کچھ دے سکتے ہیں نہ لے سکتے ہیں' ان سے کچھ مانگنا عبث ہے اور گناہ بھی۔

قبروں پر اجتماع' عرس' میلہ و عید وغیرہ:

کسی قبر پر کسی بھی قسم کا اجتماع مثلاً عرس' میلہ وغیرہ منع ہیں۔ شریعت قبروں پر کسی قسم کے اجتماع کی اجازت نہیں دیتی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ظاہر ہے۔

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(اے لوگو!) تم میری قبر کو عید گاہ مت بنانا''۔ ❸

---

❶ ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء (۳۳۷۱).

❷ ابوداؤد، کتاب الصلوٰة، باب الدعاء (۱۴۷۹).

❸ ابوداؤد، کتاب المناسك، باب زيارة القبور (۲۰۴۲).

② ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری قبر یا میرے گھر کو میلہ کی جگہ نہ بناؤ"۔ ❶

③ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ، اور میرے اوپر درود بھیجو، بلاشبہ تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا تم جہاں بھی ہو"۔ ❷

عید کے معنیٰ ہیں مسرت اور خوشی کا دِن، بار بار لوٹ کر آنے والا، اجتماع کا دِن۔ المنجد میں ہے کہ "عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے، ان بیانات کی روشنی میں عید کا ایک معنی میلہ بھی ہے۔ کیونکہ لفظ "میلہ" میں مندرجہ بالا چاروں لغوی تصریحات کی رعایت پائی جاتی ہے۔

مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ جس طرح مشرکین اپنے بتوں کے سالانہ میلے مناتے ہیں، اسی طرح تم میری قبر پر میلہ نہ لگانا کہ تم ہر سال اس میلے کے نام پر میری قبر پر آؤ اور بعض شارحین نے اس کے یہ معنی کیے ہیں۔

"میری قبر پر زیارت کے لیے اجتماع نہ کرنا جیسے عید پر اجتماع کرتے ہو"۔ ❸

چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے کو بند کرنا مطلوب ہے کہ کہیں یہ اُمت بھی یہود ونصاریٰ کی طرز پر اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بنا ڈالے"۔ ❹

④ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین مسجدوں، مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سفر نہ کرو"۔ ❺

⑤ حضرت قزعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا کوہِ طور کی زیارت کو جا سکتا ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی اور جگہ کے لئے خصوصیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ ❻

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب زيارة القبور (٢٠٤٢).

❷ ابو داؤد، کتاب المناسك، باب زيارت القبور (٢٠٤٢).

❸ عون المعبود شرح سنن ابی دائود: ٢/ ١٧١، طبع قديم.

❹ حجة الله البالغه، طبع مصر، ٢/ ٧٧.

❺ بخاری، كتاب فضل الصلوٰة فی مسجد مكة المدينة، باب فضل الصلوٰة مسجد مكة والمدينة (١١٨٩).

❻ مصنف ابن ابی شيبه، ص ٦٥ ج ٤ ق ٢ كتاب الحج، باب فيما تشد اليه الرحال.

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عبادت' برکت اور تقرب الٰہی وغیرہ کی نیت سے مسجد نبوی' بیت اللہ اور بیت المقدس کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف سفر کرنا منع ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر پر کسی بھی اجتماع بغرض عرس' عید' میلہ وغیرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تو جب رسول اللہ ﷺ کی قبر پر عرس اور میلہ وغیرہ کی اجازت نہیں تو کسی امتی کی قبر پر عرس و میلہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ ایسا سراسر ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ عرس کے لئے قبر کی طرف سفر اور اجتماع دونوں ضروری ہیں' یا کم از کم ایک چیز تو از حد ضروری ہے (مقامی لوگوں کو سفر کی ضرورت نہیں ہوتی) اور شریعت کی رو سے دونوں کام ممنوع ہیں۔ شریعت اس قسم کے کسی اجتماع کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ اگر ایسا درست ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور ہر سال رسول اللہ ﷺ کی قبر پر اجتماع کرتے اور ان کا عرس مناتے اور میلہ لگاتے۔ کسی ایک صحابی سے بھی کسی بھی قسم کا عرس یا میلہ وغیرہ منانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس بات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ناجائز جانتے تھے اور اسے دین نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عرس اور میلہ وغیرہ جیسی بدعت کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عرس منانے کی کوئی حدیث نہیں ملتی' بلکہ آپ ﷺ نے قبر پر عید اور میلہ لگانے سے منع کیا ہے اور مسجد نبوی' مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ اس ساری بحث کا نتیجہ صرف یہی ہے کہ قبر پر عرس اور میلہ سمیت کسی بھی قسم کا اجتماع منع ہے۔

مردوں کے لئے زیارتِ قبور کی حد:

قبروں کی زیارت سنت اور باعث ثواب ہے۔ لیکن صرف انہی قبروں کی زیارت کی اجازت ہے جو آدمی کی رہائش کے قریب ہوں۔ یعنی زیارت قبور کی اجازت صرف قریبی قبرستان تک ہے۔ سفر کر کے دوسرے مقامات پر قبروں کی زیارت کرنا درست نہیں۔ زیارت اور ثواب کے لئے رخت سفر باندھ کر سوائے تین جگہوں کے کہیں بھی جانا منع ہے' اور وہ تین جگہیں ہیں بیت اللہ' مسجد نبوی اور بیت المقدس۔ رسول اللہ ﷺ نے زیارت' ثواب اور برکت حاصل کرنے کے لئے ان تین جگہوں کے علاوہ کسی بھی متبرک مقام کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔

① حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مت سفر کرو سوائے تین مسجدوں کے' مسجد الحرام (بیت اللہ)' مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری مسجد (مسجد نبوی)''۔ [1]

---

[1] بخاری، کتاب فضل الصلٰوۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ (۱۱۸۹).

② حضرت قزعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا کوہ طور کی زیارت کو جا سکتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تین مسجدوں (مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ کسی اور جگہ کے لئے سفر کر کے جانا جائز نہیں۔ ❶

یعنی بیت اللہ بیت المقدس اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی بھی دوسرے مقام کی طرف بغرض حصول ثواب برکت عبادت زیارت قربت الٰہی یا طلبی حاجت کے لئے سفر کر کے جانا منع ہے۔ ان تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ پر سفر کر کے اس ارادے اور نیت سے جانا کہ یہ جگہیں ان کے شرکاء کے لئے اور قبر میں دفن میت کی وجہ سے متبرک ہیں اور ان کی طرف جانا قربت الٰہی کا باعث ہے۔ شریعت نے ان سب چیزوں سے منع کیا ہے۔

واضح رہے کہ سفر کی یہ ممانعت تجارت تحصیل علم کاروبار روزگار اور دیگر ضروری کاموں کے لئے نہیں۔ ایسا سفر درست اور جائز ہے۔ سفر کی یہ ممانعت صرف زیارت برکت اور ثواب حاصل کرنے کے لئے کسی متبرک مقام کی طرف ہے۔

عورتوں کو بکثرت زیارت قبور کی اجازت نہیں:

قریبی قبرستان میں بھی قبروں کی زیارت کی کھلی اجازت صرف مردوں کے لئے خاص ہے۔ جبکہ عورتیں کبھی کبھار قبروں کی زیارت کر سکتی ہیں۔ کثرت سے عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا درست نہیں بلکہ ایسا کرنا باعث لعنت ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے''۔ ❷

قبر اور درگاہ؟

① حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جو قبر نبوی ﷺ کے پاس تھی اور اس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دعا کرتا۔ آپ نے اسے روکا اور فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جسے میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''میری قبر کو درگاہ اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بنانا مجھ پر درود بھیجو اور تمہارا درود سلام تم کہیں بھی رہو مجھ کو پہنچا دیا جائے گا''۔ ❸

---

❶ مصنف ابن ابی شیبہ ص ٦٥ ج ٤ کتاب الحج باب فیما تشد الیہ الرحال.

❷ ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی النھی عن زیارۃ النساء القبور (١٥٧٦) والترمذی (١٠٥٦) حسن.

❸ مصنف ابن ابی شیبہ: ٢/ ٨٣/٢. مسند ابی یعلیٰ، ق ٣٢/٢. ابو داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور.

اس کی تائید درج ذیل اثر سے بھی ہوتی ہے۔

2 سہیل بن ابی سہیل سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی قبر کو دیکھا تو اس سے چمٹ گئے اور اس کو مسح کرنے لگے۔ حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کنکری چلا کر ماری اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری قبر کو درگاہ مت بنانا' اپنے گھروں کو قبرستان مت بنانا' تم جہاں بھی رہو' درود وسلام پڑھو' وہ مجھ کو پہنچا دیا جائے گا''۔ 1

3 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن کی قبر پر شامیانہ لگا ہوا دیکھا تو فرمایا: ''اے لڑکے! اسے ہٹا دو' ان پر ان کا عمل سایہ کر رہا ہے''۔ 2

قبروں پر چراغاں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔ 3

پس قبروں کی ایسی تعظیم شرعاً ممنوع اور حرام ہے جس سے فتنہ وگمراہی اور بدعت وشرک کا خطرہ ہو' مثلاً قبروں پر مسجدیں اور قبے تعمیر کرنا' مسجدوں میں قبریں تعمیر کرنا' قبروں پر یا قبر والی جگہ پر عبادت کرنا' قبروں کو پختہ کرنا' مزار تعمیر کرنا' ان پر گنبد اور قبے بنانا' وہاں پر عرس ومیلہ لگانا' نذر ونیاز چڑھانا' طواف کرنا' منت ماننا' امداد طلب کرنا' سفر کر کے کسی قبر کی زیارت کرنا حد مشروع سے اونچی قبر بنانا' قبر پر عمارت بنانا یا عمارت کے اندر قبر بنانا' قبر یا اس کے آس پاس کی چیزوں کو بابرکت سمجھنا اور چومنا چاٹنا وغیرہ یہ سب کام ناجائز اور حرام ہیں' بلکہ ان میں سے زیادہ تر کام شرک ہیں۔ کیونکہ نذر ونیاز' طواف' منت وقربانی اور پکار وغیرہ عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ یہ عبادات اللہ تعالیٰ کی بجائے قبر والے کے لئے کرنا صریحاً حرام اور شرک ہے۔

عبادت میں شرک:

اللہ تعالیٰ نے بعض کام اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرما دیئے ہیں' جن کو عبادت کہا جاتا ہے' جیسے سجدہ' رکوع' ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا' اللہ کے نام پر خیرات کرنا' اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے

---

1 صحیح ابن خزیمہ: ٤/ ٤٨.

2 بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب الجریدة علی القبر، باب ٨١.

3 نسائی شریف، کتاب الجنائز، باب التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور (٢٠٤٥).

مقدس گھر کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آنا' اور ایسی ہیئت میں آنا کہ لوگ پہچان جائیں کہ یہ زائرین حرم ہیں۔ راستے میں اللہ ہی کا نام پکارنا' نا معقول باتوں سے اور شکار سے بچنا' پوری احتیاط سے جا کر اس کے گھر کا طواف کرنا' اس کی طرف سجدہ کرنا' اس کی طرف قربانی کے جانور لے جانا' وہاں منتیں ماننا' کعبہ پر غلاف چڑھانا' کعبہ کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دُعائیں مانگنا' دین و دنیا کی بھلائیاں طلب کرنا' حجر اسود کو چومنا' کعبہ کی دیوار سے منہ اور چھاتی لگانا' اس کا غلاف پکڑ کر دُعائیں مانگنا' اس کے چاروں طرف روشنی کرنا' اس میں خادم بن کر رہنا' جھاڑو دینا' حاجیوں کو پانی پلانا' وضوء کے لئے اور غسل کے لئے پانی مہیا کرنا' آب زمزم کو تبرک سمجھ کر پینا' بدن پر ڈالنا' سیر ہو کر پینا' آپس میں تقسیم کرنا' عزیز و اقارب کے لئے لے جانا' اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب و احترام کرنا' وہاں شکار نہ کرنا' درخت نہ کاٹنا' گھاس نہ اکھاڑنا' جانور نہ چرانا' یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے طور پر مسلمانوں کو بتائے ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص نبی کو یا ولی کو یا بھوت و پریت کو یا جن و پری کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان یا چلے کو یا کسی کے مکان ونشان کو یا کسی کے تبرک و تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے لئے روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے یا چڑھاوا چڑھائے یا ان کے نام کا جھنڈا لگائے یا جاتے وقت الٹے پاؤں چلے یا قبر کو چومے یا قبروں یا دیگر مقامات کی زیارت کے لئے دور سے سفر کر کے جائے یا وہاں چراغ جلائے اور روشنی کا انتظام کرے یا ان کی دیواروں پر غلاف چڑھائے یا قبر پر چادر چڑھائے یا مور چھل جھلے یا شامیانہ تانے یا ان کی چوکھٹ کا بوسہ لے یا ہاتھ باندھ کر دُعائیں مانگے یا مرادیں مانگے یا مجاور بن کر خدمت کرے یا اس کے آس پاس کے جنگل کا ادب کرے' یعنی جس طرح کی عبادات خانہ کعبہ کے لئے مخصوص ہیں اس طرح کی کوئی عبادت کسی اور جگہ کے لئے سرانجام دے۔ غرض اس قسم کا کوئی کام کرے تو اس نے کھلا شرک کیا' اس کو شرک فی العبادت کہتے ہیں۔ یعنی غیر اللہ کی تعظیم اللہ کی سی کرنا' خواہ یہ عقیدہ ہو کہ وہ ذاتی اعتبار سے ان تعظیموں کے لائق ہے' یا اللہ ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ہر صورت میں یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

نقلی کعبے اور شرک:

خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ جس قسم کی عبادت' پرستش یا پوجا کا دل میں شوق پیدا ہو وہ یہاں پہنچ کر پورا کر لیا جائے۔ یہ اللہ کی بندگی اور خالص توحید ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی اور در ایسا نہیں ہے۔ لیکن آج پکی قبروں کو جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے

کہ ان کو پختہ نہ کیا جائے اور نہ ان پر کوئی عمارت بنائی جائے اور نہ ان پر مجاور بن کر بیٹھا جائے' پکا بنا کر ان پر عمارتیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ ان کو مزار' زیارت گاہ اور دربار کا نام دے کر ان کی بندگی اور پوجا کی طرف دنیا کو بلایا جا رہا ہے۔ ہر جگہ اور ہر طرف ایسے نقلی کعبے وجود میں آ گئے ہیں اور ان کے ساتھ بالکل وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے گھر کے ساتھ کیا جانا چاہیئے۔ ہر سال حج کے دن کی طرح عرس کا دن مقرر کیا جاتا ہے۔ احرام کی جگہ ننگے سر یا ننگے پیر چلنے کی قید لگائی جاتی ہے۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ...... کے مقابلہ میں باہو...... حق باہو...... بے شک باہو...... کا نعرہ لگتا ہے۔ غلاف کعبہ کی طرح قبر کی چادر کا انتظام ہوتا ہے۔ حجر اسود کے بوسہ کی جگہ قبر کے سرہانے یا پائینتی کے پتھر کو چوما جاتا ہے۔ طواف کعبہ کے بدلے قبر کے پھیرے لگتے ہیں۔ سجدے اور رکوع ہوتے ہیں۔ دُعائیں اور مناجاتیں کی جاتی ہیں۔ ملتزم کی طرح ڈیوڑھی اور دروازہ سے چمٹا جاتا ہے۔ بابا کی بیٹھک سے ان کی قبر تک دوڑ لگا کر سعی صفا و مروہ کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ آب زمزم کی جگہ قبر کے دھوون کے پانی کو جمع کر کے تبرک بنایا جاتا ہے۔ ہدی کے بجائے حضرت کی نذر کا بکرا اور اونٹ ساتھ آتا ہے۔ غرض آج ہر طرف اور ہر جگہ ان ''نقلی کعبوں'' کی دھوم مچی ہوئی ہے اور خلقت ہے کہ ٹوٹی پڑتی ہے۔

انبیاء اور اولیاء کی پکار' ان کی نذر و نیاز کرنے والوں کو اللہ نے قرآن میں ان کا دشمن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ آج انہیں خبر نہیں مگر حشر کے میدان میں جب ان کو بتلایا جائے گا تو وہ اپنی بندگی کرنے والوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی بندگی کا انکار کریں گے:

﴿ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ [الأحقاف : ٤٦/٦]

''اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے''۔

یاد رکھیئے! جو تعظیم، فعل اور عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت بنتا ہے وہ مخلوق میں سے کسی کے لیے کیا جائے تو شرک ہو جائے گا۔ اس نظریے سے حجر اسود کو چومنا کہ اللہ راضی ہو جائے، عبادت ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی قبر کو یا مزار کی چوکھٹ کو اس نظریے سے بوسہ دے گا کہ صاحبِ قبر خوش ہو جائے، تو یہ شرک ہوگا۔ بیت اللہ کے ایک حصے کو ملتزم کہتے ہیں' جس کے ساتھ سینہ چمٹا کر مسلمان اپنے ربّ کے آگے زاریاں کرتے ہیں۔

اب کسی مزار اور قبر کی جالیوں سے چمٹ کر رونا اور دُعائیں مانگنا شرك فى الملتزم ہوگا۔ مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے اعتکاف بیٹھنا عبادت ہے' اب کسی قبر اور بزرگ کے مزار کی مجاورت او چلہ کشی اور اعتکاف شرک فی الاعتکاف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ ایام مخصوص فرمائے ہیں کہ دُنیا بھر کے مسلمان بیت اللہ کا قصد اور ارادہ کر کے سفر کریں۔ وہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے ترانے گاتے ہوئے مخصوص مقامات پر پہنچیں اور چند افعال بجالائیں۔ یہ سب کام عبادت ہوں گے اور اس کا نام حج ہے۔

اب جو شخص بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسری معظم جگہ کا سفر مخصوص ایام میں کرے اور وہاں حج والے اعمال کی نقل اتارے تو یہ شرک فی الحج ہوگا۔

جیسے ہمارے ہاں بزرگوں کے عرس کے ایام مقرر ہیں اور دور دراز سے لوگ تعظیماً اس کے لیے سفر کرتے ہیں اور راستے میں اس بزرگ کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں اور وہاں جا کر تقریباً وہی اعمال و افعال کرتے ہیں جو ایک مسلمان فریضہ حج میں بجالاتا ہے۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جتنی تعظیمیں اللہ کے گھر اور اللہ کے ساتھ مخصوص تھیں (مثلاً پختہ بنانا، روشن کرنا، خوشبو لگانا، بیت اللہ کا طواف کرنا، ملتزم سے چمٹنا، حجر اسود کو بوسہ دینا، مقام ابراہیم پر نوافل، کعبہ پر غلاف ڈالنا، حج کے لیے سفر کرنا، قربانی کا جانور ذبح کرنا، تلبیہ پڑھنا، سجدہ و قیام کرنا وغیرہ) وہ تمام کی تمام تعظیمیں مدعیانِ اسلام نے قبروں، مزاروں اور بزرگوں پر جاری کی ہوئی ہیں۔

مفتی صاحب کا اقبالِ جرم: عرس میں بھی حج کی طرح کے فوائد ہیں:

مشہور بریلوی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں عرس کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے۔ اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان جمع ہوتے ہیں۔ علماء وصوفیاء کا مجمع ہوتا ہے۔ سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے۔ آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گزشتہ فوائد ملحوظ ہیں۔ [1]

یعنی مفتی صاحب نے یہ اقرار کیا ہے کہ عرس بھی حج کی طرح ہی ہے۔ عرس میں بھی وہی فوائد ہیں جو حج بیت اللہ میں ہیں۔

حالانکہ حج ایک مخصوص شرعی عبادت ہے اور اسلام کا بنیادی رُکن ہے، جس کی شریعت نے حدود وقیود بیان فرمائی ہیں کہ یہ کب ہونا ہے، کس جگہ ہونا ہے، کس تاریخ کو ہونا ہے، کس پر فرض ہے، اس کے

[1] جاء الحق، حصہ اوّل، بحث عرس بزرگان، پہلا باب، ثبوت عرس میں، صفحہ نمبر ۳۰۲.

کیا فوائد ہیں، اس کے کیا لوازمات ہیں، وغیرہ۔ یعنی حج کی تمام شقوں کو شریعت نے بیان کیا ہے۔ جبکہ عرس کی کسی شق کو شریعت نے بیان ہی نہیں کیا۔ جو کہ اس کے ناجائز ہونے میں ٹھوس دلیل ہے۔ کیونکہ یہ یار لوگوں کی ایجاد ہے۔ شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ بدعت بھی ہے۔ جبکہ مفتی صاحب اسے حج کے مساوی قرار دے رہے ہیں۔

عرس کا پس منظر اور وجہ تسمیہ:

تاریخ کے مختلف ادوار میں شرک و بدعت کی مختلف شکلیں اور تصورات رائج رہے۔

ایک تصور یہ رہا کہ خالق کائنات اور مخلوق کے درمیان محبت کی نوعیت اس طرح ہے جس طرح ایک ماں اور اولاد کے درمیان محبت ہوتی ہے۔ اس تصور کے تحت خالق کائنات کی مظہر دیویاں قرار پائیں اور مختلف دیویوں کو پوجا جاتا رہا، جیسا کہ آج ہندوستان میں درگاہ دیوی، پاربتی دیوی، سرمتی اور لکشمی دیوی وغیرہ کی پرستش ہوتی ہے۔

ایک تصور یہ رہا کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان محبت کا تعلق ایسا ہے جیسے باپ اور بیٹوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تصور کے تحت خدا رسیدہ اور پہنچے ہوئے بزرگوں کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا اور پھر انہیں خدائی اختیارات کا حامل باور کروا کر دیوتا کے درجے پر فائز کر دیا گیا اور ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی گئی۔

ایک تصور یہ رہا کہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان یا محمد ﷺ اور انسان کے درمیان اس طرح کا رشتۂ محبت ہے جس طرح دلہا دلہن یا میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تصور کے تحت کنواری عورتوں کو عبادت گاہوں میں وقف کیا جانے لگا۔ وہ ساری زندگی شادی نہیں کراتی تھیں۔ جس طرح ہندوؤں کے مندروں میں دیوراسیاں اور عیسائیوں کے گرجوں میں راہبائیں ہوتی ہیں۔

یہی تصور اور یہی طرزِ فکر مسلمانوں میں آیا اور ملنگوں کا ایک طبقہ معرضِ وجود میں آیا جو عورتوں کی طرح رنگ برنگے کپڑے پہنتا، ہاتھوں اور پیروں میں کڑے اور چوڑیاں پہنتا، عورتوں کی طرح ناچ گا کر اپنے محبوب یعنی حضرت محمد ﷺ کو مناتا۔

اسی تصور نے مزید پھیلتے پھیلتے بزرگوں کے یوم وفات کو 'عرس یعنی شادی کے دِن اور یومِ وصال بنا دیا۔ یعنی وفات پا کر یہ بزرگ اپنے محبوب یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ ان کی شادی کا دِن ہے۔ یا وصالِ یار یعنی محبوب سے ملاقات کا دِن ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں کے لئے اس حلقے میں وفات کا لفظ نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے اور وفات کو وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی وفات کے دِن کو عرس یعنی شادی کا دِن کہا جاتا ہے۔ اور اس دِن وہ سب کچھ

کیا جاتا ہے جو شادی کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ یعنی قبر کو غسل دیا جاتا ہے' ریشمی چادریں اس پر ڈالی جاتی ہیں' بھنگڑا ڈالا جاتا ہے' رسم مہندی ادا کی جاتی ہے' پھر تبرک کے نام پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔ سلامی کے طور پر نذرانے چڑھائے جاتے ہیں' مزاروں کے بوسے لئے جاتے ہیں اور پھولوں کے ہاروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ ہے عرس اور اس کا پس منظر جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

مفتی صاحب کی شہادت:

مشہور بریلوی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں لکھتے ہیں: ''عرس کے لغوی معنی ہیں شادی' اس لئے دُلہا اور دُلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگان کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہا جاتا ہے کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب منکرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں:

((نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّتِيْ لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ)).

''تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اُٹھا سکتا''۔

تو چونکہ اس دِن منکرین نے ان کو عروس (دُلہن) کہا۔ اس لئے وہ دِن روز عرس کہلایا۔

یا اس لئے کہ وہ جمالِ مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دِن ہے کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے۔ اور وصال محبوب کا دِن عرس کا دِن ہے لہٰذا یہ دِن عرس کہلایا۔''[1]

واضح رہے کہ مفتی صاحب نے حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مرنے والے کو عروس (دُلہن) کہا ہے حالانکہ حدیث میں فرشتوں نے مرنے والے کو ''نم كنومة العروس'' (دلہن کی طرح سو جا) کہا ہے۔ یعنی صرف تشبیہ دی ہے جس طرح کہا جاتا ہے زید شیر کی طرح بہادر ہے اس کے یہ معنی تو قطعاً نہیں ہوتے کہ زید شیر ہے بلکہ صرف زید کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح فرشتوں نے دفن ہونے والے کے آرام و راحت کو دُلہن کی نیند سے تشبیہ دی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مرنے والا دُلہن ہے۔

عرس اور عید:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید بنانا اور مجھ پر درود بھیجو' (کیونکہ) جہاں کہیں بھی

[1] جاء الحق، حصہ اوّل، بحث عرس بزرگان دین، پہلا باب، ثبوت عرس میں، صفحہ ۳۰۰۔

تم ہو تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے"۔ ❶

عربی زبان میں عید کا لفظ اجتماع پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں بار بار لوٹ کے آنا۔ چنانچہ حدیث نبوی ﷺ کا معنی یہ ہوا کہ میری قبر پر ہر سال اجتماع نہ کرنا اور اجتماع کو مقرر کر کے کرنا ہی عرس ہے۔ جس کی اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سفر کر کے آنحضرت ﷺ کی قبر پر جانا کہ وہاں اجتماع ہو جائز نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر نبوی کا مقصد آپ ﷺ پر درود بھیجنا ہے' جبکہ درود و سلام تو دور و نزدیک ہر جگہ سے آپ ﷺ پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس لئے صرف درود و سلام اور دُعا کے لئے قبر نبوی ﷺ پر جانے کی ضرورت نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا درود و سلام مجھے پہنچ جایا کرے گا خواہ تم میری قبر کے قریب رہو یا دور۔ لہٰذا میری قبر کو زیارت گاہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ❷

یعنی اگر ایک شخص صرف قبر نبوی ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر اختیار کرے یا پھر اس سفر میں اس کے دوسرے اغراض و مقاصد تو ہوں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہو اور اصل مقصد زیارت قبر نبوی ہی ہو تو ایسا سفر ناجائز ہے۔ اور اس قسم کے سفر میں قبر نبوی ﷺ کی زیارت بھی درست نہیں۔ ہاں! اگر کوئی قبر نبوی کی بجائے مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کرے اور وہاں قبر نبوی کی زیارت کرے تو درست ہے۔ یا اسے کبھی مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ﷺ جانے کا موقع ملے تو اب بھی ایسے شخص کے لئے قبر نبوی کی زیارت جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی صرف اور صرف قبر نبوی کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس عمل کی شریعت محمدی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ شریعت سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے کبھی محض قبر نبوی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"نہ سفر کرو مگر تین مسجدوں کے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ"۔ ❸

تو جب قبر نبوی کی طرف سفر (بغرض فقط زیارت) ہی جائز نہیں تو وہاں اجتماع بغرضِ عرس

---

❶ سنن ابوداؤد، کتاب المناسك، باب زيارة القبور، ٢٠٤٣.

❷ هداية المستفيد ص ٧٠٠ ج ١.

❸ بخاری ١/٥٨، کتاب فضل الصلوٰة فی مسجد مكة المدينه، باب فضل الصلوٰة مسجد مكة المدينة (١١٨٩).

کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ تو جب قبر نبوی پر عرس کرنا جائز نہیں تو کسی اور کی قبر پر عرس کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ یہ تو ڈبل ناجائز ہوا۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس نہیں منایا جو کہ اس کے ناجائز ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

عرس کی دین میں کوئی اصل نہیں:

کسی اللہ کے بندے نے شاید تبلیغی مقصد کے لئے یہ اجتماع منعقد کیا ہو، مگر آج یہ عرس بدعات اور شرکیہ اعمال کا مجموعہ بن چکا ہے۔ بلکہ اس میں کئی حرام کام داخل ہو چکے ہیں۔ مثلاً گاجا باجا، ڈھول ڈھمکا، سرکس، ڈرامے، ناچ گانا، ڈانس، جوا، مرد وعورت کا مخلوط ماحول اور بے پردگی، مزار کا طواف، اس کی طرف جھکنا، چڑھاوے چڑھانا، نذر ومنت ماننا، صاحب قبر کو پکارنا، غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز اور صاحب قبر کے نام پکوان کو تبرکاً تقسیم کرنا وغیرہ۔

کتاب اللہ میں ''عرس'' کا لفظ ہے نہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا نام ونشان۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ یا اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ یا اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس منعقد فرمایا؟ یا پھر حضرات صدیق وفاروق وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے عہد خلافت میں ہر سال نہ سہی، ایک بار بھی اپنے محبوب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا؟ یا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے اپنی ساری زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک دفعہ بھی عرس کیا؟ یا پھر حضرت حسن بصری، سعید بن میبب اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی خلیفہ رسول یا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا؟ یا پھر حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنے شیوخ میں سے کسی کا عرس کیا؟ یا پھر امام ابو یوسف اور امام محمد نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کبھی عرس کیا؟ یا پھر ابو یزید بسطامی، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی، شہاب الدین سہروردی معین الدین چشتی، جلال الدین بخاری، مخدوم علی ہجویری اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ میں سے کسی نے اپنے شیخ ومرشد کا عرس کیا؟ اگر نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا تو پھر ہمیں خدا سے خوف کھانا چاہئے اور اس صریح بدعت سے بچنا چاہئے۔

دین کی مظلومی:

دین کی مظلومی بدرجۂ انتہا پہنچ گئی کہ جس عرس کا کتاب وسنت میں نام ونشاں تک نہیں ملتا، حضرات صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے اعمال وکردار میں نہیں بلکہ ان کے اقوال وارشادات میں بھی ڈھونڈنے سے جس کا ذکر نہیں ملتا، وہ عرس آج دین ہے، روحِ دین ہے، اصل دین ہے،

بلکہ کل دین ہے' سارا دین سمٹ کر ایک لفظ ''عرس'' میں آ گیا ہے اور آج اُمت مسلمہ کی پوری دینی زندگی کا لب لباب یہی عرس رہ گیا ہے۔

مسلمان کہلانے والے' توحید کا کلمہ پڑھنے والے مدعیانِ اسلام سفر حج سے زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ' سفر کی زحمتیں اور صعوبتیں برداشت کر کے عرسوں میں شرکت کرتے ہیں' جہاں اہل قبور کو پکارا جاتا ہے۔ دِل میں ان کی عبادت کی حد تک پہنچی ہوئی تعظیم جاگزین ہوتی ہے۔ نفع ونقصان کا مالک انہیں سمجھا جاتا ہے۔ مرادیں ان سے مانگی جاتی ہیں۔ اُمیدیں ان سے رکھی جاتی ہیں۔ خوف ان سے کھایا جاتا ہے۔ تعبد وتذلل اور تعظیم بلیغ کا بھر پور مظاہرہ انہی کے حضور کیا جاتا ہے۔ قبروں سے لگ لپٹ کر' چمٹ کر آہ وزاری کی جاتی ہے۔ زبان محو فریاد ہوتی ہے تو آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ غرض بزرگانِ دین کے مزاروں پر ان تمام خلافِ شرع حرکات اور مشرکانہ کردار کا برملا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کو مٹانے کے لیے ان بزرگانِ دین ومشائخ ملت نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی۔

اگر اللہ تعالیٰ انسان کو عقل وبصیرت سے کچھ حصہ وبہرہ عطاء فرمائے تو حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت وحقانیت کے ہزاروں دلائل میں سے یہ بھی ایک واضح دلیل ہے کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحوں میں بالکل وفات کے وقت عین عالم نزع میں فتنۂ قبر کے متعلق جو کچھ فرمایا سولہ آنے حق فرمایا۔ آج انسان جب قبر کے فتنۂ عظیم پر نگاہ کرتا ہے' اور ''عرس'' کے عنوان سے قبر پر محرمات ومنکراتِ شرعیہ' بدعات اور حرکاتِ شرکیہ کا جو طوفان برپا دیکھتا ہے تو اس کا رُواں رُواں نبی کریم ﷺ کی صداقت اور سچائی کے راگ لگاتا ہے اور اس کا دِل ودماغ یہ گواہی دیتا ہے کہ حضرت خاتم نبوت نے آخر وقت جو کچھ فرمایا وہ از خود نہیں فرمایا بلکہ اللہ ربّ العزت سے علم واطلاع پا کر فرمایا تھا۔

دعائے رسول کی بدرجۂ کمال قبولیت:

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعاء کی تھی کہ: ''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا''۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے اللہ سے یوں فریاد کرتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ)). [2]

---

[1] مؤطا امام مالك، كتاب الصلوٰة، باب جامع الصلوٰة.

[2] مسند أحمد: ٢٤٦/٢ ح: ٧٣٥٨ و إسناده صحيح. مسند الحميدى بتحريفات لأعظمى: ٤٤٥/٢، ح: ١٠٢٥ و إسناده صحيح. التميد: ١٧٦/٥، ١٧٧ و حمزة ابن المغيرة ثقة صدوق.

''اے میرے اللہ! میری قبر کو آستانہ اور عبادت گاہ نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے''۔

اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی دُعا کو اس طرح شرف قبولیت سے نوازا ہے کہ چودہ سو سال ہو گئے، آپ ﷺ کی قبر مبارک ہر قسم کی پوجا و پرستش سے پاک ہے۔ نہ وہاں میلا ہے نہ عرس، نہ چادریں چڑھانے کی رسومات ہیں اور نہ اور کوئی غیر شرعی اور خلاف سنت آلائش۔ جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا، وہاں اب نور الدین زنگی کے ہاتھوں بنائی ہوئی مضبوط عمارت ہے، جو گنبد خضریٰ کے نام سے معروف ہے۔

اللہ ربّ العزت نے عالم اضطرار اور اضطراب میں اپنے رسول معصوم ﷺ کے دِل سے نکلی ہوئی دُعا کو قبول فرمالیا اور آپ ﷺ کی قبر کو بت بننے سے بچالیا۔ ورنہ آج جب آپ ﷺ کے ادنیٰ غلاموں کی قبریں بت بن رہی ہیں اور وہاں عبادت کے سارے کام کئے جا رہے ہیں اور یہ عید' میلہ اور عرس بن کر رہ گئی ہیں' جانے امام المرسلین ﷺ کی قبر کا کیا حال ہوتا؟

نبی الانبیاء کی دُعا' آخر وقت آخری سانس کی دُعا' پُر جوش و جذبۂ توحید پر مبنی دُعا' بارگاہِ الٰہی میں اس درجہ مقبول و مستجاب ہوئی کہ اللہ ربّ العزت نے کئی حجابوں اور پردوں کے اندر قبر رسول ﷺ کو مستور کر دیا۔ حجرۂ صدیقہ طاہرہ' عہد صحابہ کی تعمیر' پھر سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر' پھر بعد کی مضبوط و مشید و مستحکم متعدد تعمیریں' اللہ تعالیٰ نے مزارِ رسول ﷺ کے چہرہ پر کئی نقابیں ڈال دیں تاکہ کوئی مسلمان قیامت تک مزارِ مقدس کو دیکھ بھی نہ سکے۔

محبوبِ کبریا رسولِ خدا ﷺ نے دُعا کی' حیاتِ طیبہ کے آخری لمحے دُعا کی کہ الٰہی! میری قبر کو بت نہ بنانا' یعنی اسے سجدہ گاہ نہ بننے دینا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی خطرہ پیش نظر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تحریک پر ان کے گھر میں حضرت ﷺ کی قبر بنائی۔

جب تک حضرت اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں' وہ خود حفاظت و پاسبانی کا فرض انجام دیتی رہیں' ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود حفاظت و نگرانی فرمائی اور ایسا انتظام کر دیا کہ قیامت تک کوئی عام آدمی قبر نبوی ﷺ کو دیکھ ہی نہیں سکتا' سجدہ تو کوئی کیا کرے گا۔ مزارِ مقدس تک تو کسی کی نگاہ کی رسائی ممکن ہی نہیں۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی دُعا کا اثر اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ حجرۂ مقدسہ میں تین دیواریں بنا دی گئیں اور اس کے اطراف اہل شرک کے سجدوں سے محفوظ ہو گئے۔ شمال کی طرف صرف کونہ ہے جسے سجدہ کرنا ممکن نہیں۔

مزارات اولیاء اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم سے محبت و حسن عقیدت محمود و مستحسن ہے۔ اگر کسی ولی اللہ کی قبر قریب ہو تو وہاں جا کر یا اتفاق سے گزر ہو تو سنت کے مطابق سلام کہنا اور عفو عافیت اور مغفرت و رحمت کی دُعا کرنا جائز و درست اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ باقی رہا دور دراز کا طویل سفر کر کے کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے لیے جانا' یہ جائز اور درست نہیں۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان اکابر اُمت و مشائخ ملت میں سے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی قبر ان کی عبادت کا محل و مقام اور کوہِ طور یہ سب حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ کی نہی میں برابر داخل ہے' یعنی ان کی طرف سفر کر کے جانا شرعاً جائز نہیں' ممنوع ہے۔

مزید فرماتے ہیں: ''اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم سمجھتے تھے' ان مقامات کی زیارت کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے وہ سفر کیا کرتے تھے' اور اس میں دین کی تحریف اور بگاڑ ظاہر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بگاڑ کا سد باب فرمایا تا کہ غیر شعائر شعائر اللہ میں داخل نہ ہو جائیں' اور یہ عبادتِ غیر اللہ کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ کسی ولی اللہ کی قبر یا اس کی عبادت کرنے کی جگہ اور کوہِ طور سب اس ممانعت میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم''۔[1]

اسی کتاب میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''ان امور شرکیہ میں سے حج لغیر اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے شرکاء کے مخصوص متبرک مقامات کا قصد کیا جائے کہ وہاں جانا ان شرکاء کے تقرب کا باعث ہے۔ شریعت نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سوائے تین مسجدوں کے (تقرب و تبرک کی غرض و نیت سے) سفر نہ کیا جائے''۔[2]

کسی بزرگ کے مخصوص مقامات' قبر وغیرہ کو متبرک سمجھ کر حصولِ برکت اور اس بزرگ کے تقرب کی نیت سے اس قبر وغیرہ کی طرف سفر کرنے کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اقسامِ شرک میں شمار کرتے ہیں اور اسے اَلْحَجُّ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر چھپا دی گئی:

اِسی خطرۂ عبادت کے پیش نظر حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر چھپا دی گئی۔

---

[1] حجة الله البالغه، جلد اوّل، باب المساجد، ۱/ ۴۰۸۔

[2] حجة الله البالغه، جلد اوّل، باب اقسام الشرك، ۱/ ۱۳۱۔

1 امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق کے اندر (حضرت) دانیال علیہ السلام کی قبر پائی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھو اور جو رقعہ ان کے پاس سے ملا تھا اس کے دفن کر دینے کا حکم دیا۔ اس رقعہ میں جنگوں وغیرہ کے متعلق باتیں تھیں۔ [1]

اللہ کے ایک نبی کی قبر ہے ساتھ ہی ان کا ایک مکتوب ہے مگر فتنۂ قبر کے خوف و خطر سے اللہ کے پیغمبر علیہ السلام کی مزار پاک کو مستور و مخفی کر دیا گیا۔ بایں حد! کہ اس دن کے بعد اس کا کہیں نشان بھی نہ ملا۔

2 امام المغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اپنی مغازی میں حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:
''جب ہم نے تاتار کو فتح کیا' تو ہرمز کے بیت المال میں ایک تخت پایا' جس پر ایک شخص کی میت تھی جس کے سر کے قریب ایک صحیفہ تھا۔ ہم اس صحیفہ کو اُٹھا کر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ وہ شخص (جن کی میت تخت پر تھی) حضرت دانیال علیہ السلام تھے' جن کی میت میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ ہم نے دن میں تیرہ متفرق قبریں کھودیں۔ رات کو انہیں ایک قبر میں دفن کر کے سب قبروں کو برابر کر دیا' تا کہ لوگوں کو عام قبریں معلوم ہوں۔ [2]

اندازہ فرمایئے! حضرات صحابہ کرام مہاجرین و انصار نے ایک پیغمبر خدا کی قبر تک کو بے نام و نشان کر دیا تا کہ عامۃ المسلمین اس خاص قبر کی پوجا کر کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

اولیاء اللہ کے اصلی دشمن کون؟

حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا ہے''۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان برحق ہے' مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے دُشمن ہیں کون؟ کیا ان کے دشمن وہ لوگ ہیں جو ان کی دینی خدمات اور ان کی علمی صلاحیتوں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں ان کا صحیح' جائز اور بہترین مقام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کی ذات' قبر اور مزار کے ساتھ وہ تمام کام کرتے ہیں جو کہ عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اللہ کے دشمنوں کا کھول کھول کر پتہ بتایا ہے۔

---

1 تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ کہف.

2 الدر الفرید ص ۳۳.

3 بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع (۶۵۰۲).

ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾[الاحقاف:٤٦/٥،٦]

''اور اس شخص سے گمراہ اور زیادہ کون ہے جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارے حالانکہ وہ قیامت تک ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ تو ان کی پکار ہی سے غافل اور بے خبر ہیں اور جب قیامت کے دِن سب لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ (اولیاء اللہ) ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا شدت سے انکار کردیں گے''۔

② ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ [مریم: ١٩/ ٨١، ٨٢]

''اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ ان کے لیے وہ (عند اللہ) باعث عزت ہوں' ہرگز نہیں۔ (بلکہ) وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور (اُلٹا) ان کے مخالف ہو جائیں گے''۔

یعنی مشرکین کا غیر اللہ کو پوجنے کا مقصد یہ خوش فہمی ہے کہ یہ اللہ کے مقبول اور پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ ہم ان کی پوجا کریں گے تو وہ خوش ہو کر اللہ کے ہاں ہماری عزت ونجات کا سبب بنیں گے جبکہ وہ ان کی عبادت کا ہی انکار کردیں گے اور قیامت کے دِن اُلٹا ان کی مخالفت اور دُشمن بن جائیں گے۔ یہ ہیں اولیاء اللہ کے دشمن۔ یعنی اولیاء اللہ کو پکارنے والے ہی ان کے دشمن ہیں۔

اولیاء اللہ کون؟

پس یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے درست اور صحیح ہے کہ اللہ کے کسی ایک ولی سے دشمنی اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس لئے اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری ہے اور ان سے بغض وعناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اولیاء اللہ ہیں کون؟ آیئے دیکھیں! اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو اولیاء اللہ کہہ رہے ہیں؟

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾[یونس: ١٠/ ٦٢، ٦٣]

''یاد رکھو! اللہ کے دوستوں (اولیاء اللہ) پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور (برائیوں سے) پرہیز کرتے ہیں''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ اور ان کی صفات ذکر کی ہیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے وہ سچے اور مخلص مومن جنہوں نے اللہ کی اطاعت کر کے اور نافرمانی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ جیسا کہ ان آیات میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف میں یہی فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا' تقویٰ کے معنی اللہ سے ڈرتے ہوئے نیک کام کرنا اور برائیوں سے بچنا ہے۔

لہٰذا ایمان وتقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ﴾ [سبا: ٣٤/ ٣٧]

''اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں' مگر جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں''۔

لہٰذا اللہ کا ولی بننے کے لئے ایمان اور تقویٰ دو بنیادی اور اہم ترین شرائط ہیں۔ اس لحاظ سے ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے۔ ہاں درجات میں فرق ضرور ہو سکتا ہے۔ لوگ ولایت کے لئے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں' اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے بارے میں جھوٹی سچی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال اور نظریہ بالکل غلط ہے کہ ولایت کے لئے کرامت ضروری ہے۔

کرامت کا ولایت کے ساتھ نہ چولی دامن کا ساتھ ہے اور نہ ہی یہ اس کے لیے ضروری شرط ہے۔ یہ ایک الگ چیز ہے۔ اگر کسی ولی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو یہ اللہ کی مشیت ہے اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لہٰذا کسی متقی مومن اور متبع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔ اور ہر ولی اللہ سے محبت اور تعظیم بھی ضروری ہے۔

لیکن تعظیم کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں' اور ان کے مزاروں کو متبرک سمجھتے ہوئے دور دراز کا سفر کر کے آیا جائے اور حج کی طرح ہر سال عرس منایا جائے' ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے' ان کے نام کی نذر و نیاز دی جائے اور ان کی قبروں پر منت مانی جائے، اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھا جائے اور انہیں دور و نزدیک غائبانہ طریقے سے پکارا جائے' ان کی قبروں پر دست بستہ قیام کیا جائے' ان کی قبروں کے پھیرے لگائے جائیں' قبر اور اس کے آس پاس کی چیزوں کو تبرک سمجھ کر ان کی چوما چاٹی کی جائے' ان کے نام کے جانور ذبح کئے جائیں وغیرہ۔ جیسا کہ بد قسمتی سے ''اولیاء اللہ کی محبت'' کے نام پر یہ کاروبار قبر پرستی فروغ پذیر

ہے۔ حالانکہ یہ "محبت" نہیں بلکہ ان کی عبادت ہے جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ قبر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا مؤقف:

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مسلکاً حنفی ہیں' مشرباً صوفی ہیں' حدیث پر ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی تمام طبقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں گہری عقیدت ہے' علم وفضل' زہد وتقویٰ' انابت الی اللہ کے لحاظ سے ان کا مقام اپنے اقران میں بہت اونچا ہے' (رحم اللہ ورضی عنہ ورفعہ درجتہ)۔ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:

"اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسول ﷺ اس عمل پر گواہ ہیں کافر ہو جائے گا' اولیاء معدوم کو موجود نہیں کر سکتے' موجود کو معدوم نہیں کر سکتے۔ ان کی طرف ایجاد یا اعدام' رزق دینے والا' اولاد دینے' مصیبت اور بیماری دور کرنے کی نسبت کرنا کفر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: "اے محمد ﷺ! کہہ دو میں اپنے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے"۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ نہ اس کے سوا کسی سے مدد طلب کرے۔ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اے اللہ! ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اِيَّاكَ میں حصر ہے۔ اولیاء اللہ کے لئے کوئی نذر درست نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے' اگر کوئی نذر ایسی مانے تو اسے پورا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ معصیت سے جہاں تک ممکن ہو بچنا چاہئے' اور قبروں کا طواف درست نہیں کیونکہ طواف نماز کے حکم میں ہے اور یہ بیت اللہ کا حق ہے۔ زندہ و مردہ ولیوں اور نبیوں سے دُعاء کرنا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "دُعاء ہی عبادت ہے"۔ پھر ارشادِ خداوندی ہے: "مجھ سے دُعاء کرو میں قبول کروں گا' جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے"۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

"جو لوگ انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبور کی زیارت کرنے آتے ہیں اور انہیں پکارنے اور ان سے سوال کرنے کی غرض سے آتے ہیں یا اس لئے آتے ہیں کہ ان کی عبادت کریں اور انہیں اللہ کے علاوہ پکاریں تو ایسے لوگ مشرکین ہیں"۔ [1]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

---

[1] الرد علی الاخنائی : ٥٢ بحوالہ کلمہ گو مشرک ص ٨٦ ناشر مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ لاھور۔

''دُعا بھی عبادت میں سے ہے، جو شخص مردہ یا غائبین مخلوقات کو پکارتا ہے اور ان سے مدد طلب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا اور نہ اس کے رسول نے امر وجوبی اور نہ استحبابی ایسا شخص دین میں متبدع ربّ العالمین کے ساتھ مشرک ہے''۔ [1]

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت:

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص قرون اولیٰ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت اور لوگوں کے موجودہ اعمال کے مابین موازنہ کرنے کی کوشش کرے تو جمع بین الضدین کا احساس ہوگا، دراصل وہ شخص دو ایسی چیزوں کو جمع کرنے والا ہوگا جو کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزار کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ لوگ وہاں ضرور نماز پڑھتے ہیں، انہیں قبر پر یا اس کے پاس مسجد بنانے سے روکا ہے، لیکن یہ وہاں ضرور مسجد بناتے ہیں، بلکہ انھیں مشاہد اور یادگار کا نام دیتے ہیں، تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے گھر کے مدمقابل بنا دیں، قبروں پر چراغ جلانے سے روکا ہے، لیکن یہ لوگ ضرور قبرستان میں چراغاں کرتے ہیں، بلکہ قبر پر چراغاں کے لئے جائیداد تک وقف کر دیتے ہیں، قبرستان یا قبر سے متعلق جشن منانے یا خوشی کا دِن منانے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، لیکن یہ حضرات بالکل عید و بقر عید کی طرح مقابر و مزارات میں عید، جشن اور عرس مناتے ہیں''۔

پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا:

''زیارت قبور کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی اور اس کے متعلق جو ضوابط ہیں وہ صرف آخرت یاد دلانے کے لیے اور صاحب قبر کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرنے کے لیے ہے یعنی یہ کہ اس کے لیے دعا کی جائے، اس کے لیے اللہ سے رحمت کی درخواست کی جائے، اس کے لیے استغفار کیا جائے اور عافیت کی دعا کی جائے، ان باتوں کی وجہ سے زیارت کرنے والا اپنے لیے بھلائی کرتا ہے اور میت کے لیے بھی لیکن قبوری مشرکوں نے معاملہ کو بالکل اُلٹ دیا، دین کو سرے سے بدل دیا، زیارت کا اصلی مقصد شرک بنا لیا، لہٰذا میت سے اور میت کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے، اسی کے توسل سے اپنی ضروریات مانگی جاتی ہیں، ان کے واسطہ سے برکت نازل کروائی جاتی ہے، دشمنوں کے خلاف اپنی نصرف کی دُعا کی جاتی ہے، وغیرہ۔ نعوذ باللہ من کل ذالک۔ ان سب حرکات کی وجہ سے یہ لوگ اپنے

---

[1] کتاب الوسیلہ بحوالہ توحید خالص ص ۵۰۷ للشیخ ابی محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ بحوالہ کلمہ گو مشرک ص ۸۷.

آپ اور میت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹا نقصان پہنچا رہے ہیں۔[1]

مذکورہ اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرزِ عمل:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان میں حد سے زیادہ غلو اور عیسائیوں کی طرح افراطِ محبت سے روکا۔ لیکن فاسد العقیدہ لوگوں نے ایک تو عیسائیوں کے عقیدے' مسیح ابن اللہ کے مقابلے میں نور من نور اللہ کا عقیدہ گھڑ لیا اور اس کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی گھڑ لی جو حدیث جابر کے نام سے مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور میں سے نبی کریم ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے عرش وقلم اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی (نعوذ باللہ من ذٰلک) حالانکہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ذیل کے اشعار سے بھی ان کا غلط عقیدہ اور غلو محبت واضح ہے۔ ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیے!

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
شریعت کا ڈر ہے نہیں تو صاف کہہ دوں — حبیب خدا خود خدا بن کے آیا
ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں — خدا ہے' تجھے کیا خبر ہی نہیں
مقام اس نبی کا عرش بریں ہے — خدا نہ کہے جو' وہ کافر لعیں ہے
کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں — وہ بھی الٰہ ہے یارو' یہ بھی الٰہ ہے یارو

اور یہ غلو صرف نبی کریم ﷺ ہی کے بارے میں نہیں کیا گیا' بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہوں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں کہا گیا:۔

اوّل محی الدین آخر محی الدین — ظاہر محی الدین باطن محی الدین
انت شافی انت کافی فی مہمات الامور — انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل
یا غوث اعظم بہر خدا سن عرض میں بدکاردی — تدھ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیماردی
المدد یا غوث اعظم المدد یا دست گیر — تیری نگاہ درکار رہے پیرانِ پیر

اور خود خواجہ غلام فرید کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میری لاکھ جانیں قربان اس پر — جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا
چاچڑ وانگ مدینہ دسے کوٹ مٹھن بیت اللہ — ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
جو مشتاق نظارہ ہو' میری خواجہ کو آ دیکھے — عیاں نشانِ خدائی ہے' فقط پردہ ہے انسان کا

[1] اغاثة اللهفان: ۱/۲۱٤، ۲۱۷ بحواله كتاب التوحيد ص ۸٦، ۸۷ ناشر دارالاندلس.

ایک اور صاحب اپنے پیرو مرشد کے بارے میں لکھتے ہیں:

اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو   نہ ہوتا ڈر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو [1]

ان اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ غلو جس سے پچھلی قومیں گمراہ ہوئیں اور ان کے اندر توحید کی جگہ شرک آیا' کیا وہ غلو اس اُمت کے اندر نہیں آیا اور وہی مشرکانہ خیالات وعقائد ان کے اندر بھی پیدا نہیں ہوئے؟

2 نبی کریم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا' لیکن مذکورہ قسم کے لوگوں نے نہ صرف قبروں کو پختہ کیا' بلکہ ان پر شاندار عمارتیں اور قبے تعمیر کئے۔

3 رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے اور انہیں سجدہ گاہ بنانے سے روکا اور ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنا کر چھوڑا۔ چنانچہ بعض لوگ وہاں سجدے بھی کرتے ہیں' قبروں پر دست بستہ قیام بھی کرتے ہیں' قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں' واضح رہے کہ طواف نماز کے حکم میں ہے جیسا کہ احادیث میں صراحت ہے قبر میں مدفون شخص سے اُمید و استغاثہ بھی کرتے ہیں' خانہ کعبہ کی طرح قبروں کو عرق گلاب سے دھوتے اور اس کی دھوون کو اکسیر اور مقدس جانتے ہیں' قبروں پر غلاف چڑھاتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں' اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے' جو کہ یہ لوگ غیر اللہ سے کرتے ہیں اور یوں غیر اللہ کی عبادت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

4 قبروں کو عید (یعنی میلے ٹھیلے کی جگہ) بنانے سے نبی کریم ﷺ نے روکا' لیکن لوگ قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ میلے لگاتے ہیں' جہاں شرک و بدعت کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے اور حیا باختگی اور فحاشی بھی۔

5 ان عرسوں پر لوگ دور دراز سے شد رحال کر کے آتے ہیں اور ان میں شرکت کو اجر و ثواب اور تقرب کا باعث سمجھتے ہیں' حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب' شد رحال (سفر اختیار کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

6 کئی جگہ ان قبروں کا طواف تک کیا جاتا ہے اور کئی جگہ ان قبروں پر اجتماع کو حج کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

7 نبی کریم ﷺ نے قبروں پر کتبہ (نام لکھ کر) لگانے سے منع فرمایا ہے' لیکن لوگ ان قبروں پر نہ صرف ناموں کے بڑے بڑے بورڈ لگاتے ہیں بلکہ ان میں ان کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے

---

[1] ''حمایت توحید'' (مطبوعہ ۱۹۷۰ء)۔

ملائے جاتے ہیں جو اطراء (بے حد مدحت و تعریف) میں آتے ہیں' جس کی نبی ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔

8 ان قبروں پر نذر و نیاز کا بھی ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد ان فوت شدہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا اور اپنی حاجات ان سے پوری کروانا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی عبادت ہے جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ اسی لیے اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا جائز نہیں۔

9 ان قبروں پر چراغ جلانے کو بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے' حالانکہ نبی ﷺ نے ایسے لوگوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اُمت' شرکیہ عقائد و اعمال سے پاک ہے' کیا مذکورہ امورِ مشرکانہ نہیں ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی اُمت کو شرک سے بچانے کے لیے جو احتیاطی تدابر بیان فرمائی تھیں اور جو جو بند تعمیر کئے تھے' اس اُمت نے ان تدابر کو کوئی اہمیت دی ہے نہ ان بندوں ہی کی حفاظت کی ہے۔ بلکہ ان سب احتیاطی تدابیر کی خلاف ورزی کر کے اور سب حفاظتی بندوں کو توڑ دیا۔ نتیجتاً یہ شرک و بدعت کی گہری دلدل میں پھنس چکے ہیں۔

کل کے بت پرست اور آج کے قبر پرست = فرق کیا ہے؟

مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے ساتھ اور موجودہ دور کے مسلمانوں کا قبروں میں دفن بزرگوں کے ساتھ افعال اور اعمال میں کیا فرق ہے آیئے ذرا جائزہ لیں۔

1 وہ مشکل اور پریشانی کے وقت اپنے بتوں کو پکارتے تھے یہ مشکل اور پریشانی کے وقت قبر والوں کو پکارتے ہیں۔

2 وہ ان بتوں کو اللہ کے ہاں سفارشی سمجھتے تھے یہ قبر والوں کو اللہ کے ہاں سفارشی سمجھتے ہیں۔

3 وہ ان بتوں کو وسیلہ اور واسطہ سمجھتے تھے یہ قبر والوں کو واسطہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں۔

4 وہ بتوں کو اس لئے پکارتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ جن بزرگوں کے یہ بت ہیں وہ اللہ کے نیک لوگ تھے اور ان کے ذریعے سے ہماری دعا جلدی پوری ہو جائے گی۔ یہ قبر والوں کو اللہ کے نیک لوگ سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہوئے انہیں پکارتے ہیں کہ ان کے ذریعے دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔

5 وہ بتوں کو اس لئے پکارتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ نے ان بتوں کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ یہ قبر والوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔

6 وہ اپنے بتوں کے نام نذر و نیاز دیتے تھے۔ یہ بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔

7 وہ بتوں کے نام کی منتیں مانتے تھے۔ یہ قبر والے بزرگوں کے نام پر منتیں مانتے ہیں۔
8 وہ بتوں پر چڑھاوا چڑھاتے تھے، یہ مزاروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔
9 وہ بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے، یہ بزرگوں کے نام پر جانور وقف کرتے ہیں۔
10 وہ بتوں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے، یہ مزاروں پہ جا کر بکرے ذبح کرتے ہیں۔
11 وہ اپنے بتوں کا طواف کیا کرتے تھے، یہ قبروں کے پھیرے لگاتے ہیں۔
12 وہ بتوں پر چادریں چڑھاتے تھے۔ یہ مزاروں پر چادریں چڑھاتے ہیں۔
13 وہ بتوں کو بوستہ دیتے تھے، یہ قبروں کو بوسہ دیتے ہیں۔
14 وہ بتوں کے سامنے احتراماً کھڑے ہوتے تھے (یعنی قیام کرتے تھے)۔ یہ قبروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر احتراماً کھڑے ہوتے ہیں۔
15 وہ بتوں پر ماتھا ٹیکتے تھے، یہ قبروں پر ماتھا ٹیکتے ہیں۔
16 وہ بتوں والی جگہ کو بابرکت اور وہاں کی چیزوں کو تبرک سمجھتے تھے۔ یہ قبر والی جگہ کو بابرکت اور وہاں کی چیزوں کو تبرک سمجھتے ہیں۔
17 وہ بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے یہ قبروں کی مجاوری کرتے ہیں۔
18 وہ بتوں کے آگے رکوع وسجود کرتے تھے۔ ہمارے ہاں بھی بعض مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جو ان قبروں پر رکوع وسجود کرتے ہیں۔

اب آپ کسی تعصب کے بغیر، کھلے دِل سے موازنہ کریں کہ مکہ کے مشرک اور آج کل کے قبر پرست مسلمان کے درمیان کیا فرق ہے؟ اگر ان کے وہ سارے کام جو وہ بتوں کے ساتھ کرتے تھے شرک ہیں تو وہی کام اگر آج کے مسلمان قبروں کے ساتھ کریں تو وہ شرک کیوں نہیں ہوگا۔ یقیناً یہ بھی شرک ہے۔

دراصل شیطان نے بڑی ہی خطرناک اور شاطرانہ چال چلی۔ اسے یقین تھا کہ کلمہ پڑھنے والے مسلمان بتوں کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ان کچے اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے سامنے بت کی بجائے قبر کر دی۔ اس نے لوگوں کو بتوں اور مورتیوں کی بجائے قبروں پر لگا دیا۔ اور پھر وہ سارے کام قبروں کے ساتھ کروائے جو وہ مشرکین مکہ سے بتوں کے ساتھ کرواتا تھا۔ کیونکہ مقصد کام سے ہے، نام سے نہیں۔ مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور صراطِ مستقیم سے ہٹانا ہے۔ پہلے اس نے اس کام کے لئے بت استعمال کئے اب وہ اس کام کے لئے قبر استعمال کر رہا ہے۔

ذبح لغیر اللہ:

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ [النحل:١٦/١١٥]

''تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں''۔

جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد اور ذبح کیا جائے اس کی دو بڑی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور خوشنودی کے لئے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے جس کو کہ راضی کرنا مقصود ہو۔ یہ صورت بالاتفاق حرام ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کا مقصد تو بت یا بزرگ ولی وغیرہ کا تقرب اور خوشنودی ہو لیکن ذبح کرتے وقت نام اللہ کا ہی لیا جائے۔ یعنی کسی بزرگ' ولی یا پیر کی خوشنودی اور رضا کے لئے جانور ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے۔ یہ صورت بھی سراسر حرام ہے۔ جس طرح کہ بعض لوگوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے نام پر وقف کرتے ہیں' مثلاً یہ بکرا فلاں پیر کا ہے' یہ گائے فلاں بزرگ کی ہے اور یہ جانور گیارھویں شریف یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو ذبح وہ بسم اللہ پڑھ کر ہی کرتے ہیں۔ اور اس کو وہ حرام نہیں سمجھتے حالانکہ احادیث اور فقہاء و علماء کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ صورت بھی حرام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1. حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے''۔ [1]

یعنی کسی بزرگ' ولی یا پیر کے تقرب اور خوشنود کے لئے ذبح کیا گیا جانور حرام ہے چاہے ذبح کرتے وقت کچھ بھی پڑھا جائے۔

2. امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''آیت ﴿ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کے معنی ہیں کہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے''۔ [2]

3. تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے: ''اگر کسی مسلمان نے کسی جانور کو ذبح کیا اور اس ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا ارادہ کیا وہ مرتد ہو گیا اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہے''۔ [3]

---

[1] مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللّٰه تعالی و لعن فاعله (٥١٢٤).

[2] مفردات القرآن، ص ١٠١٨.

[3] تفسیر کبیر، جلد٢، ص ٨١،٥/١٩٩ . نیشاپوری:٢/١٠٢ . تفسیر عزیزی ص ٤١١ بحواله اشرف الحواشی.

4. حاشیہ بیضاوی میں ہے: ”ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے حرام ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے اس لئے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا (یعنی اس کا کھانا حرام ہے)“۔ [1]

5. فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے: کسی حاکم اور اس طرح کسی بڑے (بزرگ، ولی، پیر وغیرہ) کی آمد پر (اس کی خوشنودی اور تعظیم کے لئے) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا۔ اس لئے کہ وہ وما اھل لغیر اللہ میں داخل ہے، اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید کی ہے۔ [2]

6. فوت شدہ بزرگوں کے معتقدین کا ان کی قبروں پر ذبح کرنے کا یہی حکم ہے۔ بلاشبہ یہ وما اھل لغیر اللہ میں داخل ہے اور اس میں اور بت کے لئے ذبح کرنے والے میں کوئی فرق نہیں۔ [3]

7. حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور وہ جانور کہ اس کے حق میں آواز اور شہرت دی جائے کہ غیر اللہ کے لیے ہے، خواہ وہ غیر بت ہو یا خبیث روح ہو...... خواہ کسی مکان یا سرائے پر مسلط جن ہو...... خواہ پیر یا پیغمبر ہو، ان کے نام پر اس طرح جانور زندہ مقرر کر دیا جائے یہ سب حرام ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا ملعون ہے، یعنی جو کوئی ذبح سے غیر اللہ کا تقرب چاہتا ہے وہ لعنتی ہے، خواہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے۔ کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں (بزرگ) کے لیے ہے پس اب ذبح کے وقت خدا کا نام لینا (یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا) بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کے نام نامزد ہو گیا اور اس میں (معنوی) خباثت پیدا ہو گئی ہے جو کہ مردار کی خباثت سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ مردار نے تو خدا کے نام کے بغیر جان دی ہے اور اس جانور کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کر کے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے۔ اور جب یہ خباثت اس

---

[1] حاشیہ بیضاوی شریف.

[2] كتاب الذبائح طبع قديم ۱۲۷۷ھ ص ۲۷۷. فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۲۰۳ مطبع میمنیہ، مصر. ردّ المحتار كتاب الذبائح ذبح لقدوم الأصير، درالمختار ۴۰۹/۴.

[3] فتح البیان، فتح القدیر جلد اوّل صفحہ ۱۴۸، الدر الفرید ص ۹۱ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۳۴۲ ناشر مکتبہ عمر فاروق.

میں سرایت کر چکی ہے تو یہ اللہ کا نام ذکر کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتے اور خنزیر کو اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال نہیں ہوں گے۔ ❶

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضمون اپنے فتاویٰ عزیزی (جلد اوّل ص ۵۶) میں بھی رقم فرمایا ہے۔

درحقیقت جان کی قربانی صرف جان آفرین کا حق ہے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا یا ذبح کرنا اسلام میں حرام ہے۔ قرآن کریم میں غیر اللہ کے لیے مذبوحہ جانور کو خنزیر کے گوشت' مردار اور لہو کے ساتھ شمار فرمایا گیا ہے۔ جس طرح لحم خنزیر یا مردار پر کروڑ دفعہ بھی بسم اللہ، اللہ اکبر کہو تو حلال نہیں ہوتا' اسی طرح غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور، جیسا کہ ہندو سانڈ یا گائے چھوڑتے ہیں' بوقت ذبح ان پر ایک بار نہیں کروڑ بار بھی اللہ کا نام لیا جائے یہ حلال نہیں ہو سکتے۔ ❷

پس اس میں وہ جانور بھی آ جاتے ہیں جو بعض مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لئے یا ان سے ڈرتے ہوئے یا ان سے نفع کی اُمید رکھتے ہوئے قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں' یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں اور مزاروں کے پاس بورڈ لگے ہوتے ہیں مثلاً ''داتا صاحب'' کی نیاز کے لئے بکرے یہاں جمع کئے جاتے ہیں)۔ ان جانوروں کو چاہے اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کیا جائے یہ حرام ہی ہوں گے۔ کیونکہ اس سے اصل مقصود رضائے الٰہی نہیں یہ مقصد ثانوی ہے اصل مقصد رضائے اہل قبور اور تعظیم بزرگان وفوت شدگان اور امید و ڈر اولیاء اللہ ہے جو کہ ان قبروں میں مدفون ہے اور یہ شرک ہے۔ اسی طرح جانوروں کے علاوہ جو اشیاء بھی غیر اللہ کی خوشنودی اور غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی' حرام ہوں گی۔ جیسے کوئی چیز مثلاً چاول' دودھ وغیرہ قبروں پر لے جا کر یا وہیں سے خرید کر' قبور کے ارد گرد فقرا و مساکین پر دیگوں اور لنگروں کی مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا وہاں صندوقچی میں نذر و نیاز کے پیسے ڈالنا یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ وغیرہ پہنچانا' یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں' کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورت ہے اور نذر بھی نماز' روزہ حج وغیرہ کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لئے مخصوص ہے' کسی غیر اللہ کے لئے نذر یعنی غیر اللہ کی عبادت صریحاً حرام اور شرک ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ''جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور

---

❶ تفسیر فتح القدیر، تفسیر سورۃ بقرہ، آیت وما اهل به لغير الله.

❷ فتاویٰ عزیزی جلد اوّل ص ۵۶ بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۳۴۳، ۳۴۴ ناشر مکتبہ عمر فاروق۔

ذبح کیا وہ ملعون ہے"۔ ❶

علاوہ ازیں یہ دوسری صورت وما ذبح علی النصب جو آستانوں پر ذبح کئے جائیں میں بھی داخل ہے' جسے سورۃ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ [المائدہ : ۵/ ۳]

"تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو' اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے ذبح کر لو تو حرام نہیں' اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو"۔

مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر یا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ مقرر کرتے تھے جسے نُصُبٌ یعنی تھان یا آستانہ کہتے تھے۔ اسی جگہ پر وہ بتوں اور بزرگوں کے نام نذر کئے گئے جانور ذبح کرتے تھے۔ جو کہ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں' مقبروں اور درگاہوں پر مدفون افراد کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا یا پکی ہوئی دیگیں تقسیم کرنا یا دودھ اور شربت بانٹنا' ان کا کھانا اور پینا حرام ہے یہ سب وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں داخل ہیں۔ کیونکہ اس کا مقصود قبر میں مدفون بزرگ کی خوشنودی' رضا اور تقرب ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ پر اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید (میلہ) تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی تو آپ ﷺ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا"۔ ❷

اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی آستانوں پر جا کر ذبح کرنا جائز نہیں' چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر ذبح کئے جائیں جہاں بزرگ مدفون ہیں۔

---

❶ صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ البانی، جلد ۲ ص ۱۰۲٤ (۱۰۸۳۱). مسند احمد ۱۸۷۸، ۲۹۰۹.

❷ ابوداؤد، کتاب الایمان والنذور، باب ما یومر بہ من وفاء النذر (۳۳۱۳).

ذبح لغیر اللہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ:

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے مملوکہ چوپایوں میں سے عمدہ ترین چوپایہ لاتے ہیں اور اسے مویشی میں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پھر اس کو قبر کے پاس لے جا کر ذبح کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ صاحب قبر کا تقرب چاہتے ہیں اور جس چیز کا حصول دِل میں لئے رکھا ہے اس کی اُمید کرتے ہیں۔ یوں اس کو غیر اللہ کے لئے پکار کر ذبح کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اس قبر کی یوں عبادت کرتے ہیں جیسے وہ بتوں میں سے ایک بت ہے' کیونکہ ذبح خواہ نصب کئے ہوئے پتھروں کے لئے' جنہیں وثن کہتے ہیں۔ خواہ میت کی قبر کے لئے جسے قبر ہی کہتے ہیں۔ ذبح کریں دونوں میں کوئی فرق نہیں اور محض نام کا اختلاف حق کے مقابل کچھ کام نہیں دے سکتا اور نہ ہی تحلیل وتحریم پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ جو شراب کے لئے کوئی اور نام استعمال کرے اور اسے پیئے تو اس کا حکم مسلمانوں میں کسی اختلاف کے بغیر وہی ہوگا جو شراب کو شراب کا نام رکھ کر پینے والے کا ہے۔

اور کوئی شک نہیں کہ جانور ذبح کرنا بھی عبادت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے بندوں سے عبادت کروائی ہے۔ جیسے کہ ہدی (حج میں ذبح کئے جانے والے جانور)' اور فدیئے اور (بقر عید کی) قربانیاں لہٰذا ان کے ذریعے قبر کا تقرب چاہنے والے اور انہیں قبر کے پاس ذبح کرنے والے کی غرض اس سے صرف یہ ہے کہ اس کی تعظیم و اکرام کرے اور اس سے خیر کا حصول چاہے اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا عَقْرَ فِي الإِسْلَامِ)).

''اسلام میں قبر کے لئے ذبیحہ نہیں''۔ [1]

فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کیے جانے والے کام حرام ہیں):

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ تمام قبر پرست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی میں بھی ان امور کو جن کا ارتکاب قبر پرست کرتے ہیں' حرام و باطل اور کفر وشرک بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''دُرِّ مختار'' میں ہے:

---

[1] شرح الصدور فی تحریم رفع القبور ص ١٦.

''معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر عوام مُردوں کے نام پر جو نذریں اور نیازیں دیتے ہیں' چڑھاوے چڑھاتے ہیں' اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں' وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں''۔ ❶

درمختار کی مشہور شرح ردالمحتار (المعروف فتاویٰ شامی) میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے:

''اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے یہ ہے کہ

○ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں' اس لئے یہ (نذر بھی) عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں۔

○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ مَنْذُوْر لَہٗ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں' حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے''۔ ❷

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے' اس میں لکھا ہے کہ:

''اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا' یہ نذر بالاجماع باطل ہے''۔

پھر لکھا ہے:

''پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر اُن کا قرب حاصل کرنے (اور ان کو راضی کرنے) کے لئے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں''۔ ❸

---

❶ درمختار: ۲/ ٤٣٩، جلد اوّل، مطلب فی القدر بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۹۸ ناشر دارالسلام.

❷ شامی، جلد ۲، کتاب الصوم، مطلب فی القدر، ردالمحتار ۲/٤٨٣.

❸ فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۲۱٦، باب الاعتکاف، طبع مصر بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت ص ۹۷ ناشر دارالسلام.

یہ اس وجہ سے ناجائز اور حرام ہے کہ نذر اور منت نماز' روزہ' صدقہ اور خیرات کی طرح عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نذر و نیاز اور منت کسی اور کی عبادت ہے جو کہ سراسر حرام اور شرک ہے۔

یہی حال گیارھویں شریف کا ہے کہ اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر بانٹا جاتا ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی مزید وضاحت:

کوئی شک نہیں کہ سبب اعظم جس کی وجہ سے مُردوں کے بارے میں یہ عقیدت پروان چڑھی ہے وہ ہے قبروں کی اونچائی' ان پر پردے لٹکانا' انہیں پختہ کرنا' انہیں خوب بڑھ چڑھ کر مزین کرنا اور ان کی کامل ترین تحسین' جسے شیطان نے لوگوں کے لئے بنایا سنوارا ہے۔

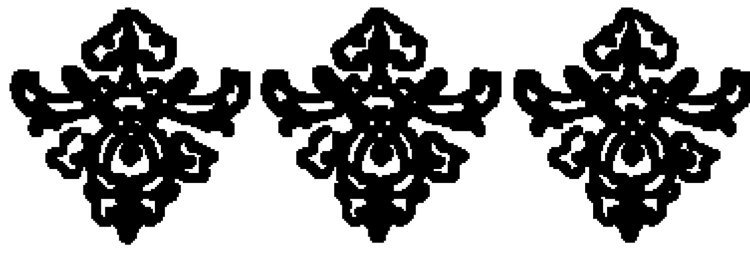
کیونکہ جاہل کی نظر جب کسی ایسی قبر پر پڑتی ہے جس پر قبہ بنا ہوا ہے' پھر اندر داخل ہوتا ہے اور قبر پر دلفریب پردے اور جگمگاتے چراغ دیکھتا ہے اور گردوپیش خوشبو کی دھونی پھوٹ رہی ہوتی ہے تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس کا دِل اس قبر کی تعظیم سے بھر جاتا ہے اور اس میت کے درجے کے تصور سے اس کا ذہن تنگ ہو جاتا ہے اور اس پر ایسا رُعب و دبدبہ پڑتا ہے کہ اس کے دِل میں شیطانی عقائد کے بیج پڑ جاتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے شیطان کے عظیم ترین داؤ پیچ میں سے ہیں اور بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے سخت ترین وسائل میں سے ہیں۔ جو بندے کو اسلام سے تھوڑا تھوڑا پھسلاتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس قبر والے سے ایسی چیز طلب کرنے لگتا ہے جس پر اللہ سبحانہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ یوں وہ مشرکین کے شمار میں چلا جاتا ہے۔

کبھی شیطان ایسا بھی کرتا ہے کہ بنوآدم میں سے اپنے بھائیوں کے ایک گروہ کو اس قبر پر کھڑا کر دیتا ہے اور وہ قبر پر آنے والے زائرین کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان پر معاملے کو ہولناک بنا کر پیش کرتے ہیں اور خود اپنی طرف سے بہت سے کام کر کے انہیں اس طرح میت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ غفلت کے مارے ہوئے اسے سمجھ نہ سکیں۔ اور کبھی ایسی اشیاء پر مشتمل جھوٹ بناتے ہیں جنہیں وہ اس میت کی کرامات کہتے ہیں اور انہیں لوگوں میں پھیلاتے ہیں' اور اپنی مجالس میں اور لوگوں کے اجتماع کے وقت بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں۔

اس طرح وہ جھوٹی کرامات' پھیلتی اور شہرت پاتی ہیں اور انہیں مردوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے والا مانتا ہے۔ اور اس کی عقل ان کے بارے میں روایت کئے جانے والے جھوٹ قبول کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے جیسے سنا ہوتا ہے انہیں ویسے ہی روایت کرتا ہے اور اپنی مجالس میں انہیں بیان کرتا ہے۔

اس طرح وہ شرکیہ اعتقاد کی مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد وہ جو علم بھی حاصل کرتا ہے وہ اسے کام نہیں دیتا۔ بلکہ وہ ہر اس حجت شرعی' جو بتلاتی ہے کہ یہ بعینہ شرک ہے' سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی کو یہ بات کہتے ہوئے سنتا ہے تو اس کا انکار کرتا ہے۔ اس کا کان اس سے بیزار ہوتا ہے۔

کیونکہ یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ جس چیز کو اعظم اطاعت سمجھتا تھا اسی کے قبیح تر برائی' اور سب سے بڑا احرام ہونے کی طرف یکبارگی اور بیک وقت اپنے ذہن کو منتقل کر دے۔ ❶



❶ شرح الصدور ص ١٦ الدر النفید ص ٢٢٢، بحوالہ شفاء الصدور بترجمہ قبے اور مزارات کی تعمیر ص ٧٣، ٩٩ مؤلف آل شیخ محمد بن ابراهیمؒ، ناشر دارالسلام.

باب نمبر 12

سماعِ موتیٰ

اس باب میں

- مردوں کے سننے کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث رسول ﷺ
- سماع موتیٰ کے قائلین کے دلائل مثلاً
- جنگ بدر کے مقتولین کا موت کے بعد سننا
- اہل قبور کو السلام علیکم کہنا اور
- جوتوں کی چاپ وغیرہ جیسے دلائل اور ان کی حقیقت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔
- اس باب کے آخر میں حافظ مولانا عبداللہ بہاولپوری کا مکالمہ ''کیا مردے سنتے ہیں؟'' درج کیا گیا ہے۔ سماع موتیٰ کے متعلق جتنی بہترین اور اعلیٰ تشریح اس مکالمے کے ذریعے کی گئی ہے وہ کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔

سماعِ موتیٰ

سماعِ موتیٰ کا مسئلہ صرف ایک تحقیقی مسئلہ ہی نہیں بلکہ شرک کا چور دروازہ ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید نے سماعِ موتیٰ کے تمام امکانی پہلوؤں کو پوری قوت کے ساتھ ختم کر دیا ہے' اور جن استثنائی صورتوں میں سماع کا بیان ہے' تو اللہ رب العالمین اس چیز پر قادر ہے' اس کا انکار نہیں۔ اصل مسئلہ ہے مطلقاً مردوں کے سننے کا' تو شریعت نے اس کی نفی کی ہے اور استثنائی چیزوں کو دلیل بنا کر مطلقاً سماعِ موتیٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ وہ عالم برزخ کا معاملہ ہے۔ جو قرآن وسنت میں بیان ہوگا' اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔ اب غور کیجئے' حدیث میں آتا ہے' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب جنازہ رکھا جاتا ہے' اور جب آدمی اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں' پس اگر وہ (میت) نیک ہو تو کہتی ہے کہ مجھے جلدی لے جاؤ اور اگر وہ نیک نہ ہو تو کہتی ہے ہائے افسوس! تم کہاں لے جا رہے ہو' اس آواز کو انسانوں کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے' اگر انسان اس کو سن لے تو بے ہوش ہو جائے''۔ ❶

اس حدیث میں مردوں کے کلام کا ذکر ہے' تو کلامِ موتیٰ پر گفتگو نہیں کی جاتی کیونکہ اس سے چوری پکڑی جاتی ہے' کیونکہ یہ کلام عالم برزخ کا معاملہ ہے' ہم نہیں سن سکتے۔ اگر سن سکتے ہیں تو مشاہدہ سے دلیل پیش کرو۔ اسی طرح سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ہے کہ مردے سن نہیں سکتے اور اگر اللہ چاہے تو سنا سکتا ہے۔ اب قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور پھر سماعِ موتیٰ کے قائلین کے دلائل اور ان کی حقیقت کو واضح کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

آیاتِ قرآنی:

① اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا:

''یا اس شخص کی مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی' وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو

---

❶ صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب حمل الرجال الجنازه دون النساء (١٣١٤).

سال کے لئے۔ پھر اسے اٹھایا۔ پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا بلکہ تو سو سال تک سویا رہا"۔[البقرۃ:۲/۲۶۹]

آپ کی اس سو سالہ موت کے عرصہ میں چھتیس ہزار (۳۶۰۰۰) بار سورج طلوع و غروب ہوا اور چاند بھی طلوع و غروب ہوتا رہا۔ موسم سرما اور گرما سو بار گزرے۔ سینکڑوں بار بارشیں برسی ہوں گی' سینکڑوں بار بادل گرجے' بادلوں سے کڑاکے دار آوازیں آئیں' بھونچال آئے' سینکڑوں بار آندھیاں آئیں' مگر آپ کو ان میں سے کسی ایک چیز کا احساس نہ ہوا' نہ آپ کی قوت شنوائی تھی جو اتنی آوازوں کا احساس فرماتے' نہ ہی قوت باصرہ تھی جو دیکھنے کے قابل چیزوں کو دیکھ لیتے' نہ آپ میں قوت لامسہ تھی جو ایسی چیزوں کو محسوس کرتے' جو اس قوت کے ساتھ متعلق ہیں حالانکہ زمین میں آپ مدفون بھی نہ تھے' بلکہ روئے زمین پر آپ کا جسد اطہر صحیح سلامت قائم رہا اور دیکھنے کا آلہ معصوم آنکھیں بھی محفوظ تھیں اور سننے کا آلہ معصوم کان بھی بدستور محفوظ تھے' مگر آپ کو کسی چیز کا احساس نہ ہوا۔ اس آیت کریمہ سے سماع موتی کی مکمل تردید ہوتی ہے کہ مردے سن نہیں سکتے۔

② قرآن مجید نے سورۃ کہف میں چند خوش نصیب نوجوانوں کا تذکرہ کیا ہے' جنہوں نے وقت کے مشرک حکمران اور غیر اللہ کی پجاری قوم کے سامنے اللہ کی توحید کا نعرہ بلند کیا۔ حکمران اور عوام نے ان نوجوانوں کو دین توحید سے باز رکھنے کے لیے شدت کا راستہ اپنایا تو یہ نوجوان دین توحید کے لیے وطن چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک غار میں کچھ دیر کے لیے آرام کی غرض سے لیٹے مگر اللہ رب العزت نے انہیں تین سو نو سال تک میٹھی نیند سلا دیا۔ تین سو نو سال کے بعد انہیں جگایا' جاگنے کے بعد ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے' ایک نے پوچھا کَمْ لَبِثْتُمْ. تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو۔ کچھ نے جواب دیا: لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ. ہم یہاں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔ کچھ کہنے لگے: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ. اس بحث کو چھوڑو کہ ہم کتنی دیر رہے ہیں' تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے ہو اب تو بھوک لگی ہے' اس کا کوئی انتظام ہونا چاہیے۔

اصحاب کہف کی اس گفتگو سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ وہ نیند کے دوران اردگرد کے حالات سے اور دُنیا کی آوازوں سے بے خبر اور غافل تھے۔ انہیں اپنے سونے کی صحیح مدت تک کا علم نہیں تھا۔ جب سونے والا دُنیا کے حالات سے بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے تو موت کا جام پینے والا دُنیا والوں کی آوازوں کو کس طرح سن سکتا ہے۔

ذرا سوچیے ایک زندہ بزرگ اپنے مریدوں کے ہاں اگر نیند کی وادی میں چلا جائے' وہ خراٹے بھر رہا ہے اور اس کا سانس آ جا رہا ہے۔ ایک مرید اس سوئے ہوئے بزرگ کے سرہانے کھڑے ہو کر کہتا

ہے۔ بابا میرا بیٹا بیمار ہے اس کی صحت کے لیے دُعا کر دیجئے۔ دوسرے مرید اس شخص کو کیا کہیں گے؟ ارے پاگل! حضرت جی سوئے ہوئے ہیں اور سویا ہوا دُنیا والوں کی گفتگو کو نہیں سن سکتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کر لیجئے کہ جب سویا ہوا بزرگ دُنیا والوں کی گفتگو کو نہیں سن سکتا تو پھر موت کا جام پینے اور زیرِ زمین دفن ہونے کے بعد وہ بزرگ دُنیا والوں کے کلام سلام کو کس طرح سن سکتا ہے۔

③ ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴾ [نمل : ۲۷/۸۰]

"بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے، جب پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں"۔

اسی طرح سورۃ روم آیت ۵۲ میں بھی یہی حکم ہے۔

بہرہ آدمی بات کو سن نہیں سکتا، بالخصوص اس صورت میں کہ وہ بہرہ اُلٹے پاؤں جا رہا ہو۔ بہرے آدمی کا چہرہ اگر بات کرنے والے کی طرف ہو تو وہ اشاروں سے یا بات کرنے کے انداز سے ہی کچھ نہ کچھ سمجھ جائے گا، لیکن اگر اس کا رُخ ہی بات کرنے والے سے اُلٹی طرف ہو، تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکے گا، اسی طرح مردے ہیں چاہے وہ دِل کے مردے ہوں یا حقیقی وہ بات کو نہیں سمجھتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان آیات سے یہی سمجھا کہ مردے نہیں سنتے، اسی لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں، جن میں روح موجود نہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس سوال کرنے سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ مردے دُنیا والوں کی کلام کو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ مردے سنتے ہیں تو وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کبھی نہ کرتے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کے نہ سننے پر اس آیت کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا اور انھوں نے اس آیت کا مفہوم یہی سمجھا کہ مردے دُنیا والوں کی کلام سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن پاک کا مفہوم نبی علیہ السلام سے سمجھتے تھے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی قرآن مجید کی ان آیات کو سماعِ موتی کی نفی پر پیش فرمایا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

④ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ [نحل: ۱۶/۲۰، ۲۱]

"اور جن کو وہ مشرکین پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں وہ مردے ہیں زندہ نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے"۔

اس آیت میں اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ کے جملے وضاحت کر رہے ہیں کہ اس آیت سے پتھر کے بت نہیں بلکہ بزرگ مراد ہیں جو زندہ نہیں ہیں۔ دُنیا کے حالات کو جاننا اور دُنیا والوں کی باتوں کو سننا تو دور کی بات ہے ان کو تو اپنے حالات اور اپنے اٹھائے جانے کے بارے میں بھی علم نہیں ہے۔

⑤ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ [الاعراف: ۷/۱۹۴، ۱۹۵]

”بے شک جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا تم ان کو پکارو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر تم سچے ہو' کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں“۔

آیت نمبر۱۹۴ میں فرمایا جن کو مشرکین حاجات میں پکارتے ہیں وہ ان کی طرح بندے ہیں (بت نہیں)۔ پھر آیت نمبر۱۹۵ میں فرمایا کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ یعنی وہ بندے جن کو مشرکین پکارتے ہیں' سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے' اور دُنیا والوں سے بے خبر ہیں۔

⑥ ﴿وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝﴾ [فاطر: ۳۵/۱۳،۱۴]

”اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی پر پردہ کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور اگر (بفرضِ محال) سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام کو' اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھے کوئی اس طرح خبر نہیں دے گا جس طرح اللہ خبیر بتلائے گا“۔

آیت کریمہ کے اس حصہ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمایئے: وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ کہ وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے' کیا پتھر کے بت یا مٹی کی مورتیاں انکار کریں گی۔ ظاہر بات ہے اس آیت میں ذوی العقول انبیاء و اولیاء کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری پکار اور صدا کو نہیں سنتے۔ نیز اس آیت سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ کے سوا جن جن کو بھی اس عقیدے سے پکارا جائے کہ وہ ہماری پکار کو غائبانہ سن رہے ہیں'

نزدیک سے پکارے تب بھی شرک ہے' دور سے پکارے تب بھی شرک ہے' اس لیے کہ پکار صرف اللہ کا حق ہے۔

⑦ ﴿ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر: ٣٥/٢٢]

''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں' اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے' لیکن آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں''۔

یعنی جو لوگ قبروں میں جا چکے ہیں انہیں اللہ تو سنا سکتا ہے آپ نہیں سنا سکتے۔ کیونکہ قبروں میں پڑے ہوئے لوگ عالم برزخ میں جا پہنچے ہیں' عالم دُنیا میں نہیں ہیں۔ یہ آیت سماعِ موتی کا مکمل رد ثابت کرتی ہے۔ رہا قلیب بدر کا واقعہ جو احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جنگ بدر میں ستر (٧٠) مقتول کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دی گئیں تو تیسرے دِن رسول اللہ ﷺ نے اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا' تمہارے مالک نے جو سچا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے پالیا؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ مردوں کو سناتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کچھ اس سے زیادہ نہیں سنتے۔ البتہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔ تو اس سلسلہ میں دو گزارشات ہیں:

الف: یہاں سننے کی بجائے جاننے کا لفظ راجح ہے' جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ کافروں نے اپنے انجام کو پالیا اور وہ جان گئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سننے کا لفظ مرجوح ہے۔

ب: اگر سننے کا لفظ بھی مان لیا جائے تو سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا کہ اللہ نے اس وقت ان مردوں کو زندہ کیا تھا ان کی زجر و توبیخ' بدلہ لینے اور شرمندہ کرنے کے لیے۔ گویا یہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ کو عام حالات پر لاگو نہیں کیا جاتا اور فی الحقیقت سنانے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا۔

⑧ ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ [الاحقاف:٤٦/٥،٦]

''اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے' بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں' اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے''۔

اس آیت کی تفسیر میں تفہیم القرآن میں ہے: ''یعنی ان تک ان پکارنے والوں کی پکار سرے سے پہنچتی ہی نہیں نہ وہ خود اپنے کانوں سے اس کو سنتے ہیں نہ کسی ذریعہ سے ان تک یہ اطلاع پہنچتی ہے

کہ دُنیا میں کوئی انہیں پکار رہا ہے۔ اس ارشادِ الٰہی کو تفصیلاً یوں سمجھئے کہ دُنیا بھر کے مشرکین اللہ کے سوا جن ہستیوں سے دُعائیں مانگتے ہیں وہ تین اقسام پر منقسم ہیں' ایک بے روح اور بے عقل مخلوقات' دوسرے وہ بزرگ انسان جو گزر چکے ہیں' تیسرے وہ گمراہ انسان جو خود بگڑے ہوئے تھے' اور دوسروں کو بگاڑ کر دُنیا سے رخصت ہوئے۔

پہلی قسم کے معبودوں کا تو اپنے عابدوں کی دُعاؤں سے بے خبر رہنا ظاہر ہی ہے۔ رہے دوسری قسم کے معبود جو اللہ کے مقرب انسان تھے' تو ان کے بے خبر رہنے کے دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے ہاں اس عالم میں ہیں جہاں انسانی آوازیں براہِ راست ان تک نہیں پہنچتیں' دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی ان تک یہ اطلاع نہیں پہنچاتے کہ جن لوگوں کو آپ ساری عمر اللہ سے دُعا مانگنا سکھاتے رہے تھے وہ اب اُلٹی آپ سے دُعائیں مانگ رہے ہیں' اس لیے کہ اس اطلاع سے بڑھ کر ان کو صدمہ پہنچانے والی کوئی چیز نہیں ہوسکتی اور اللہ اپنے ان نیک بندوں کی ارواح کو اذیت دینا ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد تیسری قسم کے معبودوں کے معاملہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان کے بے خبر رہنے کے بھی دو وجوہ ہیں' ایک یہ کہ وہ ملزموں کی حیثیت سے اللہ کے ہاں حوالات میں بند ہیں' جہاں دُنیا کی کوئی آواز نہیں پہنچتی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی انہیں یہ اطلاع نہیں پہنچاتے کہ تمہارا مشن دُنیا میں خوب کامیاب ہو رہا ہے' اور لوگ تمہارے پیچھے تمہیں معبود بنائے بیٹھے ہیں اس لیے کہ یہ خبریں ان کے لیے مسرت کا باعث ہوں گی اور اللہ ان کو ہرگز خوش کرنا نہیں چاہتا۔

اس سلسلے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دُنیا والوں کے سلام اور دُعائے رحمت پہنچا دیتا ہے' کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے فرحت کا سبب ہیں' اسی طرح وہ مجرموں کو دُنیا والوں کی لعنت اور پھٹکار اور زجر و توبیخ سے مطلع فرما دیتا ہے۔ جیسے جنگ بدر میں مارے جانے والے کفار کو ایک حدیث کے مطابق نبی ﷺ کی توبیخ سنوا دی گئی۔ کیونکہ ان کے لیے یہ اذیت کا موجب ہے۔ لیکن کوئی ایسی بات جو صالحین کے لئے رنج کا موجب یا مجرمین کے لیے فرحت کا موجب ہو ان تک نہیں پہنچائی جاتی۔ اس تشریح سے سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے''۔ [1]

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے دشمن وہ نہیں جو ان کی صحیح پیروی

---

[1] تفهيم القرآن، جلد ٤.

کرتے ہیں' ان کے نقش قدم کو نگاہ میں رکھتے ہیں' ان کو ان کا اصلی مقام دیتے ہیں' بلکہ ان کے دشمن وہ ہیں جو ان کی قبروں کو پختہ کرتے ہیں' ان پر قبے بنا کر عرس میلے اور قوالیاں کرتے ہیں' مشکل میں ان کو پکارتے ہیں' اور ان کی نذر و نیاز کر کے ان کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کھول کھول کر ان کو اولیاء اللہ کا دشمن بتایا ہے۔

حدیث قدسی ہے' جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اُس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ [1]

⑨ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾ [الزخرف:۴۳/ ۸۰]

''کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کے راز اور مشورے سن نہیں رہے' کیوں نہیں بلکہ ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی لکھتے رہتے ہیں''۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ ﴾ [المجادلة : ۵۸/ ۷]

''ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں مشورہ ہو تو چوتھا وہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں مشورہ ہو تو ان کا چھٹا وہ نہ ہو' اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ یقیناً ان کے ساتھ ہوتا ہے''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ساری مخلوق کی بات سننے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اگر یہی نظریہ کسی اور کے متعلق بنالیں کہ وہ بھی ساری مخلوق کی گفتگو سنتا ہے تو یہ شرک باللہ ہے کیونکہ یہ وصف تو رب العالمین کا ہے جو تمام کی آواز سنتا ہے۔ پس جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی طرح کوئی انسان بھی تمام بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے تو ان کا یہ نظریہ عیسائیوں والا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔

احادیث مبارکہ:

① ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ کے دوران فرمایا:

''لوگو! تم اللہ کے سامنے ننگے پاؤں' ننگے بدن' بے ختنہ حشر (جمع) کئے جاؤ گے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ... تا آخر ﴾

پھر فرمایا:

---

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع (٦٥٠٢).

''سن لو! قیامت کے دِن ساری خلقت میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور میری امت کے کچھ لوگ حاضر کیے جائیں گے جنہیں فرشتے بائیں طرف (دوزخ کی طرف) لے چلیں گے۔ میں کہوں گا' اے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی' امتی ہیں۔ جواب ملے گا' آپ نہیں جانتے آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں' بدعتیں نکالیں۔ اس وقت میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا (یعنی) جب تک میں ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا' پھر جب تو نے مجھے (دُنیا سے) اُٹھالیا' تو اس کے بعد تو ہی ان پر نگران تھا۔ جواب ملے گا جب سے تم ان سے جدا ہوئے اسی وقت سے یہ لوگ برابر ایڑیوں کے بل (اسلام سے) پھرتے رہے''۔ [1]

اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو غیب کا علم نہیں ہوتا' نیز یہ کہ انبیاء کے پاس اس دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد انہیں اپنی امت کے اعمال کی خبر نہیں ہوتی' اور اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ وفات کے بعد بھی امت کے حالات سے باخبر ہیں اور لوگوں کی باتیں سنتے ہیں تو یہ بات کتاب اللہ کے سراسر خلاف ہے اور کھلا شرک ہے۔

② سیدنا محمد بن المنکدر تابعی ہیں' وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو ان کا آخری وقت تھا۔ محمد بن منکدر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کی میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہنا۔ [2]

غور فرمایئے! ایک تابعی جو مدینہ منورہ میں موجود ہے اور ایک صحابی جو مدینہ منورہ میں انتقال فرمارہے ہیں' اور امام الانبیاء ﷺ کی قبر منور بھی مدینہ منورہ ہی میں ہے۔ مگر وہ تابعی وفات پانے والے صحابی کو کہتے ہیں کہ جس جہاں میں تم جارہے ہو' وہاں جاکر رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام کہنا۔ اگر تابعی کا عقیدہ ہوتا کہ امام الانبیاء ﷺ قبر منور پر آنے والوں کے سلام کو سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں تو انہیں کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ فوت ہونے والے صحابی رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی علیہ السلام تک سلام پہنچاتے۔

پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی انہیں یہ نہیں فرماتے کہ بندہ خدا! میرے ذریعے سلام بھیجنے کی کیا ضرورت ہے' قبر نبی ﷺ پر جاکر سلام عرض کرو اور جواب پاؤ۔ آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعی رحمہ اللہ دونوں کا نظریہ تھا کہ امام الانبیاء ﷺ قبر منور پر آنے والوں کے سلام کو نہیں سنتے' بلکہ آپ کی روح مبارک جنت الفردوس

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله كما بدأنا اول خلق نعيده (٤٧٤٠).

[2] ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فيما يقال عند المريض اذا حضر (١٤٥٠).

کے اعلیٰ مقام میں ہے' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی وفات کے بعد وہاں پہنچیں گے' تو میرا سلام عرض کر دیں گے۔

③ انس رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے روایت ہے' کہا رسول اللہ ﷺ (حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور آپ ﷺ) نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی اور فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سعد نے کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ لیکن نبی ﷺ کو نہ سنایا' (جان بوجھ کر اتنا آہستہ جواب دیا کہ آپ ﷺ سن نہ سکیں) آپ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کہا اور سعد نے تین مرتبہ جواب دیا لیکن آپ ﷺ کو نہ سنایا۔ نبی ﷺ واپس آ گئے۔ سعد آپ ﷺ کے پیچھے آئے اور کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' آپ ﷺ نے کوئی سلام نہیں کہا مگر میں اپنے کانوں سے سنتا رہا ہوں' اور میں نے آپ ﷺ کو اس کا جواب بھی دیا ہے لیکن آپ کو نہیں سنایا۔ میں نے پسند کیا کہ آپ ﷺ کے زیادہ سے زیادہ سلام اور برکت حاصل کروں۔ پھر آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں خشک انگور پیش کیے' جب فارغ ہوئے فرمایا تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا ہے' فرشتوں نے تمہارے لیے برکت کی دُعا کی ہے' اور روزے داروں نے تمہارے ہاں افطار کیا ہے۔[1]

غور فرمایئے! امام الانبیاء ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر دروازہ پر موجود ہیں' اور سعد رضی اللہ عنہ دروازے کے اندر ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تین مرتبہ آپ ﷺ کے سلام کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ کہتے ہیں' مگر امام الانبیاء ﷺ نے ان کے جواب کو تینوں مرتبہ نہیں سنا' اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جب حالت بیداری میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سلام کو آپ ﷺ نہیں سن سکے تو بعد از وفات و تدفین اتنے حجاب اور پردوں کی اوٹ میں آپ ﷺ زائرین کے سلام کو کیسے سنتے ہیں۔

④ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' جب تمہارے بھائی احد والے دِن شہید کیے گئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں' جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام و راحت حاصل کریں۔ جب کھانے پینے' رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے' کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دُنیا میں ہیں' ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی' تا کہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور اللہ کی راہ کی لڑائیوں سے

---

[1] رواه في شرح السنّه. مشكوة، كتاب الاطعمة، باب الضيافة، الفصل الثاني.

تھک کر نہ بیٹھ جائیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا' تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

[سورۃ آل عمران : ۱۶۹/۳]

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے''۔

غور فرمائیے کہ جنت میں شہداء کی آزاد روحیں بھی نہ اپنے عزیز و اقارب کو دُنیا میں آ کر کوئی پیغام سنا سکتی ہیں اور نہ ہی قبر پر پکارنے والوں کو کچھ کہہ سکتی ہیں اور نہ دُنیا والوں کی بات سُنتی ہیں اور نہ ان سے ہم کلام ہو سکتی ہیں۔

⑤ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ ابن مسعود نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا حکم دیا اور فرمایا' اے عورتوں کے گروہ! اگرچہ زیور کاٹ کر دو۔ زینب رضی اللہ عنہا نے گھر آ کر شوہر کو کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر پوچھو کہ میں شوہر اور شوہر کی اولاد کو بھی صدقہ دے سکتی ہوں یا نہیں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو خود جا کر پوچھ۔ کہتی ہیں میں خود گئی' ایک انصاری عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا رعب تھا۔ آخر کار بلال رضی اللہ عنہ نکلے' ہم نے کہا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر کہو کہ دروازہ پر کھڑی عورتیں یہ مسئلہ پوچھ رہی ہیں اور یہ نہ بتانا کہ وہ کون کون سی عورتیں ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے جا کر عرض کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ دو کون کون سی عورتیں ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک انصاری عورت ہے' دوسری زینب ہے۔ کہا ابن مسعود کی بیوی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوہرا ثواب ملے گا۔ قرابت کا صدقہ دینے کا۔[1]

یہ حدیث متفق علیہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دُنیوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر دروازے پر کھڑی ہوئی عورتوں کو نہ دیکھا' نہ پہچانا اور نہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی گفتگو سنی' اب بعد از وفات پردوں سے پرے ہٹ کر کھڑے ہونے والوں کو آپ کیسے دیکھ پہچان سکتے ہیں' اور ان کی آواز کیسے سن سکتے ہیں' پھر ملی جلی آوازوں میں امتیاز اور فرق کیسے ہو گا۔

⑥ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کے اندر کیا' اس گفتگو میں ان دونوں کی آوازیں اس قدر بلند ہو گئیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر بیٹھے

---

[1] بخاری، الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج والایتام (۱٤٦٦).

مسلم، الزکاۃ، فضل انفقة والصدقة على الاقربين والزوج (۲۳۱۸).

ہوئے سن لیں۔تو آپ ﷺ نے گھر سے نکل کران کے پاس آنے کا ارادہ فرمایا' یہاں تک کہ اپنے حجرہ شریفہ کا پردہ ہٹایا اور کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی' یا کعب۔کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں' پس نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کے اشارہ سے سمجھایا کہ اپنے قرض میں سے آدھا موقوف کردے۔کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' میں نے کردیا۔پھر نبی ﷺ نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو فرمایا' کھڑا ہو اور باقی ادا کر۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام اپنے گھر میں تھے' مسجد میں دو باتیں کرنے والوں کی آواز آپ ﷺ نے نہیں سنی حتیٰ کہ جب گفتگو بڑھی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں' تب جا کر نبی علیہ السلام کے کان مبارک نے سنا۔جب یہ بات درست ہے تو پھر یہ بات بھی درست ہے کہ بعداز وفات ہماری آواز نبی کریم علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتی۔

⑦ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں فرمایا' آج رات کون ہماری حفاظت کرے گا؟ ایسا نہ ہو کہ ہم فجر کی نماز کو نہ جاگیں۔بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں خیال رکھوں گا۔پھر انہوں نے مشرق کی طرف منہ کیا اور (کچھ دیر بعد) بلال رضی اللہ عنہ بھی سو گئے۔جب آفتاب گرم ہوا تو جاگے اور کھڑے ہوئے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جاگے۔آپ ﷺ نے فرمایا' اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلو' کیونکہ یہ شیطان کی جگہ ہے' پھر (نئی جگہ پر پہنچ کر) رسول اللہ ﷺ نے وضو کا حکم دیا۔بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی' نبی ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں' باقی لوگوں نے بھی دو سنتیں پڑھیں' پھر رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور فرمایا جو شخص نماز بھول جائے اسے جب یاد آئے تو نماز پڑھ لے۔[2]

اس حدیث مبارک سے پتہ چلا کہ دنیوی زندگی میں آپ ﷺ سوتے وقت دُنیا جہاں کی چیزیں نہ دیکھتے تھے' نہ آواز سنتے تھے' باوجودیکہ آپ ﷺ کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ہے' نبی علیہ السلام کو سورج کے طلوع ہونے کا علم نہ ہوا' حالانکہ آپ ﷺ حیاۃ دنیوی حسی عنصری حقیقی زندہ ہیں' صرف نیند میں ہیں اور آنکھیں مبارک بند ہیں۔سورج کی طرف صرف آنکھ کا پردہ حائل ہے' اس کے باوجود آپ نے باہر کے حالات کو نہ دیکھا اور نہ سن سکے۔اب کیا خیال ہے بعداز وفات قبر کے باہر کوئی آپ کو پکارے تو آپ

---

[1] بخاری، الصلوٰۃ، باب رفع الصوت فی المساجد (٤٧١).

[2] بخاری، مواقیت الصلاۃ، باب الاذان بعد ذھاب الوقت (٥٩٥).

مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ و استحباب تعجیل قضائھا (١٥٦٠).

سن سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

⑧ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ قریب تھا کہ دو سب سے بہتر افراد ہلاک ہو جائیں یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز بلند کر دی تھی' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بنی تمیم کے سوار آئے تھے' ان میں سے ایک نے بنی مجاشع کے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے لئے کہا تھا اور دوسرے نے ایک دوسرے کا نام پیش کیا تھا۔ نافع نے کہا کہ ان کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کا ارادہ مجھ سے اختلاف کرنا ہی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا ارادہ آپ سے اختلاف کرنا نہیں ہے' اس پر ان دونوں کی آواز بلند ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

''اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو''۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتنی آہستہ آہستہ بات کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف سن بھی نہ سکتے تھے اور دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔[1]

اس حدیث مبارک سے پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیاوی زندگی میں پاس بیٹھنے والے کی آواز کو نہ سنتے تھے' جبکہ وہ آہستہ بولے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور قبر شریف میں چلے گئے جو کہ عالم برزخ ہے' تو جب عالم اور جہان ہی بدل گیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا والوں کی آوازیں کیسے سنیں گے۔

⑨ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جب مومن کی موت آتی ہے تو سفید رنگ کا ریشمی کفن لے کر مومن کی روح کو اس کفن میں لپیٹنے کے لئے رحمت کے فرشتے آ جاتے ہیں' پھر اس روح کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اعلیٰ رزق کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو غضب والا نہیں ہے' راضی ہو کر نکلتی چلی آ۔ اللہ بھی تجھ سے راضی ہے' پھر وہ روح مشک کی بہترین خوشبو کی طرح مہکتی ہوئی فوراً نکل آتی ہے' حتیٰ کہ اس روح کو فرشتے ایک دوسرے کے ہاتھوں سے لیتے ہیں تعظیم و تکریم کے طور پر حتیٰ کہ اس کو آسمان کے دروازوں تک لے آتے ہیں۔ پھر فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ زمین کی طرف سے یہ جو تمہارے پاس خوشبو آئی ہے اس کے کیا کہنے۔ پھر اس روح کو وہ فرشتے وہاں لے جاتے ہیں جہاں مؤمنین کی روحیں رہتی ہیں' پھر اس روح کو آتا ہوا دیکھ کر وہاں کی رہنے والی روحیں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ (٤٨٤٥).

اس قدر خوش ہوتی ہیں جیسے کوئی مسافر دوست یا برادری کا بندہ باہر سے گھر آئے تو اس کے گھر کے لوگ اس سے نہایت خوش ہوتے ہیں' پھر وہاں پر رہنے والی مؤمنین کی روحیں اس دُنیا سے جانے والی روح سے پوچھتی ہیں کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں نے کیا کیا' یعنی ان آشناؤں کے حالات نام لے لے کر پوچھتی ہیں' جن کو دُنیا میں چھوڑ کر مرے تھے کہ فلاں کا کیا حال ہے اور فلاں کا کیا حال ہے۔ پھر آپس میں ہی ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہتی ہیں کہ ابھی اس کو رہنے دو کیونکہ دُنیا کے غم میں تھی جب راحت پائے گی تب پوچھنا' پھر راحت پانے کے بعد وہ روح کہتی ہے کہ جس کا تم حال پوچھتے ہو وہ تو مجھ سے پہلے مر گیا تھا' کیا وہ تمہارے پاس یہاں نہیں آیا۔ تب وہاں کی رہنے والی روحیں کہیں گی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ بس اس کو یقیناً جہنم کی آگ کی طرف لے جایا گیا ہے۔[1]

یہ روایت صاف صاف بتاتی ہے کہ برزخ میں رہنے والی روحوں کو اہل دُنیا کے حالات کا کچھ علم نہیں ہوتا کیونکہ وہ برزخ میں رہتے ہیں' اسی طرح صحیح احادیث میں مردوں کی ارواح کا اہل دُنیا کے حالات سے غافل ہونا مذکور ہے کہ وہ دُنیا والوں کی باتوں کو نہیں سن سکتے۔

---

[1] النسائي، الجنائز، باب ما يلقى به المؤمن من الكرامة عند خروج نفسه (١٨٣٤).

سماعِ موتی کے قائلین کے دلائل اور ان کا رد

① جنگ بدر کے مشرک مقتولین کا معاملہ:

قلیب بدر یا رسول اللہ ﷺ کا مقتولین بدر کے خطاب کا واقعہ تقریباً تمام کتب صحاح میں موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں' جو کافر بدر کے دِن کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان پر جھانکا اور فرمایا تمہارے مالک نے جو سچا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے پالیا۔ لوگوں نے عرض کیا آپ ﷺ مردوں کو بلا رہے ہیں۔ فرمایا تم اُن سے زیادہ نہیں سنتے' البتہ وہ جواب نہیں دیتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا کہ اللہ نے اس وقت ان مردوں کو زندہ کیا تھا' ان کو زجر و توبیخ کرنے' ذلیل کرنے' بدلہ لینے' افسوس دلانے اور شرمندہ کرنے کے لیے۔ ❶

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' عبداللہ رضی اللہ عنہ بھول گئے' (نسائی کتاب الجنائز' باب عذاب القبر) اور خود اس واقعہ کے متعلق فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے کافروں کو صرف یہ کہا تھا کہ میں جو ان سے کہا کرتا تھا اب ان کو معلوم ہو چکا کہ وہ سچ ہے' اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ روم میں فرمایا کہ اے پیغمبر تو مردوں کو سنا نہیں سکتا۔ اور سورۂ فاطر میں فرمایا' اے نبی ﷺ! تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ اور سورۂ النمل میں ہے' اے نبی ﷺ! تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

یہاں سیاق کے اعتبار سے اگرچہ دِل کا مردہ یا کافر مراد ہے' لیکن مفہوم عام ہے اور حقیقی معنی کا پایا جانا بھی لازمی ہے' جو یہ ہے کہ فوت شدہ سن نہیں سکتے۔ اور قلیب بدر کے متعلق بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ہے کہ وہ جان گئے ہیں اور سماع کا انکار کیا گیا ہے۔ لیکن اگر سننے کا لفظ مان لیا جائے تو یہ ایک معجزہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو نبی کریم ﷺ کی آواز سنا دی جن کو خود قتل کر کے کنویں میں پھینکا تھا۔ اور معجزات کو عام حالات و واقعات پر لاگو نہیں کیا جاتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حدیثوں کو لا کر بتا دیا کہ ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے۔

② اہل قبور کو السلام علیکم کہنا:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ''مسلمان جب قبرستان میں جائیں تو ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا

❶ بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل (۳۹۷۶).

اَهْلَ الْقُبُوْرِ" یا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ" کہیں۔ یہی وہ دلیل ہے جو سماعِ موتی کے قائلین کی طرف سے بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے۔ اس مقام پر حرفِ نداء یا ثابت نہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ سلام' سلامتی کی دُعا ہے' سلامِ تحیۃ ہے ہی نہیں جو سنا جا سکتا ہو اور جس کا جواب دینا فرض ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مؤقف تھا۔ اس کی مثال بھی یونہی سمجھئے جیسے تشہد میں رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھا جاتا ہے' یا کوئی خط لکھنے والا ابتداء میں "السلام علیکم" سے خطاب کرتا ہے۔ اس سلام کا فوری جواب دینا تو درکنار' جواب دینا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ کبھی جواب آ جاتا ہے کبھی نہیں آتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر بھیجا ہوا سلام بھی آپ ﷺ خود نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے' پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ عام مسلمانوں پر بھیجا ہوا سلام از خود اُن تک پہنچ جائے اور وہ اُسے سن سکیں۔ ایسے سلام بھی بذریعہ اللہ تعالیٰ ہی اُن تک پہنچتے ہیں۔ پھر ذرا سوچئے' نماز میں اختتام پر ہر نمازی دائیں بائیں کے لوگوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے' مگر ساتھ والا نمازی بھی نہیں سنتا اور نہ ہی جواب دیتا ہے۔

③ جوتوں کی چاپ:

ایک واقعہ جس سے سماعِ موتی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے' وہ یہ ہے کہ "جب میت کو اس کے عزیز و اقارب دفن کر کے واپس جانے لگتے ہیں تو مردہ اُن کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے"۔

یہ واقعہ بھی تکرار کے ساتھ احادیث صحاح میں موجود ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے "کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر" میں دو مقامات پر اس طرح درج فرمایا ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اِذَا مَاتَ عَبْدٌ وَّ وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَ تَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِهٖ فَیَقُوْلَانِ .... الخ)).

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُسے چھوڑ کر جانے لگتے ہیں تو وہ اُن کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔ اس وقت اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں' جو اُسے بٹھلا دیتے ہیں پھر کہتے ہیں......"۔

مردہ کے جوتوں کی چاپ سننے کا واقعہ بخاری کے علاوہ بھی دوسری کتب صحاح میں جہاں بھی مذکور ہے تو ساتھ ہی منکر نکیر کے آنے اور سوال و جواب کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ گویا منکر نکیر کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے اُس کی روح علیین یا سجیین سے لوٹا کر اُسے ہوش میں لایا جاتا ہے' تاکہ وہ سوالوں کے جواب دے سکے۔ اب یہ سوال و جواب کا واقعہ تو ایک اضطراری امر ہے' اور خاص اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ پھر کسی حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ وہ ان اصحاب کی باتیں بھی سنتا ہے' احادیث

میں صرف جوتوں کی چاپ کے سننے کا ذکر ہے' تو اس خاص واقعہ سے علی الاطلاق سماعِ موتیٰ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے بھی حسرت وافسوس کا احساس دلانے کا پہلو نکلتا ہے' یعنی جب عزیز واقارب میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں' تو اُسے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ جن عزیز واقارب کی وجہ سے تو مارا مارا پھرتا تھا' حتیٰ کہ حرام وحلال اور جائز وناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتا تھا' دیکھ وہ اب تجھے تنہا چھوڑ کر جارہے ہیں۔ لہٰذا اسے صرف جانے والوں کی آہٹ تو سنا دی جاتی ہے' آنے والوں کی نہیں۔ اور نہ ہی قبر پر موجود لوگوں کی گفتگو اُسے سنائی جاتی ہے' نہ ہی وہ سن سکتا ہے۔

④ ایک صحابی کی وصیت:

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ قریب المرگ تھے' انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا' جب میں فوت ہو جاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ چلے اور نہ آگ میرے ہمراہ لائی جائے۔ جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا' پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے' تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور پورے وثوق کے ساتھ اپنے رب کے بھیجے ہوئے ملائکہ کو ان کے سوالوں کا جواب دے سکوں۔ ❶

اس حدیث سے بعض لوگوں نے سماعِ موتیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کا جو نتیجہ پیش کیا گیا ہے وہ درست نہیں' کیونکہ یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال اور تدبیر تھی' اور یہ ویسا ہی خیال اور تدبیر تھا جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کو تاکید کی تھی کہ جب مصر پہنچو تو ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا' بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا' وہ تدبیر خدا کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی' ہاں وہ یعقوب علیہ السلام کے دِل کی بس خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی۔ [سورۃ یوسف:۱۲/۶۸]

تو جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ تدبیر مشیت الٰہی کے مقابلہ میں بے اثر ہونے کے باوجود شریعت کے منافی نہ تھی' بالکل یہی صورت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تدبیر کی ہے جو انہوں نے محض اپنی دلجمعی کے واسطے بتلائی۔ یہ تدبیر بھی کتاب وسنت کے مطابق نہ تھی' کیونکہ اگر مطابق ہوتی تو اکیلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا کیا ذِکر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی وصیتیں کر جاتے' بلکہ خود

---

❶ مسلم، الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الھجرۃ والحج (۳۲۱).

نبی کریم ﷺ نے لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ کا ارشاد فرمایا تھا' اسی طرح اس موانست کے لیے بھی کوئی ارشاد فرما دیتے۔

پھر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات سکراتِ موت کی کیفیت میں کہی' اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں؟

⑤ قبر کے پاس سلام:

بیہقی فی شعب الایمان میں ایک روایت یوں آئی جو عوام میں مشہور ہے' نیز یہ حدیث مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی، فصل ثالث میں بھی درج ہے۔

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ....))

''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام پڑھے تو میں اس سلام کو سن لیتا ہوں''۔

یہ روایت موضوع من گھڑت ہے' اس کا راوی محمد بن مروان السدی کذاب اور وضاع ہے جس کا کام ہی جھوٹی حدیثیں گھڑنا تھا۔ اسی طرح کی ایک روایت یہ ہے:

''جو میری قبر کے قریب درود پڑھے تو میں سنتا ہوں''۔ ❶

امام عقیلی نے اس کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بے اصل ہے' اس روایت میں محمد بن مروان کا تفرد ہے اور محمد بن مروان متروک الحدیث ہے۔ جریر کا کہنا ہے کہ محمد بن مروان کذاب ہے' اور سارے اہل علم اس کو کذاب اور وضاع کہتے ہیں۔ ❷

اور دوسری گزارش یہ ہے کہ جو لوگ اس حدیث کو پیش کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قبر کے پاس آپ ﷺ سلام و صلاۃ سنتے ہیں وہ صرف امام الانبیاء ﷺ کے لیے قبر کے پاس سماع کے قائل نہیں ہیں' بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر مرنے والا سلام کہنے والے کے سلام کو سنتا بھی ہے' جواب بھی دیتا ہے اور پہچانتا بھی ہے۔ غرضیکہ یہ امام الانبیاء ﷺ کی خوبی یا خصوصیت نہیں ہے' بلکہ ہر انسان کی خوبی ہے' حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

⑥ ﴿ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ [سورة الزخرف : ٤٣/٤٥]

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے تھے ان سے پوچھ لیجئے کہ آیا ہم نے رحمٰن کے سوا کوئی اور الٰہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے''۔

---

❶ رواه عقيلي و قال لا اصل له.

❷ ميزان الاعتدال، جلد ٣، ص ١٣٢ و ص ٢٧٨.

اس آیت میں وَاسْئَلْ کا مطلب اکثر مفسرین نے دوطرح سے بیان کیا ہے' ایک یہ کہ ان انبیاء کے وارث علماء یا علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے اور دوسرا مطلب یہ کہ ان رسولوں کی کتابوں میں تلاش کر کے دیکھو کہ ان میں کہیں یہ لکھا ہے کہ ہم نے اپنے علاوہ کچھ اور بھی اِلٰہ بنا دیئے ہیں' جن کی عبادت کی جایا کرے۔

لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو انبیاء واولیاء کرام کی عرصہ برزخ میں مکمل زندگی ثابت کرنا چاہتے ہیں' یعنی وہ لوگوں کی پکار سنتے بھی ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں' بلکہ اس سے بھی آگے ان کے تصرف کا یہ حال ہے کہ وہ پکارنے والے کی مشکل کشائی اور حاجت روائی بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ایک صاحب اس آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر انبیاء کرام میں حیات نہ ہوتی وہ خطاب وندا کو نہ سمجھتے ہوتے اور جواب دینے کی قدرت ان میں نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام کو انبیاء ورسل سے دریافت کرنے کا حکم نہ فرماتا۔ ایسے حضرات چونکہ عموماً بریلوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں' لہٰذا ہم یہاں ترجمہ احمد رضا خاں بریلوی (کنز الایمان) پر حاشیہ نمبر ۴۵ از نعیم الدین مراد آبادی درج کرتے ہیں۔

رسولوں سے سوال کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ادیان وملل کی تلاش کرو۔ کہیں بھی کسی نبی کی امت میں بت پرستی روا رکھی گئی ہے؟ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنیٰ یہ بیان کئے ہیں کہ مؤمنین اہل کتاب سے دریافت کرو' کیا کسی نبی نے غیر اللہ کی عبادت کی اجازت دی؟ تاکہ مشرکین پر ثابت ہو جائے کہ مخلوق پرستی نہ کسی رسول نے بتائی نہ کسی کتاب میں آئی۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ سے بعد از وفات انبیاء کی زندگی اور سماع موتی کو ثابت کرنا غلط ہے۔

⑤ ﴿ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾ [الاعراف : ۷/۷۹]

''تو وہ ان کو چھوڑ کر یہ کہہ کر چل دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کر دی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے''۔

اس آیت کریمہ سے بھی بعض لوگوں نے سماعِ موتی پر استدلال کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ صالح علیہ السلام نے مردوں سے خطاب کیا' حالانکہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کا قوم سے آخری خطاب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ انھوں نے عذاب آنے سے پہلے اس وقت فرمایا ہے' جب قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر عذاب کے بند کو گویا توڑ دیا۔ یہی الوداعی فقرہ کہہ کر انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت فرمائی' اس لیے کہ

رسولوں کے سلسلہ میں سنت الٰہی یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے اللہ کے حکم سے وہ علاقہ سے ہجرت کر جاتے ہیں۔قرآن میں دوسری جگہ وضاحت ہے کہ اونٹنی کے قتل کے بعد صرف تین دن کی قوم کو مہلت ملی۔اس تین دن کی مہلت میں جہاں بعض دوسری مصلحتیں تھیں وہاں یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اس اثناء میں حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی علاقہ سے اتنے دور نکل جائیں کہ عذاب کا کوئی جھونکا ان کو نہ چھو سکے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترتیب بیان میں اس بات کو عذاب کے ذکر کے بعد کیوں کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب میں یہ تقدیم و تاخیر تقاضائے بلاغت سے ہوئی ہے' ارتکابِ جرم اور اس کے نتیجہ کے فوری ظہور کو نمایاں کرنے کے لیے یہاں عذاب کو قتل ناقہ کے ساتھ متصل کر دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی ہجرت کو پیچھے کر دیا' گویا جوں ہی انھوں نے اونٹنی کو کاٹا اور اللہ تعالیٰ کو چیلنج کیا تو عذاب آ دھمکا۔ عذاب کی یہ سبقت و مبادرت اچھی طرح ظاہر نہ ہوسکتی تھی' اگر اس کے درمیان کوئی اور بات آ جاتی۔ قرآن میں اس اسلوب مبادرت کی مثالیں بہت ہیں۔اسی طرح کا بیان حضرت شعیب علیہ السلام' حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر میں ملتا ہے۔

اب اس آیت کریمہ سے اگر کوئی سماع موتی پر استدلال کرے تو اس کی بات غلط ہے' کیونکہ اس میں سماع موتی کا ثبوت نہیں ہے۔

اگر حضرت صالح کے اس خطاب کو قوم کی ہلاکت کے بعد بھی تسلیم کیا جائے تو اس خطاب میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ہلاک شدگان نے آپ کی آواز کو سن لیا تھا اور اگر ان کا سننا بھی مان لیا جائے تو یہ معجزہ کی حیثیت ہے۔اور استثنائی صورت ہے اور اس قسم کے واقعات سے علی الاطلاق سماعِ موتی ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے' اس بات سے آخر کسے انکار ہے کہ اللہ جب چاہے مردوں کو سنا سکتا ہے' اختلاف تو اس بات میں ہے کہ آیا ہم لوگ بھی کھلے عام زندوں کی طرح مردوں کو سنا سکتے ہیں؟ یا عام حالات میں وہ ہماری بات بھی سن سکتے ہیں یا نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ واقعات ایسا ثبوت مہیا نہیں کرتے' بلکہ اُلٹا قرآنی نصوص اس کا رد ضرور ثابت کرتی ہیں۔

⑧ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مقام حبشی میں فوت ہوئے تو انھیں وہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف منتقل کر کے وہاں دفن کر دیا گیا۔جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر تشریف لائیں اور فرمایا۔ہم جذیمہ کے دو صاحبوں کی طرح زمانہ کا ایک طویل حصہ اکٹھے رہے حتیٰ کہ کہا گیا کہ یہ ہرگز جدا نہ ہوں گے اور جب ہم جدا ہو گئے تو گویا میں اور مالک باوجود عرصہ دراز تک اکٹھے رہنے کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات بھی اکٹھے

نہیں رہے۔

پھر فرمایا اگر میں اس وقت موجود ہوتی جبکہ آپ کا انتقال ہوا تھا تو آپ وہیں دفن کیے جاتے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا اور اگر اس وقت حاضر ہوتی تو اب تیری زیارت نہ کرتی۔ ❶

اس روایت سے بھی بعض نے سماعِ موتی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ترمذی میں رکھی گئی ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ایسا خطاب تو لوگ اپنے فوت شدگان کو اکثر کیا ہی کرتے ہیں' حالانکہ انہیں یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ سن نہیں رہے۔ اور شاعر حضرات تو ہوا کو مخاطب کر کے اس کے ذمہ پیغام رسانی کا فریضہ بھی لگا دیتے ہیں' صرف مخاطب کرنا تو بڑی آسان بات ہے۔ اس طرح کا طرزِ خطاب تو محض اپنے جذبات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے' ایسی باتوں کو عقیدہ کی بنیاد بنانا آخر کہاں تک درست ہے جبکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماعِ موتی کی قائل نہ تھیں۔

⑨ ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا﴾[البقرة: ٢/٢٦٠]

''پھر انہیں بلاؤ وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے''۔

اس آیت کریمہ سے بھی بعض نے سماعِ موتی پر استدلال کیا ہے' اور کہا ہے کہ اگر ان پرندوں کا سننا محال ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسا حکم ہی نہ فرماتے مگر ان کا یہ استدلال باطل ہے۔ کیونکہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے مگر جب بھی اللہ چاہے اور ارادہ کرے اس ناقابل شئے کو سنانا جس کی شان میں سے سننا نہ ہو جس میں سننے کی لیاقت بالکل نہ ہو وہ ربّ العالمین اپنی قدرت کاملہ سے اس کو بھی سنا سکتا ہے' جیسے زمین و آسمان سے اس نے کلام کیا اور اپنی امانت کا بوجھ آسمان' زمین اور پہاڑوں پر رکھنا چاہا۔ نیز جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین ہر دو سے کہا میرا حکم مانو تو مٹی زمین آسمان اور پہاڑ اور پتھر کے اندر سننے کی قابلیت نہیں ہے' مگر وہ اللہ ان چیزوں کو جن میں سننے کی طاقت نہیں ہے' جب چاہے سنا سکتا ہے' بالکل اسی طرح مردوں میں بھی سننے کی طاقت نہیں ہے' لیکن جب اللہ چاہے تو سنا سکتا ہے' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو کہا جو پتھر اور لکڑی اور لوہے تانبے سونے چاندی وغیرہ کے بنے ہوئے تھے کہ تم کھاتے کیوں نہیں' تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں۔ اب اگر اس قسم کے دلائل سے سماعِ موتی ثابت کرنا ہے تو پھر کہو پتھر بھی سنتے ہیں' لکڑیاں بھی سنتی ہیں اور سماعِ موتی کی بجائے سماعِ جمادات کی طرف ترقی کر جاؤ۔

---

❶ ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی الزیارة للقبور للنساء (١٠٥٥).

کیا مردے سنتے ہیں؟

ایک مکالمہ - از حافظ عبداللہ بہاولپوری

پہلے اسے پڑھیے: اس مکالمہ میں سوال و جواب کی شکل میں ''الف'' اور ''ب'' دو حروف کو ''اہل حدیث'' اور ''بریلوی'' کے مخفف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

ب: السلام علیکم!

ا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کہیے! کیسے تشریف لائے؟

ب: ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

ا: فرمایئے! کیا مسئلہ ہے؟

ب: مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

ا: ارے بھئی! یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ یہ تو مشاہدے کی بات ہے' آپ کسی مردے سے بات کر کے دیکھ لیں' آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں۔ وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے۔ سننا تو زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ جو مر جاتا ہے وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے اور برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس جہان یعنی دُنیا کے اعتبار سے وہ مردہ ہے۔ نہ سنتا ہے' نہ بولتا ہے۔ اگلے جہان یعنی برزخ میں وہ زندہ ہے۔ لیکن اس زندگی کو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہم ان کو پکاریں اور وہ ہماری سنیں۔

ب: کیا مردہ بالکل نہیں سنتا؟

ا: مردہ جو ہوا اس لیے بالکل نہیں سنتا۔ اگر یقین نہ آئے تو بات کر کے دیکھ لیں۔

ب: وہ بولے گا تو نہیں۔

ا: بولے گا کیوں نہیں؟ اگر سنتا ہوگا تو ضرور بولے گا۔

ب: مردے بولتے تو نہیں۔

ا: بولتے کیوں نہیں؟

ب: ان میں کوئی جان ہے جو بولیں؟

ا: جب جان نہیں تو سن کیسے لیتے ہیں' کیا بولنے کے لیے جان کی ضرورت ہے' سننے کے لئے نہیں؟

ب: ضرورت تو سننے کے لیے بھی ہے' لیکن سنا ہے کہ مردے سنتے ہیں' بولتے نہیں۔

ا: اگر بولتے نہیں تو سنتے کس لیے ہیں؟ اللہ نے انسان میں سننا رکھا ہی اس لیے ہے کہ سن کر جواب دے۔ اگر جواب نہ دینا ہو تو سننے کا کیا فائدہ؟ قرآن میں ہے:

﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ ﴾

[الانعام: ٦/ ٣٦]

''یعنی جواب تو وہ دیں جو سنتے ہوں (اور مردے نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں) ان کو اللہ قیامت کو اُٹھائے گا' پھر اللہ کے سامنے پیشی ہوگی''۔

درحقیقت سننا ہے ہی بولنے کے لیے اور بولنا سنانے کے لیے اگر ایک نہ ہو تو دوسرے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

ب: یہ فلسفہ تو میں نہیں جانتا' البتہ میں نے سنا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

ا: کس سے سنا ہے؟

ب: اپنے مولوی صاحب سے۔

ا: کیا مولوی صاحب نے کسی مردے سے بات کی ہے؟

ب: یہ تو مجھے معلوم نہیں' وہ کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔

ا: آپ مولویوں کے کہنے پر نہ رہیں' وہ تو شاید کہہ ہی دیں۔ اس لیے کہ مردوں کے فیوض پر ان کا گزارہ ہے' ایصال ثواب ان کا سہارا ہے' مردوں کے ثوابوں کے سارے پارسل اور منی آرڈر ان کی معرفت جاتے ہیں' ختم اور قل وہ کرتے ہیں۔ مردوں کی روحیں ان کے پاس آتی رہتی ہیں۔ ان سے کیا بعید ہے کہ وہ یہ بھی کہہ دیں کہ مردے ہم سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ اس کے لیے آپ ان کے کہنے پر نہ رہیں۔ اگر تحقیق کرنی ہے تو خود کسی مردے سے بات کر کے دیکھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں۔

ب: ہمارے مولوی صاحب تو بہت بڑے عالم ہیں' بڑے بڑے درسوں سے فارغ ہیں۔

ا: فارغ تو وہ بالکل ہیں۔ جبھی تو وہ ایسی بات کہتے ہیں۔

ب: وہ کہتے ہیں کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

ا: حدیثوں میں تو یہ بھی آتا ہے کہ مردے بولتے ہیں بلکہ مردے کا بول کر بتانا تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ کیا وہ مردوں کے بولنے کے قائل ہیں؟

ب: قرآن مجید میں مردوں کے بولنے کے بارے میں کہاں ہے؟

ا: سورۂ یٰسین میں: ﴿ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِىْ رَبِّىْ وَ جَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ [یٰسین: ٣٦/ ٢٦، ٢٧] مردے ہی کا تو قول ہے۔ اس کے علاوہ وہ پہلے پارے میں بھی مردے کے بولنے کا واقعہ ہے' جہاں گائے کے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

ب: وہ تو گائے کے گوشت کا ٹکڑا مارا تھا' جس سے مردے نے زندہ ہوکر اپنے قاتل کے بارے میں بتایا تھا۔

ا: کیا گائے کا گوشت لگانے سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور بولنے لگ جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آپ بھی تجربہ کرکے دیکھ لیں۔

ب: یہ تو اللہ کی قدرت ہے' ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں؟

ا: اگر مردے کو بلانے کا کام اللہ کا ہے تو مردے کو سنانے کا کام بھی اللہ ہی کا ہے۔ ورنہ مردہ خود کیسے سن سکتا ہے؟

ب: سن تو خود لیتا ہے' حدیث میں نہیں آتا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے' حدیث میں یہ تو نہیں آتا کہ اللہ سناتا ہے' حدیث میں تو یہ ہے کہ مردہ سن لیتا ہے۔

ا: جس حدیث میں مردے کے بولنے کا ذکر ہے اس میں بھی تو یہ نہیں کہ اللہ بلاتا ہے' اس میں بھی یہ ہے کہ اگر مردہ نیک ہے تو کہتا ہے کہ ''مجھے جلدی لے چلو' اگر نیک نہیں ہے تو کہتا ہے ''ہائے! مجھے کہاں لیے جا رہے ہو''۔

ب: اس کو مردے کا بولنا نہیں کہتے' یہ تو اس کا ''حال'' ہے ''قال'' نہیں۔ اس کی حالت کو حضور ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے' ورنہ یہ نہیں کہ وہ زبان سے یہ الفاظ کہتا ہے' اور اگر اس کے اپنے الفاظ بھی ہوں تو یہ اس کی برزخی زندگی کا معاملہ ہے' اس کا اس دُنیا سے کیا تعلق؟ اس کو مردے کا بولنا نہیں کہتے۔ برعکس اس کے اس کے سننے کا معاملہ اس دنیوی زندگی سے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ زندوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ یعنی اس دُنیا کی آواز سنتا ہے' اس کو مردے کا سننا ہی کہیں گے۔

ا: جیسے وہ اس دُنیا کی آواز سنتا ہے ایسے ہی جب وہ بولتا ہے' یا چیخ و پکار کرتا ہے تو سوائے انسان کے دُنیا کی ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں:

((يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ)). [1]

''انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز کو سنتی ہے''۔

ب: انسان اس کی آواز کو کیوں نہیں سنتا؟

ا: حدیث میں حضور ﷺ نے اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اگر لوگ سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں اور مردوں کو قبروں میں دفن ہی نہ کریں۔

ب: ہمیں مردے کے بولنے اور شور مچانے کا پتا تو نہیں لگتا۔

ا: آپ کو اس کے سننے کا پتا لگ جاتا ہے؟

ب: پتا تو سننے کا بھی نہیں لگتا۔

ا: پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں؟

ب: حدیث ہی کہتی ہے۔

ا: حدیث تو بولنے کے بارے میں بھی بتاتی ہے' پھر جب دونوں کے بارے میں حدیث ہی کہتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ سننے کو مانتے ہیں اور بولنے کو نہیں مانتے۔

ب: تو پھر کیا دونوں کو ماننا چاہیے؟

ا: جب یہ ہے ہی مشاہدے کے خلاف تو آپ کیسے مان سکتے ہیں؟

ب: آپ نے ہی تو بولنا ثابت کیا ہے' اب آپ دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

ا: اللہ کے بندے میں نے الزاماً بات کی تھی' ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ مردے سنتے ہیں یا بولتے ہیں' آپ نے پوچھا تھا مردے سنتے ہیں یا نہیں' میں نے کہا بات کر کے دیکھ لیں' آپ نے کہا وہ تو بول نہیں سکتے' میں نے کہا: پھر وہ سن بھی نہیں سکتے۔ آپ نے کہا سننا تو حدیث سے ثابت ہے' میں نے کہا ایسے ہی بولنا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے' اب اگر آپ قرآن وحدیث کی رو سے ان کا سننا مانتے ہیں تو ان کا بولنا بھی مانیں' ورنہ دونوں کا انکار کریں۔

ب: جب حدیث میں آ گیا تو انکار کیسے کر سکتے ہیں؟

ا: حدیث میں یہ تو نہیں کہ مردے سنتے یا بولتے ہیں۔ حدیث میں تو خاص خاص موقعوں کا ذکر ہے

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب قول الميت وهو على الجنازة قدمونی (١٣١٦).

مشکوٰۃ: کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلوٰة عليها (١٦٤٧).

نسائی: کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة (١٩١٠).

جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی وقت مردے کو سنا دیتا ہے یا بلا دیتا ہے۔ مردہ از خود ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ مردے کی حقیقت کو تو دیکھیں کیا وہ بول یا سن سکتا ہے؟

ب: مردے کی حقیقت کیا ہے؟

ا: حقیقت یہ ہے کہ جب مردے کی جان ہی نکل گئی، نبض بند ہو گئی، تمام طاقتیں ختم ہو گئیں، احساس جاتا رہا، اب وہ کیسے سن سکتا ہے؟ مردہ وہ تو نہیں ہوتا جس میں سننے کی طاقت ہو، بولنے کی نہ ہو، مردہ تو وہ ہوتا ہے جو کچھ بھی نہ کر سکے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں مردوں ہی کا تو نقشہ کھینچا ہے:

﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ﴾ [الاعراف: ۷/ ۱۹۵]

"کیا اب ان کے ایسے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چل پھر سکیں، ایسے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑ سکیں، ایسی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھ سکیں، ایسے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سن سکیں"۔

مطلب یہ کہ مرنے کے بعد آدمی یہ اعضا رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا، کیوں کہ جسم میں جان نہیں ہوتی اور اگر اعضاء بھی نہ رہیں، آگ یا مٹی کھا جائے تو پھر تو سننے اور بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ پھر سنے گا تو کس چیز سے، بولے گا تو کس چیز سے؟ اللہ تو اس حالت میں بھی سنا سکتا ہے، لیکن مردے کے بولنے یا سننے کا سوال ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ نہ کان، نہ زبان۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ ﴾ [الروم: ۳۰/ ۵۲]

"اے نبی اور تو کوئی مردے کو کیا سنائے گا، آپ بھی مردوں کو نہیں سنا سکتے جیسا کہ بہروں کو نہیں سنا سکتے"۔

بہرے کے کان تو ہوتے ہیں، لیکن سننے کی طاقت نہیں ہوتی، جب وہ نہیں سن سکتا تو مردہ کیا سنے گا، جس میں نہ سننے کی طاقت رہی اور نہ سننے کا آلہ۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی اس کے ذرات کو سنا سکتا ہے۔ کسی اور کی طاقت نہیں کہ ایسا کر سکے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ﴾ [فاطر: ۳۵/ ۲۲]

"اللہ تو جسے چاہے سنا دے (کان ہوں یا نہ ہوں)، لیکن اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں"۔

یعنی مردہ ہیں۔ اب اس قدر وضاحت کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ مردے سنتے ہیں؟

ب: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب یہ مسئلہ اتنا صاف اور واضح ہے تو ''اہلسنّت'' کی اتنی اکثریت کیوں اس کی مخالف ہے؟

ا: اکثریت اور اقلیت سے حق کو نہیں جانچا کرتے۔ حق کو تو دلیل اور عقل سے جانچتے ہیں۔

ب: کیا اتنی اکثریت کو آپ غلط کہیں گے؟

ا: عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے والوں کی تعداد آپ کی اکثریت سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ انتوں کو غلط کہیں گے؟ اللہ کے بندے حق کے مقابلے میں اکثریت کو نہیں دیکھا کرتے۔

ب: آپ تو صرف آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ آپ حق پر اور ہم جو کہ پچانوے فیصد ہیں غلطی پر۔ آپ نے بھی خوب کہی۔

ا: آپ بتایئے! قوموں پر عذاب اکثریت کے بگاڑ سے آتا ہے یا اقلیت کے؟

ب: اکثریت کے۔

ا: اب مسلمانوں پر اقبال ہے یا ادبار؟ مستقل عذاب کی سی صورت ہے یا نہیں؟

ب: ہیں تو مسلمان ساری دُنیا میں ذلیل۔

ا: تو پھر کیا یہ ذلت آپ کی وجہ سے ہے جو اکثریتی ہیں یا ہماری وجہ سے جو آٹے میں نمک کے برابر ہیں؟

ب: ذمہ داری تو اکثریت پر ہی آتی ہے۔

ا: جب ہی تو میں نے کہا ہے کہ آپ اکثریت کو نہ دیکھیں۔ اگر اکثریت کے عقائد درست ہوتے تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ آپ سوچیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اکثریت کے عقائد و اعمال درست ہوں اور پھر مسلمانوں کی یہ درگت ہو۔ مسلمانوں کا یہ زوال اس بات کی دلیل ہے کہ اکثریت بگڑی ہوئی ہے' عقائد بھی خراب' اعمال بھی برباد۔ قرآن مجید نے ٹھیک کہا ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ [سباء : ٣٤/ ٢٠]

''شیطان نے انسانوں پر اپنے خیال کو سچا ثابت کر دیا' سوائے تھوڑے سے ایمان والوں کے باقی سب اس کے پیچھے ہو لیے''۔

ب: شیطان کا کیا خیال تھا جس کو اس نے سچا ثابت کر دیا؟

ا: اس نے کہا تھا' میں اکثریت کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ ﴿ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ [ص: ٣٨/ ٨٢، ٨٣] چنانچہ اکثریت گمراہ ہوگئی۔

ب: اس نے گمراہ کیسے کیا؟

ا: اس عقیدے کے ساتھ کہ مردے سنتے ہیں۔

ب: اس عقیدے کا گمراہی سے کیا تعلق؟

ا: یہ عقیدہ شرک کی بنیاد ہے اور شرک اصل گمراہی ہے۔

ب: یہ عقیدہ شرک کی بنیاد کیسے ہوگیا؟

ا: اللہ کے سوا نبیوں' ولیوں' پیروں اور فقیروں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر جو پکارا جاتا ہے تو یہ اسی عقیدے کے تحت ہے کہ وہ سنتے ہیں' اگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ مر چکے ہیں اور جو مر جائے وہ نہیں سنتا تو ان کو کون پکارے اور یہ پکارنا ہی اصل شرک ہے۔

ب: شرک کہتے کسے ہیں؟

ا: اللہ کی ذات' صفات یا افعال میں کسی کو شریک سمجھنا شرک ہے۔

ب: اس کا کیا مطلب ہے؟

ا: اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی شرک ذات کا ہوتا ہے' کبھی صفات و افعال کا۔ ذات کا شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی ذات میں شریک سمجھنا' اسی طرح کہ کوئی اللہ کا جزو ہے یا اللہ کسی کا جزو ہے۔ کوئی اللہ کی اولاد ہے یا اللہ کسی کی اولاد ہے' کوئی اللہ سے نکلا ہے یا اللہ کسی میں سے نکلا ہے۔ یعنی اللہ میں اور کسی میں جزو کل یا کسی رشتے ناطے کا تعلق ہے۔ جیسے باپ بیٹے یا آدم وحوا کا یا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ کا۔ صفات کا شرک یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی اور میں ثابت کرنا۔ کسی کو عالم الغیب' یا مختار کل یا حی و قیوم سمجھنا۔ افعال کا شرک یہ ہے کہ جیسے کام اللہ کرتا ہے اور بھی کر سکتا ہے' مثلاً اولاد دینا' صحت دینا' زندہ کرنا وغیرہ۔

ب: آپ نے تو شرک کو بہت لمبا چوڑا بنا دیا ہے۔ ہم نے تو سنا ہے کہ شرک بتوں کی عبادت کو کہتے ہیں۔

ا: شرک تو اللہ کا شریک بنانے کو کہتے ہیں' خواہ نبی' ولی کو بنایا جائے یا پیر فقیر کو' زندوں کو بنایا جائے یا مردوں کو' بتوں کو بنایا جائے یا مزاروں کو۔ جب بندہ کسی کو بھی اللہ کی ذات وصفات اور افعال میں شریک سمجھتا ہے تو مشرک ہو جاتا ہے۔ شرک ایک عقیدہ ہے۔ عبادت بتوں کی ہو یا کسی اور کی' اس عقیدے کا نتیجہ ہے کہ آدمی مشرک پہلے بنتا ہے عبادت غیر کی بعد میں کرتا ہے۔ جیسے اللہ پر ایمان پہلے لایا جاتا ہے اور نماز بعد میں پڑھی جاتی ہے۔

ب: ہم تو آج تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک ہے۔

ا: غیر اللہ کی عبادت کوئی بھی ہو' سب شرک ہے۔ عبادت صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو خالق و رازق

ہو' مالک وقادر ہو' حیی وقیوم ہو' محی وممیت ہو۔ چونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی صفات کا مالک نہیں اس لیے عبادت کا مستحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ بندگی بندے کے مالک کا ہی حق ہے۔ نوکر کسی کا ہو چاکری کسی کی کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیطان نے چونکہ انسان کو گمراہ کرنا ہے اس لیے وہ خدا کی مخلوق میں خدائی صفات کا تصور دلاتا ہے' تاکہ شرک ہو۔ وہ کہتا ہے: انبیاء اور اولیا مرتے نہیں وہ صرف پردہ کرتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ وہ سب کچھ سنتے ہیں' دیکھتے ہیں۔ جب یہ عقیدۂ شرک راسخ ہو جاتا ہے تو پھر ان کی عبادت شروع ہو جاتی ہے اور غائب کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ عبادت بدنی ہو یا مالی' قولی ہو یا فعلی' کسی قسم کی بھی ہو جبھی ہوتی ہے جب ان میں خدائی صفات مان لی جاتی ہیں۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ مردہ ہے اور اب کچھ نہیں کر سکتا' حتیٰ کہ سن تک نہیں سکتا تو شرک کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے موت رکھی ہی اس لیے ہے کہ سب کی بے بسی اور عاجزی ظاہر ہو جائے اور شرک نہ ہو۔ یہ عقیدہ کہ مردے سنتے ہیں موت کی تاثیر کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر شرک پیدا ہوتا ہے۔ اللہ انبیاء اور اولیاء کو موت دے کر شرک کو مٹاتا ہے۔ مشرکین ان کو زندہ ثابت کر کے کہ وہ سنتے ہیں' دیکھتے ہیں' فیض پہنچاتے ہیں' شرک پھیلاتے ہیں۔ اگر یہ شیطانی مفروضات نہ ہوں تو شرک کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین اس عقیدے کا دفاع کرتے ہیں اور قرآن اس کا بہت رد کرتا ہے۔ قرآن مردوں کے بولنے' چلنے' پھرنے' کھانے پینے یا کسی اور فعل کی نفی پر اتنا زور نہیں دیتا جتنا سننے کی نفی پر زور دیتا ہے۔ کیوں کہ دوسرے تمام افعال نظر آتے ہیں ان کا جھوٹ چل نہیں سکتا' سننے کا جھوٹ چل سکتا ہے' کیوں کہ اس کا پتا نہیں لگتا۔ اس لیے قرآن سننے کی تردید بہت کرتا ہے۔ زندہ اور مردے کا فرق تو کئی لحاظ سے ہے لیکن قرآن سننے کے فرق کو ہی نمایاں کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر : ٣٥/ ٢٢]

''زندے اور مردے برابر نہیں' ان میں بڑا فرق ہے' فرق یہ ہے کہ زندہ سنتا ہے' مردہ سنتا نہیں' زندہ کو ہر کوئی سنا سکتا ہے' مردے کو اللہ سنائے تو سنائے اور کوئی نہیں سنا سکتا' حتیٰ کہ اے نبی ﷺ آپ بھی مردے کو نہیں سنا سکتے''۔

اگر کوئی سمجھے تو موت ہے ہی شرک کی کمر توڑنے کے لیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی ولی پر موت وارد کی تاکہ لوگ ان کو اللہ کا شریک نہ بنائیں۔ وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے مرے

اور دفن ہوئے۔ اس طرح اللہ نے ان کی بے بسی اور عاجزی کو خوب ظاہر کر دیا کہ جو خود مر گئے' وہ کسی کو کیا بچایا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو اب سننے بولنے سے بھی عاجز ہیں۔ فائدہ کیا پہنچائیں گے۔ لہٰذا ان کو سہارا سمجھنا اور مشکل کشا جاننا حماقت ہے۔ پکارنے اور سہارا بنانے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ جس کو موت نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾[الغافر: ٤٠/ ٦٥]

''وہ زندہ ہے' وہی الٰہ ہے' اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ عقیدہ درست کر کے اسی کو پکارو''۔

یعنی پکارے جانے کے لائق وہ ذات ہے جو زندہ ہے' جسے موت نہیں۔ پھر فرمایا:

﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ﴾[الفرقان : ٢٥/ ٥٨]

''بھروسہ بھی اسی زندہ پر کرو جسے موت نہیں''۔

جس کے لیے موت ہو اس پر کیا بھروسہ؟ شرک کروانے کے لیے شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نبیوں ولیوں کو مردہ نہ ہونے دے بلکہ ان کو زندہ ثابت کرے۔ اس لیے کبھی وہ کہتا ہے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ.

''اولیاء مرتے ہی نہیں' بلکہ دُنیا سے پردہ کر لیتے ہیں''۔

کبھی وہ کہتا ہے: ''بزرگ مرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں دُنیا کی طرح زندہ ہوتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں''۔ کبھی وہ کہتا ہے: ''مردے سارے ہی سنتے ہیں۔ جب سارے ہی سنتے ہیں تو انبیا اور اولیا تو بطریق اولیٰ سنتے ہوں گے۔ جب وہ سنتے ہیں تو ان کو پکارنے میں کیا حرج۔ ان کو تو دُنیا میں بھی اللہ کا قرب حاصل تھا' مرنے کے بعد تو اور قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کی طاقتوں میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو کام پہلے دنیوی زندگی میں وہ نہیں کر سکتے تھے' اب کر سکتے ہیں۔ وہ خود بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ سے بھی بذریعہ سفارش بہت کچھ کروا سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو پکارنا چاہیے''۔

مشرکوں کو مردوں کے سننے کے عقیدہ کی اصل میں ضرورت تو انبیاء اور اولیاء کے لیے تھی تا کہ ان کو خدا کا شریک بنایا جا سکے۔ لیکن چونکہ ان کے لیے کوئی خاص دلیل نہ تھی' انھیں عام نصوص سے کام لینا پڑتا ہے جو بطورِ اعجاز خداوندی عام مردوں کے لیے تھیں اس لیے مسئلہ یہ بنایا کہ مردے سنتے ہیں ورنہ عام مردوں کے سننے سے مشرکوں کو کوئی دلچسپی نہیں۔ چونکہ عام مردوں کے سننے سے خواص کا سننا بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے اور علیحدہ ان کے سننے کی کوئی دلیل نہیں اس لیے عام مردوں کے سننے پر زور دیا جانے لگا اور استدلال ان نصوص سے کیا جانے لگا جو اللہ کی

قدرت پر دال ہیں نہ کہ مردوں کے سننے پر۔ اگرچہ شیطان اپنی ان چالوں میں بہت کامیاب ہے۔ اس نے مسلمانوں کی اکثریت کو گمراہ کر لیا ہے' کیونکہ یہ عقیدہ بہت عام ہے' لیکن عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ عقیدہ بالکل بے بنیاد ہے۔ ایک طرف مردہ کہنا' دوسری طرف یہ کہنا کہ وہ سنتا ہے' صریح تضاد ہے۔ وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے۔ سننا زندوں کا کام ہے' نہ کہ مردوں کا۔

ب: یہ عقیدہ بے بنیاد کیسے ہے؟ قبرستان میں جا کر جب سلام کیا جاتا ہے تو مردے سنتے ہیں۔

ا: کہاں سنتے ہیں؟

ب: اگر نہیں سنتے تو قبرستان جا کر السلام علیکم کیوں کہا جاتا ہے؟

ا: جب آپ کسی کو خط لکھتے ہیں تو السلام علیکم خطاب کے صیغے سے کیوں لکھتے ہیں' کیا وہ اس وقت سنتا ہے؟

ب: سنتا تو نہیں لیکن ہم خط میں اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو حاضر سمجھ لیتے ہیں۔

ا: ایسے ہی دعا میں ہم مردوں کو سمجھ لیتے ہیں' اگرچہ وہ سنتے نہیں۔

ب: لیکن خط تو اس کو پہنچتا ہی ہوتا ہے۔

ا: ہمارا سلام بھی مردوں کو بذریعہ خدائی ڈاک پہنچتا ہی ہوتا ہے۔

ب: کیا مردے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیتے۔

ا: صحیح تو یہ ہے کہ جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ ہمارا سلام سلام تحیہ نہیں ہوتا' جس کے جواب کی ضرورت ہو بلکہ سلام دعا ہوتا ہے' جو بطورِ دعا کے ان کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ وہ جواب دیتے ہیں تو اس کی صورت وہی ہوتی ہے جو خط کے سلام اور اس کے جواب کی ہوتی ہے جس میں سننا سنانا مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں بلکہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ مردے کا سلام و جواب بھی کلام کی قسم سے نہیں ہوتا کہ مردہ زندے کا سلام سنے اور زندہ مردے کا' کیونکہ ان میں بہت بُعد (فاصلہ) ہوتا ہے۔ ایک اس جہان میں ہوتا ہے دوسرا اگلے جہان میں' سوائے خدائی ذریعے کے ارسال و ترسیل کی صورت نہیں ہوتی۔ جب خدائی ڈاک سے زندے کا سلام مردے کو پہنچتا ہے جیسے اور دعائیں پہنچتی ہیں تو وہ جواباً دعا دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ زندے کا السلام علیکم سن کر وعلیکم السلام کہتا ہے (جیسا کہ کلام کیا جاتا ہے)۔

ب: کیا مردے سلام خود نہیں سنتے؟

ا: اللہ کے بندے وہ مردے ہیں' وہ کیا سنیں گے؟

ب: ہم نے تو یہی سنا ہے کہ وہ سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

ا: کبھی آپ نے ان کا جواب سنا ہے۔

ب: سنا تو کبھی نہیں۔

ا: پھر اس جواب کا فائدہ کیا جو آپ کو سنائی نہ دے۔

ب: ہم ان کا جواب کیسے سن سکتے ہیں؟

ا: جیسے وہ ہمارا سن لیتے ہیں' وہ مرے ہوئے سن لیں آپ زندہ نہیں سن سکتے۔

ب: موت کے بعد تو مردے میں بہت طاقت آ جاتی ہے' اس لیے وہ سن سکتا ہے' ہم نہیں سن سکتے۔

ا: جب ان میں بہت طاقت آ جاتی ہے تو پھر وہ ہمیں کیوں نہیں سنا دیتے یا تو سلام کا جواب نہ دیں اور اگر جواب دیتے ہیں تو پھر ہمیں سنائیں۔ وہ جواب ہی کیا ہوا جو سنائی نہ دے۔

ب: انھیں ہمیں سنانے کی کیا ضرورت ہے؟

ا: جو ضرورت انھیں سننے کی ہے۔ اگر مردوں کو سلام کا جواب سنانے کی ضرورت نہیں تو ہمارا سلام سننے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارا سلام دعا ہے جو اللہ خود بخود پہنچا دیتا ہے۔ اس میں سننے سنانے کے تکلف کی کیا ضرورت؟

ب: مردوں کا تو حق ہے کہ ہم ان کو سلام بھیجیں اور مختلف عمل کر کے ان کو ثواب پہنچائیں۔

ا: جب وہ زندہ ہیں تو ان کو ثواب پہنچانے کی ضرورت؟ ایصالِ ثواب تو مردوں کو کیا جاتا ہے نہ کہ زندوں کو۔ زندہ تو خود عمل کر لیتا ہے' عمل تو مردہ نہیں کر سکتا۔ حدیث:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ)). [1]

''مرنے کے بعد آدمی کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے''۔

وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا' حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ بھی ایک عمل ہے جس کا ثواب مرتب ہوتا ہے۔

ب: آپ کہتے ہیں مردہ کوئی عمل نہیں کر سکتا' حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔

---

[1] مسلم: کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، رقم ١٤«٤٢٢٣» .

نسائی: کتاب الوصیة، باب فضل الصدقة عن المیت، رقم ٣٦٨١.

ابو داؤد: کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الصدقة عن المیت، رقم ٢٨٨٠.

ارواء الغلیل ٦/ ٢٨، کتاب الوقف.

ا: حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو لبیک لبیک پکارتے ٹیلے سے اُترے ہوئے حج کو جاتے دیکھا ہے۔ اسی طرح یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر لبیک لبیک پکارتے ہوئے دیکھا ہے۔

ب: جب موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فوت شدگان کا عمل کرنا تو ثابت ہو گیا۔

ا: جب تلبیہ پکارتے ہوئے حج کو جاتے دیکھا تو حج کرنا ثابت ہوا؟

ب: حضور ﷺ نے دیکھا تو حج کرنا بھی ثابت ہو گیا۔

ا: اگر وہ حج بھی کرتے ہیں تو حج کرتے ہوئے لوگوں کو نظر کیوں نہیں آتے؟

ب: جب وہ اس جہان سے چلے گئے ہیں تو اب نظر کیسے آ سکتے ہیں؟

ا: یہی تو ہم کہتے ہیں کہ جب وہ اس جہان سے چلے گئے ہیں اور برزخ میں پہنچ چکے ہیں تو اب وہ حج کیسے کر سکتے ہیں۔ حج تو زندوں پر ہے جو اس جہان کے باشندے ہیں نہ کہ مردوں پر جو کہ برزخی زندگی گزار رہے ہیں۔

ب: جب حضور ﷺ نے ان کو حج کرتے دیکھا تو وہ حج کرتے ہیں۔

ا: اگر وہ حج کرتے ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے ان کو وہ نظر کیوں نہ آئے۔

ب: ممکن ہے اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ نہ ہوں۔

ا: حج بھی کبھی اکیلے ہوتا ہے؟ حج تو نویں تاریخ کو دِن میں ہوتا ہے اور سب اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ کونسی پہاڑی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تلبیہ پکارتے ہوئے ٹیلے سے اُترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس طرح سرخ اونٹنی پر یونس علیہ السلام کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھا۔ جب حضور ﷺ نے ہی دیکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظر نہ آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا جو اللہ نے ان کو ان نبیوں کی دنیوی زندگی کی ایک جھلک دکھا دی۔ یہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام حقیقتاً اس وقت قبر میں نماز پڑھ رہے تھے یا لبیک لبیک پکارتے حج کو جا رہے تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں:

((كَأَنِّيْ أَنْظُرُ)). [1]

---

[1] مسلم: كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله ﷺ الى السموات وفرض الصلوٰت، رقم ٤٢٠.
ابن ماجه: كتاب المناسك، باب الحج على الرحل، رقم ٢٨٩١.

یعنی فی الواقع وہ اس وقت نماز نہیں پڑھ رہے تھے۔ وہ مثالی صورت تھی۔

ب: جب آپ ﷺ نے دیکھا تو یہ ضرور حقیقت ہوگی۔

ا: حقیقت تو تھی' لیکن حقیقت دنیوی زندگی کی تھی جو اللہ نے اس وقت دکھائی۔

ب: حضور ﷺ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو وہ موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں گے۔

ا: تھے تو وہ موسیٰ علیہ السلام ہی' لیکن وہ منظر ان کی دنیوی زندگی کا تھا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عالم مثال تھا۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے معراج کی رات جوتوں سمیت جنت میں چلتے پھرتے دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت دُنیا میں زندہ موجود تھے۔ ابھی فوت بھی نہیں ہوئے تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عالم آخرت کا نقشہ حضور ﷺ کو دکھا دیا ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کی دنیوی زندگی کا نقشہ دکھا دیا۔ ایسے واقعات سے یہ استدلال کرنا کہ فوت شدگان زندہ ہیں اور عمل کرتے ہیں' صحیح نہیں کیونکہ یہ برزخی زندگی کے معاملات ہیں جو کہ خرق عادات ہیں۔ ان سے کوئی عموم کشید کرنا زیادتی ہے۔ مردے مردے ہیں' نہ سنتے ہیں' نہ بولتے ہیں' نہ نماز پڑھتے ہیں' نہ حج کرتے ہیں۔ اللہ جس حالت میں چاہے ان کو دکھا دے یا جو چاہے کروا دے' لیکن جو وہ کریں گے وہ ان کا فعل نہ ہوگا' بلکہ اللہ کا فعل ہوگا۔ جیسے اگر کوئی کسی کو اتفاق سے کہیں مل جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ وہاں رہتا ہے۔ اگر کسی کو راستے میں کوئی روپیہ پیسہ مل جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں جگہ پیسے ملتے ہیں' یہ تو اتفاق ہے جس کے لیے عموم نہیں ہوسکتا۔ آپ جو کہتے ہیں کہ مردے سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں' پھر اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں تو آپ یہ بتائیں کہ اگر ان سے کچھ اور پوچھا جائے تو کیا وہ سنیں گے اور جواب دیں گے۔

ب: میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔

ا: پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔ اگر مردے سنتے ہوں اور جواب دیتے ہوں تو سب کچھ سنیں اور جواب دیں۔ یہ تو نہیں کہ صرف سلام سنیں اور سلام کا ہی جواب دیں۔ نہ اور کچھ سنیں اور نہ کسی بات کا جواب دیں۔ اگر وہ اپنی طاقت سے سلام سنتے اور جواب دیتے ہوں تو وہ سب کچھ سنیں اور جواب دیں' لیکن اگر وہ صرف سلام ہی سن سکتے ہیں اور صرف اس کا ہی جواب دے سکتے ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ زندہ نہیں اور اور سلام سننا اور جواب دینا ان کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے۔ جسے خرق عادت کہیں گے۔ خرق عادت یا معجزہ اسی جزئی یا خاص واقعہ پر بند رہتا ہے۔ اس سے عام استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

ب: مردہ جوتیوں کی آہٹ تو سنتا ہے جب اسے قبر میں بند کر کے جاتے ہیں یا وہ بھی نہیں سنتا۔

ا: وہ تو سنتا ہے۔

ب: پھر مردوں کا سننا تو ثابت ہو گیا۔

ا: مردوں کا سننا ثابت نہ ہوا' اللہ کا سنا دینا ثابت ہوا' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور خاص موقع کا ذکر ہے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ مردے سنتے ہیں۔ اس سے تو بلکہ یہ ثابت ہوا کہ مردہ نہیں سنتا۔ اگر مردہ سنتا ہوتا تو حدیث میں یہ ذکر نہ ہوتا کہ جب مردے کو دفن کر کے جاتے ہیں تو وہ جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے بلکہ عام بات ہوتی کہ انسان مرنے کے بعد بھی ہر آواز ہر وقت سنتا ہے۔ اس میں جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی آ جاتی ہے اور آنے والوں کی بھی اور عام باتیں بھی۔ کیونکہ خاص سے عام ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام سے خاص ثابت ہوتا ہے جب حدیث میں عام ذکر نہیں بلکہ خاص ذکر ہے کہ وہ جانے والوں کے صرف جوتوں کی آواز سنتا ہے تو ان کی باتیں نہیں سنتا۔

ب: جب سنتا ہے تو سب کچھ ہی سنتا ہو گا۔

ا: بھئی! حدیث کو تو دیکھو جو آپ نے پیش کی ہے۔ اس میں تو صرف جانے والوں کی آہٹ کے سننے کا ذکر ہے' اگر وہ سب کچھ ہی سنتا ہوتا تو پھر اس کو خاص کرنے کا کیا فائدہ۔

ب: یہ خاص موقع کی بات نہیں بلکہ حدیث کا مطلب ہے کہ مردہ جوتیوں کی آہٹ تک سنتا ہے۔ جس سے دلالتاً ثابت ہو گیا کہ وہ سب کچھ اور ہر وقت سنتا ہے۔

ا: جوتیوں کی آہٹ تو آنے والوں اور جانے والوں کی برابر ہے پھر جانے والوں کو خاص کرنے کا کیا فائدہ؟

ب: اس فائدہ کا مجھے پتا نہیں' لیکن فی الجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ سنتا ہے۔ مقید کے ضمن میں مطلق آ ہی جاتا ہے۔

ا: حدیث کا مقصود یہ بتانا نہیں کہ مردے سنتے ہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے جاتے ہیں تو اسے احساس دلایا جاتا ہے کہ دیکھ جن کی وجہ سے تو مارا مارا پھرتا تھا' حلال حرام' جائز ناجائز کی بھی کوئی تمیز نہیں رکھتا تھا۔ اب تجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کوئی تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لیے چھوڑ کر جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنائی جاتی ہے' نہ آنے والوں کی آہٹ' نہ جانے والوں کی باتیں کیونکہ اکیلے رہ جانے اور چھوڑ جانے کا احساس اسی سے ہو سکتا ہے۔

ب: حدیث کا مقصود کچھ بھی ہو سننا تو ثابت ہو گیا' کسی وقت سننے سے ہر وقت سننے کی نفی تو نہیں ہوتی۔

ا: اس سے ہر وقت سننا بھی تو ثابت نہیں ہوتا۔

ب: جب ایک دفعہ سننا ثابت ہو گیا تو ثابت ہوا کہ مردے سنتے ہیں۔ آپ جب اب سنتے ہیں تو پھر بھی سن سکیں گے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پھر آپ نہیں سنیں گے۔ جو ایک وقت سن سکتا ہے وہ ہر وقت سن سکتا ہے۔

ا: ارے میں تو زندہ ہوں اور سننا میرا فعل ہے' اس لیے میں تو ہر وقت سن سکتا ہوں' لیکن بات تو مردے کی ہو رہی ہے۔ آپ مردے کو زندے پر قیاس کرتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے میں بہت فرق ہے۔ جاگتا سنتا ہے اور سویا ہوا نہیں سن سکتا۔ زندہ اور مردہ میں تو اس سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ وَ مَا يَسْتَوِى الْأَحْيَآءُ وَ لَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر: ۳۵/ ۲۲]

''زندے اور مردے برابر نہیں' ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے' زندہ سنتا ہے' مردہ نہیں سنتا۔ اللہ تو جسے چاہے سنا دے' وہ تو مردے کو بھی سنا سکتا ہے' لیکن اے نبی ﷺ! تو مردے کو نہیں سنا سکتا (تو صرف زندے کو ہی سنا سکتا ہے)''۔

ثابت ہوا کہ زندہ تو خود سنتا ہے' لیکن مردہ نہیں سن سکتا۔ مردے کو تو جب سنائے اللہ ہی سنائے۔

ب: جب اللہ سناتا ہے پھر تو سنتا ہے؟

ا: ہاں! پھر تو سنتا ہے۔

ب: سننا تو پھر بھی ثابت ہو گیا۔

ا: اللہ اگر پتھر کو سنائے تو وہ نہیں سنے گا۔

ب: تو پھر' پتھر کے لیے بھی سننا ثابت ہو گیا۔

ا: کیا آپ کہیں گے کہ پتھر بھی سنتے ہیں؟

ب: پتھر اور بندے میں تو بہت فرق ہے۔

ا: پتھر اور بندے میں تو بہت فرق ہے' لیکن پتھر اور مردے میں تو سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ جیسے پتھر میں سننے کی طاقت نہیں ایسے ہی مردے میں بھی سننے کی صلاحیت نہیں۔

ب: جب مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں تو پھر مردہ جوتیوں کی آہٹ کیسے سن لیتا ہے۔

ا: وہ تو اللہ سناتا ہے' اس کو مردے کا سننا نہیں کہتے۔

ب: سنتا تو مردہ ہی ہے' مردے کا سننا کیوں نہیں کہتے؟

ا: یہ نسبت مجازی ہے۔ حقیقت میں یہ فعل مردے کا نہیں ہوتا' اللہ کا ہوتا ہے۔ چونکہ مردہ اللہ کے اس فعل کے لیے محل ہوتا ہے اس لیے مجازاً نسبت مردے کی طرف کر دیتے ہیں' جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن آ گیا' حالانکہ آنے کا کام گاڑی کرتی ہے۔ نسبت اسٹیشن کی طرف کر دیتے ہیں اسی طرح ریڈیو' ٹیپ ریکارڈ اور گراموفون ہیں۔ ہم کہتے ہیں ریڈیو بولتا ہے' حالانکہ بولنا اس کا فعل نہیں۔ مجازاً اس کی نسبت اس کی طرف کر دیتے ہیں کیونکہ بظاہر فعل کا ظہور اس سے ہوتا ہے۔ کوئی فعل کسی کا اس وقت کہلاتا ہے جب وہ اس کو اپنے شعور اور ارادے اور اپنی طاقت سے کرے جو اللہ نے اس میں مستقل طور پر ودیعت کر رکھی ہے۔ مردہ چونکہ مردہ ہے اس میں احساس اور ارادہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کسی فعل کو اس کا فعل نہیں کہتے۔ وہ حقیقت میں اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ جسے اعجاز کہتے ہیں اور اعجاز میں عموم نہیں ہوتا کہ آپ اس پر قیاس کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب اللہ چاہتا تھا سانپ بن جاتا تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ لاٹھیاں سانپ بن جاتی ہیں۔ حضور ﷺ معراج میں آسمانوں پر گئے' ہم نہیں کہہ سکتے کہ انسان آسمانوں پر جا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ جب مردہ جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے تو وہ سب کچھ سنتا ہوگا۔ جیسا کہ ہم سب کچھ سنتے ہیں' ہم زندہ ہیں' وہ مردہ ہیں۔ زندے اور مردے میں یہی فرق ہے کہ زندہ اپنی طاقت سے سنتا ہے اور مردے میں وہ طاقت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ نہیں سن سکتا۔ زندہ بھی اس وقت تک سن سکتا ہے جب تک اس میں وہ طاقت رہتی ہے۔
آپ بتائیں کہ جب آدمی سو جاتا ہے تو پھر بھی سنتا ہے؟

ب: پھر تو وہ نہیں سنتا۔

ا: جب سویا ہوا آدمی نہیں سن سکتا تو مردہ کیسے سنے گا؟

ب: شہداء تو سنتے ہوں گے' وہ تو زندہ ہیں۔

ا: شہید کہتے کسے ہیں؟

ب: جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے۔

ا: قتل ہونے کے بعد شہید بنتا ہے یا پہلے؟

ب: بنتا تو قتل ہونے کے بعد ہی ہے۔

ا: جان نکلنے سے پہلے تو کوئی شہید نہیں ہو سکتا۔

ب: نہیں۔

ا: پھر شہید زندہ کیسے ہوا؟ زندہ تو غازی ہوتا ہے' شہید نہیں ہوتا۔

ب: سنا ہے کہ شہید تو مرتے ہی نہیں۔

ا: اگر مرتے نہیں تو شہید کیسے ہو جاتے ہیں؟ شہید تو ہوتا ہی وہ ہے جو اللہ کی راہ میں مر جائے' یعنی شہادت ملتی ہی موت کے بعد ہے۔

ب: کیا قرآن مجید نہیں کہتا کہ شہید زندہ ہیں۔

ا: قرآن مجید کہاں کہتا ہے کہ شہید زندہ ہیں۔ قرآن مجید تو پہلے شہداء کے لیے موت ثابت کرتا ہے' پھر برزخی زندگی کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

[آل عمران: ۳/ ۱۶۹]

"جو جہاد میں مارے جاتے ہیں' ان کو مردہ نہ خیال کرو۔ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں"۔

قرآن شہید کو دُنیا کے اعتبار سے مردہ اور اگلے جہان کے اعتبار سے زندہ بتاتا ہے۔ قرآن یہ نہیں کہتا کہ شہید دُنیا میں زندہ ہیں' سنتے ہیں دیکھتے ہیں یا کوئی اور کام کرتے ہیں۔

ب: اگلے جہان میں تو سارے ہی زندہ ہیں' پھر شہیدوں کی کیا خصوصیت؟

ا: کیا شہیدوں کی خصوصیت اسی میں ہے کہ وہ دُنیا میں واپس آ جائیں گے؟

ب: آخر یہ خصوصیت تو ہے کہ وہ مر کر بھی زندہ ہیں۔

ا: کہاں؟ دُنیا میں یا برزخ میں۔

ب: دونوں جگہ۔ دُنیا میں بھی اور برزخ میں بھی۔

ا: دونوں جگہ کیسے ہو سکتے ہیں' آپ جانتے ہیں برزخی زندگی کب شروع ہوتی ہے؟

ب: جب آدمی مر جاتا ہے۔

ا: یعنی دُنیوی زندگی ختم ہونے پر۔

ب: ہاں۔

ا: جب برزخی زندگی دُنیوی زندگی کے ختم ہونے پر شروع ہوتی ہے تو دونوں جمع کیسے ہو سکتی ہیں۔ کیا دِن رات جمع ہو سکتے ہیں؟ کیا جوانی اور بڑھاپا جمع ہو سکتے ہیں؟ جب ایک چیز کی ابتدا دوسری کی انتہا ہو تو ایسی چیزیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ جیسے دِن رات جمع نہیں ہو سکتے' دِن ختم ہو گا تو رات آئے گی' جیسے بچپن' جوانی' بڑھاپا جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک ختم ہو گا تو دوسرا آئے گا۔

اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص دُنیا میں بھی زندہ ہو اور برزخ میں بھی۔ اگر دُنیا میں زندہ ہے

تو برزخ میں نہیں' اگر برزخ میں زندہ ہے تو دُنیا میں نہیں' کیونکہ دُنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد برزخی زندگی شروع ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا سفر پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے بچپن' پھر جوانی' پھر بڑھاپا۔ پھر موت کے دروازے سے برزخ۔ پھر آخرت' پھر اصلی ٹھکانا: جنت یا دوزخ۔ اس پر یہ سفر ختم ہو جاتا ہے۔ جب سے یہ سفر شروع ہوتا ہے آدمی کا رخ آگے کی طرف ہی رہتا ہے۔ آگے کی طرف قدم سست یا تیز ہوسکتا ہے۔ پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ بچپن میں ہی موت آجائے' جوانی اور بڑھاپے کی نوبت ہی نہ آئے' لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جوان پھر بچہ بن جائے' یا بوڑھا پھر جوان ہو جائے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ برزخ میں ہی اخروی لذتیں حاصل ہونے لگ جائیں۔ جیسا کہ شہدا کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شہید برزخ سے واپس دُنیا میں آجائے۔ کیونکہ یہ دُنیا قید خانہ ہے اور موت اس سے نکلنے کا دروازہ ہے۔ چونکہ موت سے ہی آدمی اس قید خانے سے نکلتا ہے اس لیے موت سے ہی مومن کی ترقی ہے۔ اس لیے نبی' ولی' خاص' عام سب پر موت آتی ہے اور وہ اس دروازے سے نکل کر جو مدارج اللہ نے ان کے لیے تیار کیے ہیں ان کے حصول کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ شہید اور نبی تو درکنار کوئی مومن بھی نہیں چاہتا کہ ایک دفعہ اس قید خانے سے نکل کر پھر اس قید خانے میں واپس آجائے اور اپنی منزل مقصود سے دور ہو۔

ب: سنا ہے شہید تو اس دُنیا میں واپس آنے کی آرزو کرتے ہیں۔

ا: دُنیا میں آنے کی آرزو نہیں کرتے دوبارہ شہید ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔

ب: آخر شہید تو اس دُنیا میں آکر ہی ہو سکتے ہیں۔

ا: تو پھر کیا اللہ ان کو بھیج دیتا ہے؟

ب: آخر بھیجتا ہی ہوگا۔ اللہ ان کی بات رد تو نہیں کرتا ہوگا۔

ا: تو پھر کیا آپ نے کسی شہید کو دُنیا میں آکر رہتے اور دوبارہ شہید ہوتے دیکھا ہے؟

ب: دیکھا تو نہیں۔

ا: آپ نے دیکھا بھی نہیں اور آتا بھی کوئی نہیں۔ اللہ ان کی اس خواہش کو پورا نہیں کرتا جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ اس لیے کہ یہ فعل عبث ہے' اللہ کی حکمت کے خلاف ہے' مر کر پھر دُنیا میں آنا تنزل ہے' ترقی نہیں۔ ترقی آگے جانے میں ہے' کیونکہ جنت آگے ہے اور جنت کا مل جانا فوزِ عظیم ہے اس لیے مومن آگے ہی جاتا ہے دُنیا میں واپس نہیں آتا۔

ب: عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ تو دُنیا میں واپس آئے۔

ا: اس کو واپس آنا نہیں کہتے' واپس آنا تو وہ ہے جو اپنی مرضی سے ہو اور ایسے کوئی واپس نہیں آیا۔

ب: مرضی سے آیا یا اللہ لایا' دُنیا میں آ تو گیا۔ دنیوی زندگی تو مل گئی۔

ا: اس کو دُنیوی زندگی نہیں کہتے۔ دُنیوی زندگی تو اس وقت تک ہے جب تک موت نہ آئے۔ جب موت آ جاتی ہے تو دُنیوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اگر معجزانہ طور پر اللہ کسی کو زندہ بھی کر دے تو وہ دُنیوی زندگی نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ دنیوی زندگی ایک خاص زمانے کا نام ہے جو پیدائش سے شروع ہو کر موت پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے زمانہ لوٹ کر نہیں آتا ایسے ہی یہ زندگی بھی لوٹ کر نہیں آتی۔ اللہ کسی مردے کو زندہ بھی کر دے تو وہ برزخی زندگی ہی کہلائے گی۔ کیونکہ اس پر دُنیا کی زندگی کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔

ایسے ہی اللہ کسی زندے کو جس کی عمر ابھی باقی ہو معجزانہ طور پر مار دے اور جتنی دیر چاہے مردہ رکھے اور پھر زندہ کر کے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی عمر پوری کرے تو یہ دُنیوی زندگی ہی کہلائے گی۔ جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ یا بنی اسرائیل میں کئی مرتبہ ہوا۔ اس کو یوں سمجھیں قرآن میں کچھ سورتیں کی ہیں' کچھ مدنی۔ کی وہ کہلاتی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی وہ جو ہجرت کے بعد۔ اگر ہجرت کے بعد کوئی سورت یا آیت مکے میں نازل ہوئی تو اس کو مدنی ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ اس زمانے سے تعلق رکھتی ہے جو ہجرت کے بعد کا ہے۔ یہی حساب دُنیوی اور برزخی زندگیوں کا ہے۔ موت سے پہلے کی زندگی دنیوی ہے اور موت کے بعد کی برزخی۔ اگر چہ عارضی طور پر اللہ دنیوی زندگی میں کچھ عرصہ مردہ رکھے یا برزخی زندگی میں کچھ عرصہ زندہ رکھے۔ اس کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ یہ نہیں کہ زندہ ہی رہتے تھے۔ وہ تو معجزہ ہوتا تھا۔ جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا اللہ ان کو زندہ رکھتا۔ پھر ان کو مردہ کر دیا جاتا۔ بغیر موت کی تکلیف کے۔ معجزات کا یہی حال ہوتا ہے' ان کو دکھانے کے بعد اشیا کو اصلی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بننے کے بعد پھر عصا بن جاتا تھا۔

﴿ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴾ [طٰہٰ : ۲۰/ ۲۱]

عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا ان کا معجزہ تھا جو اللہ کا فعل تھا۔ معجزہ نبی کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردوں کو زندہ کر کے دکھایا کہ میں جو عدم سے وجود میں لا سکتا ہوں تو میں مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہوں۔ میرے لیے ایک جہان سے دوسرے جہان میں لانا' لے جانا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن معجزہ ایک خاص چیز

ہوتی ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا' اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ بچے بغیر باپ کے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ مردے زندہ بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کئی مردے زندہ ہوئے' یا مردے کلام بھی کر لیتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین سے کلام کیا تھا یا مردہ جب اس کی قبر میں رکھ کر جاتے ہیں تو وہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں' وہ جو چاہے کر دے اس کو ایک کلیہ نہیں بنا سکتے۔

ب: انبیاء علیہم السلام بھی نہیں سنتے ؟

ا: انبیاء علیہم السلام کیسے سن سکتے ہیں' کیا ان پر موت نہیں آتی ؟

ب: موت تو آتی ہے۔

ا: جب موت آتی ہے تو پھر وہ کیسے سن سکتے ہیں؟ موت تو موت ہے جس پر بھی آتی ہے مردہ کر دیتی ہے۔ مرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو' نہ سن سکتا ہے' نہ بول سکتا ہے' نہ دیکھ سکتا ہے' نہ کچھ کر سکتا ہے۔

ب: نبیوں اور انسانوں میں بہت فرق ہے۔

ا: فرق تو بہت ہے' لیکن موت تو ایک ہے۔ موت میں تو کوئی فرق نہیں۔

ب: نبی کی ذات تو بہت بڑی ہوتی ہے۔

ا: کتنی بڑی ہو' موت سے مفر نہیں' موت تو لازمی ہے۔ موت تو صرف اللہ کے لیے نہیں' باقی سب کے لیے ہے۔

ب: لیکن انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیا میں فرق تو ضرور ہونا چاہیے۔

ا: موت میں کیا فرق ہو سکتا ہے' یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کی جان اوروں کی نسبت آسانی سے نکلے' لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان پر موت نہ آئے یا ان کی جان پوری نہ نکلے' آدھی نکلے۔ موت تو کہتے ہی پوری جان نکلنے کو ہیں۔ جس پر موت آتی ہے وہ مر جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کی روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ احساس ادراک سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے والا خواہ کوئی ہو اگلے جہان یعنی برزخ میں چلا جاتا ہے۔

ب: نبیوں علیہم السلام اور انسانوں میں کیا فرق ہوا؟

ا: آپ بتائیے کہ نبی جب دُنیا میں رہتے ہیں تو ان کی زندگی میں اور انسانوں کی زندگی میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ب: انبیاء علیہم السلام پر فرشتے اُترتے ہیں اور اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

ا: یہ فرق تو نبوت کا ہے' زندگی کا تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ نبی بھی زندہ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں اور عام آدمی بھی زندہ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ وہ بھی روح مع الجسم' وہ بھی روح مع الجسم۔ فرق نبوت کا ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو نبوت کی وجہ سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ غیر انبیاء کو نہیں ہوتا۔ یہی حال مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ برزخی زندگی سب کی یکساں ہوتی ہے' فرق صرف درجے کا ہوتا ہے۔ جیسے دُنیا میں انبیاء علیہم السلام کا درجہ سب سے زیادہ اور اس کی وجہ سے اللہ کا قرب زیادہ۔ اس طرح سے برزخی زندگی میں ان کا درجہ بھی سب سے زیادہ اور قرب بھی زیادہ۔ زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ زندگی سب کی ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔

ب: انبیاء علیہم السلام دُنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی روحانی اور جسمانی سیریں نہیں کرتے؟

ا: کیوں نہیں! اللہ جب چاہتا ہے سیر کروا دیتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔

ب: جس طرح وہ دُنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی سیر کر لیتے ہیں' اسی طرح وہ برزخ میں ہوتے ہوئے دُنیا کی سیر کریں تو کیا بعید ہے؟

ا: دُنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا کی سیر تو ترقی ہے۔ عالم برزخ سے دُنیا میں آنا تنزل ہے۔ اس لیے معراج تو ہوسکتا ہے تنزل نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ دُنیا قید خانہ ہے' یہاں آنا سزا ہے۔ آدم علیہ السلام کو بطورِ سزا کے ہی یہاں بھیجا گیا تھا۔ آگے جانا یا عالم بالا کی سیر عروج ہے۔ لہٰذا یہ ہوسکتا ہے' وہ نہیں ہوسکتا۔ انبیاء علیہم السلام برزخ میں ہوتے ہوئے عالم آخرت کے نظارے تو کر سکتے ہیں' واپس دُنیا میں نہیں آسکتے۔

ب: ہم نے سنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قبروں میں بھی دنیوی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

ا: دنیوی زندگی موت کے بعد کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔ موت کے بعد تو برزخی زندگی ہوتی ہے' نہ کہ دنیوی۔

ب: مطلب یہ ہے کہ وہ قبروں میں ایسے ہی زندہ ہیں جیسے دُنیا میں تھے۔

ا: دُنیا کی طرح سے قبر میں وہ کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ دُنیا میں تو وہ کھاتے پیتے تھے' حوائج ضروریہ ان کے ساتھ تھیں' کیا قبر میں بھی وہ یہ سب کچھ کرتے ہیں؟

ب: کھانے تو ان کو جنتوں کے ملتے ہیں' جن کے کھانے سے بول و براز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ا: یہی تو ہم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی زندگی برزخی ہوتی ہے' دنیوی نہیں ہوتی۔ وہ برزخ میں آخرت کی نعمتوں سے محظوظ ہوتے ہیں' نہ کہ دُنیا کی۔ آپ سوچیں دُنیاوی زندگی قبر

میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ آپ کسی زندے کو قبر میں دفن کر کے دیکھ لیں کیا وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اصل میں ''دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے''۔ موت اس سے رہائی دلانے والی ہے۔ مار کر قبر میں لے جا کر پھر دنیوی زندگی دینا۔ یہ ڈبل سزا ہے جو نیکوں کے لیے خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے لیے نہیں ہو سکتی۔ جب ایک عام مومن مرنے کے بعد کہتا ہے: ((قَدِّمُوْنِيْ، قَدِّمُوْنِيْ)). [1] (مجھے جلدی لے چلو' مجھے جلدی لے چلو) تو ایک نبی کو قبر میں دنیوی زندگی کیسے پسند آ سکتی ہے۔ جب ایک شہید مرنے کے بعد اپنے ربّ کے پاس جا کر رزق کھاتا ہے اور اس کی زندگی ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢/ ١٥٤] والی برزخی ہوتی ہے تو پیغمبر کی زندگی دنیوی کیسے ہو سکتی ہے؟

ب: کیا خدا ان کو قبر میں زندہ رکھ سکتا ہے۔

ا: اللہ تو سب کچھ کر سکتا ہے' لیکن وہ لا یعنی کام کبھی نہیں کرتا۔ وہ حکیم ہے' اس کے سب کام حکمت کے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ نے پیغمبروں کو زندہ ہی رکھنا ہو تو قبروں میں کیوں رکھے' باہر دُنیا میں زندہ کیوں نہ رکھے' کوئی فائدہ تو ہو۔ آخر نبی کے قبر میں زندہ رکھنے سے فائدہ کیا ہوتا ہے جو اسے وہاں زندہ رکھا جائے۔ نبی دُنیا میں تبلیغ کے لیے آتے ہیں' جب تک وہ زندہ رہتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں' قبر میں زندہ ہوں اور کر بھی کچھ نہ سکیں' اس زندگی کا ان کو یا ان کی امتوں کو کیا فائدہ؟

ب: حضور ﷺ کے بارے میں تو سب کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ قبر میں دُنیا کی طرح زندہ ہیں۔

ا: دنیوی زندگی کوئی کمال ہے جو حضور ﷺ قبر میں بھی دُنیا کی طرح زندہ ہوں۔ مرنے کے بعد تو برزخی زندگی ہی ترقی ہے اور یہی حضور ﷺ کو حاصل ہے اور آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سب کا یہی عقیدہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی اس عقیدے کا قائل نہیں تھا کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی حضور ﷺ کو قبر میں نہ چھوڑتے۔ فوراً نکال لیتے۔ یہ تو آپ لوگ ہیں کہ حضور ﷺ کو قبر میں دُنیا کی طرح زندہ بھی کہتے ہیں اور نکالتے بھی نہیں۔ آپ جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ ہیں تو کیا ان کو زندہ ہی دفن کر دیا گیا تھا۔

ب: دفن تو مرنے کے بعد کیا گیا تھا۔

---

[1] بخاري: كتاب الجنائز، باب قول الميت وهو على الجنازة قدموني، رقم ١٣١٦.

نسائي: كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، رقم ١٩٠٩.

ا: پھر وہ زندہ کب اور کیسے ہو گئے؟

ب: جب ان کو قبر شریف میں اُتار دیا گیا تو وہ زندہ ہو گئے۔

ا: اگر ان کو باہر ہی رکھا جاتا' دفن نہ کیا جاتا تو کیا پھر بھی وہ زندہ ہو جاتے۔ یا اگر اب باہر نکال لیا جائے تو باہر آ کر وہ زندہ رہیں گے یا پھر مردہ ہو جائیں گے؟

ب: اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ا: موت سے لے کر تدفین تک تقریباً ۳۲ گھنٹے حضور ﷺ باہر رہے۔ اس عرصے میں آپ ﷺ زندہ رہے یا مردہ؟

ب: مردہ ہی رہے ہوں گے' کیونکہ آپ ﷺ کو جب دفن کیا گیا تو مردہ ہی تھے۔

ا: جب آپ اس عرصے میں مردہ ہی رہے تو اب باہر آ کر پھر زندہ کیسے ہو جائیں گے؟ آپ سوچیں کیا اس زندگی کو دنیوی زندگی کہیں گے کہ باہر ہوں تو مردہ' قبر میں جائیں تو زندہ۔ آپ کا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ آپ ﷺ قبر میں جا کر زندہ ہو گئے اور اب بھی زندہ ہیں۔ کیونکہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے جب حجرے کی دیوار گر گئی تو ایک قدم ننگا ہو گیا۔ اکثر کا خیال تھا کہ یہ قدم رسول اللہ ﷺ کا ہے' لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قدم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس وقت وہ تینوں پیارے اسی طرح پڑے تھے جیسے دفن کیے گئے تھے۔ دنیوی زندگی کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا۔ اگر اس وقت بھی دنیوی زندگی کے کچھ آثار نظر آتے تو پہلی صدی تھی' وہ لوگ ضرور باہر نکال لیتے۔ معلوم ہوا کہ خیر القرون میں یہ عقیدہ نہیں تھا کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ وہ لوگ تو حضور ﷺ کی برزخی زندگی کے ہی قائل تھے۔ آپ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قبر میں زندہ ہیں تو آپ کو اتنے عرصے کے بعد کیسے پتا لگ گیا؟

ب: حضور ﷺ کی ہی تو حدیث ہے:

((نَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُرْزَقُ)). [1]

''نبی زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں''۔

ا: اللہ کے بندے اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ نبی قبر میں جا کر زندہ ہو جاتے ہیں اور زندگی دنیوی ہوتی ہے۔ حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔

---

[1] ابن ماجة: کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ، رقم ١٦٣٧.

زندگی ان کی برزخی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید شہدا کے بارے میں بتلایا ہے: ﴿ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾[آل عمران: ۳/ ۱۶۹] تو جب شہدا اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام جو شہید گر ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی دنیوی کیسے ہوسکتی ہے۔ کیا دنیوی زندگی برزخی زندگی سے اعلیٰ ہوتی ہے یا انبیاء علیہم السلام شہدا سے ادنیٰ ہوتے ہیں کہ شہدا تو مرنے کے بعد اللہ کے پاس برزخی زندگی میں ہوں اور انبیاء علیہم السلام دنیوی زندگی میں۔

ب: اگر رسول اللہ ﷺ قبر میں زندہ نہیں تو سلام کیسے سن لیتے ہیں؟

ا: وہ سلام سنتے نہیں' انہیں فرشتوں کے ذریعے سلام پہنچایا جاتا ہے۔

ب: حدیث میں تو آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو میری قبر پر آکر سلام پڑھتا ہے میں اس کا سلام خود سنتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں وہ سنتے نہیں۔ کیا آپ اس حدیث کو نہیں مانتے؟

ا: آپ اس حدیث کو مانتے ہیں؟

ب: کیوں نہیں.....!

ا: اس حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ قبر پر سلام سنتے ہیں' دور کا نہیں سنتے۔ پھر آپ اپنے گھروں اور مسجدوں میں ہی بیٹھے ((اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کیوں پکارتے ہیں؟

ب: آپ بھی تشہد میں ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) کہتے ہیں' کیا اس وقت حضور ﷺ آپ کا سلام سنتے ہیں؟

ا: ہمارے نزدیک تو وہ کسی وقت بھی نہیں سنتے' نہ سنانے کے لیے ہم ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) کہتے ہیں۔ ہم تو بطورِ حکایت کے پڑھتے ہیں جیسا کہ قرآن پڑھتے ہیں اور اس میں ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (یعنی اے ایمان والو!) بھی آجاتا ہے' جس سے ہماری مراد مومنوں کو بلانا یا سنانا نہیں ہوتی بلکہ صرف تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ اس طرح تشہد ہے اس کو پڑھتے ہوئے بھی ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) آجاتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد حضور ﷺ کو پکار کر سلام کہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف تشہد پڑھنا ہوتا ہے' جس میں حکایۃً سلام بھی آجاتا ہے۔

ب: اگر آپ سلام خطاب کے طور پر نہیں کہتے تو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) کیوں کہتے ہیں؟

ا: آپ یہ بتائیں حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی تشہد تھا جو آپ پڑھتے ہیں یا کوئی اور تھا؟

ب: تشہد تو یہی تھا۔

ا: اگر ان کا تشہد بھی یہی تھا اور اس میں ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ)) خطاب کے لیے ہے تو

رسول اللہ ﷺ جب ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) پڑھتے تو نماز میں کس سے خطاب کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم جب حضور ﷺ کی موجودگی میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) کہتے تو کیا رسول اللہ ﷺ ان کو جواب دیتے تھے؟

ب: جواب تو نہیں دیتے تھے۔

ا: کیا سلام کا جواب دینا فرض نہیں؟

ب: فرض تو ہے، لیکن نماز میں فرض نہیں۔

ا: پھر کیا جائز ہے؟

ب: جائز بھی نہیں۔

ا: جب نماز میں رسول اللہ ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سلام کہا اور آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا اور نماز میں سوال کا جواب دینا جائز بھی نہیں، تو پھر نماز میں حضور ﷺ کو سلام کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور آپ کیسے کہتے ہیں کہ ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) سے خطاب ہے۔ حالانکہ نماز اللہ کی عبادت ہے اور اس میں کسی سے تخاطب جائز نہیں۔ اگر تشہد والے سلام کا جواب حضور ﷺ نماز میں نہیں دیتے تھے تو کیا بعد از نماز دیتے تھے۔

ب: سنا پڑھا تو نہیں کہ آپ ﷺ نے نماز کے بعد کبھی جواب دیا ہو۔

ا: جس سلام کو رسول اللہ ﷺ زندگی میں نہ سنتے تھے، نہ سن کر جواب دیتے تھے تو اب جب کہ حضور ﷺ فوت ہو چکے ہیں یہ کہنا کہ حضور ﷺ سنتے ہیں اور سن کر جواب دیتے ہیں کس قدر غلط ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی زندگی اور موجودگی میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) حضور ﷺ کو سنانے کے لیے نہیں کہتے تھے تو ہم اب جب کہ حضور ﷺ فوت ہو چکے ہیں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) سنانے کے لیے کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جس سلام کا جواب قطعاً دیا ہی نہ جائے، نہ نماز میں، نہ نماز کے بعد، نہ زندگی میں، نہ زندگی کے بعد، وہ سلام دُعا تو ہو سکتا ہے سلام تخاطب اور سلام تحیہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سلام کا جواب فرض ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ ﴾ [النساء : ٤/ ٨٦]

یعنی ”سلام کا جواب دو، اوّل تو زیادہ ورنہ اتنا تو ضرور ہو“۔

جب تشہد والے سلام کا جواب حضور ﷺ نے کبھی دیا ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ وہ سلام ہی نہیں کہ حضور ﷺ سنیں اور جواب دیں۔ اگر ((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ)) سلام کے لیے ہے

تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے' نماز کے آخر ''التحیات'' میں یہ سلام کیوں کہتے تھے۔ ابتدائے نماز یعنی ثنا کے ساتھ یہ سلام کیوں نہیں کہتے تھے۔ سلام تو شروع میں بوقت ملاقات کیا جاتا ہے نہ کہ گفتگو کے دوران یا آخر میں۔ جب ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)) شروع نماز میں نہیں بلکہ آخر نماز میں ہے تو ظاہر ہے یہ حضور ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ اللہ کی جناب میں اللہ کے پہلے کسی خطاب کی حکایت ہے جس کو برکت کے لیے ہم بطورِ دُعا پڑھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد درود شریف ہے۔ اس میں بھی حضور ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ اللہ سے حضور ﷺ کے لیے رحمت و برکت کی دُعا ہے۔ پھر نمازی کی اپنے لیے دُعا ہے جس پر نماز کا اختتام ہے اور یہ ترتیب بڑی معقول اور تعلیم نبوی کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے ﴿ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴾ [الغافر : ٤٠/ ٦٥] کے تحت التحیات پڑھی جاتی ہے' جس کا منشا اظہار اخلاص دین ہے' کہ میری سب عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' میں مشرک بالکل نہیں' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے دُعا ہے کیونکہ ان کا حق مقدم ہے۔ وہ بڑے محسن ہیں' پھر نمازی اپنے لیے دُعا کرتا ہے اور اس پر نماز کو ختم کر دیتا ہے۔ اس تشریح سے ثابت ہوا کہ ہم ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)) نہ حضور ﷺ کو سنانے کے لیے کہتے ہیں اور نہ وہ سنتے ہیں۔ ((اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کہنے کے لیے ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)) سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

ب: جب عام مردوں کو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ)) کہہ سکتے ہیں تو حضور ﷺ کو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ)) کیوں نہیں کہہ سکتے؟

ا: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ)) تو قبرستان جا کر کہتے ہیں نہ کہ گھر بیٹھے۔ آپ ہی بتائیں گھر سے ہی مردوں کو ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ)) کہنا ٹھیک ہے؟

ب: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ)) تو قبرستان میں جا کر ہی کہا جاتا ہے۔

ا: پھر ((اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) گھر بیٹھے ہی کیوں کہتے ہیں؟

ب: حضور ﷺ میں اور عام مردوں میں تو بہت فرق ہے۔ عام مردوں میں تو اتنی طاقت نہیں کہ وہ ہر جگہ سے سن لیں' حضور ﷺ تو ہر جگہ سے سن لیتے ہیں' بلکہ وہ تو حاضر و ناظر ہیں۔

ا: پھر ثابت ہو گیا نا! کہ جس حدیث کو آپ پیش کرتے ہیں اس کو آپ نہیں مانتے۔ اس حدیث میں تو صاف ہے کہ قبر پر سلام تو میں سن لیتا ہوں اور دور کا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی دور کا میں نہیں سنتا۔ جب حضور ﷺ دور کا سلام نہیں سنتے تو گھر بیٹھے ((اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہنا یا ان کو حاضر ناظر سمجھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

ب: آپ بھی تو اس حدیث کو نہیں مانتے۔ اس میں صاف ہے کہ جو میری قبر پر آ کر سلام کہتا ہے میں اسے سنتا ہوں' آپ کہتے ہیں وہ نہیں سنتے۔

ا: ہم تو اس کو حدیث ہی نہیں مانتے کیونکہ یہ صحیح نہیں۔ ہم آپ کی طرح سے نہیں کہ آدھی جو مطلب کی ہے اسے مان لیں اور آدھی جو خلاف پڑتی ہے اسے چھوڑ دیں۔

ب: اگر آپ اس حدیث کو نہیں مانتے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کیوں کہتے ہیں؟

ا: جیسے قبرستان میں ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَھْلَ الْقُبُوْر)) عام مردوں کو کہہ سکتے ہیں' اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سکتے ہیں۔ ❶

ب: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سنتے ہیں۔ اگر وہ سنتے نہ ہوں تو کیا ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہا جاتا ہے؟

ا: ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے کے لیے نہیں کہا جاتا نہ ہی ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَھْلَ الْقُبُوْر)) عام مردوں کو سنانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ سنتے نہ عام مردے ہیں' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ب: پھر انہیں پکار کر سلام کیوں کہا جاتا ہے؟

ا: پکار کر سلام ان کو سنانے کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے دِل کو متوجہ اور نرم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ہم ان کو زندہ فرض کر کے سلام دعا کہتے ہیں تا کہ دِل حاضر ہو۔ فوت شدہ کو مخاطب کر

---

❶ یہ حافظ عبداللہ صاحب بہاولپوری کا ذاتی خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ جس طرح قبر سے دور ((اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)) کہنا ناجائز ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر یہ کہنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اب رہا یہ سوال کہ وہاں کیا کہنا چاہیے تو حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

((السلام علیکم یا اھل الدیار من المؤمنین))۔ [مسلم (۱/۳۱٤)]

((السلام علیکم دار قوم مؤمنین))۔ [مسلم (۱/۱۲٦)]

((السلام علیکم یا اھل القبور))۔

کے سلام کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے فوت شدہ عزیز کی لاش سے باتیں کرے۔ بیٹا مر جاتا ہے تو باپ اسے کہتا ہے: بیٹا! مجھے تم اکیلے چھوڑ گئے۔ اب میں کسے بیٹا کہوں گا؟ تم ہی تو میرے بڑھاپے کا سہارا تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ باپ کو یقین ہوتا ہے کہ بیٹا میری کوئی بات نہیں سنتا' لیکن پھر بھی وہ اسے مخاطب کر کے اپنے دِل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ ہم بھی فوت شدگان کو مخاطب کے صیغے سے زندوں کی طرح سلام دعا دیں۔ تاکہ دِل پر ان کی یاد کا اثر ہو۔ ان کا ادب و احترام بھی زندوں کی طرح کریں۔ ان کو غسل دیں تو آرام سے رکھیں یا اُٹھائیں تو احترام سے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

((كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا)). [1]

یعنی ''مردے کی ہڈی توڑنا زندے کی ہڈی توڑنے کے مترادف ہے''۔

مردے اگرچہ مردے ہیں' جیسا کہ مشاہدہ ہے' نہ سنتے ہیں' نہ کچھ اور کر سکتے ہیں' لیکن ان کے ساتھ سلوک ایسا کرنے کا حکم ہے گویا وہ زندہ ہیں۔ اس میں ان کا ادب و احترام بھی ہے اور ہمارے لیے رقت قلب کا سامان بھی۔ مردوں کو زندہ فرض کر لینا ایسے ہی ہے جیسے کسی نیک اور بزرگ شخص کو احتراماً باپ سمجھ لینا اور پھر اس سے باپ والا سلوک کرنا یا کسی شریف لڑکے کو بیٹا سمجھنا اور بیٹا کہنا اگرچہ حقیقت میں نہ وہ باپ ہے نہ یہ بیٹا۔ سمجھ لینا اور فرض کر لینا اور بات ہے اور حقیقت ہونا اور بات ہے۔

ب: پھر اس حدیث کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ اس میں تو حضور ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ جو میری قبر پر آ کر سلام کہتا ہے میں اسے سنتا ہوں۔

ا: اللہ کے بندے! یہ حدیث نہ صحیح ہے اور نہ کسی کو قابل قبول۔ یہ بریلویوں کو بھی قبول نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں حضور ﷺ قریب بعید ہر جگہ سے سنتے ہیں بلکہ وہ ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تک کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث کہتی ہے کہ حضور ﷺ قریب سے سنتے ہیں' دور سے نہیں سنتے۔ اگر بریلوی دوست اسی حدیث کو مانتے ہوتے تو ((اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)) کا جھگڑا بھی ختم ہوتا اور علم غیب اور حاضر و ناظر کا رگڑا بھی۔ کیوں کہ جب سننے

---

[1] ابو داؤد: كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان؟ رقم ٣٢٠٧.

ابن ماجة: كتاب الجنائز، باب فى النهى عن كسر عظام الميت، رقم ١٦١٦.

ارواء الغليل: ٣/ ٢١٣، رقم ٧٦٣.

میں قریب و بعید کا فرق ہوا تو نہ حاضر و ناظر رہے' نہ عالم الغیب۔ یہ حدیث اوروں کو بھی قبول نہیں' کیونکہ وہ کہتے ہیں حضور ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اب نہ قریب سے سنتے ہیں' نہ بعید سے۔ جہاں سے بھی صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے' فرشتے جو اس امر کے لیے مامور ہیں پہنچا دیتے ہیں۔

ب: یہ حدیث صحیح کیوں نہیں؟

ا: آپ صحیح کی پوچھتے ہیں' یہ تو ضعیف کے درجے سے بھی گری ہوئی ہے۔ اسے بلکہ جھوٹی اور موضوع کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔

ب: اس میں خرابی کیا ہے؟

ا: ایک تو اس میں راوی العلاء بن عمر اور محمد بن مروان السدی ضعیف ہیں' خاص کر محمد بن مروان السدی کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا اور جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ کبھی کچھ کہہ دیتا' کبھی کچھ۔ اس سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ایک میں کہتا ہے:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ)). [1]

''قبر کا سلام حضور ﷺ خود سنتے ہیں''۔

دوسری میں کہتا ہے کہ قبر کا سلام بھی فرشتے پہنچاتے ہیں:

((مَا مِنْ عَبْدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وُکِّلَ بِہٖ مَلَکًا یُبَلِّغُنِیْ)). [2]

یعنی حضور ﷺ خود نہیں سنتے بلکہ مقرر فرشتہ انہیں پہنچاتا ہے۔

یہ دونوں روایتیں امام بیہقی نے روایت کی ہیں اور ان دونوں کا یہ راوی ہے۔ یہ حدیث اس لیے بھی غلط ہے کہ یہ اور بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

1 چنانچہ ایک حدیث ابوداوٗد اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَّ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ

---

1 سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، ١/ ٢٣٩، رقم: ٢٠٣.

مشكٰوة: كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى ﷺ و فضلها، رقم ٩٣٤.

2 سنن كبرىٰ بيهقى: كتاب الحج، باب زيارة قبر النبى ﷺ بمعناه.

الترغيب والترهيب للمنذرى: ٢/ ٤٩٩.

الترغيب فى اكثار الصلوة على النبى والترهيب من تركها عند ذكره ﷺ كثيرًا دائمًا.

صَلٰوتکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ))۔ ❶

یعنی ”اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (ان میں نفل نوافل پڑھا کرو) اور میری قبر پر اجتماع نہ کرو (نہ صلاۃ وسلام کے لیے نہ عرسوں میلوں کے لیے) اور مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو (قبر کے قریب ہو یا دور)“۔

2 ایک دوسری حدیث میں جو کہ نسائی، دارمی، مسند احمد، ابن حبان اور حاکم میں ہے، وضاحت ہے کہ جو صلاۃ وسلام حضور ﷺ پر پڑھا جاتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیْ السَّلَام))۔ ❷

یعنی ”اللہ نے روئے زمین پر فرشتے چھوڑ رکھے ہیں جو میری اُمت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں“۔

اس حدیث کی تائید اور حدیثیں بھی کرتی ہیں۔

3 چنانچہ حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ سلام کے لیے حجرے میں داخل ہو رہا ہے تو انھوں نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ میں تجھے وہ حدیث نہ سناؤں جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔ یعنی ”میری قبر پر میلہ نہ کرنا اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بنانا، تمہارا سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو“۔

مطلب یہ کہ سلام کہنے کے لیے قبر کے قریب آنے کی ضرورت نہیں، جہاں سے کہو گے مجھے پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا فَاِنَّ تَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ))۔ ❸

4 حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب یہی حدیث مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

((صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ

---

❶ ابو داؤد: کتاب المناسك، باب زيارة القبور، رقم ٢٠٤٢.
مشکٰوۃ: کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبی ﷺ و فضلها، رقم ٩٤٦.

❷ نسائی: کتاب السهو، باب التسليم على النبی ﷺ، رقم ١٢٨٣.
مشکٰوۃ: کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبی ﷺ و فضلها، رقم ٩٢٤.

❸ مسند ابی یعلٰی الموصلی ٢٤٦/١، رقم ٤٦٥۔ من تحقيق شيخ ارشاد الحق اثری.

وَ سَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ وَ سَلَامَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ رَوَاھُمَا اَبُوْیَعْلٰی الْمُوْصِلِیُّ)).❶

5 سنن سعید بن منصور میں حدیث ہے۔ سہل بن سہیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے الحسن بن الحسن نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا کھاتے ہوئے حضور ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور آواز دی کہ آیئے کھانا کھایئے۔ میں نے کہا دِل نہیں چاہتا۔ پھر مجھ سے پوچھا حضور ﷺ کی قبر کے پاس کیسے کھڑے تھے۔ میں نے کہا سلام کہہ رہا تھا۔ انھوں نے کہا اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَسَلِّمْ یعنی ''جب تو مسجد میں داخل ہو تو سلام کہہ لیا کر''۔ سلام کہنے کے لیے قبر پر آنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حضور ﷺ کی حدیث سنائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَوَاتِکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ مَسَاجِدَ مَا اَنْتُمْ وَ مَنْ بِالْاَنْدُلُسِ اِلَّا سَوَاءٌ)).

یعنی ''اکٹھے ہو کر میری قبر کو میلہ نہ بنانا۔ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہنا۔ ان کو قبریں نہ بنانا کہ جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا۔ تمہارا درود جہاں بھی تم ہو گے مجھے پہنچ جائے گا۔ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے انبیاء کی قبروں کو اجتماع کر کے عبادت گاہیں بنالیا۔ صلاۃ و سلام کہنے میں تم جو مدینہ میں ہو اور وہ جو اسپین میں ہیں برابر ہیں''۔

مطلب یہ کہ صلاۃ و سلام کے لیے میری قبر پر جمع نہ ہونا، دور و نزدیک کی کوئی بات نہیں، ہر جگہ سے فرشتے ہی پہنچاتے ہیں۔

6 ابو سعید مولیٰ الھروی سے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ ایک حدیث مروی ہے۔

ب: آپ تو اس حدیث کو غلط قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ حدیث مشہور بہت ہے۔

ا: لوگوں میں مشہور ہو جانے سے کوئی حدیث صحیح نہیں ہو جاتی۔ لوگوں میں تو بہت باتیں مشہور ہوتی ہیں، حالانکہ وہ غلط ہوتی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھایا جانا عیسائیوں میں کتنا مشہور ہے، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح سے کئی احادیث ہیں جو

---

❶ مسند ابی یعلٰی الموصلی ٦/ ١٧١، رقم ٦٧٢٨۔ من حدیث حسین بن علی بن ابی طالب.

زبان زدِ عوام ہیں، لیکن بالکل موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جیسا کہ "لولاك"[1] والی حدیث ہے۔ اس طرح ((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ)) اور ((کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ))[2] اور ((وَ اَنَا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ)) وغیرہ۔

ب: ان احادیث کو تو بڑے بڑے مولوی بیان کرتے ہیں۔

ا: عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کو بھی عیسائیوں کے پادری اور مولوی ہی بیان کرتے ہیں۔ کیا ان کے بیان کرنے سے یہ بات صحیح ہو جائے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھائے گئے۔ اصل میں جب جہالت کا دور دورہ ہوتا ہے تو عوام کے مولوی بھی ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے عوام ہوتے ہیں۔ جیسے جاہل عیسائی تھے ویسے ان ان کے مولوی بن گئے جو عوام کہتے تھے وہی وہ کہنے لگ گئے۔ کسی قوم کو زوال آتا ہی اس وقت ہے جب کہ عوام کے ساتھ ان کے علماء بھی جاہل اور مقلد ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان میں نہیں رہتا۔ لکیر کے فقیر بن کر رہ جاتے ہیں۔

ب: اس حدیث کو تو آپ نے غلط بتا دیا لیکن اس حدیث کو کیا کریں گے جو مشکوٰۃ شریف میں بایں الفاظ موجود ہے:

((مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ)).[3]

"جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں"۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضور ﷺ ہر سلام کہنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سن کر ہی جواب دیتے ہوں گے جس سے آپ ﷺ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ا: اس سے حضور ﷺ کا قبر میں زندہ ہونا یا سلام سننا کیسے ثابت ہو گیا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ نہیں ہیں ورنہ جواب کے وقت جسم میں روح لوٹانے کے کیا معنی۔ کیا زندے کے جسم میں بھی روح لوٹائی جاتی ہے۔

ب: سلام تو ہر وقت کوئی نہ کوئی بھیجتا ہی رہتا ہے اور ہر وقت آپ ﷺ جواب دیتے رہتے ہیں۔

---

[1] لولاك لما خلقت الافلاك. سلسلة الاحاديث ضعيفه البانی ١/ ٢٩٨ رقم ٢٨٢.
موضوعات کبریٰ: ملا علی قاری ص ١٩٤، رقم ٧٥٤.

[2] سلسلة الاحاديث ضعيفه البانی ١/ ٣١٦، رقم ٣٠٢، ٣٠٣.
موضوعات کبریٰ، ملا علی قاری ص ١٧٨، رقم ٦٩٣.

[3] ابوداؤد: كتاب المناسك، باب زيارة القبور، رقم ٢٠٤١.

اس لیے روح ہر وقت آپ ﷺ کے جسم میں رہتی ہے جس سے زندگی ثابت ہوتی ہے۔ جب زندگی ثابت ہوگئی تو سننا بھی ثابت ہوگیا۔

ا: جب روح ہر وقت جسم اطہر میں رہتی ہے تو پھر جواب کے وقت روح لوٹانے کے کیا معنی؟ حدیث تو روح لوٹائے جانے کی تصریح کر رہی ہے اور آپ کہتے ہیں ہر وقت جسم میں رہتی ہے اور اس سے دنیوی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ یہ تو آپ بتایئے کہ فوت ہونے کے بعد آپ ﷺ کا جسم اطہر جو بتیس گھنٹے تک باہر رہا اس اثنا کے سلاموں کا جواب دینے کے لیے روح آپ ﷺ کے جسم میں لوٹائی گئی اور آپ ﷺ زندہ ہوئے یا اس عرصے میں صلاۃ وسلام ہی کسی نے نہیں پڑھا کہ جواب دینے کی نوبت آتی اور روح لوٹائی جاتی اور اس عرصے میں بھی آپ ﷺ کو دُنیا والی کوئی مصروفیت نہ تھی' کیا اس عرصے میں آپ ﷺ نے لوگوں کے سلاموں کو سن کر جواب دیا؟ اگر جواب دیا تو کیا آپ ﷺ کی روح لوٹائی گئی تھی اور آپ ﷺ زندہ ہو گئے تھے اور آپ ﷺ نے زندوں کی طرح سلام سن کر جواب دیئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو زندہ دیکھ کر پھر دفن کیسے کر دیا' اور اگر آپ ﷺ اس اثناء میں زندہ ہی نہیں ہوتے تھے تو اس کی کیا وجہ؟ کیا اس وقت رُوئے زمین پر کوئی سلام کہنے والا ہی نہیں تھا یا ان کو سلام کہنے سے روک دیا گیا تھا یا اس عرصے کے سلاموں کے جواب دینے کے لیے روح نہیں لوٹائی گئی اور آپ ﷺ زندہ نہیں ہوئے۔ تو یہی ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد برزخ میں روح لٹانے سے آدمی زندہ نہیں ہوتا اور اگر روح لوٹائی نہیں گئی' حالانکہ اس اثنا میں یقیناً بہت سے سلام پڑھے گئے ہوں گے تو پھر ان سلاموں کا کیا بنا؟ کیا ان کا جواب دیا ہی نہیں گیا اور یہ ہو نہیں سکتا اور اگر دیا گیا' لیکن کسی وقت بعد میں تو یہی ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر جتنے سلام پڑھے جاتے ہیں وہ سب سلام دعا ہوتے ہیں۔ ان کا سننا اور اسی وقت جواب دینا ضروری نہیں۔ بلکہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ان تمام سلاموں کو جمع کر کے کسی خاص وقت میں جب اللہ کو منظور ہوتا ہے حضور ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں اور پھر آپ ﷺ سب کے حق میں جوابی دعا دے دیتے ہیں اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ اس حدیث سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ جونہی کسی نے سلام پڑھا' آپ ﷺ نے سن کر فوراً جواب دیا۔ گویا کہ آپ ہر وقت سلاموں کے جواب کے انتظار میں ہی رہتے ہیں اور سلاموں کے جواب دینے کے سوا آپ ﷺ کو کوئی کام نہیں' نہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں اور نہ حدیث کی یہ مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بہت سی صحیح احادیث میں صراحتاً یہ آ چکا ہے کہ سلام فرشتے پہنچاتے ہیں خواہ کوئی دور پڑھے یا قریب۔ آپ کو سننے اور فوراً جواب دینے کی تکلیف

نہیں دی جاتی۔

ب: اگر آپ ﷺ سلام نہیں سنتے تو روح کس لیے لوٹائی جاتی ہے؟

ا: روح تو جواب دینے کے لیے لوٹائی جاتی ہے' نہ کہ سلام سننے کے لیے اور جواب کبھی بھی دیا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ سلام سلام تحیہ نہیں ہوتا کہ جس کا سن کر فوراً جواب دیا جائے۔ وہ تو سلام دعا ہوتا ہے جیسا کہ خط میں اپنے کسی دوست کو السلام علیکم لکھا جاتا ہے اور پھر جب اسے خط پہنچتا ہے تو وہ سلام کا جواب دے دیتا ہے۔

ب: روح تو لوٹائی جاتی ہے خواہ جواب دینے کے لیے ہی سہی۔ اس کو تو آپ مانتے ہیں۔

ا: اس کو تو ہم مانتے ہیں' جو آ گیا اس کو کیسے نہ مانیں' لیکن اس کی کیفیت اور تاثیر کو ہم نہیں جانتے۔ کیونکہ عالم برزخ کا معاملہ ہے' عالم دُنیا میں رہتے ہوئے عالم برزخ کی کیفیات اور حالات کو جاننا اور سمجھنا انسانی ادراک سے باہر ہے۔

ب: جب روح لوٹائی گئی تو زندگی تو آ گئی' کیونکہ زندگی عبارت ہے روح اور جسم کے اتصال سے۔ جب روح آ گئی تو زندہ تو ہو گئے۔

ا: بھئی! یہ اتصال وانفصال برزخی ہے۔ جس کی کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے' لیکن یہ یقینی بات ہے کہ برزخ میں روح لوٹائی جانے سے مردہ زندہ نہیں ہوتا بلکہ مردہ ہی رہتا ہے اور زندگی برزخی رہتی ہے۔ برزخ میں بھی دُنیا کی طرح سے روح کا تعلق جسم سے بڑھتا گھٹتا رہتا ہے جیسے دُنیوی زندگی میں سونے اور جاگنے میں اس تعلق کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ اسی طرح برزخی زندگی میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ بیداری کی حالت میں روح پوری طرح سے جسم میں ہوتی ہے اور آدمی کے پورے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں۔

نیند کی حالت میں روح بہت حد تک جسم سے نکل جاتی ہے' لیکن مضبوط تعلق باقی رہتا ہے جس سے نبض چلتی اور انسانی مشینری کام کرتی رہتی ہے اور آدمی زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ اس کے ہوش وحواس قائم نہیں ہوتے۔ نیند کی حالت میں آدمی موت یعنی برزخی زندگی کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اگرچہ مرتا نہیں' رہتا زندہ ہی ہے۔ اسی طرح برزخ میں بھی جب روح لوٹائی جاتی ہے تو آدمی زندہ ہونے کے قریب ہوتا ہے' لیکن زندہ نہیں ہوتا' مردہ ہی رہتا ہے اور اس عالم دُنیا سے بالکل بے خبر اور زندگی برزخی ہی رہتی ہے۔

روح بدن میں ایک دفعہ داخل ہو جانے کے بعد لاتعلق کبھی نہیں ہوتی۔ زندگی میں یہ روح بدن کے اندر رہتی ہے' مرنے کے بعد اگرچہ بالکل نکل جاتی ہے' لیکن تعلق ضرور رہتا ہے۔

کبھی کم کبھی زیادہ' برزخ میں روح کا لوٹایا جانا بھی اسی تعلق کی زیادتی کی ہی ایک صورت ہے لیکن اس سے دنیوی زندگی نہیں آتی کہ عالم دُنیا کا شعور ہو۔ برزخی زندگی کی واردات کے ادراک و شعور میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔ روح علیین میں رہے یا سجین میں' بدن سے اس کا تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ اگر چہ دُنیا میں رہتے ہوئے ہم اس تعلق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسی تعلق کے تحت ہی عذابِ قبر ہوتا ہے جس کا انکار مکابرہ ہے۔ قرآن و حدیث اس پر شاہد عدل ہیں اور عقل سلیم بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ جب عمل کرنے میں دونوں شریک تھے تو مرنے کے بعد جب جزا و سزا کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے تو ایک کو چھٹی کیوں؟ برزخ اور آخرت دونوں میں روح اور جسم دونوں شریک رہتے ہیں۔ اگر چہ جسم ذرات کی شکل میں ہو جائے۔

ب: عذابِ قبر کی بھی آپ نے خوب بات کہی یہ مسئلہ بڑا نازک ہے' کوئی اسے مانتا ہے کوئی نہیں۔

ا: نہ ماننا تو بہت خطرناک ہے' کیونکہ یہ عقیدے کی بات ہے اور عقیدہ بھی اجماعی جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے' نہ ماننے والے یا تو وہ ہیں جن کا اپنی عقل پر ایمان زیادہ ہے اور قرآن و حدیث پر کم' یا وہ جو عقیدہ ''مردے سنتے ہیں'' کے ردعمل کا شکار ہیں۔ ایک فریق نے اتنا غلو کیا کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کر دیا۔ دوسرے نے ضد میں آ کر عذابِ قبر کا بھی انکار کر دیا۔ اسی طرح سے دونوں گمراہ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے عالم دُنیا میں ہے جب مر جاتا ہے تو عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ جہاں وہ دُنیا کے واقعات سے بالکل بے خبر اور مردہ اور برزخ کے واقعات سے بالکل باخبر اور زندہ۔

ب: بات تو ٹھیک ہے جب جہان ہی دوسرا ہو گیا تو ادھر سے سب کچھ ختم اور ادھر کا کام شروع۔

ا: اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ مردے سنتے نہیں۔

ب: میری سمجھ میں تو بالکل آ گیا ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں' لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد اس غلطی کا شکار ہے۔

ا: دین کے معاملہ میں اکثریت اور اقلیت کو نہیں دیکھا کرتے۔ حق کو دیکھا کرتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے ہوشیار اور خبردار کیا ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾[الانعام : ٦/ ١١٦]

''اگر تو اکثریت کے پیچھے جائے گا تو وہ راہ حق پر کبھی نہیں رہنے دیں گے''۔

اکثریت دُنیا کی ایسی ہے جو نہ سوچتے ہیں' نہ سمجھتے ہیں۔ لکیر کے فقیر ہیں۔ اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

ب: یہ بالکل ٹھیک ہے۔ دُنیا میں جہالت زیادہ' علم کم' بے انصافی زیادہ' انصاف کم ہے' جھوٹے زیادہ' سچے کم' بے ایمان زیادہ' ایماندار کم' بدی زیادہ' نیکی کم' غرضیکہ ہر بری چیز زیادہ ہے اور اچھی کم۔ مجھے سب سے زیادہ جس بات نے متاثر کیا وہ ہے آپ کا اندازِ گفتگو۔ آپ لوگ ہر بات دلیل سے کرتے ہیں اور خوب سمجھاتے ہیں۔ ہمارے مولوی ایسا نہیں کرتے۔

ا: بھئی! وہ کر بھی نہیں سکتے۔ ان کے پاس حق نہیں۔ یہ تو لکیر کے فقیر ہیں۔ اللہ انھیں ہدایت دے۔

ب: آپ کی یہ بات بھی بڑی معقول ہے کہ مزاروں اور خانقاہوں پر آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اس عقیدے کے تحت ہو رہا ہے کہ بزرگ مرتے نہیں۔ پردہ کر لیتے ہیں اور اپنی قبروں میں زندہ اور سب کچھ سنتے ہیں۔

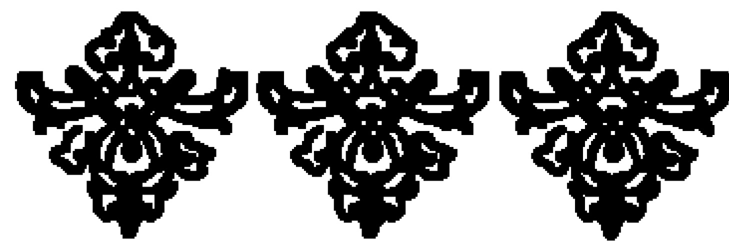
ا: یہ حقیقت ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہوتو مزاروں پر یہ ہجوم کبھی نہ ہو اور نہ یہ خرابیاں ہوں جو آج وہاں ہو رہی ہیں حتیٰ کہ سوائے نیکی کے سب کچھ وہاں ہوتا ہے۔

ب: یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا میں اب اجازت چاہتا ہوں' میں نے آپ کا بہت وقت لیا' اللہ آپ کو جزائے خیر دے' آپ نے تو میری کایا پلٹ دی۔ میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں پھر کبھی حاضر ہوں گا اور مزید استفادہ کروں گا۔

ا: بہت اچھا۔

ب: اچھا السلام علیکم۔

ا: وعلیکم اسلام! فی امان اللہ۔



باب نمبر 13

حیات النبی ﷺ

اس باب میں

- انبیاء کرام علیہم السلام بشمول نبی کریم ﷺ کی وفات بحوالہ قرآن مجید و احادیث رسول ﷺ
- قبر میں دنیاوی زندگی کے دلائل اور ان کی حقیقت
- حیات شہداء کی حقیقت
- حیات بعد از موت اور
- رسول کریم حضرت محمد ﷺ کی حیات بعد از وفات

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

حیات النبی ﷺ

انبیاء کرام سب سے اعلیٰ وارفع ہیں، اس لیے ان کی برزخی زندگی بھی سب سے حتیٰ کہ شہداء کرام سے بھی اعلیٰ وارفع ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ بالکل جوں کے توں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور زمین ان کو گلا نہیں سکتی چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدس جسموں کو کھائے۔

نبی کریم ﷺ ۶۳ رسال اس دُنیا میں زندہ رہے اور ہجرت کے دس سال پورے ہونے پر چند روز مرضِ وفات میں مبتلا رہے اور ماہِ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں آپ نے وفات پائی یعنی اللہ کے حکم سے آپ پر موت وارد ہوئی۔ پھر آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ دفن کیے گئے۔ آپ ﷺ پر موت کا لفظ بولنا جائز ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں پوری صراحت کے ساتھ آپ کی وفات کا ذکر موجود ہے۔

بعد از خدا بزرگ توای قصہ مختصر

ہمارا نظریہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے اعلیٰ وارفع ہیں اور وفات کے بعد آپ ﷺ کا جسد اقدس حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں مدفون ہے جو قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اور آپ کی حیات برزخی ہے جو اس دنیوی حیات سے کروڑوں درجہ اعلیٰ، اولیٰ، اکمل، اشرف اور افضل ہے۔

قرآن کریم کی شہادت:

قرآن پاک میں انبیاء کے بارے میں صراحتاً موت کا اطلاق آیا ہے:

① ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

[البقرہ: ۲/۱۳۳]

”کیا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آبا و اجداد ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے“۔

② ﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ○ ﴾ [سبا: ٣٤/١٤]

''پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی عصا کو کھا رہا تھا پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے''۔

③ ﴿ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ﴾ [البقرہ: ٢/٢٥٩]

''تو اللہ تعالیٰ نے اسے موت دے دی سو سال کے لئے''۔

④ ﴿ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا ○ ﴾ [المؤمن: ٤٠/٣٤]

''اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف دلیلیں لے کر آئے پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہ ہی کرتے رہے' یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں''۔

⑤ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ○ ﴾ [مریم: ١٩/١٥]

''اس دِن پر سلامتی ہو جس دِن بھی وہ پیدا ہوئے اور اس دن بھی جب وہ فوت ہوں گے اور اس دن بھی جب دوبارہ زندہ اٹھایا جائے گا''۔

اس آیت میں سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ انسان پر تین ہی مشکل گھڑیاں پیش آتی ہیں جو بہر حال مشکل ہوتی ہیں۔ ایک پیدائش کا وقت' دوسرا موت کا وقت اور تیسرا البعث بعد الموت کا وقت۔ گویا یحییٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اس دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا یا نہیں آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلامتی نازل نہ ہوتی ہو اور اسی آیت میں یحییٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔

⑥ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○ ﴾ [مریم: ١٩/١٥]

''مجھ پر سلامتی ہو جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی جب میں فوت ہوں گا اور اس دن بھی جب میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا''۔

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف کا تذکرہ ہے کہ جب میں پیدا ہوا تھا تو اس دن بھی اللہ

نے مجھ پر سلامتی نازل فرمائی تھی اور مرتے وقت حتیٰ کہ مرنے کے بعد اٹھتے وقت یعنی اس دُنیا میں بھی اوراگلے جہان میں بھی اللہ تعالیٰ مجھ پر سلامتی نازل فرمائے گا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں۔ اس آیت مبارکہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بھی تذکرہ ہے۔

⑦ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴾ [الشعراء : ٢٦/٨١]

''وہی مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا''۔

زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے' اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے اور آپ فرمارہے ہیں کہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے نہ کسی کو مفر ہے اور نہ اس میں کسی کا کچھ اختیار ہے' انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوا تھا اور نہ اپنی مرضی سے موت کو ٹال سکتا ہے' اسی طرح وہ اپنی دوبارہ زندگی کو بھی روکنے میں مجبور ہے' اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ہر آن زندہ سے مردہ کو اور مردہ کو زندہ کرنے کے کرشمے دکھاتا رہتا ہے' اور جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی موت سے نہ بچ سکے۔

⑧ ﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ ﴾

[آل عمران : ٣/١٤٤]

''محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں' کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو بدلہ دے گا''۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کی خبر سن کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے' مسجد میں تشریف لے گئے' لوگوں کی حالت دیکھی اور بغیر کچھ کہے سنے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے' یہاں آپ ﷺ پر چادر اوڑھا دی گئی تھی' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے' میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا' جو موت آپ ﷺ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کو آ چکی' اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ خطبہ سنا رہے ہیں' ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ' انہیں چپ کرا کر آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے

کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس پر موت نہیں آتی' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے تو گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی' انہیں بھی یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ اس جہان فانی کو چھوڑ کر چل بسے۔ ❶

⑨ ﴿ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ [الانبياء: ٢١/ ٣٤، ٣٥]

''(اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی انسان کے لئے دائمی زندگی تو نہیں رکھی' اگر آپ ﷺ فوت ہو جائیں تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے' ہر جاندار موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ موت ہر ایک کو آنے والی ہے' پہلے بھی سب لوگ گزر چکے ہیں اور اس نبی ﷺ کو بھی اپنے وقت پر فوت ہونا ہے مگر تم بتاؤ کہ تم موت سے بچ سکتے ہو وہ تمہیں بھی آ کے رہے گی۔ کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں ہے' اس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔

⑩ ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ ﴾ [الزمر: ٣٩/ ٣٠]

''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں''۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بھی فوت ہونے والے ہو اور یہ تمہارے مخالفین بھی ایک دن فوت ہو جائیں گے۔ سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دُنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے جس طرح سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ سے بھی ہوتا ہے اور سورۂ الانبیاء آیت ۳۴ سے بھی ثابت ہوتا ہے اور انہیں آیات سے استدلال کرتے ہوئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ کی وفات کا تحقق فرمایا تھا اس لیے نبی ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دُنیا میں حاصل تھی قرآن کی نصوص کے خلاف ہے آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی۔ اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا' قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں' لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ ❷

---

❶ بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي و وفاته (٤٤٥٤).

❷ تفسیر احسن البیان.

احادیث نبوی ﷺ:

محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں ان احادیث کو نکالا ہے جن میں نبی اکرم ﷺ کی وفات کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے متعلق مستقل باب بھی منعقد کیے ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ۴ رجگہ باب وفاۃ النبی ﷺ منعقد فرمایا ہے۔

❶ كتاب الجهاد، باب نفقة نساء النبي ﷺ بعد وفاته .

❷ كتاب المناقب ، باب وفاة النبي ﷺ .

❸ كتاب المغازي ، باب مرض النبي ﷺ و وفاته .

❹ ص ۶۴۱ پر باب وفات النبي ﷺ .

مشکوٰۃ شریف میں باب الکرامات کے بعد باب وفات النبی ﷺ ہے۔

مسند دارمی میں باب وفات النبی ﷺ ہے۔

اسی طرح مؤطا امام مالک، شمائل ترمذی، جامع ترمذی وغیرہ میں بھی محدثین نے وفات النبی ﷺ کے عنوان قائم کیے ہیں۔

اب چند احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کی وفات کا بیان ہے۔

① عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے بھی شامل کرلیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دِل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہوگی۔ اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں، ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں، خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انھیں خوب جانتے ہو، ایک دِن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا، میں سمجھ گیا کہ آج انھیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں۔ جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ کی نسبت تمہیں کیا علم ہے۔ بعض نے کہا اس میں ہمیں اللہ کی حمد وثناء بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے، تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا، نہیں۔ فرمایا، پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے، آپ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے، آپ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جائیے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہی میں بھی جانتا ہوں۔

---

❶ بخاري، كتاب التفسير، سورة اذا جاء نصر الله، باب قوله : فسبح بحمد ربك واستغفره.... (٤٩٧٠).

② انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' جب نبی ﷺ بہت سخت بیمار ہوئے' مرض کی شدت آپ کو بے ہوش کرتی تھی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا' ہائے میرے باپ کی سختی۔ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر سختی نہیں ہوگی۔ جب آپ فوت ہوئے' فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا' اے میرے باپ! آپ ﷺ نے رب کی دعوت کو قبول کر لیا' اللہ نے آپ کو بلایا اپنے پاس۔ اے میرے باپ کہ جنت الفردوس ان کا ٹھکانا ہے۔ اے میرے باپ! آپ کی وفات کی خبر جبریل تک پہنچاتے ہیں۔ جب آپ ﷺ دفن کیے گئے' فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اے انس رضی اللہ عنہ! تم نے کس طرح گوارا کر لیا میرے باپ یعنی رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا۔ [1]

③ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ پر اللہ کی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں اور میری باری کے دن فوت ہوئے اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان تکیہ کیے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ میرے لعاب اور نبی کریم ﷺ کے لعاب مبارک کو وفات کے وقت میرے پاس میرا بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آیا اور اس کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں تکیہ کرنے والی تھی' رسول اللہ ﷺ کی طرف' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھتے ہیں اور میں نے پہچان لیا کہ آپ مسواک کو محبوب جانتے ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ مسواک چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک سے ہاں کا اشارہ فرمایا میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لی۔ آپ ﷺ کو اس کا چبانا دشوار ہوا تو میں نے کہا: کیا نرم کر دوں مسواک کو۔ آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک سے اشارہ فرمایا۔ تو میں نے مسواک نرم کر دی۔ آپ ﷺ نے مسواک اپنے دانتوں پر پھیری اور آپ کے سامنے ایک پانی کا برتن تھا' اس میں پانی تھا' آپ پانی میں ہاتھوں کو داخل کرتے اور اپنے چہرہ پر پھیرتے اور فرماتے' نہیں کوئی معبود مگر اللہ' موت کے لئے سختیاں ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھایا' اور فرماتے تھے کہ مجھ کو رفیق اعلیٰ سے ملا دو یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے کی طرف آ گیا۔ [2]

④ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر سیرت کردار اور اٹھنے بیٹھنے' چال ڈھال میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ کسی ایک کو نہیں دیکھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' فاطمہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ ان کے استقبال کے لئے

---

[1] بخاری، المغازی، باب مرض النبی و وفاته (٤٤٦٢).

[2] بخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته (٤٤٣٨).

کھڑے ہو جاتے' انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ بھی استقبال کرتیں' اور آپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

جب نبی اکرم ﷺ بیمار ہوئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس تشریف لائیں اور آپ ﷺ کو جھک کر بوسہ دیا اور سر اٹھا کر رونے لگیں۔ پھر دوسری بار آپ پر جھکیں تو سر اٹھا کر ہنسنے لگیں۔ میں نے خیال کیا کہ میں تو انہیں تمام عورتوں سے عقلمند سمجھتی ہوں' مگر یہ تو عام عورتوں جیسی ہیں (کہ اس حالت میں بھی ہنس رہی ہیں)۔ جب نبی اکرم ﷺ فوت ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا' جب آپ نبی اکرم ﷺ پر جھکی تھیں تو پھر سر اٹھایا تھا تو رونے لگیں تھیں اور پھر دوبارہ جھکی تھیں تو پھر سر اٹھا کر ہنسنے لگیں تھیں' ایسے کیوں کیا؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اب میں یہ راز کھول دیتی ہوں' مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ میں اس بیماری میں فوت ہونے والا ہوں' تو میں رو پڑی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ میرے تمام اہل سے تو مجھ کو سب سے پہلے ملے گی' تو اس پر میں ہنس پڑی۔ ❶

⑤ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' نبی کریم ﷺ کو یمن کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔ ❷

اس حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ کے کفن مبارک کا تزکرہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ کفن زندوں کو نہیں پہنایا جاتا بلکہ یہ فوت شدگان کو پہنایا جاتا ہے۔

⑥ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ قبائل کافر ہو گئے' (اور کچھ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑنا چاہا) تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی موجودگی میں کیونکر جنگ کر سکتے ہیں۔ مجھے حکم ہے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہ دیں اور جو شخص اس کی شہادت دے دے تو میری طرف سے اس کا مال و جان محفوظ ہو جائے گا سوا اسی کے حق کے (یعنی قصاص وغیرہ کی صورتوں میں) اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔ ❸

---

❶ مسلم، کتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل فاطمه رضی اللہ عنہا (٦٣١٣).

ترمذی، ابواب المناقب، فضل فاطمه رضی اللہ عنہا (٣٨٧٢).

❷ بخاری، کتاب الجنائز، باب ثیاب البیض للکفن (١٢٦٤).

مسلم، کتاب الجنائز، باب فی کفن المیت (٢١٨٠).

ترمذی، ابواب الجنائز، باب کم کفن النبی ﷺ (٩٩٦).

❸ بخاری، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة (١٣٩٩).

اس حدیث مبارک میں بھی سید الانبیاء ﷺ کی وفات کا ذکر ہے۔

⑦ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارہ میں ایک خط لکھا' وہ خط ابھی عاملوں تک نہیں پہنچا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی' آپ ﷺ نے اس خط کو اپنی تلوار کے ساتھ ملا کر رکھا ہوا تھا' جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو اس خط پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا' حتیٰ کہ وہ بھی فوت ہو گئے' پھر ان کے بعد اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا' حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

''ہر پانچ اونٹوں کی زکاۃ ایک بکری ہے' دس اونٹوں کی زکاۃ دو بکریاں' پندرہ کی تین اور بیس کی چار بکریاں ہیں۔ پچیس اونٹوں سے لے کر پینتیس تک میں صرف ایک سالہ اونٹنی زکاۃ ہے' جب اس سے زیادہ ہوں تو پینتالیس (۴۵) تک میں دو سالہ اونٹنی ہے' جب اس سے بڑھ کر ساٹھ تک ہوں تو پھر تین سالہ اونٹنی ہے اور جب اس سے بڑھ کر پچھتر (۷۵) ہوں تو چار سالہ اونٹنی ہے' جب تعداد نوے (۹۰) تک ہو تو دو دو سال کی دو اونٹنیاں ہیں' جب اس سے زیادہ ہوں تو ایک سو بیس ۱۲۰ تک پھر تین تین سالہ دو اونٹنیاں ہیں' جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر پچاس میں تین سالہ ہے اور چالیس میں دو سالہ ہے اور بکریوں میں چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک میں ایک بکری زکاۃ ہے' جب اس سے زیادہ ہوں تو دو سو تک ایک بکری ہے اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو (۳۰۰) تک میں تین بکریاں زکاۃ ہیں اور جب تین سو سے زائد ہوں تو پھر ہر سو میں ایک بکری زکاۃ ہے۔ پھر ان میں کوئی زکاۃ نہیں حتیٰ کہ وہ چار سو تک پہنچ جائیں۔ زکاۃ کے ڈر سے الگ الگ کو جمع نہ کیا جائے اور اکٹھی کو الگ الگ نہ کیا جائے اور جو دو حصے داروں کے درمیان ہوں ان پر زکاۃ برابر برابر ہوگی۔ زکاۃ میں بوڑھی اور عیب والی قبول نہیں کی جائے گی''۔ ❶

اس حدیث مبارک میں بھی رحمت دو عالم ﷺ کا دُنیا سے جانے کا ذکر ہے۔

⑧ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرو۔ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو اسے وہ بیان کر دیتا اور آپ ﷺ اللہ کے حکم سے اس کی تعبیر فرماتے۔ ایک دن معمول کے مطابق آپ ﷺ نے ہم سے دریافت کیا' آج رات تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کی کہ کسی نے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' لیکن میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو

---

❶ بخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم (١٤٥٤).

آدمی میرے پاس آئے' انھوں نے میرے ہاتھ تھام لئے اور وہ مجھے ارض مقدس کی طرف لے گئے (اور وہاں سے عالم بالا کی مجھ کو سیر کرائی) وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تو بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکس تھا جسے وہ بیٹھنے والے کے جبڑے میں ڈال کر اس کے سر کے پیچھے تک چیر دیتا' پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ اس دوران میں اس کا پہلا جبڑا صحیح اور اپنی اصلی حالت پر آ جاتا' اور پھر پہلے کی طرح وہ اسے دوبارہ چیرتا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرے ساتھ کے دونوں نے کہا کہ آگے چلو۔

چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو سر کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ایک بڑا سا پتھر لئے اس کے سر پر کھڑا تھا' اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا تھا' جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو سر پر لگ کر وہ پتھر دور چلا جاتا اور وہ اسے جا کر اٹھا لاتا' ابھی پتھر لے کر واپس بھی نہیں آتا تھا کہ سر دوبارہ درست ہو جاتا' بالکل ویسا ہی جیسا پہلے تھا۔ واپس آ کر وہ پھر اسے مارتا' میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلو۔

چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک تنور جیسے گڑھے کی طرف چلے جس کے اوپر کا حصہ تو تنگ تھا لیکن نیچے سے خوب فراخ۔ نیچے آگ بھڑک رہی تھی۔ جب آگ کے شعلے بھڑک کر اوپر کو اٹھتے تو اس میں جلنے والے لوگ بھی اوپر اٹھ آتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اب وہ باہر نکل جائیں گے' لیکن جب شعلے دب جاتے تو وہ لوگ بھی نیچے چلے جاتے۔ اس تنور میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں۔ میں نے اس موقع پر بھی پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لیکن اس مرتبہ بھی جواب یہی ملا کہ ابھی اور آگے چلو۔

ہم آگے چلے' اب ہم خون کی ایک نہر کے اوپر تھے۔ نہر کے اندر ایک شخص کھڑا تھا اور اس کے بیچ میں ایک شخص تھا جس کے سامنے پتھر رکھا ہوا تھا۔ نہر والا آدمی جب باہر نکلنا چاہتا تو پتھر والا شخص اس کے منہ پر اتنی زور سے پتھر مارتا کہ وہ اپنی پہلی جگہ پر چلا جاتا اور اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کی کوشش کرتا وہ شخص اس کے منہ پر پتھر اتنی ہی زور سے پھر مارتا کہ وہ اپنی اصلی جگہ پر نہر میں چلا جاتا۔ میں نے پوچھا' یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی اور آگے چلو۔

چنانچہ ہم اور آگے بڑھے اور ایک ہرے بھرے باغ میں آئے' جس میں ایک بہت بڑا درخت تھا اور درخت کی جڑ میں ایک بڑی عمر والے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے' اور ان کے ساتھ کچھ بچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ درخت سے قریب ہی ایک شخص اپنے آگے آگ سلگا رہا تھا۔ وہ میرے دونوں ساتھی مجھے لے کر اس درخت پر چڑھے۔ اس طرح وہ مجھے ایک ایسے گھر میں اندر لے گئے کہ اس سے زیادہ حسین و خوبصورت اور بابرکت گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس گھر میں بوڑھے' جوان' عورتیں اور بچے تھے۔

میرے ساتھی مجھے اس گھر سے نکال کر پھر ایک اور درخت پر چڑھا کر مجھے ایک اور دوسرے گھر میں لے گئے، جو نہایت خوبصورت اور بہتر تھا۔ اس میں بھی بہت سے بوڑھے اور جوان تھے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، تم لوگوں نے مجھے رات بھر خوب سیر کرائی، کیا جو کچھ میں نے دیکھا اس کی تفصیل بھی کچھ بتلاؤ گے؟ انہوں نے کہا، ہاں! وہ جو تم نے دیکھا تھا آدمی کا جبڑا لوہے کی آنکس سے پھاڑا جا رہا تھا، تو وہ جھوٹا آدمی تھا جو جھوٹی باتیں بیان کیا کرتا تھا، اس سے وہ جھوٹی باتیں دوسرے لوگ سنتے، اس طرح ایک جھوٹی بات دور دور تک پھیل جاتی۔ اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا۔

جس شخص کو تم نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا تو وہ ایک ایسا انسان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا، لیکن وہ رات کو سویا رہتا اور دِن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اسے بھی یہ عذاب قیامت تک ہوتا رہے گا۔ جن لوگوں کو تم نے تنور میں دیکھا تو وہ زنا کار تھے۔ اور جس کو تم نے نہر میں دیکھا وہ سود خوار تھا۔

اور وہ بزرگ جو درخت کی جڑ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے، اور ان کے اردگرد والے بچے، لوگوں کی نابالغ اولاد تھی۔ اور جو شخص آگ جلا رہا تھا، وہ دوزخ کا داروغہ تھا۔ اور وہ گھر جس میں تم پہلے داخل ہوئے تھے جنت میں عام مومنوں کا گھر تھا، اور یہ گھر جس میں تم اب کھڑے ہو یہ شہداء کا گھر ہے، اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھ میکائیل ہیں۔

اچھا اب اپنا سر اٹھاؤ۔ میں نے جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اوپر بادل کی طرح کوئی چیز ہے۔ میرے ساتھیوں نے کہا کہ یہ تمہارا مکان ہے، اس پر میں نے کہا کہ پھر مجھے اپنے مکان میں جانے دو۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تمہاری عمر باقی ہے، جو تم نے پوری نہیں کی۔ اگر آپ وہ پوری کر لیتے تو اپنے مکان میں آ جاتے۔ ❶

اس حدیث مبارک میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی دنیوی زندگی مکمل کر کے عالم برزخ میں چلے جائیں گے۔

⑨ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْضَعَ فِيْ وَادِي مُحَسِّرٍ وَ زَادَ فِيْهِ بِشْرٌ وَ أَفَاضَ مِنْ جَمْعٍ وَ عَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَ أَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَ زَادَ فِيْهِ أَبُوْ نُعَيْمٍ وَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوْا بِمِثْلِ

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الجنائز (١٣٨٦).

حَصَیُ الخَذفِ وَ قَالَ لَعَلِّی لَا اَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا۔ ❶

''جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے وادی محسر میں اپنی سواری کو تیز دوڑایا تھا۔ راوی بشر نے یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ آپ ﷺ مزدلفہ سے بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ لوٹے اور لوگوں کو بھی اطمینان کا حکم فرمایا۔ راوی ابونعیم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی کنکریاں پھینکنے کا حکم فرمایا ہے جو لوبیا کے دانے کے برابر ہوں' اور فرمایا: شاید کہ میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں' (وفات کی طرف اشارہ فرمایا تھا)''۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد اس دُنیا میں لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ جب آپ نہیں دیکھ سکتے تو عام انسان جب فوت ہو جائیں وہ بالاولیٰ نہیں دیکھ سکتے۔

⑩ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال قیام کیا اور جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ ❷

⑪ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے' پھر فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ دُنیا کی نعمتوں میں سے جو وہ چاہے اسے اپنے لئے پسند کر لے' یا جو اللہ کے پاس ہے اسے پسند کر لے' اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والی چیز کو پسند کیا ہے۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا' ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے پر تعجب کیا۔ بعض لوگوں نے کہا' ان بزرگوں کو دیکھئے' نبی کریم ﷺ تو ایک بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں' جسے اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی نعمتوں اور جو اللہ کے پاس ہے اس میں سے کسی کے پسند کرنے کا اختیار دیا ہے' اور یہ کہہ رہے ہیں ہمارے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ ہی کو ان دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تھا۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ ❸

---

❶ ابو داؤد ، كتاب المناسك ، باب التعجيل من جمع (١٩٤٤).
نسائی ، كتاب الحج ، باب الامر بالسكينة فی الافاضة (٣٠٢٤).
ترمذی ، ابواب الحج ، باب ما جاء فی الافاضة من عرفات (٨٨٦).

❷ بخاری، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه إلى المدينة (٣٩٠٢).
مسلم، كتاب الفضائل، باب كم اقام النبی ﷺ بمكة (٦٠٩٦)

❸ بخاری، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ و اصحابه الى المدينة (٣٩٠٤).
مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بكر الصديق رضی اللہ عنہ (٦١٧٠).

⑫ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں شہر حیرہ میں گیا۔ میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے راجہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دِل میں کہا' بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سجدہ کیے جانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے پاس آ کر کہا' میں نے حیرہ میں لوگوں کو راجہ کو سجدہ کرتے دیکھا' آپ ﷺ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو سجدہ کریں۔ فرمایا بھلا بتا تو سہی کہ اگر تو میری قبر پر گزرے تو کیا اس پر سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا' نہیں۔ فرمایا: یہ کام بھی نہ کرو۔ [1]

یعنی ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہو کر آغوش لحد میں جا سوؤں گا' پھر سجدہ کے لائق میں نہیں بلکہ وہ پاک ذات ہے جو لازوال ہے' مطلب یہ کہ جس پر موت وارد ہو وہ سجدہ کا حق دار نہیں اور انبیاء کرام کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی' حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے' لیکن سجدہ تو بس اس حی و قیوم کا حق ہے جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں۔

⑬ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا' بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاسی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے' جب بھی ان کا کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرے ان کی جگہ کے لئے موجود آ ہوتے' لیکن یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ [2]

⑭ نبی کریم ﷺ کے غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے' ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی قبر کھودتے تھے' ابو طلحہ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ [3] اس واقعہ میں بھی نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک وغیرہ کا بیان ہے۔

⑮ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگنے آئے اور یہ فدک کا باغ اور خیبر کا پانچواں حصہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرءۃ (۲۱۴۰).

[2] بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل.

مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الأوّل فالأوّل (۴۷۷۳).

[3] سیرت النبی جلد دوم ص ۱۱۳.

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہمارا کوئی وارث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور آل محمد ﷺ محض اس سے کھا لیں"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"قسم ہے خدا کی جس کام کو جس طرح میں نے حضور ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے میں اس کو اسی طرح کروں گا"۔

راوی کہتے ہیں، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ملنا چھوڑ دیا اور آخر دم تک میراث کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ ❶

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہر دو کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا چکے ہیں اسی لئے میراث کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ میراث کا مطالبہ وفات کے بعد ہی کیا جاتا ہے، نہ کہ زندگی میں۔ اگر آنحضرت ﷺ کی وفات نہیں ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں مانگا۔ ترکہ اور ورثہ تو ان لوگوں کا ہوتا ہے جو وفات پا جائیں زندہ لوگوں کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ مانگا ہے۔ لہٰذا جب یہ بات صحیح ہے کہ بنت رسول حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے ترکہ مانگا ہے تو آپ ﷺ کی وفات بھی یقیناً صحیح ہے۔ اس میں شک یا انکار کرنا یقیناً غلط ہے۔

اس حدیث سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کا ترکہ کیوں تقسیم نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں کہ وہ زندہ ہیں بلکہ اس کی وجہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ہمارے مال میں وراثت نہیں ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اس میں چھوڑ جائیں کا مطلب یقیناً وفات ہی ہے کہ وفات کے بعد جو ورثہ ہے وہ صدقہ ہے۔

⑯ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوقت وفات النبی ﷺ اپنے غم واندوہ کا اظہار یوں کیا:

"ہائے ابا جان! آپ ﷺ اپنے ربّ کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے ابا جان! آپ ﷺ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے، ہم جبریل کو آپ ﷺ کی وفات کی خبر سناتے ہیں"۔ ❷

قبر میں دُنیاوی زندگی کے ثبوت میں ضعیف روایات پیش کی جاتی ہیں:

① ایک روایت ابن ماجہ میں ہے:

❶ بخاری، الفرائض، باب قول النبی ﷺ لا یورث ما ترکنا صدقة (٦٧٢٧).

❷ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته (٤٤٦٢).

نَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ فِی الْقَبْرِ یُرْزَق.

"اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے"۔

اس روایت میں ارسال ہے' کیونکہ زید بن ایمن کا عبادہ بن نسی سے سماع نہیں ہے۔ راوی سعید بن ابی ھلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے۔ ابوبکر ابن العربی المالکی کہتے ہیں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں یہ روایت مرسل ہے۔ ❶

② ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جو بیہقی کی روایت ہے:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

کہ "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"۔

یہ روایت نا قابل اعتبار ہے' کیونکہ اس کا راوی حسن بن قتیبہ خزاعی ہے' جس کو امام ذہبی ھو ھالك (وہ ہلاک ہونے والا) کہتے ہیں' دارقطنی اسے متروك الحدیث' ابوحاتم ضعیف اور ازدی واھی الحدیث (بے بنیاد روایتیں بیان کرنے والا) اور عقیلی کثیر الوھم کہتے ہیں۔ ❷

اور ابویعلی کی روایت میں مستلم بن سعید اور حجاج بن الاسود دونوں ضعیف ہیں۔

③ مسلم شریف کی اس روایت سے قبر کی زندگی پر استدلال کیا جاتا ہے' جس میں نبی ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَ ھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ. ❸

نبی ﷺ نے فرمایا کہ "میں معراج کی رات موسیٰ کی اس قبر کے پاس سے گزرا جو سرخ رنگ کے ٹیلے کے قریب ہے' وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے"۔

اس صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر کر جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' اور بعد میں ان کی امامت کر کے انہیں نماز پڑھائی۔ قبر میں اگر نبیوں کو زندہ ماننا ہے تو پھر بیت المقدس میں بھی زندہ مانیں' اور ہمیں موسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں دکھائیں کیونکہ دریں صورت حال میں انہیں اب بھی وہاں زندہ موجود ہونا چاہئے۔ کیونکہ زندگی کا ثبوت تو بیت المقدس میں بھی ہے

---

❶ تھذیب التھذیب جلد ۳ ص ۳۹۸. التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۲ ص ۳۵٤.

❷ میزان الاعتدال ص ۲٤۱ ج ۱.

❸ مسلم.

افسوس کہ لوگوں نے معجزہ والی روایت پر عام استدلال کی بنیاد رکھی' حالانکہ یہ غلط ہے اور نبی کریم ﷺ کی دوسری صریح واضح روایت جس میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے' اسے چھوڑ گئے۔ وہ روایت کچھ یوں ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا' اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ ❶

اب بتاؤ تمہاری مانیں یا نبی علیہ السلام کی؟

④ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں' اس لئے آپ کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ حالانکہ اس کی وجہ نبی علیہ السلام کی قبر میں زندگی نہیں بلکہ نبی ﷺ کا یہ قول ہے:

اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ. ❷

''ہمارے مال میں وراثت نہیں ہے' ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے''۔

اسی حکم کے مطابق ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی' فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں فیصلہ کیا۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ نبی ﷺ کی رسالت وتبلیغ دین کی سعی پر کسی قسم کے حصول اجرت کے شک کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح سے زکوٰۃ اور صدقات کو بھی خاندان رسول ﷺ پر ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔

⑤ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں نبی علیہ السلام کی زندگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے' لیکن ازواج مطہرات سے نکاح کا حرام ہونا نبی علیہ السلام کی قبر کی زندگی کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ [الاحزاب: ٦/٣٣].

''اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں''۔

﴿ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ﴾ [الاحزاب: ٥٣/٣٣]

''اور نہ نکاح کرو نبی کی بیویوں سے کبھی بھی''۔

⑥ اسی طرح قبر پرست یہ کہتے ہیں کہ ہر فوت شدہ مومن قبر میں زندہ ہوتا ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے مردوں کے لئے یہ دُعا بتائی ہے:

---

❶ سنن دارمی (٤٣٥) حسنٌ.

❷ بخاری، الفرائض، باب قول النبی ﷺ لا نو ث ما ترکنا صدقة (٦٧٢٧).

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ.

"سلام ہوتم پر اے قبر والو"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب ہے اور خطاب سننے والے سے کیا جاتا ہے اور سننے والا زندہ ہے۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ یَا کا لفظ صحیح احادیث سے ثابت نہیں اور جب ثابت نہیں تو اس سے دلیل لینا درست نہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر لفظ یَا ثابت ہو تو یہ سب عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں یا سے خطاب مراد نہیں بلکہ دُعا مراد ہے۔ جیسے ہم اپنے فوت شدہ باپ کو کہتے ہیں' اے میرے باپ! تم پر اللہ کی رحمت ہو' تم نے مجھے کیسی اچھی تعلیم دی تھی۔

⑦ اسی طرح:

اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ.

"مردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے"۔

سے دلیل لائی جاتی ہے کہ قبر میں مردہ زندہ ہوتا ہے' ورنہ جوتوں کی چاپ کیسے سنتا ہے۔ اور بخاری و مسلم کی اسی حدیث کے آگے والا حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے' جس میں یہ آیا ہے کہ مومن سوال و جواب کے لیے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور جب وہ جواب ٹھیک دیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ جہنم میں تیری جگہ یہ ہوتی (مگر تو ایمان لے آیا اس لئے) اب اس کے بجائے جنت میں یہ جگہ ہوگی۔ اس کے برعکس معاملہ کافر و مشرک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ سوال و جواب کا معاملہ ہر مردہ کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ معاملہ اس دُنیا کا نہیں بلکہ برزخ کا ہے اور یہ برزخ قرآن و حدیث کے مطابق ایک آڑ ہے' مرنے والے اور دُنیا کے درمیان۔

"اور مرنے والے اور دُنیا کے درمیان ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک"۔ [سورة المومنون:۲۳/۱۰۰]

فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی نے ابن منیر کی تشریح بیان کی ہے کہ یہاں فرشتوں کی چاپ مراد ہے اور اگر انسانوں کی آہٹ ہی مراد ہو تو پھر بھی یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ اس خاص واقعہ سے علی الاطلاق سماعِ موتیٰ کیسے ثابت ہوسکتا ہے اور پھر اس سے قبر میں دُنیا جیسی زندگی کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا۔

⑧ ایک ناقابل اعتبار روایت بیان کی جاتی ہے کہ واقعہ الحرۃ کے زمانہ میں جو ذوالحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا' تین رات دن مسجد نبوی میں نہ تو اذان دی جاسکی نہ اقامت ہوئی' لیکن سعید بن مسیب نے مسجد نہیں

چھوڑی، وہ نماز کا وقت قبر نبوی سے آنے والی ایک دبی آواز سے معلوم کر لیتے تھے۔ ❶

سند یوں ہے: اخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبدالعزیز عن سعید بن المسیّب۔ سعید بن عبدالعزیز کا سعید بن مسیّب سے سماع نہیں، اس لئے روایت منقطع ہے اور مروان بن محمد کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے اور عقیلی کہتے ہیں کہ وہ گروہ مرجیہ میں سے تھا۔ ❷ درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت نا قابل اعتبار ہے کیونکہ نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے قبر کے اندر سے آواز کی ضرورت نہ تھی، وقت یوں بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

⑨ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے اس گھر میں جس میں رسول اللہ ﷺ دفن ہیں، دوپٹہ اتار کر داخل ہو جایا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہاں تو میرے شوہر ہیں یا میرے باپ ہیں، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن کر دیئے گئے تو میں پوری طرح سر ڈھانپ کر داخل ہوتی تھی، کیونکہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ سے شرم آتی تھی۔ ❸

اس روایت کی سند یوں ہے: حدثنا عبداللّٰہ حدثنا ابی ثنا حماد بن اسامة قال اناهشام عن ابیه عن عائشة۔ اس روایت میں حماد بن اسامہ راوی کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ آخری عمر میں دوسروں کی کتابوں سے روایت کرتا تھا۔ الازدی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ ❹

یہ روایت عقلی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔ آخر عمر رضی اللہ عنہ اگر منوں مٹی کے نیچے دیکھ سکتے تھے تو دوپٹہ کی آڑ کیا چیز ہے۔ [فتفکر]

---

❶ رواه الدارمی، مشكوة ص ٥٤٥.

❷ ميزان الاعتدال ج ٣ ص ١٦١.

❸ رواه احمد، مشكوة ص ١٥٤.

❹ تهذيب التهذيب جلد ٣.

حیاتِ شہداء

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾
[ال عمران : ۳/ ۱۶۹]

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے''۔

حیاتِ شہدا ان لوگوں کی ایک بڑی دلیل ہے جو نبی کریم ﷺ کو قبر میں دُنیا کی طرح زندہ مانتے ہیں۔ بقول ان کے شہید کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ اب چونکہ شہید زندہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام خاص طور پر نبی کریم ﷺ کا مقام شہدا سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔

یہ عقیدہ دراصل شہداء کی زندگی کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات سمجھنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ شہید کہتے کسے ہیں؟ شہید اسے کہتے ہیں جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہو جائے مارا جائے۔ کسی ایسے آدمی کو قطعاً شہید نہیں کہتے جو اس دُنیا میں زندہ ہو اور جسے موت نہ آئی ہو۔ شہادت ملتی ہی موت کے بعد ہے۔ موت آئے گی تو شہادت ملے گی وگرنہ نہیں۔ یعنی پہلے موت پھر شہادت۔

پس شہید وہ ہے جو اس دُنیا میں لڑتے ہوئے فوت ہو جائے' وہ اس دُنیا میں زندہ نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ زندہ ہیں تو اسے یہ زندگی موت کے بعد ملی ہے۔ یعنی وہ اس دُنیا کے لحاظ سے مر چکے ہیں وفات پا چکے ہیں۔ وہ اس دُنیا کے اعتبار سے ہرگز زندہ نہیں ہیں اگر وہ زندہ ہیں تو اگلے جہاں کے لحاظ سے جسے عالم برزخ کہتے ہیں۔ شروع میں لکھی گئی آیت دوبارہ پڑھیں اس میں یہ الفاظ ہمارے اس دعوے کی دلیل ہیں:

﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾

''وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں''۔

اس آیت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شہید اپنے ربّ کے پاس عالم برزخ میں زندہ ہیں نہ کہ اس دُنیا میں۔

یعنی شہید اس دُنیا کے اعتبار سے مردہ ہیں اور اگلے جہاں کے لحاظ سے زندہ ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ شہید اس دُنیا میں زندہ ہیں یا وہ دُنیا کی زندگی کی طرح زندہ ہیں بلکہ قرآن میں یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں، یعنی عالم برزخ میں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ عالم برزخ عالم دُنیا کے اختتام پر شروع ہوتا ہے۔ جب تک دنیاوی زندگی ہے عالم برزخ نہیں اور جب عالم برزخ ہے تو عالم دُنیا نہیں۔ ایک کے خاتمہ پر ہی دوسرا شروع ہوگا۔ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کہ دِن اور رات ہیں۔ دِن کے اختتام کے بعد ہی رات شروع ہوگی اور رات کے ختم ہونے پر ہی دِن شروع ہوگا۔ دِن اور رات کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے دِن ہے تو رات نہیں اور اگر رات ہے تو دِن نہیں۔ بعینہٖ ایسے ہی عالم برزخ اور عالم دُنیا ہے۔ عالم دُنیا ہے تو عالم برزخ نہیں۔ اور عالم برزخ ہے تو عالم دُنیا نہیں۔ دُنیاوی زندگی ختم ہوگی تو برزخی زندگی شروع ہوگی۔

پس یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ شہداء قتل کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے اجسام سے پرواز کر جاتی ہیں بالکل ایسے ہی جیسے غیر شہدا کے مرتے وقت ان کی روحیں ان کے اجسام سے پرواز کر جاتی ہیں۔ لہٰذا شہداء کی دنیوی زندگی تو اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے اور روح کے بدن سے نکل جانے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے شہادت کے بعد ان کو جو زندگی اور حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیوی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے مختلف ہوتی ہے جب وہ دُنیا میں زندہ تھے تو ان کی زندگی بھی دنیوی تھی لیکن موت سے ان کی دنیوی زندگی ختم ہوگئی اور برزخ کا زمانہ شروع ہو گیا اس لئے اس زندگی کو برزخی زندگی کہا جائے گا۔ اب یہ زندگی کس طرح کی ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیفیت و ہیئت کے بارے ہمیں کچھ علم نہیں اور نہ ہی ہم اس کا شعور رکھتے ہیں۔ کیونکہ برزخ عالم غیب کی چیز ہے اور غیب اللہ ہی جانتے ہیں۔ اس لئے اس برزخی زندگی کے بارے میں عقل وفکر یا رائے اور قیاس سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾

[البقرة: ٢/ ١٥٤]

''اور جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے''۔

اب جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ تم شعور نہیں رکھتے۔ وہ ہماری عقل میں آ ہی نہیں سکتی۔

پھر ایک اور بات پر غور کریں کہ جن آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ شہید زندہ ہیں انہیں مردہ مت کہو۔ انہی آیات میں پہلے شہداء کے قتل کی بات کی گئی ہے، بعد میں ان کی زندگی کی بات کی گئی ہے۔

یعنی قرآن مجید پہلے شہداء کے لیے موت ثابت کرتا ہے اور پھر برزخی زندگی کی خبر دیتا ہے۔ قرآن مجید شہید کو اس دُنیا کے اعتبار سے مردہ اور اگلے جہاں کے اعتبار سے زندہ بتاتا ہے۔ قرآن یہ نہیں کہتا کہ شہید اس دُنیا میں زندہ ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں یا کوئی اور کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شہید کو جو زندہ کہتے ہیں وہ آخرت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ اس دُنیا کے لحاظ سے۔ وہ اپنے ربّ کے ہاں زندہ ہیں لیکن دُنیا کے اعتبار سے وہ میت ہے، فوت شدہ ہے۔ اس نسبت سے اس دُنیا کے لحاظ سے شہید کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مر گیا ہے، قتل ہو گیا ہے، فوت ہو گیا ہے، صحیح اور جائز ہے۔ لیکن ان کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مرنے کے بعد اسے برزخی حیات حاصل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ برزخی حیات ہر شخص کو حاصل ہوتی ہے جس سے موت کے بعد قبر میں یا عالم برزخ میں جزا و سزا کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرعون کے بارے میں قرآن مجید میں آگ کے عذاب کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ [المؤمن : ٤٠/ ٤٦]

”آگ جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دِن قیامت قائم ہو گی (اس دِن فرمان ہو گا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو“۔

اب ظاہر ہے کہ فرعون زندہ ہے تو تبھی اس کو آگ کا عذاب دیا جا رہا ہے۔ مردہ کو آگ پیش کرنے کا تو کوئی مطلب نہیں۔ لیکن یہ زندگی دُنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی اور برزخ کی زندگی ہے۔ لیکن شہید کی یہ حیات دوسرے مردوں کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ ﴾

[ال عمران : ٣/ ١٦٩]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے“۔

کا مطلب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش کی قندیلیں ان کے لیے ہیں۔ ساری جنت، جہاں چاہیں جو چاہیں کھائیں پئیں اور قندیلوں میں آرام کریں“۔ [1]

---

[1] مسلم: کتاب الامارۃ، باب بیان ان ارواح الشهدا فی الجنة (٤٨٨٥).

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جب تمہارے بھائی اُحد والے دِن شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں، جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام و راحت حاصل کریں۔ جب کھانے پینے اور رہنے سہنے کی یہ نعمتیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو کہ دُنیا میں ہیں، ہماری ان نعمتوں کی خبر ہو جاتی تا کہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور اللہ کی راہ میں لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں۔ اللہ نے ان سے فرمایا تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیتیں نازل فرما دیں"۔ [1]

پس شہید اس دُنیا کے اعتبار سے مردہ ہیں اس لئے جس طرح دوسرے مردوں کی نماز جنازہ ہے اسی طرح شہید کی بھی نماز جنازہ ہے اور نماز جنازہ زندوں پر نہیں بلکہ مردوں پر پڑھی جاتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی تو کیا آنحضرت ﷺ نے زندوں پر نماز جنازہ پڑھی؟ ہرگز نہیں۔ نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ زندہ پر۔

لہٰذا دُنیا کے اعتبار سے شہداء اموات میں داخل ہیں اس لئے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ان کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ دوسرے مردوں کی طرح ان کا مال ان کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بیویاں عدت گزارتی ہیں اور عدت ختم ہونے کے بعد ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ رہا ان کا زندہ ہونا تو یہ اس دُنیا کی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے۔ اگلے جہاں یعنی عالم برزخ کی زندگی ہے۔ یہی احوال انبیاء کرام علیہم السلام اور آنحضرت ﷺ کا ہے کہ وہ بھی اس دُنیا کے لحاظ سے فوت شدہ ہیں جبکہ اگلے جہاں یعنی عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ اور یہ زندگی اس دُنیا کی طرح کی نہیں ہے۔ اس زندگی کی کیفیت و ہیئت اللہ ہی جانتے ہیں۔ ہم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ وہ زندگی ہماری عقل سے ماورا چیز ہے۔

اموات انبیاء کرام علیہم السلام:

اس دُنیا سے رحلت و انتقال کی کیفیت و طریقہ کار اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کے لئے ایک ہی مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے موت۔ کوئی فرد و بشر چاہے وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادة ح ٢٥٦٠. مسند احمد ١/ ٦ـ ٢٦٥.

① ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ [الانبياء : ٢١/ ٣٥]

''ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام پیغمبر وفات پا چکے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ قرب قیامت آپ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے امتی کی حیثیت سے آپ وفات پائیں گے۔ یعنی فی الوقت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام پیغمبر وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

② ﴿ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ﴾ [البقرة : ٢/ ١٣٣]

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت کا وقت آیا''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

③ ﴿ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِ رَسُولًا ﴾ [المؤمن : ٤٠/ ٣٤]

''یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے' تم کہنے لگے اب تو اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے گا''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

④ ﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ﴾ [سبا: ٣٤/ ١٤]

''پس جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم جاری کیا تو ان (جنوں) کو اس کی موت کا پتہ کسی نے نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا''۔

خود آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:

⑤ ﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ﴾ [زمر : ٣٩/ ٣٠]

''یقیناً آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں''۔

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صدمہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور یہ اعلان کرنے لگے: ''خبردار! کوئی یہ مت کہے کہ حضور ﷺ فوت ہو گئے ہیں ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا''۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ پر موت وارد ہو چکی۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ زندہ جاوید ہے اسے کبھی موت نہیں''۔ اور یہ آیت بھی پڑھی:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [زمر: ۳۹/۳۰]

''کہ بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں''۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ خطاب کیا تو کسی صحابی نے بھی ان کی کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بات تسلیم کرلی کہ واقعی آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ ❶

چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کا یقین کامل رکھتے ہوئے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی' اور آپ ﷺ کو قبر مبارک میں دفن کر دیا۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

نبی کریم ﷺ کے سفر آخرت کا تذکرہ:

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد غسل، کفن، جنازہ اور دفن کے متعلق مختصراً تذکرہ پیش خدمت ہے۔

غسل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو غسل دیا گیا تو آپ ﷺ کی قمیص نہیں اُتاری گئی، بلکہ قمیص کے اوپر ہی سے پانی ڈال دیا گیا۔ قمیص کے کپڑے کو جسم پر مل دیا جاتا اور پانی انڈیل دیا جاتا۔ یوں آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو غسل دیا، کسی فوت ہونے والے جسم پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ بالکل نہ تھے۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر جس طرح زندگی میں عمدہ تھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی عمدہ اور نفیس تھا''۔ ❸

کفن: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ کو تین چادروں میں لپیٹ کر کفن دیا گیا، یہ چادریں یمن کی بنی ہوئی سفید روئی کی تھیں''۔ ❹

جنازہ: لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا اللہ کے رسول ﷺ کا جنازہ پڑھا جائے گا؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں!'' لوگوں نے پوچھا: ''کیسے پڑھا جائے گا؟''

---

❶ بخاری: كتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب لو كنت متخذا خليلا (٣٦٦٧).

❷ ابوداؤد: ٣١٤٠ و اسناده حسن لذاته.

سيرة ابن هشام: ٣١٣/٤ و إسناده حسن لذاته.

ابن حبان: ٦٦٢٧، ٦٦٢٨ و إسناده حسن لذاته.

❸ طبقات ابن سعد: ٢١٥/٢.

ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل النبی ﷺ: ١٤٦٧

مستدرك حاكم: ٣٦٢/١.

❹ بخاری، كتاب الجنائز، باب الثياب البيض للكفن: ١٢٦٤.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''چند لوگ کمرے میں داخل ہو جائیں، اللہ اکبر کہیں، نماز پڑھیں، مسنون دعائیں مانگیں اور وہ نکل آئیں، پھر دوسرے لوگ داخل ہو جائیں۔ الغرض، اس طرح لوگ داخل ہوتے جائیں اور (بغیر امام کے) یوں کرتے چلے جائیں''۔ ❶

نبی تو اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اللہ کا محبوب ہوتا ہے، معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اسے جنازے کی کوئی ضرورت نہیں، جب شہید کو جنازہ کی ضرورت نہیں تو نبی کو بھلا کیسے ضرورت ہو سکتی ہے؟ اور پھر سارے نبیوں کے امام خاتم الانبیاء، صاحب حوض کوثر، ربّ العالمین کے محبوب کو امتیوں کی نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مزاج شناس رسول ﷺ تھے، نے کہہ دیا کہ بھئی جاؤ، دعائیں مانگو، درود پڑھو، اکیلے جنازے کی دعائیں پڑھتے ہوئے نماز پڑھو، جو بھی کرو گے، سب کچھ اپنے ہی لیے کرو گے، اپنے ہی درجات بلند کرو گے۔ رسول اکرم ﷺ تو اپنے اللہ کے ہاں جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین محل میں جا چکے۔

دفن: (1) حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا اللہ کے رسول ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟'' جواب دیا: ''ہاں!'' لوگوں نے پوچھا: ''کہاں؟'' تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپ ﷺ کی روح قبض کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو اسی جگہ قبض کیا جو انتہائی عمدہ اور پاکیزہ تھی''۔ ❷

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب اللہ کے رسول ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کے صحابہ نے کہا: ''آپ ﷺ کو دفن کہاں کیا جائے؟'' تو میرے والد محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی ہے وہیں آپ ﷺ کو دفن کیا جائے''۔ ❸

(3) اللہ کے رسول ﷺ کی قبر میں ''لحد'' بنائی گئی (یعنی ایک طرف سے قبر کھودی گئی)۔ ''لحد'' کو کچی اینٹوں کے ساتھ بند کیا گیا۔ ❹

ثقہ محدث امام محمد بن مسلم الزہری التابعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو لحد میں حضرت

---

❶ طبرانی کبیر: ٥٧/٧، ح:٦٣٦٧ و إسناده صحيح.

طبقات ابن سعد: ٢٢١/٢ و اسناده صحيح عن أبي عسيم رضی اللہ عنہ.

مسند احمد: ٨١/٥، ح: ٢٠٧٦٦ و اسناده صحيح عن ابی عسيب رضی اللہ عنہ.

❷ طبرانی کبیر: ٥٧/٧، ح: ٦٣٦٧۔ و اسناده صحيح.

❸ طبقات ابن سعد: ٢٢٣/٢ و اسناده صحيح. ترمذی: ١٠١٨.

❹ مسلم، كتاب الجنائز، باب فی اللحد.... الخ : ٩٦٦.

عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور آپ ﷺ کے غلام صالح رضی اللہ عنہم نے لٹایا۔ ❶

(4) تابعی کبیر ثقہ و متقن محدث امام ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ''یقیناً رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دِن دفن کیا گیا''۔ ❷

(5) اللہ کے رسول ﷺ کو جب دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اے انس رضی اللہ عنہ! تمہارے دِلوں نے کیسے گوارا کیا ہوگا جب تم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر مٹی ڈالی ہوگی''۔ ❸

الغرض موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں' تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام بنی آدم اسی دروازے سے گزر کر عالم برزخ میں پہنچے اور جو باقی ہیں وہ بھی اسی دروازے سے گزریں گے۔

لہٰذا یہ بات اپنی جگہ پر بالکل مسلم اور سراسر سو فیصدی حقیقت پر مبنی ہے کہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔ اللہ کے حکم سے آپ ﷺ پر موت وارد ہوئی' آپ کو کفن پہنایا گیا۔ آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور پھر آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے متعلق موت یعنی مرنے اور فوت ہونے کا لفظ بولنا درست اور جائز ہے۔ قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات کا ذکر موجود ہے اور موت کے لفظ کے ساتھ موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کے لئے وفات کا لفظ بولا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو فوت شدہ سمجھ کر ہی نمازِ جنازہ پڑھی تھی اور نماز جنازہ میت پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ زندہ پر۔

حیات بعد از موت:

اس دُنیا میں ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر مرنے والے کو بعد از موت اگلے جہاں یعنی برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے اور اسی حیات سے گناہ گاروں کو عذاب اور نیکوکاروں کو ثواب ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے فرعون کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ اسے آگ کا عذاب دیا جا رہا ہے اور شہداء کا ذکر ہوا ہے کہ انہیں جنت کی نعمتیں میسر ہیں۔ یعنی ہر شخص بشمول مشرک' کافر' مسلم' مومن' ولی اور نبی کو اس دُنیا میں اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد موت آتی ہے اور پھر اس موت کے بعد عالم برزخ میں ایک حیات حاصل ہوتی ہے جسے برزخی زندگی کہتے ہیں۔ یعنی عالم دُنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد عالم برزخ کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اس برزخی زندگی کے درجات میں فرق ہے۔ ایک مومن کی زندگی ایک مسلم

---

❶ طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۳۰ و اسناده صحیح.

❷ التمهيد: ٦/ ٢٥٤ و اسناده حسن لذاته.

❸ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ... (٤٤٦٢). ابن حبان: ٦٦٢٢ و اسناده صحیح.

کی زندگی سے اعلیٰ ہے اور ایک شہید کی زندگی مومن کی زندگی سے اعلیٰ ہے۔ جبکہ انبیاء کی زندگی شہداء کی زندگی سے اعلیٰ ہے اور ہمارے رسول آنحضرت ﷺ کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے۔ مگر یہ زندگیاں دُنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں۔ ان میں دُنیا والی زندگی کے لوازمات نہیں پائے جاتے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام حیات برزخی کے ساتھ زندہ ہیں ان کو دنیوی حیات حاصل نہیں ہے۔

رسول اللہ اکرم حضرت محمد ﷺ کی حیات بعد از موت:

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم محمد ﷺ کا وجود مقدس اپنی قبر منور میں آج بھی اسی طرح صحیح وسالم ہے جس طرح پہلے دِن رکھا گیا تھا۔ کیڑے اور مٹی آپ ﷺ کے وجود مبارک کو تو کجا آپ کے کفن تک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ گلاب کا پھول اپنی ٹہنی پر اتنا تروتازہ نہیں ہوتا جتنا قبر میں امام الانبیاء ﷺ کا وجود مبارک تروتازہ ہے۔

دوسروں کی طرح نبی کریم ﷺ کو بھی بعد از وفات ایک حیات حاصل ہے' جو کہ تمام مسلمانوں' شہداء وانبیاء کرام کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔ لیکن دُنیا کے اعتبار سے آپ ﷺ میت ہیں۔ قرآن پاک کی آیت: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ﴾ [زمر : ۳۹/ ۳۰]

''بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں''۔

اس کی صریح دلیل ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کو اب ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے۔ یہ حیات دنیاوی نہیں ہے اور نہ یہ حیات دُنیا کی طرح ہے۔ یہ حیات کس طرح کی ہے' اس کی کیفیت و ماہیت کس طرح کی ہے اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے' ہمارے عقل وفہم سے یہ ماوراء چیز ہے کیونکہ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے اور عالم برزخ عالم غیب کی چیز ہے جس کی حقیقت و اصلیت صرف ربّ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات مبنی برحق ہے کہ اگرچہ آپ وفات کے بعد زندہ ہیں لیکن یہ حیات دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔ یہ دوسری قسم کی حیات ہے یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ برزخی ہے۔

لہٰذا یہ بات ذہن میں رہے کہ اختلاف حیات کے بارے میں نہیں ہے۔ ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے وفات کے بعد نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور ان کو حیات حاصل ہے۔ اختلاف اس حیات اور زندگی کی نوعیت اور کیفیت کے بارے میں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کو وفات کے بعد جو زندگی حاصل ہے وہ اس دُنیا کی زندگی کی طرح ہی ہے یعنی آپ ﷺ کی حیات دنیوی ہے یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے جو حیات نبی کریم ﷺ کو اس وقت حاصل ہے وہ دنیوی حیات کی جنس سے نہیں بلکہ آپ ﷺ حیات دنیویہ کے اعتبار سے میت ہیں اور

آپ ﷺ اس برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو اس دنیوی حیات سے بالکل الگ ہے۔

الغرض حیات النبی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ پر موت کا وارد ہونا اور آپ ﷺ کا وفات پانا ایک معلوم و مسلم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی حقیقت ہے۔ کیونکہ احادیث متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ہوئی' آپ ﷺ کو غسل دیا گیا' آپ ﷺ کو کفن پہنایا گیا' آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ ﷺ کو قبر مبارک میں دفن کیا گیا۔ مگر دفنانے کے بعد قرآن و حدیث سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آپ ﷺ کو دوبارہ دنیوی زندگی حاصل ہو گئی ہو۔ برزخی زندگی سے کسی کو انکار نہیں وہ تو آپ ﷺ کو حاصل ہے جو کہ شہداء سے بھی افضل اور اعلیٰ ہے۔ اس برزخی زندگی کی نوعیت و کیفیت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ جیسا کہ شہداء کی زندگی کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ [البقرہ: ۱۵۴/۲]

''بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے''۔

تو جب ہم شہداء کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے جو کہ برزخی زندگی ہے تو پھر ہم نبی کریم ﷺ کی زندگی کو بھی نہیں سمجھ سکتے' کیونکہ وہ بھی برزخی زندگی بلکہ یہ زندگی شہداء کی زندگی سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس لئے اس زندگی کو بطریق اولیٰ نہیں سمجھ سکتے۔



باب نمبر 14

تقلید

اس باب میں

- تقلید کی تعریف جید حنفی علماء کی نظر میں
- تقلید اور اتباع میں فرق
- تقلید اور بدعت
- تقلید اور شرک
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل تقلید یا اتباع رسول ﷺ
- تقلید کا نتیجہ: فرقہ واریت
- تقلید کا نتیجہ: قرآن وحدیث معطل
- تقلید کا رد قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آئمہ کرام و بزرگانِ دین سے
- نئے دور کے نئے مسائل اور فقہ کی اہمیت کی حقیقت
- بعض مسائل کے قرآن وحدیث سے نہ ہونے کے دعوے کی حقیقت
- فقہ حنفی کا قرآن وحدیث سے اختلاف، چند مثالیں اور
- فرقہ کیا ہے اور یہ کیسے بنتا ہے؟

کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

تقلید

تقلید کی تعریف:

تقلید کی مختصر اور جامع تعریف جو کہ مقلدین کی کتابوں سے ماخوذ ہے یہ ہے کہ:

قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا حُجَّةٍ. ❶

"کسی غیر کی بات کو بغیر کسی دلیل کے لے لینا"۔

اَلتَّقْلِيْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ. ❷

"تقلید عمل کرنا ہے کسی غیر کے قول پر بغیر دلیل اور حجت کے"۔

اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ بِلَاحُجَّةٍ. ❸

"تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی کی بات پر بغیر دلیل کے کیا جائے"۔

مختلف علماء نے تقلید کی جو تعریفیں کی ہیں ان سب کا مفہوم ان سے ملتا جلتا ہے۔ چند تعریفیں نیچے درج کی جاتی ہیں:

① غیر نبی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنے کا نام تقلید ہے۔ ❹

② کسی کے قول کو اس کی دلیل کے جاننے کے بغیر قبول کرنا تقلید ہے۔ ❺

③ تقلید ایسی پیروی کا نام ہے جو غور وخوض سے خالی ہو۔ ❻

④ کسی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا جس کا قول چاروں شرعی حجتوں میں سے نہ ہو' تقلید کہلاتا ہے۔ حدیث اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔ ❼

---

❶ تيسر الوصول إلى قواعد الاصول: ٤٣٦/١.

❷ مسلم الثبوت، بحر العلوم مطبوعه نولكشو ص ٦٢٤ بحواله حقيقة الفقه ص ٥٣ طبع دوئم ناشر نعمان پبلیکیشنز.

❸ مسلم الثبوت بحواله مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ١٤.

❹ ملا علی قاری حنفی قیصدہ امالی ص ٣٤.

❺ علامه سبكى شرح جمع الجوامع ص ٣٩٢ ج ٢، حاشية العطار على جمع الجوامع ٤٣٢/٢.

❻ صاحب المنجد، عربی ص ٦٤٩ بحواله مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ١٤.

❼ ملا حسن شرنبلالی حنفی. معيار الحق ص ٦٦، باب دوئم تقليد ائمه اربعه معنى تقليد ص ٦٦.

⑤ تقلید کا اصل ایسے شخص کی بات پر عمل کرنا ہے جس کا قول چاروں شرعی حجتوں میں سے نہ ہو حدیث اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ یہ دونوں حجت شرعیہ میں سے ہیں۔ ❶

⑥ تقلید اس شخص کے قول پر عمل کرنا ہے جس کا قول بلا دلیل کے کسی طرح کی حجت نہ بن سکے۔ ❷

⑦ کسی ایسی ہستی کی رائے کو بغیر دلیل اختیار کر لینا جس کی رائے حجت نہیں تقلید کہلاتا ہے۔ ❸

جب کہ قرآن مجید یا حدیث رسولؐ میں تقلید کی کوئی تعریف مذکور نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قطعاً کسی کی تقلید کا حکم نہیں دیا:

ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾

''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی''۔

﴿ وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ﴾[الحشر : ۵۹/ ۷]

''اور رسول اللہ ﷺ جس چیز کا تمہیں حکم دیں اسے لے لو''۔

اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں قطعاً کسی کی تقلید کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ قرآن پاک میں یا احادیث نبوی ﷺ میں ہمیں کسی کی تقلید کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ لفظ تقلید پورے قرآن میں کہیں نہیں' پورے ذخیرہ حدیث میں کہیں نہیں۔ قرآن و حدیث میں اطاعت اور اتباع اور اقتداء (پیروی) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں تقلید کا لفظ پورے قرآن میں کہیں نہیں۔ تقلید کا لفظ اس معنی میں پوری ذخیرۂ حدیث میں کہیں نہیں ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگوں نے اپنے پورے مذہب کی بنیاد ایک ایسے لفظ پر قائم کی ہے جو قرآن و حدیث میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ تو جو لفظ ہی قرآن و حدیث سے نہیں ملتا اس کا حکم کہاں ملے گا؟ تقلید کے لفظ کا وجود اپنے اصطلاحی معنی میں نہ تو قرآن مجید میں کہیں پایا جاتا ہے اور نہ ہی احادیث رسولؐ میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔

ہاں تقلید کا لفظ صحیح بخاری میں چند جگہوں پر اس کے لفظی اور لغوی معنی یعنی اس قلادے یا پٹے کے معنی میں جو جانور کے گلے میں باندھا جاتا ہے میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن جس معنی میں اسے استعمال کر کے ایک پورے مذہب اور منہج کی بنیاد بنا لیا گیا ہے یہ لفظ قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔ تو جس

---

❶ علامہ فاضل قندھاری حنفی۔ معیار الحق ص ٦٦، ٦٧، حوالہ سابقہ.

❷ علامہ ابن الهمام حنفی، باب دوم، تقلید ائمہ اربعہ، معنی تقلید۔ الاصول، ارشاد الفحول ٢/ ٢٣٩.

❸ امام شوکانی ؒ، ارشاد الفحول للشوکانی ٢/ ٢٣٩.

چیز کا قرآن وحدیث نام ونشان ہی نہ ہو اس کا اپنا لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پورے مذہب اور دین کی بنیاد ایک ایسے لفظ پر قائم کر دی جائے جو کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو وہ جانور کے گلے میں پٹہ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

جو چیز رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی:

دین اور شریعت صرف وہی ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے اپنے دورِ نبوت میں تعلیم دی۔ شریعت کی کوئی ایسی چیز نہیں جسے بتائے بغیر آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہوں۔ لہٰذا دین صرف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا' اور جو چیز رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین نہیں تھی وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دین نہیں بن سکتی۔

تقلید رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے دین میں شامل نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے تقلید کے متعلق کوئی تعلیم نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کوئی ایسا امام نہیں تھا کہ جس کی تقلید کی جاتی ہو' بلکہ صرف ایک ہی امام تھا اور وہ تھے حضرت محمد ﷺ' ان کی بھی اطاعت' اتباع اور پیروی کی جاتی تھی' تقلید نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کوئی کسی کا مقلد نہیں تھا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے کسی کو بھی کسی کی تقلید کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی کسی شخص کو مقرر کیا کہ اس کی تقلید کی جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تقلید اس دین اسلام میں موجود نہیں ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور جس کی آگے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی۔ لہٰذا جو چیز رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین کا حصہ نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی۔ پس تقلید رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین نہ تھی لہٰذا تقلید آج بھی دین نہیں ہے۔ یہ بے دینی ہے۔

تقلید اور اتباع:

تقلید اور اتباع کی تعریفوں پر غور کریں۔

① کسی غیر نبی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنے کا نام تقلید ہے۔ [1]

② جس چیز پر دلیل قائم ہو جائے وہ اتباع کہلاتی ہے' بغیر دلیل کے کسی چیز کو قبول کرنا تقلید ہے اور دلیل معلوم کر کے اس پر عمل کرنا اتباع ہے۔ [2]

③ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا جس کا قول حجت نہیں ہے اور اتباع وہ ہے

---

[1] ملا علی قاری حنفی۔ قیصدہ امالی.

[2] امام ابن قیمؒ. اعلام الموقعین ص ۱۷۸ ج ۲، ۱۷۸/۲.

جس پر دلیل ہو۔ ❶

④ تقلید کا اصل ایسے شخص کی بات پر عمل کرنا ہے جس کا قول چاروں شرعی حجتوں پر مبنی نہ ہو' حدیث اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں حجت شرعی ہیں۔ ❷

سادہ لوح لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا مبتلا کر دیئے گئے ہیں کہ تقلید اور اطاعت یا تقلید اور اتباع ایک چیز ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ تقلید اور اطاعت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جیسا کہ تقلید اور اتباع کی تعریفوں سے ظاہر ہے' کسی کی بات کو بغیر کسی دلیل کے مان لینا تقلید ہے' جبکہ کسی کی بات کو دلیل معلوم کرنے کے بعد ماننا اطاعت یا اتباع ہے۔ تقلید اور اتباع یا تقلید اور اطاعت میں فرق محض ایک لفظی بحث نہیں' ان دونوں میں منہجی فرق ہے۔ اطاعت اور اتباع کا لفظ پیروی کے معنی میں ہے' مکمل پیروی جو کہ محمد ﷺ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾[محمد:٤٧/٣٣]

"اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو (اور اطاعت سے منہ موڑ کر) اپنے اعمال ضائع نہ کرو"۔

② ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾[آل عمران : ٣١/٣]

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویدار ہو تو میری اتباع کرو"۔

نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا بھی حکم ہے۔

اطاعت اور اتباع میں کیا فرق ہے؟ اطاعت حکم کی تکمیل کرنے اور سر تسلیم خم کر دینے کو کہتے ہیں اور اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا۔ نہ صرف کسی کے عمل کی طرح عمل کرنا بلکہ اس لئے اس کے عمل کی طرح عمل کرنا کہ اس نے وہ عمل کیا ہے اور جو عمل اس نے نہیں کیا وہ عمل نہ کرنا۔ اس لئے کہ چونکہ ہمارے رسول ﷺ نے یہ عمل نہیں کیا تو اس کا لازمی مطلب یہی ہے کہ یہ درست نہیں۔ تبھی انہوں نے اسے چھوڑا اس لئے ہمارے لئے بھی اسے چھوڑنا ضروری ہے۔

تو اتباع رسول کا مفہوم یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کی طرح اس لئے عمل کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ عمل کیا ہے۔

پس نبی ﷺ کی اتباع ہم پر فرض ہے' کیونکہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی تقلید کا کوئی حکم نہیں دیا۔ اتباع کا معنی ہے مکمل پیروی جو کہ رسول اللہ ﷺ کا حق ہے۔ جبکہ

---

❶ ابو عبداللہ بصری مالکی' اعلام الموقعین' ذکر تفصیل القول فی التقلید : ۲/ ۱۷٤.

❷ علامہ حسن شرنبلالی حنفی معیار الحق ص ٤٤، معیار الحق باب دوم تقلید ائمہ اربعہ منی تقلید ص ٦٦، ٦٧.

تقلید کسی غیر کی بات کو بغیر کسی دلیل کے لے لینا۔ غور کریں! دونوں میں کتنا فرق ہے کہ اطاعت محمد ﷺ کی پیروی کا نام ہے اور تقلید محمد ﷺ کے علاوہ کسی کی بات کو بغیر دلیل کے لینے کا نام ہے۔ تو کیا تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہوئیں؟ ہرگز نہیں۔ تقلید بلا دلیل کسی کی بات کو ماننا ہے۔ اطاعت و اتباع محمد ﷺ کی بات کو ماننا ہے وہ محمد ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اور مجسم دلیل ہیں' جن کا عمل بھی دلیل ہے' جن کا کلام بھی دلیل ہے' جن کا خاموش رہنا بھی دلیل ہے جن کی رضا دلیل' جن کا غصہ دلیل' جن کا کھانا پینا دلیل' جن کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا سب کچھ دلیل ہیں اور اتباع کا لفظ ان کے ساتھ مقرون اور مخصوص ہے۔ جبکہ تقلید کا معنی کسی غیر نبی کی بات کو بغیر دلیل اور بغیر دلیل کے مطالبہ کے لے لینا ہے۔ کسی چیز یا بات کی دلیل معلوم کر کے اس پر عمل کرنا اتباع ہے۔ دلیل کیا ہے؟ دلیل اللہ اور اس کے رسول کی بات ہے۔ اطاعت اور اتباع کا مفہوم رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی ہے۔ جبکہ پورے قرآن میں اور پورے ذخیرۂ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو یا کسی اور کی اطاعت کو تقلید نہیں کہا گیا ہے بلکہ تقلید کا لفظ ہی قرآن میں موجود نہیں اور نہ ہی احادیث میں یہ لفظ موجود ہے' اگر موجود ہے تو اس پٹے کے معنی میں ہے جو جانور کے گلے میں باندھا جاتا ہے۔

کسی غیر کی ہر بات کو واجب سمجھنا' اس کی ہر بات کو اپنے آپ پر لازم کر لینا' اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا' یعنی اس کو اتھارٹی تسلیم کرنا' اس کی ہر بات کو درست سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی اور اس کی بات کو ہی حرف آخر اور دلیل سمجھنا تقلید ہے۔ حالانکہ یہ حق صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کا ہے کہ ان کی ہر بات کو واجب سمجھا جائے' ان کی ہر بات کو اپنے آپ پر لازم کیا جائے' ان کو اتھارٹی تسلیم کیا جائے اور صرف آپ ﷺ کی بات کو ہی حرف آخر اور دلیل سمجھا جائے۔ جبکہ تقلید میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حق چھین کر امام صاحب کو دے دیا گیا ہے جو کہ صریحاً ظلم ہے۔ پس کسی غیر نبی پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے اس کے ہر قول و فعل کو بغیر کسی تحقیق اور بغیر کسی دلیل کے اور شریعت یعنی قرآن و حدیث کی تصدیق کے بغیر اپنے آپ پر لازم اور واجب سمجھنا تقلید ہے۔ جیسا کہ مشہور حنفی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں تقلید کے شرعی معنی درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے آپ پر لازم شرعی جاننا' یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام ہمارے لئے حجت ہے' کیونکہ یہ شرعی محقق ہے جیسا کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کے قول و فعل کو اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے"۔ [1]

---

[1] جاء الحق ص ۲۳' حصہ اوّل' باب اوّل تقلید کے معنی اور اس کی اقسام۔

مزید لکھتے ہیں:

”اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی اطاعت کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے' تقلید میں ہوتا ہے' دلیل شرعی کو نہ دیکھنا“۔ ❶

مفتی صاحب نے تقلید کی واضح ترین اور صاف ستھری تشریح کر دی ہے۔ ان کی تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقلید میں درج ذیل باتیں پائی جاتی ہیں:

① کسی کے قول و فعل کو اپنے آپ پر لازم شرعی' حجت اور دلیل ماننا۔

② مسائل شرعیہ اور دلیل شرعی یعنی قرآن و حدیث کی طرف نہ دیکھنا۔

مفتی صاحب نے اطاعت کی بھی خوب وضاحت کردی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کی اطاعت کو تقلید نہیں کہتے' کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے۔ تقلید ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا“۔

مزید لکھتے ہیں:

”عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا“۔ ❷

یعنی حضور ﷺ کی اطاعت تقلید نہیں' کسی عالم کی اطاعت تقلید نہیں' کیونکہ تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا' دوسرے لفظوں میں اطاعت میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو دیکھنا۔ پس قرآن و حدیث کو دیکھے بغیر کسی کی بات کو قبول کرنا تقلید ہے' جبکہ قرآن و حدیث سے دیکھ کر یعنی تصدیق کر کے کسی کی بات قبول کرنا اطاعت ہے۔

اگر تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام مسلمان، علمائے کرام، مجتہدین اور آئمہ کرام بشمول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تا وفات اطاعت اور اتباع کرتے رہے یا نہیں۔ اگر اس سوال کا جواب ہاں میں ہے تو پھر صحابہ کرام، مجتہدین اور آئمہ کرام بشمول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تا وفات مقلد ہی قرار پاتے ہیں۔ اور فقہ کا یہ ٹھوس اُصول بھی یاد رکھیں کہ کسی مقلد کی تقلید ہرگز جائز نہیں۔ لہٰذا اگر اطاعت اور اتباع ہی کا دوسرا نام تقلید ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس اتباع یعنی تقلید کی وجہ سے مقلد بن چکے ہیں اور مقلد کی تقلید چونکہ ناجائز ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ناجائز ٹھہری۔ یا پھر آپ اعلان کر دیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اطاعت اور اتباع نہیں کرتے رہے۔

---

❶ جاء الحق ص ۲۳' حصہ اوّل، باب اوّل' تقلید کے معنی اور اس کی اقسام۔

❷ جاء الحق ص ۲۳' حصہ اوّل، باب اوّل' تقلید کے معنی اور اس کی اقسام۔

اس بحث سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ والدین بزرگوں اور اساتذہ کرام کی اطاعت وفرمانبرداری بھی تقلید نہیں، کیونکہ ان کی اطاعت دلیل شرعی یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہوتی ہے جبکہ تقلید میں دلیل شرعی کو نہیں دیکھا جاتا۔ اور اگر آپ کہیں کہ بزرگوں، والدین اور اساتذہ کرام کی اطاعت ہی تقلید ہے تو ہمارا سوال پھر وہی ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بزرگوں، والدین اور اساتذہ کرام کی اطاعت وفرمانبرداری کیا کرتے تھے یا کہ انہوں نے ساری عمر نافرمانی میں ہی گزار دی اور اگر وہ اپنے بزرگوں، والدین اور اساتذہ کرام کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے تھے تو پھر اس اصول کے تحت کہ تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہے وہ ساری عمر تقلید کرتے رہے۔ اور تا وفات مقلد رہے۔ اور اب چونکہ مقلد کی تقلید جائز نہیں اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ناجائز ہے۔

والدین' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' اساتذہ کرام اور بزرگوں وغیرہ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے' کیونکہ ان کی اطاعت کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ لہٰذا یہ اطاعت بھی دلیل کے ساتھ ہے بلا دلیل نہیں لہٰذا یہ تقلید ہرگز نہیں۔ کیونکہ تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے اور یہ اطاعت دلیل کے ساتھ ہے۔ لہٰذا والدین' صحابہ کرام' اساتذہ کرام اور بزرگوں وغیرہ کی اطاعت ان کی تقلید نہیں۔ کیونکہ تقلید اور اطاعت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر والدین' صحابہ کرام' اساتذہ' علماء و بزرگوں کی اطاعت ہی تقلید ہے تو پھر امام ابوحنیفہ بھی مقلد ہوئے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید بھی جائز نہیں۔ کیونکہ تقلید کا یہ اصول ہے کہ مقلد کی تقلید جائز نہیں ہوتی۔

دلیل کیا ہے؟

ہر وہ چیز یا بات جس پر دلیل قائم ہو وہ اطاعت ہے۔ یعنی کسی چیز کی دلیل معلوم کر کے اس پر عمل کرنا اتباع ہے۔ پس اطاعت اور اتباع کے لئے دلیل ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دلیل ہے۔ قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دلیل ہے۔ دلیل کسی بات کی کتاب وسنت سے تصدیق کا نام ہے۔ دلیل مانگنے کا مطلب مذکورہ مسئلہ کا قرآن وحدیث سے ثبوت مانگنا ہے۔ اگر کوئی شخص براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہے تو وہ دلیل کی پیروی کر رہا ہے' کیونکہ دین میں صرف قرآن مجید اور حدیث رسول دلیل ہے۔ اور اگر کوئی کسی فقہ پر عمل کر رہا ہے تو وہ دلیل کی پیروی نہیں کر رہا۔ اگر کوئی کسی امام کے قول کو شریعت سمجھ کر اس پر عمل کر رہا ہے تو وہ دلیل کی پیروی نہیں کر رہا۔ کیونکہ دین میں اللہ کے بعد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا شخص دلیل نہیں ہے' بلکہ اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا' اور یہی

اطاعت اور اتباع ہے۔ جبکہ تقلید میں کسی دلیل کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ صرف رسول اللہ ﷺ سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ بذات خود دلیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی بھی ہو اس سے دلیل پوچھی جائے گی' اگر وہ شخص دلیل پیش کر دے یعنی اپنی بات کی تائید میں قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پیش کر دے تو وہ بات تسلیم کر لی جائے گی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہی اطاعت ہے یہی اتباع ہے' یہی پیروی ہے۔ کسی غیر نبی کی بات قرآن وحدیث سے تصدیق کے بعد قبول کرنا یعنی دلیل معلوم کر کے اس پر عمل کرنا اطاعت ہے۔ جبکہ غیر نبی کی بات کو بغیر قرآن و حدیث کی تصدیق کے یعنی دلیل طلب کئے بغیر مان لینا اور اس پر عمل پیرا ہو جانا تقلید ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ تقلید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تقلید کے جواز میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ دلیل اور تقلید باہم متضاد ہیں۔ جب دلیل معلوم ہو جائے تو تقلید ختم ہو جاتی ہے کیونکہ تقلید صرف تخمین اور ظن کا نام ہے''۔ ❶

❶ اعلام الموقعین.

کیا تقلید بدعت ہے:

اس سے پہلے کہ تقلید کے بدعت ہونے پر دلائل پیش کئے جائیں بدعت کی تعریف اور اس کے مفہوم کو سمجھ لینا چاہئے۔

بدعت سے متعلقہ احادیث:

① نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب اور سب سے اچھا طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے' اور سب سے بری بات دین میں ایجاد کردہ نئی چیزیں ہیں' ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔ ❶

② حدیث نبوی ﷺ ہے:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ رد اور نا قابل قبول ہے''۔ ❷

③ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ ہے''۔ ❸

❶ مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة (٢٠٠٥).

❷ مسلم' كتاب الاقضية' باب نقض الاحكام الباطلة و رد محدثات الامور (٤٤٩٣).

❸ نسائی، ج ١، ص ١٨٨، كتاب العيدين.

بدعت کی تعریف:

اہل علم نے بدعت کی جو تعریفیں کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① بدعت وہ چیز یا کام ہے جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ پایا جائے۔

② بدعت وہ عمل ہے جس کو دین کے اندر اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہو۔ اس کی صحت پر کوئی دلیل نہ تو کتاب اللہ سے ہو اور نہ سنت نبویؐ سے ہو۔

③ بدعت دین میں ایسے شرعی امور کو کہا جاتا ہے جن کی دلیل قرآن وحدیث سے نہ ہو اور اسے دین میں سمجھ کر یا ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

④ بدعت ایسے شرعی کام کو کہتے ہیں جس کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ ہو مگر بعد میں اسے دین میں شامل کر لیا جائے اور انہیں ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

ہر بدعت گمراہی ہے:

بعض لوگوں نے بدعت کو خود ہی دو قسموں میں تقسیم کر لیا ہے حالانکہ شریعت نے ایسی کوئی تقسیم نہیں کی۔ ایک قسم کا نام بدعت حسنہ اور دوسری کا نام بدعت سیۂ رکھ لیا ہے۔ حالانکہ بدعت کو اگر ہزار درجوں میں بھی تقسیم کر لیا جائے تب بھی بدعت' بدعت ہی رہے گی' چاہے نام کوئی بھی رکھ لیں۔ ہر بدعت گمراہی کا دوسرا نام ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)).[1]

''ہر بدعت گمراہی ہے''۔

اب اس کل میں ہر بدعت آ جاتی ہے، بدعت حسنہ بھی اور بدعت سیۂ بھی۔ لہٰذا یہ دونوں بدعتیں گمراہی ہیں۔

تقلید ایک بدعت:

اس بات کی وضاحت تو ہو چکی کہ بدعت کیا ہے' یعنی بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ ہو اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ کام کیا ہو' مگر بعد میں اسے دین میں شامل کیا جائے' تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقلید کس وقت شروع ہوئی اور اسے کس وقت دین میں شامل کیا گیا؟ اس سلسلہ میں چند سوال جواب طلب ہیں جو کہ یہ ہیں:

---

[1] مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة (٢٠٠٥).

سوال نمبر۱: کیا نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تقلید نامی کسی شے کا وجود موجود تھا؟

سوال نمبر۲: کیا نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تقلید رائج تھی؟

سوال نمبر۳: کیا تابعین میں سے کسی نے کسی صحابی کی تقلید کی؟

مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب یقیناً ''نہیں'' میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں تقلید نہ تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھی اور نہ ہی یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں رائج تھی۔ بلکہ اسے بعد میں دین میں شامل کیا گیا لہٰذا تقلید یقیناً بدعت ہے۔ کیونکہ بدعت ایسے شرعی کام کو کہتے ہیں جن کا وجود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ ہو بلکہ انہیں بعد میں دین میں شامل کیا جائے۔ اور تقلید بھی ایک ایسا ہی امر ہے کہ جس کا وجود نہ تو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں موجود تھا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تقلید موجود تھی۔ لہٰذا تقلید کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ تقلید نبی کریم ﷺ کے تقریباً تین چار سو سال بعد شروع ہوئی۔ جیسا کہ نیچے درج کئے گئے جید علماء کی تقلید کے متعلق اقوال سے ظاہر ہے:

① امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقلید کی بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی۔ [1]

② امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقلید کا ظہور چوتھی صدی میں ہوا اور اس کا پھیلاؤ پانچویں صدی میں ہوا۔ [2]

③ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقلید کی بدعت قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئی۔ اور آئمہ اربعہ کی تقلید بھی آئمہ اربعہ کے زمانے کے بعد شروع ہوئی۔ [3]

④ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل لوگ تقلید پر مجتمع نہیں ہوئے تھے۔ [4]

تو جس چیز کو دین مکمل ہونے کے چار سو سال بعد ایجاد کیا جائے کیا وہ دین ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ دین نبی کریم ﷺ کے دور ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی، اس لئے اس میں کسی نئے کام کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدہ : ٥/٣]

---

[1] اعلام الموقعین ج ٢ ص ١٨٩، ٢/٢٠٨

[2] الاحکام فی اصول الاحکام ج ٢ ص ٨٣، ٧/٤٦٣

[3] القول المفید ١/٤٤، ٤٥.

[4] حجة الله البالغة مصری ١/١٥٢، ١/٣٢١.

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند فرمایا''۔

پس چونکہ تقلید دین مکمل ہونے کے کئی سو سال بعد ایجاد ہوئی۔ اس لئے اس کے بدعت ہونے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ سو فیصدی خالص بدعت ہے۔

ملاحظہ: تقلید کرنے والے بھائی اللہ کے واسطے ناراض نہ ہوں بلکہ از راہِ انصاف اور دیانت غور کریں کہ چار سو سال تک اسلام میں تقلید کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ مکمل دین کے اندر کوئی اسے جانتا تک نہ تھا۔ پھر چوتھی صدی کے بعد اسے ایجاد کیا گیا، اس کو مسئلہ بنا کر اُمت کے آگے رکھا گیا، اور پھر اسے فرض واجب وغیرہ کا درجہ دیا گیا، تو کیا خود ایجاد کی ہوئی چیز دین کے اندر مسئلہ ہوسکتی ہے؟ قابل قبول ہے؟ دیکھئے رسول رحمت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. [1]

''جس شخص نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو دین سے نہیں ہے، پس اس کی بات مردود ہے''۔

رسول اللہ ﷺ تو دین میں نیا طریقہ، نیا مسئلہ نکالنے سے منع فرمائیں، اور یہاں تقلید کو ایجاد کر کے اسے مسلمانوں کے لئے واجب کہا جاتا ہے۔ بلکہ اہل سنت والجماعت ہونے کے لئے تقلید کی شرط عائد کی جاتی ہے۔ پھر کتنی کمزور اور بعید از عقل بات ہے کہ ائمہ اربعہ کے مقلد ہی اہل سنت والجماعت ہیں، ڈائریکٹ حدیث اور سنت پر عمل کرنے والے اہل سنت نہیں۔

علاوہ ازیں اس بات پر غور فرمائیں کہ اگر تقلید جائز ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی' کیونکہ وہ علم وفضل' تقویٰ وپرہیزگاری اور سب سے بڑھ کر صحبت نبوی ﷺ کی وجہ سے ان فقہاء سے ہزار ہا درجہ بہتر تھے' جن کی آج تقلید کی جا رہی ہے۔ تو جب کسی صحابی کی تقلید جائز نہیں تو غیر صحابی کی تقلید واجب کس طرح ہوگئی؟

کیا تقلید ناجائز ہے؟

اہل علم اور خصوصاً آئمہ اربعہ یعنی حضرت امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے مابین کافی مسائل میں تنازع اور اختلاف پایا جاتا ہے اور تنازع اور اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع فرض ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] البخاري: ٢٥٥٠. و مسلم: ١٦١٧.

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴾[النساء : ٥٩/٤]

''پس اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو''۔

یعنی اگر کسی مسئلے پر دو فریقین کے درمیان تنازعہ، جھگڑا یا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں فریقین کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ یعنی قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا فرض ہے۔ اختلاف کا حل اسی سے ڈھونڈنا ہے۔ اب اگر اختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے بلکہ کسی امام کی فقہ کی طرف رجوع کیا جائے اور امام صاحب کی تقلید پر مضبوطی سے کاربند رہا جائے تو اس صورت میں مذکورہ بالا حکم خداوندی کی مخالفت لازم آتی ہے جو ناجائز ہے۔ لہٰذا اختلافی مسائل میں کسی بھی امام کی تقلید ناجائز ہے۔ کیونکہ اختلافی مسائل کا حل قرآن وسنت سے حل ڈھونڈنے کی بجائے کسی مخصوص امام کی فقہ پر عمل کرنے سے اوپر درج کردہ آیت کی کھلی مخالفت لازم آتی ہے جو کہ صریحاً ناجائز ہے۔ لہٰذا تقلید سراسر ناجائز ہے۔

پس چونکہ اختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع فرض ہے اور جو کوئی اختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتا' بلکہ تقلید پر کاربند رہتے ہوئے امام صاحب کی فقہ پر ہی عمل کرتا ہے وہ اس فرض کا تارک ہے اور قرآن مجید کی اوپر درج کردہ آیت کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور فقہ اور تقلید کو ہی شریعت کا درجہ دے رہا ہے۔ لہٰذا دریں صورت تقلید سراسر ناجائز ہے۔

شرک فی الرسالت:

ہمارے لئے دلیل، حجت اور شریعت صرف اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ یا پھر اس شخص کی بات ہمارے لئے حجت اور دلیل ہے جسے اللہ تعالیٰ مقرر فرمائیں۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ مقرر فرمائیں کہ اس شخص کی ہر بات حجت، شریعت اور دلیل ہو اسے نبی، رسول اور پیغمبر کہتے ہیں، اور امت مسلمہ کے لئے اس کام کے لے، جو ہستی مقرر کی گئی ہے اس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔ امت مسلمہ کے لئے محمد ﷺ وہ ہستی ہے کہ جن کا ہر قول وعمل ہمارے لئے حجت اور شریعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾[الحشر: ٧/٥٩]

''اور رسول ﷺ جو تم کو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رُک جاؤ''۔

لہٰذا مختصراً یوں کہا جائے گا کہ ''جس انسان کے قول وفعل کو دین میں حجت اور دلیل سمجھا جائے وہ انسان اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہوتا ہے''۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقلید کی تعریف پر ایک نظر

بغور ڈالیں جو کہ مشہور حنفی بریلوی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی نے کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول وفعل کو اپنے آپ پر لازم شرعی جاننا۔ یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام ہمارے لئے حجت ہے، کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسا کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کے قول و فعل کو اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے''۔ ❶

اس تعریف کا نچوڑ یہ ہے کہ ہم امام صاحب کے قول وفعل کو اپنے لئے دلیل اور حجت سمجھتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ شریعت جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان کے الفاظ ''اور مسائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے'' سے واضح ہے۔

ذرا سوچیں کہ کسی شخص کو نبی اور رسول کی مسند پر اور کیسے بٹھایا جاتا ہے۔ یعنی امام صاحب کے قول وفعل کو تو اپنے لئے حجت اور دلیل سمجھنا اور نبی کریم ﷺ کے قول وفعل کو جو کہ دلائل شرعیہ ہیں کو نظر انداز کرنا۔ یہ طرزِ عمل صریحاً امام صاحب کو نبی اور رسول کے مقام پر بٹھانا ہے۔

نبی ﷺ کا قول وفعل بذاتِ خود دلیل ہوتا ہے جسے بلا چوں چرا لینے کا حکم ہے۔ نبی ﷺ کے علاوہ ہر شخص کے قول کو لینے کے لئے دلیل (قرآن وحدیث کی تصدیق) کی ضرورت ہے جب کہ مقلد اپنے امام کے قول بلا دلیل مانتا ہے۔ جب اس نے قول امام کو حدیث رسول کے خلاف دانستہ مانا تو اس نے دراصل امام کو نبی کی حیثیت دے دی۔ کیونکہ یہ صفت صرف نبی، رسول اور پیغمبر کے لئے خاص ہوتی ہے کہ اس کی کسی بات کی دلیل نہیں مانگی جاتی کیونکہ وہ بذاتِ خود دلیل ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات دلیل ہوتی ہے۔ اور اگر آپ یہی صفت یعنی کسی کی بات کو حجت اور دلیل سمجھنا کسی امام صاحب میں مانیں گے تو آپ دراصل امام صاحب میں وہ صفت تسلیم کر رہے ہیں۔ جو کہ صرف نبی، رسول اور پیغمبر کے لئے خاص ہوتی ہے۔ زبانی کلامی تو امام صاحب کو شرعی محقق اور مجتہد وغیرہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت ان میں وہ صفات مانی جا رہی ہیں جو کہ صرف نبی اور رسول کے خاص ہوتی ہیں اور یوں لوگ دانستہ یا نادانستہ شرک بالرسالت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

کیا تقلید شرک ہے؟

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی اسی قسم کی تقلید میں مبتلا تھے کہ وہ اپنے علماء اور بزرگوں کی بات بلا چوں وچراں قبول کر لیتے تھے اور ان سے کسی قسم کی دلیل طلب نہ کرتے تھے جس کی قرآن مجید

---

❶ جاء الحق، حصہ اوّل، باب اوّل، تقلید کے معنی اور اس کی اقسام ص ۲۳۔

میں اللہ تعالیٰ نے نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[التوبه : ۹/ ۳۱]

''انہوں (یہود ونصاریٰ) نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ رب بنالیا''۔

اس آیت کی بہترین اور اعلیٰ تفسیر صحابی رسول حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث ہے جس کو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں درج کیا ہے۔ وہ حدیث کچھ یوں ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے بعد میں اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ براۃ (سورۃ توبہ) کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا کہ ہم اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے تم حرام سمجھ لیتے اور جس بات کو حلال کہہ دیتے حلال مان لیتے۔ تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے یقیناً ایسا ہی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عبادت ہے''۔ ❶

اس آیت کے تحت مولانا ابوالکلام تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے دینی پیشواؤں کو اس بات کا حق دے دینا کہ وہ جو کچھ اپنی رائے سے بیان فرمادیں تو اس کی بلاچوں و چرا تقلید کرنی چاہئے۔ قرآن کے نزدیک انہیں رب بنالینا ہے۔ کیونکہ اس بات کا حق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کو نہیں۔ پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دے دیا گیا تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا لئے گئے''۔ ❷

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص فقہاء میں سے کسی ایک کی تقلید کرتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس جیسے فقیہ سے غلطی ناممکن ہے اور جو اس کے امام نے کہا ہے وہی صحیح ہے اور دل میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس کی تقلید کو ہرگز نہیں چھوڑے گا اگرچہ دلیل اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے''۔ ❸

---

❶ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة التوبه (۳۰۹۵).

❷ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۴ بحوالہ تقلید آیات محکمات کی روشنی میں ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی۔

❸ عقد الجيد ص ٦٧. حجة البالغه ج ١ ص ١٥٥.

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو کوئی شخص کسی کی تقلید اپنے اوپر لازم قرار دے لے اور باوجود اس کے کہ اس کے خلاف قرآن وحدیث کی دلیل معلوم ہو جانے کے باوجود اپنے امام کی تقلید نہ چھوڑے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [التوبہ: ۹/ ۳۱] کے مطابق اللہ تعالیٰ سے شرک کیا ہے“۔ ❶

مزید فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا قطعی طور پر شرک اور کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت بالاستقلال بھی کفر ہے۔ اور اطاعت بالاستقلال کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے احکام کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لے اور اس کی تقلید کو لازم جان لے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے خلاف ظاہر ہو جانے کے باوجود اس کی اتباع کو نہ چھوڑے تو یہ ہی ایک قسم کا شرک قبول کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [التوبہ: ۹/ ۳۱] میں اس کی برائی بیان فرمائی ہے“۔ ❷

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء اور اماموں کی باتوں کو واجب سمجھ لیا تھا' چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ کسی قسم کی تحقیق نہیں کرتے تھے اور نہ ان سے کسی قسم کی دلیل طلب کرتے تھے بلکہ ان کی ہر بات اور ہر حکم کو بلا چون و چرا قبول کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس روش کو غیر اللہ کی عبادت سے تعبیر کیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت یقیناً شرک ہے۔

اہل کتاب کا جرم کیا تھا؟

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [التوبہ : ۹/ ۳۱]

”انہوں (یہود ونصاریٰ) نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ بنا لیا“۔

دوسرے لفظوں میں اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ نے کھلا اور واضح شرک اور کفر کیا۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اہل کتاب کا جرم کیا تھا؟ اہل کتاب کا وہ کونسا عمل تھا اور اپنے علماء ومشائخ کے ساتھ ان کا کونسا طرز عمل تھا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انہوں نے اپنے علماء کو ربّ بنا لیا۔

---

❶ فتح العزیز مطبوعہ مجتبائی ص ۱۲۸ بحوالہ حقیقت الفقہ ص ٦٨ طبع دوئم ناشر نعمان پبلی کیشنز.

❷ فتح العزیز.

اس بات پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا جرم یہ تھا کہ ان کے علماء اور درویش جس بات کو حلال کہہ دیتے' وہ حلال مان لیتے اور جس بات کو حرام کہہ دیتے وہ حرام مان لیتے۔ جس کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی ان کی عبادت کرنا یعنی ان کا ربّ بنانا ہے۔ ❶

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہر آدمی تو عالم ہو نہیں ہوسکتا کہ اسے ہر چیز کی حلت وحرمت کا پتہ ہو۔ اب ایک ایسی چیز یا کوئی ایسا مسئلہ جس کے جائز و ناجائز کے متعلق اسے علم نہیں تو اس نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے کسی عالم سے ہی پوچھنا ہے اور جو اس نے بتانا ہے ویسے ہی کرنا ہے۔ جیسا کہ آج کل ہم سب کرتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ کے جائز و ناجائز یا حلال وحرام کا پتہ نہ ہو تو ہم اپنے علماء سے دریافت کرتے ہیں اور جو کچھ وہ بتاتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یعنی جس چیز کو وہ حلال کہہ دیں ہم حلال مان لیتے ہیں اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دے ہم حرام مان لیتے ہیں۔

آخر ہمارے پوچھنے اور ماننے اور اہل کتاب کے پوچھنے اور ماننے میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پوچھنے اور ماننے اور اہل کتاب کے پوچھنے اور ماننے میں فرق ہے' آنکھیں بند کر کے بات ماننے کا۔ اپنے علماء کی ہر بات بغیر تحقیق وتصدیق ماننے کا۔ ان کی ہر بات کو درست اور صحیح سمجھنے کا۔ چاہے وہ شریعت کے مطابق ہو یا مخالف اور ان کا ہر بات کو حرف آخر سمجھنے کا۔ وگرنہ بات صرف مسئلہ پوچھ کر ماننے اور اس پر عمل کرنے کی ہوتی تو وہ تمام مسلمان کرتے ہیں۔

اسی طرح مقلدین اور غیر مقلدین کے پوچھنے میں وہی فرق ہے جو مسلمانوں میں اور اہل کتاب میں ہے۔ یعنی دلیل طلب نہ کرنے کا۔ چنانچہ مقلدین دلیل طلب نہیں کرتے اور دلیل کی تحقیق وتصدیق نہیں کرتے۔ جبکہ غیر مقلدین دلیل پر چلتے ہیں اور ہر عمل کی قرآن وحدیث سے تصدیق چاہتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت بالاستقلال کفر ہے اور اطاعت بالاستقلال کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے احکام کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالے لے اور اس کی تقلید کو لازم جان لے اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے خلاف ظاہر ہو جانے کے باوجود اس کی اتباع کو نہ چھوڑے تو یہ ہی ایک قسم کا شرک قبول کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[التوبہ:۹/۳۱] میں

❶ بحوالہ ترمذی شریف: ابواب التفسیر، باب و من سورۃ التوبہ (۳۰۹۵).

اس کی برائی بیان کی ہے۔ ❶

اہل کتاب کا اصل جرم:

پس اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا اصل جرم یہ نہ تھا کہ وہ اپنے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ان کی بات مان لیتے تھے بلکہ ان کا اصل جرم یہ تھا کہ:

- وہ اپنے علماء کی ہر بات کو بغیر کسی تحقیق و تصدیق کے آنکھیں بند کر کے مان لیتے تھے۔
- وہ اپنے علماء کی ہر بات کو بغیر کسی دلیل کے مان لیتے تھے چاہے وہ شریعت کے مطابق ہو یا مخالف۔
- وہ اپنے علماء کی کسی بات کو ردّ نہیں کرتے تھے چاہے وہ شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔
- وہ اپنے علماء کی ہر بات کو بلا چوں و چرا اور بغیر کسی ثبوت کے مان لیتے تھے۔
- وہ علماء کی بتائی ہوئی کسی بات کے متعلق اس بات کی قطعاً ضرورت نہیں سمجھتے تھے کہ دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ بات شریعت کی رو سے درست بھی ہے یا نہیں۔
- ان کے ہاں اپنے علماء کی کسی بات کو ردّ کرنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ جس بات کو وہ حلال کہہ دیں وہ حلال ہے جس بات کو وہ حرام کہہ دیں وہ حرام ہے' جو بات وہ (علماء) کہہ دیں وہی حرف آخر ہے وہی شریعت ہے' یہ تھا ان کا اصل جرم۔ اور ان کے اسی جرم کی برائی کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر بیان کیا کہ "انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ بنا لیا"۔ یعنی کھلا اور واضح شرک کیا۔

مقلدین بھی اسی جرم میں مبتلا ہیں:

مقلدین کا جرم بھی تقریباً وہی ہے جو کہ یہود و نصاریٰ کا تھا۔ کیونکہ تقلید میں بھی تقریباً وہ تمام برائیاں پائی جاتی ہیں جو کہ اہل کتاب میں پائی جاتی تھیں۔ کیونکہ تقلید میں تقریباً تمام پیش آمدہ شرعی مسائل میں ایک معین امام (مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے ہر مسئلے کو بلا تحقیق و تصدیق' بلا چوں چرا آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جاتا ہے۔ کسی مسئلے کے بارے کوئی تحقیق کوئی تصدیق نہیں کی جاتی اور نہ کسی مسئلے کے بارے میں کوئی دلیل طلب کی جاتی ہے اور نہ کسی دلیل کے درست یا غلط ہونے کی چھان بین کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں امام صاحب کے بتائے ہوئے کسی مسئلے کو رد نہیں کیا جاتا۔ اس بات کے باوجود کہ فریق مخالف امام صاحب کے قول کے مقابلہ

---

❶ فتح العزیز مطبوعہ مجتبائی ص ۱۲۸ بحوالہ حقیقۃ الفقہ ص ٦٨ طبع دوئم ناشر نعمانی پبلیکیشنز.

میں صحیح حدیث پیش کرے امام صاحب کے قول کو نہیں چھوڑا جاتا اور صرف اسے ہی واجب العمل سمجھا جاتا ہے۔

مقلدین اپنے امام کے قول و فعل کو واجب، حجت اور لازم شرعی جانتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نعیمی اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں تقلید کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے آپ پر لازم شرعی جاننا، یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسا کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کے قول و فعل کو اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے''۔ [1]

یعنی مقلدین اپنے امام کے قول و فعل کو حجت اور لازم شرعی جانتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی کے قول و فعل کو حجت اور لازم شرعی بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن کا ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ بنالیا''۔ [سورة التوبة: ۳۱/۹]

کیونکہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کے قول و کلام کو اپنے لئے واجب، حجت اور لازم شرعی بنالیا تھا اور اس سلسلہ میں وہ مسائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے تھے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو پس پشت ڈالا ہوا تھا اور ان کے لئے ان کے علماء و درویشوں کی بات ہی حرف آخر تھی۔

حنفی مقلدین بھی تقریباً سو فیصد اسی روش پر چل رہے ہیں۔ جو اہل کتاب کی روش تھی۔ کیونکہ ان کی تقلید بھی اسی قسم کی ہے کہ امام صاحب کی ہر بات اور ہر مسئلے کو بلا تحقیق' بنا دلیل' بلا چون و چرا قبول کر لیا جائے۔ امام صاحب جس چیز کو جائز اور حلال کہہ دیں وہ چیز جائز اور حلال ہے اور جس چیز کو امام صاحب ناجائز اور حرام کہہ دیں وہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مقلدین کے نزدیک دلیل صرف امام صاحب کا قول ہے' چاہے امام صاحب کا بیان کردہ مسئلہ شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ عقیدہ یہ رکھا جاتا ہے کہ امام صاحب کی کوئی بات شریعت کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا تقلید کی یہ صورت جو کہ اوپر بیان کی گئی ہے شرک تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی اس بیماری میں مبتلا تھے جسے اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت قرار دیا ہے جو کہ شرک ہے۔

پس بزرگوں' ولیوں اور اماموں کی ایسی تقلید سراسر گمراہی' ضلالت اور شرک ہے۔ جیسی تقلید اہل کتاب اپنے علماء و مشائخ کی کر رہے تھے جو کہ آنکھ بند کر کے ان کے بتائے ہوئے احکام کی پیروی کر

---

[1] جاء الحق ص ۲۳، جلد اوّل، باب اوّل، تقلید کے معنی اور اس کی اقسام۔

رہے تھے۔ ان کے علماء جس چیز کو حلال کہہ دیتے وہ اسے حلال سمجھ لیتے اور جس کو وہ حرام کہہ دیتے اس کو حرام مان لیتے۔ قرآن نے ان کے اس عمل کو شرک قرار دیا اور صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ:

''اہل کتاب نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ رب بنا رکھا ہے''۔ [التوبہ : ۹ / ۳۱]

خلاصہ یہ ہے کہ کسی امام' بزرگ' ولی یا پیر کی بات بلا چوں و چرا تسلیم کر لینا' اس سے کسی قسم کی دلیل طلب نہ کرنا' اس بات کی تحقیق نہ کرنا کہ مذکورہ بات قرآن و حدیث کی رو سے درست ہے یا غلط اور دلیل معلوم ہو جانے کے باوجود امام اور پیر کی بات پر چمٹے رہنا دراصل مذکورہ امام' پیر' بزرگ اور ولی کو رب بنا لینا ہے جو کھلا شرک ہے۔

بیعت اس سے بھی بڑھ کر ہے:

تقلید کے مقابلہ میں مروجہ رائج الوقت بیعت میں اس جرم کی نوعیت شدید تر بلکہ شدید ترین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تقلید میں اس صریح غلط اور غیر منصفانہ طرزِ عمل کے باوجود کہ امام صاحب کی کسی بات کو رد نہیں کیا جاتا کبھی کبھار مقلدین اپنے دِل کی تسلی کے لئے اور امام صاحب کی بات کو درست ثابت کرنے کے لئے امام صاحب کے قول کے موافق احادیث ڈھونڈتے ہیں اور یہ احادیث فریق مخالف کو پیش کرتے ہیں' چاہے وہ سراسر ضعیف اور موضوع ہی کیوں نہ ہوں (یہ علیحدہ بات ہے فریق مخالف ان ضعیف اور موضوع روایات کے مقابلے میں صحیح احادیث پیش کرے تو انہیں پسند نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں رد کر دیا جاتا ہے اور ان صحیح اور حسن احادیث کو چھوڑ کر ضعیف اور موضوع روایات پر ہی عمل کیا جاتا ہے کیونکہ وہ امام صاحب کے قول کے موافق ہوتی ہیں)۔

لیکن بیعت میں پیر و مرشد کی بات حرفِ آخر ترین ہوتی ہے۔ پیر و مرشد جو بات کہہ دیں اس کے رد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پیر و مرشد جو بات کہہ دیں وہ پتھر پر لکیر ہے۔ اس کی وجہ اور دلیل جاننے کے بارے میں سوال ہی جرم عظیم ہے۔ سوال تو دور کی بات ہے ان کے سامنے تو بولنا ہی جرم اور گستاخی ہے۔ سوال کون کرے گا؟ بیعت نام ہی اس بات کا ہے کہ پیر و مرشد کی بات سنتے جائیں' مانتے جائیں اور عمل کرتے جائیں۔ ان کی کسی بات کی دلیل مانگنا یا اس کی تصدیق مانگنا سراسر گستاخی ہے۔ جو وہ کہہ دیں وہی درست ہے۔ وہی شریعت ہے۔ جس چیز کو وہ درست اور جائز کہہ دیں وہ درست اور جائز ہے اور جسے وہ نادرست اور ناجائز کہہ دیں وہ نادرست اور ناجائز ہے۔ جس چیز کو وہ حلال کہہ دیں وہ حلال ہے' جس چیز کو وہ حرام کہہ دیں وہ حرام ہے۔

لہٰذا پیر و مرشد کی یہ اطاعت اور پیروی سراسر سو فیصدی اہل کتاب کی اس پیروی کے مساوی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ علماء کو ربّ بنانے سے تعبیر کی ہے۔ اس قسم کی بیعت میں اور اہل

کتاب کی اس پیروی میں ہرگز ہرگز ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [التوبہ : ۹/ ۳۱]

''انہوں (یہود ونصاریٰ) نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ بنا لیا''۔

بیعت اور شرک فی الرسالت:

بیعت اس لئے بھی ناجائز ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی رسالت میں شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کیونکہ بیعت میں وہ شرف اور خاص حق جو کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے وہ پیر و مرشد کو دے دیا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر : ۵۹/ ۷]

''اور رسول جو تم کو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں' اس سے رک جاؤ''۔

جبکہ بیعت میں پیر و مرشد کی پیروی آخری حد تک ہوتی ہے۔ اس حد تک جس حد کا حق صرف نبی کریم ﷺ کو ہے کہ جس چیز کا وہ حکم دیں وہ سر آنکھوں پر اسے رد نہیں کیا جا سکتا اور جس چیز سے وہ منع کریں وہ حرام ہے۔ اسے چھوڑنا اور اس سے باز رہنا ضروری اور لازمی ہے۔

جبکہ بیعت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ پیر و مرشد جس بات کا حکم دیں وہ سر آنکھوں پر' اس پر عمل کرنا بیعت کا لازمی تقاضا ہے۔ اور جس چیز سے پیر و مرشد منع کریں اس سے رُک جانا بھی بیعت کی پاسداری کے لئے ضروری ہے۔ یعنی پیروی کا وہ حق جو نبی کریم ﷺ کے شایانِ شان ہے وہ حق پیر و مرشد کو دے دیا جاتا ہے۔ لہٰذا بیعت نبی کریم ﷺ کی رسالت میں بھی شریک بنانے کے مساوی ہے۔

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ ﴾ [الاحزاب : ۳۳/ ۶۶ – ۶۸]

''جس دن ان کے چہرے آگ پر اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے' تب وہ کہیں گے اے کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ نیز وہ کہیں گے اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی' انہوں نے ہمیں راہ راست سے ہٹا دیا۔ اے ہمارے ربّ! ان کو دوگناہ عذاب دے اور ان پر سخت لعنت بھیج''۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اہل دوزخ کہیں گے ہم نے اپنے امراء بڑوں اور مشائخ کی پیروی کی اور رسولوں کی مخالفت

کے مرتکب ہوئے۔ ہم ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس کچھ ہے اور وہ کسی دلیل پر ہیں مگر ان کے پاس تو کوئی دلیل نہ تھی"۔ ❶

تقلید: گمراہی کیوں؟

فرض کریں کہ نبوت کا دور ہے اور ایک شخص کو ایک دینی اور شرعی مسئلہ درپیش ہے۔ اس کے سامنے دو شخصیات ہیں۔ ایک پیغمبر دو جہاں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی اور دوسری انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اب وہ شخص نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے اور اپنے مسئلہ کو پیش کر کے اس کا حل دریافت فرماتا ہے۔ آپ ایسے شخص کو کیا کہیں گے؟

اور اگر وہ شخص اپنے ہر مسئلے کا حل یا اکثر مسائل کا حل نبی کریم ﷺ کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی دریافت فرمائے، یعنی اسے جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہو تو وہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے پاس آنے کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے مسئلہ دریافت کرے اور انہی کی پیروی کرے، تو آپ بتائیں کہ کیا ایسے شخص کا طرزِ عمل درست ہے؟ یقیناً سراسر غلط ہے۔ بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق ہی ہو۔ لیکن ایک ایسا شخص جو نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کی بجائے کسی دوسرے کی پیروی کرے تو ایسے شخص کی گمراہی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور تم ان کے پیچھے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ گے"۔ ❷

ذرا سوچیں اگر موسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو کیا وہ غیر شرعی بات کہیں گے؟ کوئی ایسی بات کہیں گے جو خلافِ اسلام ہو؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہر بات درست ہوگی نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ان کی پیروی گمراہی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام جو کہ ایک پیغمبر ہیں کی پیروی گمراہی ہے تو کسی امتی کی پیروی کس طرح باعث نجات ہو سکتی ہے۔ وہ بھی گمراہی ہے بلکہ بڑی زبردست گمراہی ہے۔

اب آپ ایک اور مثال سے بات سمجھنے کی کوشش کریں جو کہ موجودہ حالات سے متعلق ہے۔

---

❶ تفسير ابن كثير، الاحزاب: ٣/ ٦٧، ٦٨.

❷ مسند دارمي: المقدمة، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي ﷺ ٤٤١. مسند احمد ٣/٤٧١.

فرض کریں کہ ایک شخص کو کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ اب اس کے سامنے دو کتابیں ہیں۔ ایک کتاب میں فتاویٰ محمد ﷺ یعنی احادیث رسول ہیں اور دوسری کتاب میں فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اسے کون سی کتاب اٹھانی چاہئے اور کون سی چھوڑنی چاہیے۔ کس کتاب کو سینے سے لگانا چاہیے۔ فتاویٰ محمد ﷺ والی کتاب اٹھانی چاہیے اور فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والی کتاب چھوڑ دینی چاہئے یا فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والی کتاب اٹھانی چاہیے اور فتاویٰ محمد ﷺ والی کتاب چھوڑ دینی چاہیے۔ بے شک اس بات کو چند منٹوں کے لئے سچ مان لیا جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے قرآن وسنت کے مطابق ہیں (حالانکہ یہ بات ہرگز درست نہیں۔ فقہ حنفی کے سینکڑوں ایسے مسائل موجود ہیں جن کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ آئندہ صفحات میں چند مسائل کا ذکر کیا گیا ہے)۔

بہر حال جو شخص یہ دوسرا کام کرے گا یعنی فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والی کتاب اٹھائے گا اسے ترجیح دے گا اور فتاویٰ محمد ﷺ والی کتاب چھوڑ دے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا تو ایسے شخص کی گمراہی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایسا شخص کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ بات بعینہٖ ایسے ہی ہے کہ ایک شخص کو کوئی مسئلہ درپیش ہے اور اس کے سامنے دو شخصیات ہیں۔ ایک شخصیت امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی ہے اور دوسری شخصیت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اب یہ فیصلہ اس شخص نے کرنا ہے کہ وہ کس کے پاس جاتا ہے اور کس کو چھوڑتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑتا یا کہ حضرت محمد ﷺ کو چھوڑتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا ہے۔ جو شخص یہ دوسرا کام کرتا ہے یعنی مسئلہ کے حل کے لئے حضرت محمد ﷺ کی بجائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا ہے۔ وہ کھلی گمراہی میں ہے اور تقلید میں یہی ہوتا ہے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں تقلید کا سلسلہ سراسر گمراہی کا سلسلہ ہے۔ کیونکہ تقلید میں اکثر مسائل میں فتاویٰ محمد ﷺ یعنی احادیث کی کتابوں کو نہیں اٹھایا جاتا بلکہ انہیں پس پشت ڈالتے ہوئے فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کی کتابیں مثلاً ھدایۃ، عالمگیری اور شامی وغیرہ کو اٹھایا جاتا ہے۔ انہی میں بیان کردہ مسائل کو بیان کیا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

ہم ایک بار پھر آپ کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں کہ ذرا یہ منظر اپنے ذہن میں لائیں کہ ایک طرف وہ کتابیں پڑی ہیں جن میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے فرمان اور اقوال اور فتوے ہیں اور دوسری طرف وہ کتابیں ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر کے اقوال اور فتوے ہیں۔ آپ بتائیں کن کتابوں کو ترجیح ملنی چاہیے۔ کن کتابوں کو سینے سے لگانا چاہئے کیا فتاویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح ملنی چاہئے ہرگز نہیں جو ایسا کرے گا وہ کھلی گمراہی میں پھنسا ہوا ہے۔ اور تقلید میں یہی ہوتا ہے کہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مسائل کو اوّلیت دی جاتی ہے۔ اسی لئے لوگ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں اور بڑے فخر سے یہ بات کہتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں ہم پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک طرف وہ علماء ہیں جو فتاویٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اوران پر خود بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہر قسم کے مسائل میں ہمارے امام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جبکہ دوسری طرف وہ علماء ہیں جو یہ اعلان سرعام کرتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہم پر ان کی تقلید واجب ہے اور ہم انہی کے بیان کردہ مسائل پر عمل کریں گے۔ اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ کون حق بات کر رہا ہے؟ لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیں کہ کل قیامت کو جواب دہی ہونی ہے۔

قیامت تک حق پر رہنے والی جماعت اور جنتی گروہ کونسا ہے؟

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میری اُمت میں ایک جماعت قیامت تک ہمیشہ حق پر قائم رہے گی''۔ ❶

اب سوال یہ ہے کہ یہ جماعت کونسی ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کا جواب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میری اُمت کے تہتر فرقے بنیں گے۔ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے۔ سوائے ایک فرقے کے''۔

پوچھا گیا جنت میں جانے والا گروہ کونسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنتی گروہ وہ ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں''۔ ❷

یعنی جنتی گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ ومنہج اور مسلک پر چلنے والا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ومسلک اور منہج کیا تھا؟ کیا ان کا مسلک ومنہج تقلید تھا؟ کیا وہ کسی امام کے مقلد تھے؟ کیا وہ فقہ حنفی پر چلتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا طریقہ ومسلک اور منہج و مذہب خالص کتاب وسنت کی پیروی تھی۔ ان کے مسلک و مذہب میں تقلید کا نام ونشان نہیں

---

❶ ترمذی.

❷ سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق هذه الامة (٢٦٤١).

ملتا۔ ان کا طریقہ و منہج تقلید سے سراسر خالی تھا۔ ان کی فقہ، فقہ حنفی نہیں بلکہ فقہ محمدی ؐ یعنی قرآن و حدیث تھی۔ اور آج بھی جو گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ و مسلک اور مذہب و منہج پر چلتا ہے وہی حق پر چلنے والا ہے اور وہی جنتی گروہ ہے۔ یعنی جو گروہ کسی امام کی تقلید نہیں کرتا اور کسی خاص فرقے کی فقہ پر نہیں چلتا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ فقہ، فقہ محمدی ؐ یعنی قرآن و حدیث پر چلتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے وہ گروہ حق پر ہے اور وہی جنتی گروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنتی گروہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقلد نہیں تھے بلکہ صرف قرآن و حدیث کی پیروی کرنے والے تھے۔ لہٰذا جنتی گروہ کی پہچان تقلید نہیں بلکہ خالص کتاب و سنت کی پیروی ہے۔ اس لئے جو کوئی اس جنتی گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ تقلید کا راستہ چھوڑ دے کیونکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ نہیں ہے اور خالص کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث کا راستہ اپنا لے کیونکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے جو کہ جنتی گروہ ہے۔

حجت اور اتھارٹی کون؟ امام یا رسول:

مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے جیسا کہ احناف کی اصول فقہ کی معتبر کتاب مسلم الثبوت میں ہے کہ:

> ”مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے، نہ وہ خود تحقیق کر سکتا ہے اور نہ ہی امام کی تحقیق پر غور کر سکتا ہے“۔ [1]

اصول فقہ کی ایک اور کتاب شرح التلویح میں ہے کہ:

> ”مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہی ہے۔ مقلد صرف یہ کہے گا کہ اس مسئلہ کا حکم میرے نزدیک یہی ہے کیونکہ میرے امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے اور جو رائے میرے امام کی ہوگی میرے نزدیک تو وہی صحیح ہے“۔ [2]

یعنی جو امام صاحب نے بیان کیا بس وہی صحیح ہے، وہی دلیل ہے، وہی حجت ہے اور وہی شریعت ہے۔ امام صاحب کے علاوہ کوئی بھی آدمی اس کے برخلاف کوئی چیز بیان کر دے تو نہ وہ صحیح نہ وہ دلیل نہ وہ حجت اور نہ وہ شریعت اور وہ ناقابل قبول ہے۔ دوسرے لفظوں میں امام صاحب کی فقہ ہی اصل شریعت ہے۔ وہ مسائل و احکام جو امام صاحب نے بیان نہیں کئے وہ شریعت نہیں بن سکتے۔ مقلد کے

---

[1] مسلم الثبوت ص ٥.

[2] شرح التلويح على التوضيح ج ١ ص ٢١.

نزدیک امام صاحب کا قول ہی حجت اور شرعی دلیل ہے جبکہ درحقیقت حجت اور شرعی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ہر قول و فعل ہمارے لئے حجت اور شرعی دلیل ہے' چاہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بیان کریں یا امام مالک بیان کریں یا امام بخاری بیان کریں یا امام مسلم بیان کریں یا کوئی اور بیان کرے۔

قرآن پاک کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث سے ہمیں یہ حکم نہیں ملا کہ ہم نے صرف اس حدیث پر عمل کرنا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی اور بیان کرے تو وہ ناقابل عمل ہے۔ اور ہم نے صرف اس تشریح و تفسیر کو اپنانا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ جبکہ مقلد کا عمل یہ ہے کہ اس نے صرف اس حدیث پر عمل کرنا ہے جو اس کے امام نے اپنی فقہ میں بیان کی ہے۔ جو حدیث اس کے امام نے بیان نہیں کی اس کا اس پر کوئی عمل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں حدیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے' یعنی حدیث کو پاس اور فیل کرنے کا اختیار امام صاحب کے پاس ہے۔ لہٰذا مقلد کا صرف اس حدیث پر عمل اور ایمان ہے جو اس کے امام صاحب نے پاس کی ہے۔ وہ حدیث جو امام صاحب نے پاس نہیں کی اس پر اس کا نہ تو ایمان ہے اور نہ عمل۔ وہ اس کے لئے ناقابل قبول ہے۔ بلکہ امام صاحب کی ہر بات قابل قبول، قابل عمل ہے چاہے وہ قرآن وحدیث سے ہو چاہے نہ ہو۔ جیسا کہ مشہور حنفی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں رقم طراز ہیں:

"عالم کی اطاعت جو کہ عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا' کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا کام اپنے لئے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں' کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا' کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ کے کہ وہ اگر حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا"۔[1]

مفتی صاحب کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

① عالموں اور مولویوں کی بات حجت نہیں لیکن امام ابوحنیفہ کی بات حجت ہے۔ حالانکہ حجت نہ تو عالم ہے نہ کوئی مولوی نہ کوئی بزرگ اور نہ کوئی امام۔ حجت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی بات ہے۔

② اگر کسی مولوی کا فتویٰ غلط ثابت ہو جائے تو اسے کوئی بھی نہ مانے بخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یعنی اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ غلط بھی ثابت ہو جائے تو اسے مانا جائے گا۔ یعنی ان کی بات

---

[1] جاء الحق ص ۲۳، حصہ اوّل.

حرف آخر ہے۔

مفتی صاحب مزید فرماتے ہیں:

”ہمارے دلائل یہ روایات (احادیث) نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ہم یہ آیات واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں“۔ ❶

غور سے پڑھیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ احادیث ہمارے دلائل نہیں بلکہ ہماری اصل دلیل امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے۔یعنی مقلدین کے نزدیک حجت شرعی دلیل اور اتھارٹی امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے حالانکہ یہ حق صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات کا ہے۔ حجت' دلیل اور اتھارٹی صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے جبکہ مقلدین نے حضرت محمد ﷺ کا یہ حق چھین کر امام ابوحنیفہ کو دے دیا ہے۔

یہ تو تھے ایک بریلوی عالم' اب ایک دیوبندی عالم کی سن لیں۔مشہور حنفی دیوبندی عالم مولوی عامر عثمان فرماتے ہیں:

”مقلدین کے لئے قرآن وحدیث کے حوالوں کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آئمہ وفقہاء کے فیصلوں اور فتووں کی ضرورت ہے“۔ ❷



❶ جاء الحق ص ۱۰۵، حصہ دوئم۔

❷ ماهنامه تجلی دیوبند، جلد ۱۹، شماره نمبر ۱۱، صفحه ٤٧ بحواله مقام حدیث اور اصلی اہل سنت ناشر دارالاندلس۔

کیا کسی عالم سے کوئی مسئلہ سن کر یا پوچھ کر یا اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا تقلید ہے؟

بعض لوگ تقلید کی ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس طرح آپ اپنے کسی عالم سے مسئلہ سنتے ہیں یا اس سے کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ اس عالم کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں اسی طرح کا طرزِ عمل ہمارا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں' ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اسی کو تقلید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات قطعاً درست نہیں۔ بلکہ یہ بات اور فلسفہ کئی طرح سے غلط ہے۔

1 پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کسی عالم سے مسئلہ سن کر یا پوچھ کر یا اس کے بتانے پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے تو پھر یہ کام تمام مسلمان کرتے ہیں۔ اس طرح تو کوئی غیر مقلد رہتا ہی نہیں۔ اس طرح تمام فرقوں کے تمام مسلمان مقلد ثابت ہو جاتے ہیں۔ اگر یہی تقلید ہے تو آپ اہل حدیث حضرات کو غیر مقلد ہونے کا طعنہ کیوں دیتے ہیں۔ کیا اہل حدیث حنفیوں کی طرح اپنے علماء سے مسائل سن کر اور پوچھ کر عمل نہیں کرتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی عالم سے مسئلہ سن کر، پوچھ کر اور اس کے بتانے پر عمل کرنے کا نام تقلید نہیں۔ کیونکہ اگر ایسی تقلید ہوتی تو پھر مقلد، غیر مقلد کی تقسیم نہ ہوتی اور لوگ اہل حدیثوں کو غیر مقلد نہ کہتے۔

2 دوسری بات یہ کہ اگر کسی عالم کے بتائے ہوئے پر عمل کرنا تقلید ہے تو پھر مقلد بھی اسی امام کا ہونا چاہیے کہ جس سے مسئلہ سنا جا رہا ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ کا کیونکہ انہیں تو فوت ہوئے کئی صدیاں ہو چکی ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ موجودہ عالم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر رہا بلکہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات بتا رہا ہوتا ہے، اس لئے ہم مقلد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے رہتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اہل حدیث کے علماء کرام کیا کرتے ہیں؟ وہ بھی تو محمد عربی ﷺ کی ہی بات بتا رہے ہوتے ہیں، تو پھر آپ انہیں غیر مقلد کیوں کہتے ہیں، انہیں محمد ﷺ کا مقلد کیوں نہیں کہتے؟ (اس فرق پر بھی کھلے دِل سے غور کریں کہ حنفی علماء امام ابوحنیفہ کی باتیں بتاتے ہیں اس لئے وہ حنفی ہیں اور اہل حدیث علماء محمد عربی ﷺ کی بات بتاتے ہیں۔ اب فیصلہ کریں کہ بہتر کون ہے؟)۔ لہٰذا اگر کسی شخص کا موجودہ عالم سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات سن کر اس پر عمل کرنا موجودہ عالم کی تقلید نہیں بلکہ تقلید امام ابوحنیفہ ہے تو اسی طرح موجودہ عالم سے محمد ﷺ کی بات سن کر اس پر عمل کرنا موجودہ عالم کی تقلید نہیں بلکہ تقلید محمد ﷺ ہے۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے تقلید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہتر ہے یا تقلید امام محمد ﷺ۔

اس بحث سے یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کس کی بات کرتے ہیں؟ اپنی یا اپنے نبی محمد ﷺ کی۔ اگر تو وہ محمد ﷺ کی بات نہیں کرتے، شریعت محمدی کی بات نہیں کرتے، بلکہ اپنی بات

کرتے ہیں تو پھران کی بات پر عمل کرنے والے، اگر اپنے آپ کو حنفی کہلائیں تو بات درست ہے۔ وہ واقعی حنفی ہیں۔ لیکن اگر امام ابوحنیفہ محمد ﷺ کی بات کرتے ہیں اور شریعت محمدی ﷺ کی بات کرتے ہیں تو جس طرح موجودہ عالم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات بتائے تو آپ موجودہ عالم کے مقلد نہیں بنتے بلکہ مقلد اس کے بنتے ہیں جس کی بات ہو یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اسی طرح اب چونکہ وہ بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے ہی نہیں بلکہ وہ بات محمد ﷺ کی ہے تو پھر مقلد اس کا ہونا چاہیے جس کی بات ہے یعنی محمد ﷺ کا۔ تو دریں صورت آپ اپنے آپ کو حنفی کیوں کہتے ہیں؟

3 تیسری بات اعتماد کی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جس طرح آپ اپنے علماء پر اعتماد کرتے ہیں اسی طرح ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ بات اعتماد کی نہیں حجت اور اتھارٹی کی ہے۔ ہم اپنے علماء کرام پر اعتماد کرتے ہیں لیکن انہیں حجت اور اتھارٹی نہیں سمجھتے، بلکہ ہم اتھارٹی صرف محمد عربی ﷺ کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم اپنے علماء کی بات کو قرآن وحدیث پر پرکھتے ہیں، اگر وہ بات قرآن وحدیث کے مطابق ہو تو تسلیم کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ جبکہ حنفی حضرات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات کو حجت اور اتھارٹی سمجھتے ہیں۔ اسے قرآن وحدیث سے پرکھتے نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات سامنے آجائے تو اب یہی ان کی دلیل ہے، یہی ان کے لئے اتھارٹی ہے۔ اب کسی تحقیق وتصدیق کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ بات سراسر خلاف اسلام ہے۔ دین اسلام میں اگر کوئی حجت، اتھارٹی اور دلیل ہے تو صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔

4 چوتھی بات تحقیق کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کے بعد سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک صرف ایک ہی شخصیت ایسی ہے کہ جو تحقیق کر سکتی ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسائل کا حل بتا سکتی ہے۔ کیا ان کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی مسلمان اس قابل نہیں ہوا کہ اس کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کیا جا سکے۔ اگر آپ کہیں کہ ایک نہیں چار شخصیتیں ہیں یعنی چار امام۔ تو ہمارا سوال پھر وہی ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کے بعد آج تک ان چار کے علاوہ کسی کو علم سیکھنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ ان کی فقہ پر عمل کیا جا سکے اور کیا قیامت تک ان چار کے علاوہ کوئی شخصیت اس قابل نہیں ہو سکتی کہ ان کی تحقیق پر اعتماد کیا جا سکے۔

5 پانچویں بات، چند منٹ کے لئے ہم آپ کی اس دلیل کو درست مان لیتے ہیں کہ کسی عالم سے مسئلہ سن کر، پوچھ کر یا اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے، تو پھر اس اصول کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی پر غور کریں۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے علماء کرام اور اساتذہ کرام سے مسائل سنا کرتے تھے؟ کیا وہ اپنے علماء کرام اور اساتذہ کرام سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور کیا وہ ان

کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا کرتے تھے یا نہیں؟ اور اگر ایسا ہی ہے بلکہ یقیناً ایسا ہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے علماء کرام اور اساتذہ کرام سے مسائل سنا کرتے تھے، پوچھا کرتے تھے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا کرتے تھے۔ تو لہٰذا آپ کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد ثابت ہوئے۔ یا پھر آپ یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اپنے علماء کرام سے کوئی مسئلہ سنا، نہ پوچھا اور نہ ہی عمل کیا۔ اس لئے وہ مقلد نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے اساتذہ کرام سے مسائل سنا کرتے تھے، پوچھا کرتے تھے اور پھر ان پر عمل کیا کرتے تھے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد بن جاتے ہیں۔ اور فقہ کا یہ پکا اور ٹھوس اصول ہے کہ مقلد کی تقلید جائز نہیں ہوتی۔ اب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو خود مقلد ثابت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کی تقلید سراسر ناجائز ٹھہری۔

اس ساری بحث کا خلاصہ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی عالم سے مسئلہ سن کر پوچھ کر یا اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا تقلید نہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

مکمل دین سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی بھی شخصیت کے پاس نہیں:

تقلید میں ایک شخصیت کے کاندھے پر پورے دین کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ اب اگر کوئی حنفی ہے تو پورے مسائل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیتا ہے۔ اگر کوئی شافعی ہے تو تمام مسائل امام شافعیؒ سے لیتا ہے' اگر کوئی مالکی ہے تو تمام مسائل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے لیتا ہے۔ گویا ایک شخصیت کے سر پر پورے دین کی عمارت قائم کی جاتی ہے۔ نماز کا طریقہ' روزوں کا طریقہ' حج کا طریقہ' زکوٰۃ کا طریقہ' جہاد کا طریقہ' تبلیغ کا طریقہ' پاکی ناپاکی کا طریقہ' الغرض سب کچھ اس نے اپنے اسی ایک امام سے لینا ہے۔ گویا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ پورا اور مکمل دین امام صاحب کے پاس موجود ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دُنیا میں کوئی ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کے بارے میں دعویٰ ہو کہ اس کے پاس پورا دین ہے۔ نہ کوئی صحابی نہ کوئی تابعی اور نہ کوئی دوسرا ایسا ہے جس کے بارے ہم یقین سے کہہ سکتے ہوں کہ اس کے پاس پورا اور مکمل دین موجود ہے۔ تو جب کسی شخصیت کے پاس مکمل دین ہے ہی نہیں تو پھر کسی ایک شخصیت کے کاندھے پر پورے دین کی عمارت قائم کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت اختیار کی۔ لیکن کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ پورے کا پورا دین ان کے پاس تھا؟ قطعاً نہیں۔ حالانکہ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے والے' ان کے پاس بیٹھنے والے' لیکن پورا علم کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴾ [يوسف : ١٢/٧٦]

"ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے"۔

اس لئے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ جو علم پیغمبر ﷺ کو ملا تھا وہ مجتہدوں میں سے کسی ایک شخص میں جمع ہو گیا ہے۔ کیونکہ علم نبوی تمام دُنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہر شخص کو ملا ہے۔ کئی احادیث کئی کتابوں کے تصنیف ہونے کے بعد ظاہر ہوئیں۔ اس لئے جس مسئلہ میں حدیث صحیح صریح غیر منسوخ مل جائے' اس میں مجتہد کی اتباع نہ کرنا چاہئے۔

اس بات کے ثبوت کے لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی۔ وہ بوڑھی عورت دادی تھی اور اس کے پوتے کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ اس کی میراث سے مجھے کیا ملے گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق تمہیں پوتے کی میراث سے کچھ نہیں ملے گا۔ مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ فتویٰ آپ نے کیسے دے دیا۔ بالکل یہی کیفیت رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی کہ ایک دادی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی' اس کا پوتا فوت ہو چکا تھا۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ میرا حصہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا چھٹا حصہ ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا اور اس مسئلے کو نافذ کر دیا۔ [1]

یعنی میراث کا ایک اہم مسئلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں نہیں تھا۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بعض مسائل کا علم نہیں ہوتا تھا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت صرف والد کے رشتہ داروں کے لئے ہے۔ لہٰذا بیوی کو شوہر کی دیت سے کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ضحاک ابن سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ پیغام لکھوا کر بھیجا کہ میں اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے حصہ دلاؤں۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ [2]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیت کے متعلق یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر ہم مقلدین سے یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا ان کے امام کے سینے میں وہ تمام کا تمام علم منتقل ہو

---

[1] ترمذی، ابواب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الجدة (٢١٠٠).

[2] ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب فی مرأة ترث من دية زوجها (٢٩٢٧).

چکا تھا جو کہ نبی کریم ﷺ کے سینے میں تھا؟ کیا وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ کسی بھی امام سے بہت سے مسائل اور بہت سا علم پوشیدہ رہ جانا ایک فطری بات ہے؟ کیونکہ یہ کسی بھی اُمتی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ تمام کے تمام علم نبوی ﷺ کا کامل احاطہ کر سکے۔ چنانچہ جب عباسی خلیفہ المنصور نے امام مالک رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ''موطا امام مالک'' کو بطور دستور نافذ کرنا چاہا تو امام مالک رحمہ اللہ نے خلیفہ کو اس اقدام سے منع فرما دیا اور کہا:

''لوگوں نے بھی مسائل کو یکجا کیا ہے اور بعض ایسی معلومات فراہم کی ہیں جن پر مجھے اطلاع نہیں''۔ ❶

جبکہ تقلید میں ایک شخصیت کے کاندھے پر پورے دین کی بنیاد قائم کر دی جاتی ہے۔ تو کیا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے پاس دین کا پورا علم ہو؟ ہرگز نہیں۔ دنیا میں محمد ﷺ کے علاوہ ایسی کوئی شخصیت نہیں جس کو پورے دین کا مکمل ادراک ہو۔ نہ کوئی صحابی' نہ کوئی تابعی' نہ کوئی محدث' نہ کوئی فقیہ' نہ کوئی مجتہد' نہ کوئی امام اور نہ کوئی مفتی۔ تو پھر کسی ایسی شخصیت کے سر پر پورے دین کی بنیاد قائم کرنا کہ جس کو پورے دین کا علم ہی نہیں کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جب اساس اور بنیاد ہی غلط ہے تو اس پر جو عمارت تعمیر کریں گے وہ بھی غلط ہوگی۔ تقلید کے درست نہ ہونے کی یہ بھی ایک مستقل وجہ ہے۔

کیا! امام معصوم ہوتا ہے؟

جب ہم کہتے ہیں کہ نبی کے سوا کوئی امام نہیں ہو سکتا تو مقلد اس بات پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت بڑے بڑے ائمہ دین گزرے ہیں؟ تو سنئے! ائمہ دین سے مراد یہ ہے کہ وہ دینی علوم کے بڑے عالم تھے نہ کہ وہ معصوم اور قابل اطاعت تھے کہ ان کے نام پر تقلیدی مذاہب چلائے جائیں۔ اس قسم کی امامت کا تصور اسلام میں بالکل نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ عقیدہ شیعہ نے گھڑا' اہل سنت نے یہ عقیدہ ان سے لیا۔ شیعہ نے یہ عقیدہ عقیدۂ رسالت کمزور کرنے کے لیے گھڑا تھا۔ ان کے ہاں پیغمبر اور امام میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں معصوم' دونوں ایک ہی چشمے اور ایک ہی ڈول سے پانی لینے والے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے:

((لَاَنَّ مُسْتَقَاهُمَا مِنْ قَلِيْبٍ وَّ مَفْرَعُهُمَا مِنْ ذَنُوْبٍ)).

مقلد خواہ سنی ہو یا شیعہ امام کا تصور تقریباً ایک ہی ہے۔ شیعہ تو امام کو سرعام معصوم کہتے ہیں۔

---

❶ صفة صلوٰة النبی للالبانی.

مقلدسنی زبان سے اس کا اظہار تو نہیں کرتے لیکن دِل سے امام کو معصوم ہی سمجھتے ہیں اوران کا اپنا طرزِ عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے۔

اگر وہ امام کو معصوم نہ سمجھتے تو اس کے نام پر مذہب بنا کر حنفی نہ کہلاتے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اسلام میں سوائے پیغمبر کے کوئی امام نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ کسی کو امام اعظم بنایا جائے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ تقلید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمام علماء کا تقلید کے باطل ہونے میں اجماع ہے۔ وہ اس لیے کہ مقلد اپنے امام کو معصوم کے درجہ پر سمجھ کر اس کی ہر بات کو قبول کرتا ہے خواہ وہ اس میں حق سے دور ہی کیوں نہ ہو۔ اہل تقلید کی سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ وہ اپنے امام کی ہر بات کو بغیر تمیز کیے کہ یہ حق ہے یا باطل، تقلید کرتے ہیں، دین کو وہ خطا اور غلطی سے حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کو حرام اور حرام کو حلال بنا لیتے ہیں اور اس شریعت پر عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں اُتاری''۔ ❶

معصوم صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں:

معصوم اسے کہتے ہیں جو غلطیوں اور خطاؤں سے پاک ہو۔ جس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو اور اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیج کر فوری طور پر اس کی اصلاح کر دے۔ یہ مقام صرف صاحب وحی یعنی رسول اور پیغمبر کا ہوتا ہے۔ جس کے پاس فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر آتا ہے۔ پس دین اسلام میں معصوم صرف اور صرف اللہ کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے ہیں۔ چاہے کوئی صحابی ہو یا تابعی، امام ہو یا فقیہ ہو، مفتی ہو یا مجتہد، سب سے غلطی ہو سکتی ہے۔ ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مقام ضرور حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف کر دی ہیں اور انہیں رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا مقام حاصل ہے۔ لیکن معصوم وہ بھی نہیں ہیں۔ باقی کسی امام، مجتہد یا فقیہ کو یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا محمد ﷺ کے علاوہ امام، مجتہد اور فقیہ سمیت ہر کسی کی بات غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی۔ لہٰذا یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے شخص کے سر پر پورے دین کی عمارت کھڑی کر دی جائے جس سے غلطی کا سرزد ہونا عین ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر اعلان کیا کہ:

''لوگو! رائے صرف رسول اللہ ﷺ کی درست تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دکھا دیتا تھا۔ ہماری رائے تو محض تخمینہ اور تکلف ہے''۔ ❷

---

❶ اعلام الموقعين لابن قيم، ١٩٢/٢.

❷ اعلام الموقعين لابن قيم.

امام مالک رحمہ اللہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھے درس دے رہے تھے' فرماتے ہیں:

"کائنات میں کسی کی بھی بات ہو وہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی' اسے قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے' سوائے اس ہستی کے جو اس قبر میں ہے"۔ ❶

اس بات کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہر فیصلہ کرنے والا غلطی بھی کر سکتا ہے اور درست بھی کر سکتا ہے۔ اگر فیصلہ کرنے والا درست فیصلہ کر گیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر غلط فیصلہ کر گیا تو اس کو ایک اجر ملے گا"۔ ❷

ایک اجر اس لئے کہ اس نے کوشش اور محنت کی۔ غلطی ہو سکتی ہے' کیونکہ وہ معصوم نہیں ہے' لیکن اس کو اجر ملے گا۔ اب امام صاحب نے اگر درست کہا تو دو اجر ملیں گے اور اگر غلط کہا تو ایک اجر ملے گا۔ اللہ کے ہاں وہ مجرم نہ ہوں گے۔ مجرم وہ لوگ ہوں گے جو امام صاحب کی درست بات کو بھی لے لیں اور غلط کو بھی لے لیں۔ تقلید یہی ہے کہ امام صاحب کے فیصلے کے برعکس باقاعدہ حدیث رسول ﷺ ہوتی ہے' لیکن اس کے باوجود یہ بات کہتے ہیں کہ چونکہ ہم مقلد ہیں اس لئے امام صاحب کا ہر قول ہمارے لئے واجب ہے' ہم امام صاحب کی بات کو نہیں چھوڑ سکتے۔ پس تقلید اس لئے بھی ناجائز ہے کہ ایک ایسے شخص کے کاندھے پر پورے دین کی عمارت قائم کر دی جاتی ہے جو ہرگز معصوم نہیں ہے' اور اس سے غلطی کا ہونا عین ممکن ہے' اور ایسے شخص کی ہر بات واجب سمجھی جاتی ہے جس کی بات کا غلط ہونا ممکنات میں سے ہے۔ بلکہ بیسیوں ایسے مسائل کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جو احادیث سے مخالف ہیں۔ مقلدین درست اور غلط بات کی چھانٹی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتے۔ مقلد اپنے بزرگوں اور پیروں کی باتوں کو لاعلمی کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں سمجھتا ہے جو کچھ اس کے بزرگ اسے سکھا دیتے ہیں وہ اسے عین دین الٰہی سمجھتا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ جو سات بار اجمیر ہو آئے اسے ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ اب یہ اسے اللہ کا حکم سمجھ کر اجمیر کے طواف میں مشغول ہو گیا۔ جب تک سات پھیرے پورے نہیں کر لئے گھر پر اطمینان سے نہیں بیٹھا۔ اکثر مقلدین آیات واحادیث کو زیادہ نہیں جانتے اور سمجھتے لہٰذا اپنے امام' بزرگ اور پیر کی بات اس طرح مانتے ہیں گویا وہ اللہ کا حکم ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اس قسم کے لوگ روزِ قیامت اپنے انہی بڑوں پر برس پڑیں گے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٨/ ٩٣،٦٩٣/٨. البدایة والنهایة: ١٤/ ٦١٤٠.

❷ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطاء (٧٣٥٢).

﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلاً ﴾ [الاحزاب: ۳۳/۶۷]

''اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کی بات مانی تو انہوں نے ہمیں راہ سے گمراہ کر دیا' پس تو انہیں دُگنا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت فرما''۔

اتباع' محبت' تقلید اور شرک:

حقیقی اور سب سے زیادہ محبت اس ذاتِ گرامی کے ساتھ ہونی چاہئے جس نے سارے محبوب اور ساری نعمتیں عطاء کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرہ : ۲/ ۲۰]

''اور لوگوں میں سے اکثر ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مقابل بنا لیتے ہیں اور پھر ان سے اللہ کی سی محبت رکھتے ہیں لیکن جو ایماندار ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے رکھتے ہیں''۔

اللہ کے علاوہ کسی سے محبت اللہ ہی کو راضی کرنے کے لئے ہونی چاہئے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ)). [1]

''اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض''۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے محبت اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق ہوگی۔ غیر اللہ سے اللہ کی سی محبت بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محبت کی حقدار ہستی حضرت محمد ﷺ کی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنی اولاد' ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ [2]

وہ لوگ جو کسی امام کی تقلید کرتے ہیں یا کسی پیر' بزرگ' اور صوفی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں تو مذکورہ شخصیت ہی ان کی مطمع نظر ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں قرآن کریم یا سنت رسول ﷺ میں مغز کھپانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب یہ سر درد مذکورہ امام' بزرگ' صوفی اور پیر صاحب کی ہے۔ قرآن کریم یا حدیث رسول کو سمجھنا اب انہی کا کام ہے' اب وہی ان کے ترجمان ہیں۔ وہی ہمارے رہبر

---

[1] بخاری، كتاب الايمان، باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس تعليقاً قبل الحديث (۸).

[2] بخاری، كتاب الايمان، باب حب الرسول من الايمان (۱۴).

ورہنما ہیں۔ وہی ہمارے پیشوا ہیں۔ پھر یہ محبت اور اتباع اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ گویا نبی کریم ﷺ کے بعد اس شخصیت کے علاوہ کسی نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو سمجھا ہی نہیں۔ اب مذکورہ بزرگ یا امام صاحب کے علاوہ کسی اور شخصیت کے متعلق سوچنا بھی محال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ایسی محبت اپنی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو بھلا چنگا انسان بھی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے' پھر یہی نہیں کہ حق بات کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ باطل کو حق بنا کر پیش کرنے میں ذرہ برابر گریزاں نہیں ہوتا۔ اگر ان کے طریقے اور عقیدے میں کہیں کتاب وسنت کی مخالفت ظاہر کرادی جاتی ہے تو اس بات کو ماننا ان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان کی قوت فہم معطل ہو کر رہ جاتی ہے وہ اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ ہمارے بزرگ پیر یا امام کی کوئی بات غلط ہو سکتی ہے۔ اور فہم دین کا بوجھ پھر اس امام یا بزرگ پر ڈال دیا جاتا ہے' اور اسی بزرگ کی اتباع وتقلید پر مضبوطی سے کاربند رہا جاتا ہے۔ یہی اندھی محبت میں اندھی اتباع ہے جو شرک کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔

یعنی جب محبت واتباع اپنی حد سے تجاوز کر کے اتنی بڑھ جائے کہ مذکورہ بزرگ یا امام کی تقریباً ہر بات پر عمل شروع ہو جائے' اس بات کی تصدیق کئے بغیر کہ بزرگ یا امام کا فرمان شریعت کی رو سے درست بھی ہے یا نہیں۔ اور مذکورہ بزرگ یا امام کی ہر بات کو عین شریعت سمجھ لیا جائے اور اس کی ہر بات کو قرآن وحدیث سے پرکھے بغیر قبول کر لیا جائے بلکہ اس امام یا بزرگ کی بات کے برخلاف کوئی حدیث آ جائے تو اس کی تاویلیں شروع ہو جائیں اور یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ہمارے امام اور بزرگ کو بھی معلوم تھی' انہوں نے یقیناً کسی وجہ سے ہی اسے چھوڑا ہوگا' تو اس وقت یقین کر لینا چاہئے کہ آپ کا یہ محبوب اب محبوب نہیں رہا بلکہ معبود بن چکا ہے۔ ایسے لوگوں کے طرزِ عمل کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾[المائدہ: ۵/ ۱۰۴]

''اور جب ان سے کہا جائے کہ اس (کتاب) کی طرف آ جاؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آ جاؤ تو وہ کہتے ہیں' ہمارے لیے وہی کافی ہے جو ہمیں ہمارے بزرگوں سے ملا۔ اگرچہ ان کے بزرگوں کو نہ کچھ علم تھا اور نہ ہدایت''۔

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ﴾[لقمان: ۳۱/ ۲۱-۲۲]

''اور جب ان سے کہا جائے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے (وحی کے ذریعے) نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس راہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا''۔

اس قسم کے مسلمان رسول اللہ ﷺ کے شخصی اوصاف و کردار اور عظمت و بزرگی کا اعتراف کرنے کے باوجود اور آپ ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت و حقانیت کے بیان اور آپ ؐ کے حسن و جمال اور خُلقی و خَلقی صفات کے تذکرے اور مجالس و اجتماعات کرنے کے باوجود عملی طور پر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ عقائد و عبادات' اخلاق و معاملات' ورد و وظائف' لباس و حجامت' خوشی و غمی غرض ہر قسم کی معاشرت میں آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی اپنی فقہ اور اپنے اپنے سلسلے قائم کر کے عصبیت و فرقہ واریت کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور ہر گروہ اپنے اپنے مرشد و امام کے اقوال و ارشادات کو ترجیح دیتا ہے۔ اور خالص کتاب و سنت پر عمل کرنے سے خود بھی گریزاں ہے اور دوسروں کو بھی روکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الاعراف : ٧/٣]

''جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اولیاء کی پیروی نہ کرو''۔

لہٰذا چاہئے کہ لوگ اپنا دین تحقیق کے ساتھ اپنائیں نہ کہ آباؤ اجداد اور پیروں مولویوں کی اندھی تقلید اختیار کریں۔ جب بازار میں دو نمبر مال ہر طرف پھیل چکا ہو تو عقل و خرد اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی چیز لینے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لی جائے کہ آیا یہ اصلی بھی ہے یا نہیں۔

یاد رکھیں کہ ایسی جامد تقلید حرام ہے جو قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کی جائے، قرآن کہتا ہے:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ [المائدة: ٥/١٠٤]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف رجوع کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس (دین وعقیدہ) پر اپنے آباء واجداد کو پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ [الأعراف: ٧/٢٨]

''اور مشرکین جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا تھا، اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے''۔

دیکھئے! مکہ کے مشرک ایسے اندھے اور جامد مقلد تھے کہ جب کوئی غلط کام کرتے تھے اور ان کو ٹوکا جاتا تھا، تو کہتے تھے کہ چونکہ یہ کام ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے اسی لئے ہم بھی کرتے ہیں۔ پھر کہا جاتا یہ تو برا اور گناہ والا کام ہے، وہ کہتے، ہم کو اللہ نے اسی کا حکم دیا ہے۔ جب پوچھا جاتا کہ اللہ کا حکم

دکھاؤ تو جواب دیتے کہ ہمارے باپ دادا کوئی بے وقوف تھے کہ بغیر اللہ کے حکم کے کرتے تھے؟ یہ ہے مکہ کے جامد اور اندھے مقلدوں کا جواب۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مقابلہ میں تقلید کرتے تھے، یہ تقلید حرام ہے۔

کوئی صاحب یہ خیال نہ کریں کہ مذکورہ آیتوں میں تو کافروں اور مشرکوں کی جامد تقلید کا بیان ہے، اور ہم تو مسلمان ہیں، ہمیں ان آیتوں سے کیا واسطہ؟ جواب یہ ہے کہ اگر جھوٹ بولنا کافروں کے لئے منع تھا تو ہمارے لئے بھی منع ہے۔ شرک، کفر، وعدہ خلافی، چوری، زنا، اغوا اگر ان کے لئے حرام تھا تو ہمارے لئے بھی یہ کام حرام ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ اپنے آباء واجداد کے بے سند اقوال کو دین کا نام دے کر پیش کرتے تھے، اللہ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو، اللہ کے فرمان کے مطابق عمل کرو، ایسے ہی ہمارے لئے بھی آیات مذکور کی روشنی میں ضروری ہوگیا کہ ہم اپنے آبا واجداد کی بے سند باتوں اور ائمہ کے بے دلیل اقوال پر دین کے نام سے عمل نہ کریں۔ جب قرآن اور حدیث میں دین کامل موجود ہے، تو پھر سب کو چاہئے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دلیل سے عمل کریں۔

مسلمان بھائیو! سوچو کہ آج بھی جب قرآن اور حدیث پیش کیا جاتا ہے تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مقلد ہیں، ہمارے لئے اپنے بزرگوں کا طریقہ اور امام کا قول کافی ہے۔ پھر صریحاً حدیث کے خلاف اُمتی کا قول لیتے ہیں اور حدیث چھوڑ دیتے ہیں، کیا یہ کلمہ گو مذکورہ آیت کی زد میں نہیں آتے؟ اس شرط پر امام کے مسلک پر چلنا کہ اگر امام کا کوئی قول حدیث کے خلاف ہوا تو قول چھوڑ کر حدیث لے لوں گا، درست روش ہے، لیکن ایسی جامد اور اندھی تقلید کے مقلد کے آگے آیت پڑھو، حدیث پڑھو، دونوں کا ترجمہ بھی دکھا دو وہ اپنی آنکھوں سے پڑھ بھی لے، پھر بھی اس آیت، حدیث کے خلاف عقیدہ، عمل نہ چھوڑے، صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ضعیف کو نہ چھوڑے اور کہے کہ میں اپنے بزرگوں کے عقیدے اور عمل کو نہیں چھوڑ سکتا، کہئے! کیا ایسے لوگ قیامت میں محض اس لئے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ زبانی کلمہ پڑھتے تھے؟ احادیث خیر البشر ﷺ کو پرے ہٹا کر اپنے آبا، ائمہ، اور بزرگوں کے طریقوں اور قولوں کو اپنانے والے اس لئے نہ پوچھے جائیں گے کہ وہ امت رسول ﷺ کہلاتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، وہ ضرور پوچھے جائیں گے۔

مومن کے لیے سب سے قیمتی متاع اس کا ایمان یعنی دین و مذہب ہے۔ اب کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ اپنا دین و مذہب آنکھیں بند کر کے حاصل کرتے ہیں۔ حالات کی نزاکت کا تو یہ عالم ہے کہ دین اسلام کے دعویداران گنت فرقے موجود ہیں اور نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنم کا ایندھن بنیں

گے۔ ❶

خدارا! کچھ تو اپنے آپ پر رحم کھایئے' اپنے لیے دین و مذہب اختیار کرنے سے پہلے یہ تحقیق تو کرلیں کہ کیا واقعی آپ نے اصلی اور خالص دین ہی حاصل کیا ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ گمراہ فرقوں میں شامل ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائیں۔ (معاذ اللہ!)

چند قابل غور نکات:

① سوال یہ ہے کہ کیا تمام کی تمام احادیث ایک شخص کے احاطہ علم میں آ سکتی ہیں؟ کیا دین اسلام کے ہر قسم کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کو کوئی غیر نبی سمجھ سکتا ہے؟ کیا جو علم رسول اللہ ﷺ کو ملا ہے وہ سارا علم کسی اور شخص کو حاصل ہو سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ تو پھر شریعت کے تمام قسم کے مسائل کو صرف امام ابوحنیفہؒ کے حوالے کر دینا' دین اسلام کے ساتھ بھی نا انصافی ہے اور امام ابوحنیفہ کے ساتھ بھی نا انصافی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی امتی تمام کی تمام احادیث اور شریعت کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں: ''اگر تمام علماء کے علوم جمع کیے جائیں تو سب احادیث و سنن جمع ہو جائیں گی' اور اگر ایک عالم کا علم جدا جدا رکھا جائے تو بعض احادیث و سنن جمع نہ ہو سکیں گی۔ البتہ جو ایک جگہ نہ ہوں گی وہ دوسرے اہل علم کے پاس موجود ہوں گی''۔ ❷ امام شافعی کے اس قول کے مطابق تمام احادیث اور تمام سنتیں ایک عالم کے پاس جمع نہیں ہو سکتیں۔ بعض احادیث اور سنتیں ایسی ہوں گی جو ایک عالم کے پاس نہیں ہوں گی مگر یہ دوسرے اہل علم کے پاس ہوں گی۔ اس صورت میں بھی کسی ایک شخص کی تقلید نا درست ہے۔ صحیح اور احسن طریقہ یہ ہے کہ تمام اہل علم کا احترام کیا جائے اور سب علماء اور آئمہ کرام کے علمی ذخیرہ سے استفادہ کیا جائے اور ہر صحیح حدیث اور سنت کو قبول کیا جائے چاہے وہ کہیں سے بھی ملے۔ کسی ایک شخص کو متعین کر کے صرف اسی کی بیان کردہ احادیث پر عمل کرنے سے بے شمار احادیث متروک ہو جائیں گی جو اس شخص کے پاس تو موجود نہیں مگر دوسرے علماء اور آئمہ کرام کے پاس یقیناً موجود ہوں گی۔

② رسول اللہ ﷺ معصوم عن الخطاء ہیں۔ آپ کے فرمان میں خطا یا غلطی کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی عصمت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے علاوہ ہم کسی اور شخص کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ وہ معصوم ہیں اور ان سے غلطی یا خطاء نہیں ہو سکتی۔ اور آئمہ کرام

---

❶ مسند احمد: ٤/ ١٠٢ (١٦٤٩٠).

❷ الرسالة للامام شافعی ص ٤٣.

سے غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ ان کی باتوں میں اختلاف ہوسکتا ہے بلکہ اختلاف موجود ہے اور وہ ایک دونہیں بلکہ سینکڑوں مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ قطعاً معصوم نہیں ہیں۔ جبکہ مقلد اپنے امام کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے قبول کرتا ہے اور اس کے کسی مسئلہ کو رد نہیں کرتا۔ اور یہ ایک طرح سے اپنے امام کو معصوم سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ صفت صرف انبیائے کرام کے لئے مخصوص ہے۔

③ اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجت اور شرعی دلائل نہیں ہیں۔ تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال حجت نہیں بن سکتے اور ان سے شرعی دلیل قائم نہیں ہوسکتی تو کسی غیر صحابی کی بات ہمارے لئے کس طرح حجت بن سکتی ہے؟ وہ کیسے واجب بن سکتی ہے؟ اس سے شرعی دلیل کس طرح قائم ہوسکتی ہے؟

④ اگر رسول اللہ ﷺ کی ایسی حدیث صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے جو کسی امام کی فقہ کے خلاف ہو تو ہم پر فرض ہے کہ ہم فقہ کو چھوڑ کر حدیث کو قبول کرلیں۔ جبکہ مقلد ایسی حدیث کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارے امام صاحب اس کو ضرور لیتے اور اس کے خلاف حکم نہ کرتے۔ اگر ہمارے امام صاحب نے یہ حدیث چھوڑ دی ہے تو ضرور اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی۔ حالانکہ یہ کم عقلی اور نادانی کی بات ہے' کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ حدیث امام صاحب تک پہنچی ہی نہ ہو یعنی انہیں اس حدیث کا علم ہی نہ ہوا ہو۔ ایسا طرزِ عمل امام ابوحنیفہ کے اس قول کے بھی خلاف ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہ میرا مذہب ہے۔

⑤ یہ منطق سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک طرف امام ابوحنیفہؒ ہیں جو نہ تو معصوم ہیں اور نہ ان کا قول وفعل محفوظ۔ ان پر اس قدر ایمان کہ ان کے نام سے (حنفی) مذہب بنا رکھا ہے۔ جبکہ دوسری طرف رسول کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے جو معصوم بھی ہیں اور ان کا ہر قول وفعل ہم تک مستند ذرائع سے پہنچا ہے' ان کی بات ناقابل عمل ٹھہری۔ وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ حنفی حضرات نے صرف اس سنت کو قبول کرنا ہے جو امام ابوحنیفہ نے بیان کی ہے یا جو فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ جس سنت کا ذکر حدیث کی کتابوں میں تو ہے مگر امام ابوحنیفہؒ نے اسے بیان نہیں کیا اس پر کوئی عمل نہیں۔ مثلاً حنفی حضرات مسواک والی حدیث پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابوحنیفہ نے بیان کیا ہے جبکہ نماز میں رفع الیدین اس لئے نہیں کرتے کہ اس حدیث کو امام ابوحنیفہ نے اختیار نہیں کیا۔

اصل میں مقلدین اس راہ پر گامزن ہیں کہ ہم نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے گھر سے براہ راست کچھ نہیں لیں گے۔ بلکہ ہم امام صاحب کے وسیلہ سے لیں گے۔ ہم براہ راست حضور ﷺ کے ہاتھ سے کچھ نہیں لیں گے جو لیں گے وہ امام ابوحنیفہ کے ہاتھ کے ذریعے سے لیں گے۔ حالانکہ اصل

ثواب حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ سے لینے سے ہے۔ جو سرور اور نیکیاں براہِ راست حضور ﷺ کے ہاتھ سے لینے میں ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ میں کیسے ہو سکتی ہیں؟ اور یہی اصل اسلام ہے۔

⑥ کیا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی موجودگی میں کسی اور کو حاکم بنایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جبکہ تقلید میں ایک معین امام کے اقوال و افعال پر عمل کیا جاتا ہے جو کہ شریعت میں اس امام کو حاکم ماننا ہے۔

⑦ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو کسی ایک عالم کی تمام باتیں قبول کرے اور کسی دوسرے عالم کی کوئی بات نہ مانے۔ مقلدین حضرات ہمیں جھٹلانے کے لئے قرون خیر میں سے کوئی ایک آدمی بتلا دیں جو اس کمزور راہ پر چلا ہو۔ یہ بدعت تقلید چوتھی صدی میں پیدا ہوئی''۔ یعنی ایک شخص کو امام متعین کر کے اس کی تمام باتیں قبول کر لینا اور دوسرے تمام علماء و فقہاء کی تمام باتیں رد کر دینا۔ اس قسم کا طرزِ عمل کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کا نہیں ہے۔

⑧ اب زیر بحث چند چیزیں ہیں:

الف: کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و حدیث میں تقلید کا حکم دیا ہے؟

ب: کیا قرآن و سنت میں کوئی نام بطور مجتہد یا امام واضح طور پر موجود ہے؟ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے کسی امام کا نام لے کر اس کی تقلید کا حکم دیا ہے؟

ج: پھر کیا ان تمام اماموں کا علم یکساں تھا یا حسب ارشاد قرآن عزیز ﴿ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴾ [یوسف : ۱۲/ ۷٦] ''اور تمام عالموں سے بڑھ کر ایک عالم ہے''۔ ان کے علمی درجات میں تفاوت ہے؟

د: کیا ہر امام کے سامنے احادیث کے جو ذخائر مختلف ممالک میں موجود تھے، یکجا شائع ہو چکے تھے یا کچھ مخفی تھے؟ یعنی کیا ہر امام کو تمام کی تمام احادیث پر کلی طور پر عبور حاصل تھا؟

ر: کیا چاروں امام اجتہادی مسائل میں متفق ہیں؟ کیا ان کی فقہیات میں باہم کوئی اختلاف نہیں؟

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالیہ گزارشات کا جواب نفی میں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و حدیث میں کہیں بھی کسی کی بھی تقلید کا حکم نہیں دیا۔ نہ شریعت نے کسی کا نام بطور امام لیا ہے کہ ان کی تقلید کی جائے۔ نہ ہی ان کا علم یکساں ہے، نہ ہی سنت کے تمام ذخائر اس وقت ان کے پاس موجود تھے اور نہ ہی ان کے اجتہادات اختلاف سے خالی ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور نبی کریم ﷺ

نے اپنی حدیث میں کسی کی تقلید کا حکم نہیں دیا' کسی شخص کو امام مقرر نہیں کیا اور ان اماموں کو یکساں اور مکمل علم بھی حاصل نہیں اور کسی ایک شخص کے لئے قرآن مجید کے تمام مسائل پر دسترس ہونا اور تمام کی تمام احادیث کا علم ہونا بھی ناممکن ہے تو پھر یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ ایک امام کو متعین کر کے ساری شریعت اور سارا اسلام اس کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی تقلید شروع کر دی جائے۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی کی تقلید کی؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ساری زندگی اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی میں گزاری۔ انہوں نے ہرگز کسی کی تقلید نہیں کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس شخصیت کی اتباع کی وہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ لہٰذا ان سے کسی کی تقلید کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی سے اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی شخصیت کی تقلید کی ہو۔ اس سلسلہ میں کوئی ایک ایسا حوالہ نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے کسی کی تقلید کی ہو۔ انہوں نے صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی کسی کی تقلید نہیں کی بلکہ اس وقت بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع جاری رکھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم ہیں۔ کسی صحابی یا تابعی نے ان چاروں میں سے کسی کی تقلید نہیں کی۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کوئی مقرر کردہ ایسا امام تھا کہ جس کی تقلید کی جاتی ہو؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے' عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے' کیا کوئی بھی صحابی تقلیدی اعتبار سے صدیقی یا فاروقی تھا؟

اگر ایسا ہوتا تو حنفی' شافعی کی طرز پر کہیں نہ کہیں اس بات کا ذکر ضرور ملتا کہ فلاں صدیقی ہے' فلاں فاروقی ہے' فلاں عثمانی ہے اور فلاں علوی ہے۔

بلکہ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارض میں کبھی کسی صحابی کی بات پیش کر دیتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سختی سے رد کر دیتے۔ ثبوت کے لئے کتب حدیث سے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔

① حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (اپنی خلافت میں) تمتع اور قران کرنے سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج و عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا اور کہا لبیك بعمرة و حجة (یعنی قران کیا) اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کسی کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتا۔ [1]

---

[1] بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والقران والافراد با الحج (۱۵٦۳).

② اسی طرح جب حج تمتع کی بات چل رہی تھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حج تمتع کی مشروعیت اللہ کے پیغمبر ﷺ کے فرامین سے پیش کی۔ لوگوں نے کہا کہ شیخین (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وفاروق اعظم رضی اللہ عنہ) تو اس سے منع فرماتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ آسمان سے تم پر پتھر نہ برسیں' میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے یہ فرمایا اور تم یہ جواب دیتے ہو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا۔ ❶

③ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ایک گروہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ہم میں بشیر بن کعب بھی موجود تھے۔ پس ہمیں عمران رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''حیا تمام تر بھلائی ہے''۔ پس بشیر بن کعب نے کہا ہم بعض کتابوں یا حکمت میں یہ پاتے ہیں کہ (حیا دو قسم کی ہے) اس میں ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عزت کے لئے ہے اور دوسرا کمزوری ہے۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمران رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے حتیٰ کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا تمہیں خبر نہیں میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو اس میں اعتراض کرتا ہے۔ ❷

یہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل کہ وہ رسول ﷺ کی بات کے سامنے کسی بڑے سے بڑے بزرگ اور بڑے سے بڑے صحابی کی بات کو سختی سے رد کر دیتے تھے۔ اوپر درج پہلے دو واقعات پر غور کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں ان شخصیات کی بات رد کر دی جو امت سے سب سے افضل ہیں یعنی ابوبکر صدیق و عمر بن خطاب و عثمان غنی رضی اللہ عنہم۔ بفرض محال اگر لوگ کسی اور کا نام لے لیتے مثلاً امام ابوحنیفہ' امام مالک وغیرہ تو پھر ان کا مؤقف کیا ہوتا؟

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی کے مقلد نہ تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع ان کا منہج تھا۔ وہ عقیدہ اور منہج جس کی تا قیامت پیروی کا حکم ہے اور اس میں تقلید نام کی کوئی چیز نہیں۔ منہج جس لفظ پر قائم ہے وہ اطاعت و اتباع ہے تقلید نہیں۔ امت کی پہلی جماعت مقلد نہیں تھی' وہ تقلید نہیں کرتے تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس امت کے اوّل افراد کے لئے دین کچھ اور ہو اور بعد میں آنے والے افراد کے لئے کچھ اور' شریعت میں یہ دو رنگی نہیں ہے۔ جنت میں داخلے کا جو معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے وہی معیار قیامت تک آنے والے ہر فرد کے لئے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

---

❶ الدارمی، المقدمة، باب ما يتقى من تفسير حديث النبی ﷺ (٤٣١) بحواله بدعت کی حقیقت ص ٣٧ ناشر مكتبه دارالسنة.

❷ مسلم: كتاب الايمان، باب بيان عدد شعب الايمان و افضلها و ادناها (١٥٧).

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ﴾ [البقرہ : ٢/١٣٧]

''اگر بعد میں آنے والے لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو وہ ہدایت پر ہیں''۔

کوئی صحابی تقلید نہیں کرتا تھا۔ صحابہ کے ہاتھ میں خالص دین تھا اور اللہ کے پیغمبر کی غلامی تھی' اللہ کے پیغمبر کی اتباع اور اطاعت تھی۔ لہٰذا ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کتاب وسنت کی پیروی کرنی چاہئے۔

حدیث نبویؐ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے بن گئے تھے اور عیسائیوں کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے' سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے' لوگوں نے پوچھا جنت میں جانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی گروہ وہ ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور صحابہ کے منہج اور طریقہ کار کو کامیابی کا ذریعہ بتایا ہے اور صحابہ کرام مقلد نہیں تھے وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے' بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کرتے تھے۔ لہٰذا جو جنتی گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اطاعت رسول کا رستہ اختیار کرے اور تقلید امام کا رستہ چھوڑ دے۔

کیا چاروں مذاہب حق ہیں؟

مقلدین حضرات لوگوں کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چاروں مذاہب حق پر ہیں' چاروں امام حق پر ہیں' جس امام کی چاہو تقلید کرلو جائز ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام میں کسی بھی چیز کے جائز' درست اور حق پر ہونے کی کسوٹی قرآن وحدیث ہے' جبکہ چاروں مشہور مذاہب کے حق ہونے کی دلیل نہ تو قرآن کریم سے ہے اور نہ ہی حدیث نبویؐ سے۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ تم حنفی' شافعی' مالکی یا حنبلی بننا اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میرے بعد حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی چار مذاہب ہوں گے ان میں سے کسی کی پیروی کرنا۔ لہٰذا یہ بات قطعاً درست نہیں کہ یہ چاروں راستے صحیح ہیں۔ کسی کو اختیار کرلو منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ بلکہ صحیح اور درست راستہ یعنی صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے کتاب وسنت کا راستہ۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق هذه الامة (٢٦٤١).

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا رستہ ہے' پھر آپ نے دائیں اور بائیں چند لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ بہت سے رستے جو ہیں ان میں سے ہر ایک رستے پر شیطان بیٹھا ہے جو اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [الانعام: ٦/ ١٥٣] ''سیدھا رستہ میرا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ (شیطان) تمہیں سیدھے رستے سے بھٹکا دے گا''۔ ❶

اس مضمون کی ایک اور حدیث بھی آتی ہے' وہ کچھ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس خط کے دائیں طرف دو خط کھینچے اور بائیں طرف دو خط کھینچے (یعنی اس سیدھے خط کے دائیں بائیں کل چار خط کھینچے) اور سیدھے خط کے بارے میں فرمایا کہ ﴿ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ...... الخ ﴾ [الانعام: ٦/١٥٣] ''یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو' ورنہ شیطان تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دے گا''۔ ❷

غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر واضح الفاظ میں نشاندہی فرما دی ہے کہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہے چار یا چار سے زیادہ نہیں۔ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہے باقی سب شیطان کی راہیں ہیں' جو کہ گمراہی کے راستے ہیں۔ کیونکہ شیطان نے اس دن اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ دیا تھا میں انسانوں کو دائیں بائیں سے حملہ کروں گا اور انہیں گمراہ کروں گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ﴾ [اعراف: ٧/ ١٧،١٦]

''کہ (اے اللہ) تو نے مجھے گمراہ تو کر دیا ہے مگر مجھے قسم ہے اب میں ان کے لئے تیرے سیدھے رستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے دائیں بائیں۔ آگے پیچھے سے آؤں گا اور ان کو بھی گمراہ کر دوں گا''۔

پس صراط مستقیم اور سیدھا راستہ صرف ایک ہے اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جو بھی راستے ہیں جتنے بھی راستے ہیں ان سب راستوں پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ شیطان کے راستے ہیں اور گمراہی کے راستے ہیں۔

---

❶ مسند احمد ١ / ٤٣٥. مشكوة ١/ ٣٠، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني.

❷ ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ (١١).

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ کیا صراط مستقیم کسی امام کی فقہ کا نام ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ صراط مستقیم وحی الٰہی یعنی قرآن وحدیث کا نام ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىٓ أُوْحِىَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ [الزخرف : ۴۳/۴۳]

''(اے محمد ﷺ!) آپ وحی الٰہی پر عمل کریں بے شک آپ صراط مستقیم پر ہیں''۔

یعنی صراط مستقیم وحی الٰہی ہے چاہے وہ قرآن کی شکل میں ہو یا حدیث کی شکل میں ہو۔ اور صراط مستقیم صرف ایک ہے۔ چار نہیں۔ پس یہ بات ہرگز درست نہیں کہ چاروں مذاہب حق ہیں۔ حق صرف ایک ہے۔

حق صرف ایک قول میں ہے:

شرعی مسائل کی دو قسمیں ہیں:

❶ **قطعی مسائل** : قطعی مسائل وہ مسائل ہیں جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ جیسے نماز اور روزہ کی فرضیت یا سود اور زنا کی حرمت۔ ایسے مسائل میں ہر مجتہد کا فیصلہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں حق صرف ایک ہی ہے، جس کا فیصلہ اس کے مطابق ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ اور جس کا فیصلہ اس کے خلاف ہوگا وہ غلط ہوگا۔ اس معاملے میں ایسے مجتہد کو معذور اور بے قصور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ دین کے بنیادی احکام کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے وہ مجرم اور گنہگار ہوگا۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔

❷ **غیر قطعی مسائل** : غیر قطعی مسائل وہ مسائل ہیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں دو رائے پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے:

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ غیر قطعی مسائل میں اجتہاد کرنے والوں کے جتنے اقوال ہیں ان میں ہر قول حق اور صحیح ہے۔ یہ حضرات اپنی اس رائے پر استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اختلاف رحمت ہے۔ حالانکہ یہ ایک جھوٹی اور من گھڑت حدیث ہے جسے اہل فسق نے گھڑ کر پیش کیا تا کہ امت مسلمہ کو گمراہ کیا جائے اور اپنے اس مقصد میں وہ کافی حد تک کامیاب ہیں۔ یا پھر یہ حضرات نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پر ہو گئے''۔ جب کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال بھی درست نہیں۔ حقیقی پیروی اور اتباع کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے حضرت محمد ﷺ کی ذات، جس کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پیروی کیا کرتے تھے۔

لہٰذا یہ رائے کہ اختلافی مسائل میں ہر قول حق اور صحیح ہے درست نہیں ہے بلکہ یہ باطل اور گمراہ کن رائے ہے۔

دوسری رائے:

اکثر فقہاء اور آئمہ کرام اوپر درج کردہ پہلی رائے سے اتفاق نہیں کرتے' بلکہ ان کی رائے اس سے مختلف ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ مختلف افعال میں سے حق صرف ایک قول میں ہے جو کہ اگرچہ بعض حالات میں ہمارے لئے غیر متعین ہوتا ہے' یعنی بعض اوقات ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ درست قول کونسا ہے اور غلط قول کونسا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ متعین ہے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز کسی شخص کے لئے بیک وقت حلال بھی ہو اور حرام بھی' یعنی اللہ کے ہاں درست قول صرف ایک ہے۔ دو یا چار نہیں۔ ہمارا کام ان مختلف اقوال میں سے حق قول کو تلاش کرنا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان اقوال کو قرآن وحدیث پر پیش کیا جائے' جو قول قرآن وحدیث کے مطابق ہو اسے قبول کرلیا جائے اور دوسرے اقوال کو رد کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں صرف قرآن اور صحیح اور حسن احادیث کو سامنے رکھا جائے۔ ضعیف' موضوع اور من گھڑت احادیث سے دامن بچایا جائے۔ حق بات کو تلاش کرنے کا صرف یہی ایک واحد طریقہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کی غلطی واضح کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے پر اعتراض بھی کرتے تھے۔ اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح اور برحق ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو غلط ٹھہراتے اور آپس میں اعتراضات کرتے۔ حالانکہ وہ ان چاروں مجتہدین سے بڑے مجتہد تھے جن کے نام پر آج مذہب قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا کسی آدمی کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی مسئلہ میں کسی ایک متعین امام کے ساتھ ایسا باندھ لے کہ دوسرے آئمہ کرام ومجتہدین کے اقوال کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔ خصوصاً جبکہ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم میں سے ہر شخص کی جواب دہی انفرادی طور پر اور خالصتاً اپنی ذمہ داری پر ہوگی اور کسی مسئلہ میں غلطی کرنے اور اسے لوگوں کو غلط بات بتانے کی صورت میں یہ چیز اسے ہرگز اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچا سکے گی کہ وہ کس امام یا کس فقہی مذہب کی طرف نسبت رکھتا تھا؟ پس یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو تین یا چار مختلف اقوال پائے جاتے ہیں تو وہ تمام اقوال ہرگز صحیح نہیں ہوسکتے۔ ان میں سے صرف ایک قول ہی صحیح اور مبنی برحق ہوسکتا ہے۔

اختلاف کا مرکزی سبب تقلید ہے:

اختلافات کی جو سب سے قوی اساس اور بنیاد ہے وہ تقلید ہے' جو مسائل متفق علیہ ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں اور جو مسائل مختلف فیہ ہیں جن مسائل میں اختلاف ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور ان کے

اختلاف کا مرکزی سبب تقلید ہے' ایک مسئلہ میں چار پانچ رائے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرما رہے ہیں' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرما رہے ہیں' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرما رہے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرما رہے ہیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کچھ فرما رہے ہیں اور ان مذاہب کے جو متبع اور اصحاب ہیں وہ اپنے اپنے امام کے قول کے ساتھ چمٹے رہیں گے۔ حنفی وہ لے گا جو اس کے امام نے کہہ دیا' شافعی وہ مانے گا جو اس کے امام نے کہہ دیا' حنبلی وہ مانے گا جو اس کے امام نے کہا اور مالکی وہ لے گا جو اس کے امام نے کہا۔ شیعہ وہ لے گا جو اس کے امام نے کہہ دیا۔ یعنی ''اختلاف'' کی بنیاد ''تقلید'' ہے' ان اختلافی امور میں ہر مقلد اپنے امام کا قول' اپنے امام کی رائے لے لیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اختلاف کا کوئی حل نہیں نکلتا اور کوئی مخرج دکھائی نہیں دیتا۔ یعنی اختلاف اور فرقہ بندی کا مرکزی اور بنیادی سبب تقلید ہے۔

چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی۔ قرآن و حدیث کے فہم و سمجھ اور اس کی تشریح و توضیح یا اس کی تفسیر و تعبیر میں اختلاف ہو جانا' یہ فرقہ بندی کا سبب ہرگز نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ ان اختلافات کے باوجود سب کا مرکز اطاعت' محور عقیدت اور امام و پیشوا ایک ہی تھا۔ قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن جب شخصیات کے نام پر فرقے اور دبستان معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور آئمہ کرام اور ان کے اقوال و افعال اولین حیثیت قرار پائے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے اُمت مسلمہ کے افتراق یعنی فرقہ بازی کے افسوسناک المیے کا آغاز ہوا جو دِن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور روز بروز مستحکم ہوتا چلا گیا۔

تقلید کا نتیجہ فرقہ واریت:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط (سیدھی لکیر) کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے' پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ راستے ہیں اور یہ راستے شیطان کے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ ﴾ [الانعام : ٦/١٥٣]

''اور یہ میرا سیدھا رستہ ہے' اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو' ورنہ وہ (شیطان) تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دے گا اور اس سے تمہیں وصیت کی ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ''۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرا راستہ ہے صرف اسی کی پیروی کرو۔ ❶

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کا طریقہ، راستہ، فرقہ اور فقہ صرف ایک ہے۔ دو، تین یا چار نہیں۔ ہم مقلدین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا تم نے دین کو چار فرقوں (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) میں تقسیم نہیں کیا؟ ہاں ضرور کیا ہے۔ تقلید نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور امت مسلمہ کو واضح طور پر چار فرقوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ اور ان چاروں فرقوں میں حرام حلال اور پاکی ناپاکی سمیت کئی مسائل میں زبردست اختلاف ہے جو کہ صرف اور صرف تقلید کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کا وہ سیاہ باب یاد کریں جب خانہ کعبہ میں حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں میں لڑائی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ حکومت وقت نے تنگ آ کر ایک مصلّے کی جگہ چار مصلّے بچھا دیئے۔ ہر کوئی اپنے مصلّے پر نماز پڑھتا اور دوسرے فرقے کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جرم خیال کیا جاتا تھا۔ جبکہ آج امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین خود دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے یعنی دیوبندی اور بریلوی۔ حالانکہ یہ دونوں فرقے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پکے مقلد ہیں۔ کیا تقلید نے ان کا انتشار اور اختلاف ختم کر دیا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا اختلاف مزید پختہ ہو گیا ہے۔ بلکہ دیوبندی خود متحد نہ رہ سکے اور مزید دو فرقوں میں بٹ گئے، حیاتی اور مماتی۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے۔ ان تمام فرقوں میں سب سے بڑا فتنہ پھیلانے والا وہ فرقہ ہے جو دینی امور میں بھی رائے اور قیاس سے کام لیں گے''۔ ❷

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دین کے معاملات میں رائے اور قیاس پر چلنے والوں کو سب سے بڑا فتنہ پھیلانے والا فرقہ قرار دیا ہے، اور تقلید امام صاحب کی رائے اور قیاس کی پیروی ہی کا نام ہے۔ کسی امام کی رائے اور قیاس پر عمل کرنے کا نام ہی تقلید ہے اور رائے اور قیاس کے متعلق حدیث نبوی ﷺ آپ کے سامنے ہے۔ لہٰذا اگر کامیابی چاہتے ہو تو رائے اور قیاس یعنی تقلید کو خیرباد کہہ دو اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔

غور کریں کہ اگر مروجہ رائج الوقت تقلید جائز اور حق ہے تو پھر شیعہ مذہب بھی حق پر ہوا۔ کیونکہ وہ بھی امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور جعفری کہلاتے ہیں۔ جس طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد حنفی حق پر ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد شافعی حق پر ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد مالکی حق پر ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد حنبلی حق پر ہیں۔ اسی طرح امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد جعفری بھی حق پر ہوئے۔ تقلید کے مسئلہ کو پیش

---

❶ مسند احمد (۱/۴۳۵) والدارمی (۲۰۲).

❷ رواہ الطبرانی فی الکبیر بحوالہ مجمع الزوائد ج ۱، ص ۱۷۹.

نظر رکھتے ہوئے آپ کسی شیعہ کو کیسے سمجھا سکتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح آپ کسی امام کے بنائے اصولوں پر چل رہے ہیں اسی طرح وہ بھی کسی امام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چل رہے ہیں۔ پس تقلید کی موجودگی میں فرقہ واریت کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ ہاں! اس میں اضافہ ضرور ہوسکتا ہے' جیسا کہ آج کل نئی نئی نسبتوں کا تعارف ہورہا ہے۔ مثلاً قادری' رضوی' حسینی' جیلانی' نظامی' چشتی' سیالوی' نوشاہی' اویسی وغیرہ وغیرہ۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ﴾

[انعام: ۶/۱۵۹]

''جو لوگ فرقے اور گروہوں میں بٹ گئے' دین کو پارہ پارہ کردیا' آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں''۔

اختلاف اور فرقہ واریت کے خاتمہ کے شرعی اصول:

اسلام ایک مکمل اور کامل دین ہے۔ اس میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اس لئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر اختلاف پیدا ہو جائے اور اس کا حل اسلام میں موجود نہ ہو۔ یقیناً موجود ہے صرف غور وفکر کی ضرورت ہے۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت نے اختلاف کو ختم کرنے کے دو بڑے بڑے اصول بتائے ہیں' وہ یہ ہیں:۔

پہلا اصول:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [آل عمران: ۳/۱۰۳]

''اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو''۔

یعنی اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا تو فرقہ بندی کبھی نہیں ہوگی اور اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہ تھاما تو فرقہ بندی یقینی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی رسی کیا ہے؟ اللہ کی رسی قرآن مجید اور سنت رسول ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں' اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دو چیزیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور دوسری سنت رسول ﷺ''۔ [1]

پس اگر اللہ کی رسی یعنی قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے تو تفرقہ بازی اور

---

[1] موطاء امام مالک ۲/ ۸۹۹، القدر، باب النهى عن القول بالقدر.

اختلاف خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اور اگر قرآن وحدیث چھوڑ کر کسی فقہ کو پکڑ لیا جائے تو اختلاف کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

دوسرا اصول:

اگر قرآن وحدیث پر پوری طرح من وعن عمل کیا جائے گا تو ان شاء اللہ اختلاف پیدا ہوگا ہی نہیں، لیکن اگر خدانخواستہ کہیں اختلاف پیدا ہو بھی جائے تو اس کا حل بھی شریعت نے بتایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

① ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [النساء : ٤/ ٥٩]

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر اپنے تمام تر اختلافات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عدالت میں لے جاؤ''۔

② ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ إِلَى اللّٰهِ ﴾ [الشوری : ٤٢/١٠]

''جس مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے اس کا حکم اور فیصلہ صرف اللہ کرے گا''۔

③ ﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ ﴾ [النساء : ٤/ ٦٥]

''قسم تمہارے پروردگار کی! ان میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک یہ لوگ اپنے تمام تنازعات میں آپ (ﷺ) کو حاکم نہ مان لیں اور جو فیصلہ آپ (ﷺ) کریں اس سے اپنے دِل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی خوشی مان لیں''۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں:

الف: باہمی نزاع اور اختلاف کا ذکر اصول موضوعہ اور مسلمات کی طرح فرمایا گیا ہے اور یہ اختلاف طبائع کا لازمی نتیجہ ہے یعنی اختلاف ضرور ہوگا۔

ب: پھر اس کے رفع کی صورت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔

ج: اس کے قبول میں دِل کے وساوس اور خطرات کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ ہے اختلافات کو ختم کرنے کا نسخہ اور طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے کروانا ہوگا۔ نہ کہ کسی امام، بزرگ یا ولی سے یا اس کی فقہ سے۔ کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الاعراف: ۳/۷]

''جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو اور اس کے علاوہ اولیاء کی اتباع نہ کرو''۔

شرعی امور میں حاکم صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ شرعی اختلافات کے فیصلہ کا حق صرف آپ ﷺ ہی کو ہے' کسی اور کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔

اب چونکہ تنازعہ اور اختلاف کی صورت میں متعلقہ معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور تقلید کی وجہ سے بننے والے یہ فرقے مثلاً حنفی' شافعی' مالکی' بریلوی' دیوبندی' جعفری' آغا خانی' قادیانی' اور احمدی وغیرہ زبردست اختلافات کا شکار ہیں۔ اس لئے ان سب فرقوں پر یہ فرض عین ہے کہ وہ مذکورہ فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے بزرگوں' اماموں اور پیشواؤں کی تقلید چھوڑ دیں اور اپنے اختلافی مسائل کو اللہ اور اس کے رسول یعنی خالص کتاب وسنت پر پیش کر دیں اور انہی سے ان مسائل کا حل ڈھونڈیں۔ صرف یہی واحد طریقہ ہے جس سے مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ایسا کرنے سے یقیناً سو فیصدی طور پر فرقہ بندی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ویسے اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہو جاتا تھا۔

اور اس اختلاف کی وجہ ان مسائل میں ان کے پاس حدیث رسول ﷺ کا نہ پہنچنا ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر صحابی کو رسول اللہ ﷺ کے ہر قول وفعل کا علم ہو۔ بلکہ موقع بموقع بعض صحابہ کو کسی حدیث اور سنت کا علم ہوتا تو بعض کو دنیاوی مشاغل اور بشری امور کی بنا علم نہ ہوتا جس کی وجہ سے مذکرہ مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جاتا۔ مگر یہ اختلاف اس وقت رفع ہو جاتا جب انہیں سنت رسول ﷺ کا علم ہو جاتا۔ سنت رسول ﷺ کے علم ہو جانے کے بعد کوئی صحابی اپنی رائے پر ضد نہ کرتا بلکہ سنت کے مقابلہ میں اسے چھوڑ دیتا۔ کاش ہم بھی اس سنہری طرزِ عمل پر عمل پیرا ہو سکیں۔ بہر حال عرض یہ کر رہا تھا کہ اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہو جاتا تھا۔

مگر انہوں نے اپنے الگ الگ دھڑے قائم نہیں کئے' اختلاف کی صورت میں وہ اپنے مسائل کا حل کتاب وسنت سے ہی ڈھونڈتے تھے۔ انہوں نے کسی کی تقلید اختیار نہیں کی۔ یہی معاملہ تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ تھا کہ تنازع کی صورت میں قرآن وحدیث سے رجوع کیا جائے اور کسی کی تقلید نہ کی جائے۔ کسی کی تقلید نہ کرنا اور براہ راست قرآن وحدیث سے تمام مسائل کا حل ڈھونڈنا تمام صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور سلف صالحین کا مسلک اور طریقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سنہرے دور میں آپ کو نہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی مقلد نظر آئے گا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا۔ اور نہ ہی آپ کو

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مقلد نظر آئے گا۔ اس دور میں حنفی' شافعی' بریلوی کی طرز پر آپ کو کوئی صدیقی' فاروقی' عثمانی اور علوی وغیرہ فرقے نظر نہیں آئیں گے' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر تقلید جائز ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کے سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی' اور ان کے نام سے فرقے بنائے جاتے۔

لہٰذا اختلاف کے خاتمے کی آج بھی یہی واحد صورت ہے کہ اختلافی مسائل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروایا جائے۔ جبکہ مقلدین اس کے الٹ چل رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا فیصلہ اماموں سے کرواتے ہیں۔ یعنی اختلافی مسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے امام صاحب کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور ان کا فیصلہ مانا جاتا ہے۔ بعد میں اس کی تائیدوالی احادیث ڈھونڈی جاتی ہیں چاہے وہ ضعیف اور موضوع ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ اماموں کی باتوں کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروایا جائے' لہٰذا اختلاف اور فرقہ بندی کے خاتمے کا صرف اور صرف یہی حل ہے کہ سب اماموں اور بزرگوں کی باتوں کو قرآن و حدیث کے سامنے پیش کیا جائے اور جو بات قرآن و حدیث کے مطابق ہو اسے بلا تامل قبول کر لیا جائے اور جو بات قرآن و حدیث کے خلاف ہو اسے بلا تردد رد کر دیا جائے۔

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کوئی دوسری شخصیت تمام امت کو اپنے گرد جمع نہیں کر سکتی کہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی کوتاہی یا غلطی کسی نہ کسی آدمی کی نظر آئے گی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک ایسی ذات ہے کہ جس میں کوئی غلطی آپ کے ماننے والوں کو تو کیا نظر آتی آپ کے بدترین دشمنوں (کفار و مشرکین مکہ) کو باوجود ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے کوئی ایسی بات نظر نہ آسکی کہ جس کی وجہ سے وہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا سکتے۔ اس لئے قارئین اختلاف کا ایک ہی حل ہے کہ ہم ان تمام اختلافات کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھیں جو اس کے مطابق ہو اس کو تسلیم کر لیں اور جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو اسے ڈنکے کی چوٹ ٹھکرا دیں اگرچہ اس بات کو کہنے والا اس قانون کو وضع کرنے والا شخص خواہ علم و فضل' فقاہت و تقویٰ کا حامل کیوں نہ ہو۔

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ امت مسلمہ میں بہت زیادہ مسائل میں اختلاف موجود ہے۔ کون سا ایسا مسئلہ ہے جس میں اختلاف نہ ہو؟ توحید میں اختلاف' اللہ کی ذات میں اختلاف' اللہ کی صفات میں اختلاف' نماز میں اختلاف' وضوء میں اختلاف' روزے میں اختلاف' تراویح میں اختلاف' وقت نماز میں اختلاف' داڑھی میں اختلاف' جہاد میں اختلاف' شادی و غمی کے مسائل میں اختلاف' حج میں اختلاف' زکوٰۃ کے مسائل میں اختلاف' تجارت میں اختلاف' معیشت میں اختلاف' معاشرت میں

اختلاف کوئی ایک نکتہ ایسا بتا دیں جس میں اختلاف نہ ہو۔ تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف ہے' لیکن اختلاف کا حل صرف ایک ہے:

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ [النساء : ٤/٥٩]

''اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو' اگر تم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو اور قیامت کو مانتے ہو''۔

غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کتنی تاکید کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ اگر تم اللہ کو مانتے ہو اور قیامت کے دن کو مانتے ہو تو تم پر ضروری ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص اختلافی مسائل اور اختلافی امور کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نہیں لوٹاتا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر بہت اچھی بات کہی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تنازعات اور اختلافات میں ایک راستہ متعین کر دیا ہے اور وہ یہ کہ اپنے اختلافی امور کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو' اگر تم اللہ اور آخرت کو مانتے ہو۔ اگر تم نہیں لوٹاؤ گے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ اور روز آخرت کو نہیں مانتے۔ یہ ایسا گھمبیر مسئلہ ہے کہ یہاں بندے کے ایمان کو خطرہ لاحق ہے۔

پس جوں ہی اختلاف ہو' اختلاف کرنے والے کوئی بھی ہوں' صحابی کا صحابی سے یا صحابی کا تابعی سے ہو جائے تو قاعدہ یہ نہیں کہ صحابی حاکم ہے۔ تابعی کا تبع تابعی سے ہو جائے تو قاعدہ یہ نہیں کہ تابعی کی مان لو کہ وہ بڑا ہے۔ حنفی کا شافعی سے ہو تو قاعدہ یہ نہیں کہ چونکہ میں امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوں اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کی بات مانی جائے گی۔ اختلاف کسی میں بھی ہو صحابی کا تابعی سے' استاد کا شاگرد سے' حنفی کا شافعی سے' مقلد کا غیر مقلد سے' قاعدہ ایک ہی ہے اور وہ ہے فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ. اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اور صرف لوٹا دو نہیں بلکہ ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپؐ کے ہر فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم بھی کیا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[النساء : ٤/٦٥]

''جب تک شرعی امور میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کریں۔ پھر آپ جو فیصلہ کریں ظاہر باطن میں اس کو تسلیم نہ کرلیں اور اس پر خاموش نہ ہو جائیں اتنی دیر تک یہ ایمان والے نہیں''۔

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب لوگ اپنے تمام جھگڑے کتاب وسنت پر پیش کریں گے اور کسی امام، گروہ جماعت یا فرقہ کی بات کو اہمیت نہ دیں گے اور اسی سے اپنے حل ڈھونڈیں تو تمام اختلافات ختم ہوجائیں گے کیونکہ امت مسلمہ کے تمام لوگوں کا اگر کسی ایک کتاب پر اتفاق ہوسکتا ہے تو وہ صرف قرآن مجید ہے اور اگر کسی ایک شخصیت کے قول وفعل پر اتفاق ہوسکتا ہے تو وہ صرف محمد ﷺ کی شخصیت ہے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب اور کسی شخصیت پر مسلمانوں کے ہر فرد کا اتفاق نہیں ہوسکتا۔

کبھی آپ نے سوچا کہ مسلمانوں کا کلمہ تو ایک ہے، ان کا اللہ اور نبی تو ایک ہے، ان کا دین بھی ایک ہے، پھر ان میں فرقے کیوں ہیں؟ ان میں فرقے اس لیے ہیں کہ ان کا مذہب ومسلک ایک نہیں، ان کا امام ایک نہیں، ان کی فقہ ایک نہیں، ہم یہ بات دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اگر تقلید کو ترک کردیا جائے اور صرف نبی کریم ﷺ کو اپنا امام مان لیا جائے اور تمام دُنیا کے مسلمان تعصب سے پاک ہوکر احادیث صحیحہ کو اپنانے کا تہیہ کرلیں اور ضعیف احادیث سے استدلال کرنا چھوڑ دیں، تو یہ فرقہ بندیاں ختم ہوجائیں اور سب شیر وشکر ہوجائیں اور سب کی نمازیں سنت کے مطابق ہوجایں، تمام مسلمانوں کی نماز ایک جیسی ہوجائے۔ اگرچہ ہماری یہ بات لوگوں کے دِلوں کو اچھی لگتی ہے لیکن زبان وعمل سے قول واقرار کی ان میں ہمت نہیں۔ یہ اپنے معاشرے اور باپ دادا کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

کیا احادیث میں اختلاف ہے؟

کہا جاتا ہے کہ ایک امام کی فقہ پر چلنے سے آدمی اختلافات سے بچا رہتا ہے، کیونکہ احادیث میں تو اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی ناسخ ہے اور کوئی منسوخ، کوئی صحیح ہے اور کوئی ضعیف، ان کو صحیح طور پر سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے، لہٰذا تقلید ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا تقلید سے اختلاف ختم ہوگیا ہے یا یہ اختلاف مزید گہرا ہوگیا ہے؟ کیا تقلید سے مسلمان مستقل طور پر فرقوں میں نہیں بٹ گئے؟ علاوہ ازیں اختلاف تو فقہ میں بھی پایا جاتا ہے اور اختلاف بھی حلت وحرمت اور پاکی ناپاکی میں ہے تو ان فقہی اختلافات کو حل کرنے کی کیا صورت ہے؟ آخر جو صورت ہوگی وہ حدیث میں بھی تو ممکن ہے، تو پھر براہِ راست احادیث پر عمل کیوں نہیں، کیا فقہ کا مرتبہ حدیث سے بلند ہے جو حدیث کو پس پشت ڈال کر فقہ کو سینے سے لگایا جائے۔

جبکہ درحقیقت احادیث میں اختلاف کی بات ہی غلط ہے، حدیث رسول ﷺ وحی الٰہی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ [النجم : ۵۳/ ۳،۴]

"اور نہیں وہ بولتا اپنی خواہش سے مگر اللہ تعالیٰ کی وحی سے"۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کی وحی میں اختلاف ہے تو پھر دُنیا کی کسی بات میں اتفاق نہیں ہو سکتا۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی باتوں میں اختلاف کے دعویدار ہیں اور اسی اختلاف کی آڑ میں احادیث کو چھوڑ دیا اور تقلید شروع کر دی۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ آئے ہی اختلاف کو مٹانے کے لئے تھے۔

قرآن پاک کی طرح احادیث بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زبانی یاد تھیں۔ احادیث ہر دور میں لکھی جاتی رہی ہیں۔ جب احادیث باقاعدہ کتابوں کی شکل میں مدون کی گئیں تو اس کے ساتھ ان کی صحت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے راویوں کی جانچ پڑتال کا علم بھی وجود میں آ گیا' جسے علم اسماء الرجال کہتے ہیں۔ محدثین نے ہر حدیث ہم تک تحقیق کرنے کے بعد باقاعدہ سند کے ساتھ پہنچائی ہے۔ کونسی حدیث صحیح اور کونسی حسن' کونسی حدیث ضعیف اور کونسی موضوع' محدثین کی پوری تحقیق ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور یہ تحقیق آج سے کئی سو سال پہلے اسی وقت ہو گئی تھی جب احادیث کی کتب لکھی گئی تھیں۔ یہی تو دین اسلام کی صفت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی شان ہے کہ آپ ﷺ کا ہر قول و عمل آج امت کے سامنے باقاعدہ تحقیق کے ساتھ باسند محفوظ ہے۔ جبکہ دُنیا کے تمام ادیان اس صفت سے خالی ہیں اس لئے ان کا دین محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس لئے احادیث میں اختلاف کی بات بالکل غلط ہے اور یہ صرف احادیث کو نہ ماننے کا بہانہ ہے۔

لہٰذا آج اگر کوئی اختلافی مسائل میں حق بات تک پہنچنا چاہتا ہے تو ایسا عین ممکن اور آسان ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جس مسئلہ کا حل ڈھونڈنا ہے' اس مسئلے سے متعلقہ قرآن مجید کی سیاق و سباق کے ساتھ تمام آیات اور تمام احادیث اکٹھی کر لی جائیں۔ صحیح اور حسن احادیث سامنے رکھی جائیں ضعیف اور موضوع احادیث چھوڑ دی جائیں تو ان شاء اللہ حق واضح ہو کر سامنے آ جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس چیز کو چھوڑ دو جو کھٹک کا باعث ہے اور اس کو اختیار کرو جس میں کھٹک نہیں''۔ ❶

اگر اس زریں اصول پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ حق بات واضح ہو کر سامنے آ جائے گی۔ اگر خود اتنا علم نہیں رکھتا تو متعلقہ مسئلے کے متعلق مختلف مسالک کے مختلف علماء سے آیات و احادیث پوچھ کر مسئلے کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ صرف ایک ہی مسلک کے علماء سے مسئلہ پوچھنے سے صرف اسی مسلک

---

❶ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب ادا في المومن، باب منه. صحیح ترمذی حدیث نمبر ٢٠٤٥.

صحیح نسائی حدیث نمبر ٥٢٦٩.

کے مطابق جواب ملے گا۔ اس لئے مختلف مسالک کے مختلف علماء سے اپنے مسئلہ سے متعلقہ آیات و احادیث پوچھیں اور غور وفکر کریں۔ ان شاء اللہ حق بات سامنے آ جائے گی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سوال کا جواب قرآن وحدیث میں سے طلب کرنا ہے نہ کہ کسی امام کی فقہ سے۔

ہم علمائے مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے امام کے اقوال و آراء کا فہم حاصل کر سکتے ہیں' اپنے امام کے اقوال کی تفسیر وتشریح میں بڑی بڑی اور ضخیم کتابوں کے انبار لگا سکتے ہیں' اپنے امام کے غلط اور صحیح تمام مسائل کے لیے دلیلیں اور تاویلیں اکٹھی کر سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کی حدیثوں کا فہم حاصل نہیں کر سکتے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنا' اقوال رجال کو سمجھنے سے زیادہ سہل اور آسان ہے۔ پھر اللہ نے تو اپنے رسول کو "البینة" یعنی "ظاہر اور روشن دلیل" قرار دیا ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ ﴾ [البينة : ۹۸/ ۱، ۲]

"اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس ظاہر اور روشن دلیل نہ آ جائے۔ (اور وہ دلیل یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول (ہو) جو پاک صحیفے پڑھے"۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے محدثین کرام کو جنھوں نے بڑی محنت وکاوش کے ذریعے ذخیرہ احادیث جمع کیا' صحیح وضعیف کا فرق واضح کیا' ناسخ ومنسوخ کی پہچان بتائی' ابواب وتراجم کے ذریعے مسائل کی فہم نہایت آسان کر دی اور ایک ایک مسئلہ قرآن وحدیث سے واضح کر دیا۔ دین اسلام کے ہر مسئلے کا حل قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ علم وفہم کی کمی کی وجہ سے کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ اس لئے وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے تقلید شخصی کی بجائے تمام اہل علم کی علمی صلاحیتوں کی قدر کی جانی چاہئے۔ یہ قطعاً انصاف نہیں کہ صرف ایک شخص کی علمی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور باقی تمام اہل علم کی علمی صلاحیتوں کو رد کر دیا جائے۔ اگر کوئی اہل علم قرآن مجید یا حدیث رسول ﷺ سے مسئلہ کی وضاحت کر دے تو اسے لے لینا اور عملی شکل دینا ہر مسلمان کی اوّلین ذمہ داری ہے' اور اس کے مقابلہ میں پیش آمدہ تمام اقوال' آراء اور قیاس کو چھوڑ دینا عین اسلامی روش ہے' کیونکہ رائے و قیاس' خطاء وصواب دونوں کا مجموعہ ہے جبکہ قرآن وحدیث معصوم عن الخطاء اور صواب ہی صواب ہے' اس میں خطا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ رائے اور قیاس کا تعلق عقل سے ہے جس میں خطاء اور غلطی کا امکان موجود ہے جبکہ قرآن وحدیث کا تعلق وحی الٰہی سے ہے جس میں غلطی کا ذرہ بھر امکان نہیں ہے۔ لہٰذا مشکوک چیز کو یقین چیز پر کیسے مقدم رکھا جا سکتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''علم تین چیزوں کا نام ہے' قرآن مجید' حدیث رسول اور لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا''۔ ❶

یعنی اگر آپ کو قرآن و حدیث سے مسئلہ کا علم نہیں ہے تو جواب میں یہ کہہ دینا چاہئے کہ ''میں نہیں جانتا''۔ لہٰذا مسئلہ پوچھنا بھی قرآن و حدیث سے ہی چاہئے اور بتانے والے کو مسئلہ بتانا بھی صرف قرآن و حدیث سے چاہئے۔

حدیث بھی وحی الٰہی ہے، اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ١٥/٩]

''ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''ذکر'' کو نازل کرنے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کی بات کی ہے۔ بے شک ذکر کا ایک معنی قرآن مجید ہے، لیکن ذکر کا معنی صرف قرآن مجید نہیں، بلکہ اس میں حدیث بھی شامل ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ [النجم: ٥٣/٣،٤]

''اور نہیں وہ بولتا اپنی خواہش سے، مگر اللہ تعالیٰ کی وحی سے''۔

یعنی نبی کریم ﷺ جو بھی بولیں گے، جو بھی تعلیم دیں گے، وہ اللہ کی وحی ہوگی، پس حدیث اور سنت بھی وحی الٰہی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء: ٤/٨٠]

''اور جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

پس جس طرح قرآن مجید وحی الٰہی ہے، اسی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ دونوں ذکر ہیں، جن کو اللہ نے وحی کے ذریعے نازل کیا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔

یعنی نبی کریم ﷺ کا قول و فعل وحی ہے، جو دین ہے، حجت ہے، واجب العمل ہے، اور یہ خطا سے پاک ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جو کچھ بھی

---

❶ اعلام الموقعین.

آپ سے سنوں میں لکھ لیا کروں؟" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہاں! (یہ سب کچھ لکھ لیا کرو)"۔ میں نے عرض کیا: "غصے اور خوشی کی حالت میں جو کچھ آپ فرمائیں وہ لکھ لیا کروں؟" ارشاد فرمایا: "ہاں! بے شک لکھ لیا کرو، کیونکہ ہر حال میں میرے منہ سے حق ہی نکلے گا"۔ ❶

لہٰذا جس طرح اللہ کے کلام قرآن مجید میں اختلاف نہیں ہوسکتا جو کہ اس کی حقانیت کی دلیل ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بھی وحی الٰہی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا: "اللہ کی جانب سے تمام وحی کردہ باتیں نازل شدہ ذکر ہیں۔ لہٰذا پوری کی پوری وحی یقینی طور پر اللہ کے محفوظ کر دینے سے محفوظ ہے۔ جس چیز کے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہو اس کے لئے یہ ضمانت اور گارنٹی ہوگی کہ اس میں کوئی چیز ضائع نہ ہوگی اور اس کی کسی چیز میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا"۔ ❷

ہاں! اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث اور سنت وحی الٰہی نہیں تو پھر بات دوسری ہے۔ لیکن اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا قول و فعل یعنی حدیث اور سنت بھی وحی الٰہی ہے تو پھر اس میں اختلاف کا دعویٰ کرنا دراصل وحی الٰہی میں اختلاف کا دعویٰ کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ)

افسوس کہ تقلید کو جائز کرتے کرتے لوگوں نے وحی الٰہی کو جھٹلانا شروع کر دیا۔

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ آپ وہ احادیث پیش کریں جن میں آپ کو اختلاف نظر آتا ہے، ان شاء اللہ سمجھا دیا جائے گا کہ احادیث میں اختلاف نہیں بلکہ صرف سمجھ اور فہم کا قصور ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ احادیث ثابتہ ہوں غیر ثابتہ نہ ہوں، یعنی صحیح اور حسن ہوں، ضعیف اور موضوع نہ ہوں، کیونکہ ضعیف روایات وہ احادیث ہوتی ہیں جن کا حدیث ہونا ثابت ہی نہیں۔ بلکہ زیادہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں ہی نہیں۔ اس لئے ان میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ بلکہ اختلاف ہے ہی ان ضعیف روایات کی وجہ سے۔ ان ضعیف روایات میں موجود اختلاف کو احادیث میں اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ ضعیف روایات نبی کریم ﷺ کی احادیث ہے ہی نہیں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

سچی اور کھری احادیث یعنی صحیح اور حسن احادیث میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا ضعیف

---

❶ جامع العلم.

❷ السنة و مکانتها، بحواله احکام لابن حزم، بحواله بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم ص ۸۰ ناشر نعمانی کتب خانه لاهور.

اور موضوع روایات کی وجہ سے یہ نظریہ قائم کر لینا کہ احادیث میں اختلاف ہے، ہرگز درست طرزِ عمل نہیں۔ کیونکہ ضعیف روایات وہ روایات ہیں جن کو دانستہ یا نادانستہ نبی کریم ﷺ پر چسپاں کر دیا گیا ہے۔ جبکہ درحقیقت وہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال ہیں ہی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ضعیف اور موضوع روایات وحی الٰہی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان میں اختلاف ممکن ہے۔ جبکہ صحیح اور حسن احادیث وحی الٰہی ہیں، لہٰذا ان میں اختلاف ممکن نہیں۔ جو لوگ صحیح اور حسن احادیث میں اختلاف کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دراصل وحی الٰہی میں اختلاف کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

اختلاف اور فرقہ بازی کا ایک بہت بڑا سبب-ضعیف اور موضوع روایات:

تقلید کے بعد اُمت مسلمہ میں اختلاف اور تفرقہ بازی کا ایک بہت بڑا سبب ضعیف اور موضوع روایات پر عمل ہے۔ یہ اختلاف اس وقت اور بھی شدید اور سنگین صورت اختیار کر جاتا ہے جبکہ ان ضعیف اور موضوع روایات کے مقابلہ میں صحیح اور حسن روایات موجود ہوں۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ صحیح احادیث ہوتے ہوئے ضعیف روایات پر عمل کرنے کی بنیادی وجہ بھی تقلید ہی ہے۔ وہ اس طرح کہ امام صاحب کی فقہ میں جو مسئلہ آ گیا ہے۔ اب اس کے موافق جو بھی روایت ہوگی اسی پر عمل ہوگا اور اس کی ترویج و اشاعت ہوگی۔ چاہے وہ ضعیف اور موضوع ہی کیوں نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں صحیح احادیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ ان کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ جو کہ سراسر ناانصافی ہے۔

سوال یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف احادیث میں فرق کیا ہے؟ اور ضعیف روایات کو چھوڑنا کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح اور حسن حدیث وہ بات ہوتی ہے جس کے متعلق اس بات کا سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے ہی فرمائی ہے اور ایسے ہی فرمائی ہے۔ یعنی اس کے ثبوت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں ضعیف روایت وہ بات ہوتی ہے جس کے ثبوت میں شک ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کا سو فیصد یقین نہیں ہوتا کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے ہی فرمائی ہے اور یوں ہی فرمائی ہے بلکہ زیادہ درست اور قابل یقین بات یہ ہوتی ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہی نہیں۔ یعنی ضعیف روایت وہ بات ہوتی ہے جس کے ثبوت میں شک وشبہ ہوتا ہے۔ یہ ایک واضح بات نہیں ہوتی بلکہ ایک متشابہ بات ہوتی ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

1 حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے۔ اور ان کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں کہ جن کو

بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچ گیا۔ تو اس نے اپنا دین اور آبرو کو بچالیا"۔ ❶

❷ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اور اس چیز کو چھوڑ دو جو کھٹک کا باعث ہے اور اس چیز کو اختیار کرو جس میں کھٹک نہیں ہے"۔ ❷

ضعیف حدیث میں شک وشبہ ہوتا ہے۔ اس میں کھٹک ہوتی ہے۔ وہ شبہ والی بات ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو چھوڑ کر بے کھٹک اور بغیر شک وشبہ والی واضح بات یعنی صحیح اور حسن حدیث کو قبول کرنا ہی اصل اسلام ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے ضعیف روایات کو قبول کر لینا ہرگز اسلام نہیں ہے۔ نیچے بطورِ مثال تین ضعیف احادیث درج کی جاتی ہیں جن پر کہ لوگ عمل پیرا ہیں اور ان کے ساتھ وہ صحیح احادیث بھی درج کی جائیں گی جن کو لوگ چھوڑ چکے ہیں۔

① رفع الیدین عند الرکوع:

ضعیف حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور اس میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اُٹھائے۔ ❸

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں۔ ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت خطا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ دونوں فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ امام ابوداوٗد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثابت نہیں اور ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ترین شے ہے۔

صحیح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ شروع نماز میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اُٹھایا کرتے تھے"۔ ❹

---

❶ بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدینه (٥٢).

❷ ترمذی: ابواب صفة القیامة، اولی باب الحرض منه، حدیث نمبر ٢٠٤٥.

❸ ترمذی، الصلٰوة، باب ما جاء ان النبی ﷺ لم یرفع الافی اوّل مرة (٢٥٧).

❹ صحیح بخاری، صفة الصلٰوة (الاذان)، باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولی مع الافتتاح سواءً (٧٣٥).

② تعداد تراویح:

ضعیف حدیث: آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ ❶

علامہ ابن ہمام، علامہ عینی، حافظ زیلعی اور دیگر کئی محدثین کرام رحمہم اللہ اس حدیث کو ضعیف ترین بتاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ان لوگوں کے لئے دلیل بن ہی نہیں سکتی جو کہ بیس رکعت تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس روایت میں جماعت کے بغیر بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے۔

صحیح حدیث: ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی رات والی نماز کیسی تھی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے''۔ ❷

③ نماز میں سورۃ فاتحہ:

ضعیف حدیث: جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے۔ ❸

اس روایت کو دو راویوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے بیان کیا ہے اور وہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ طبرانی نے اوسط میں بھی اس کو بیان کیا ہے مگر اس میں بھی ابوھارون العبدی متروک ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے مگر جابر جعفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

صحیح حدیث: (1) ''جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں''۔ ❹

یہ حکم اکیلے، بے جماعت، باجماعت، امام، مقتدی سب پر لاگو ہے۔ اس حدیث میں کہیں بھی اس بات کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں ہے کہ یہ حکم اکیلے شخص پر یا صرف امام ہے۔ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں انہوں نے یہ بات اپنے پاس سے گھڑی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

(2) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے آپ ﷺ نے قرآن پڑھا پس آپ ﷺ پر قرآن پڑھنا بھاری ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نماز

---

❶ بیهقی.

❷ صحیح بخاری: کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیره (١١٤٧).
صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل (١٧٢٣).

❸ طحاوی شریف.

❹ بخاری: کتاب الاذان، باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوت کلها. مسلم ح ٣٩٤.

سے فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھا کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ [1]

اختلاف ختم کرنے کے سلسلہ میں انسانوں کے خودساختہ اصول

اصول نمبر ۱ * جہاں کوئی جس طرح کر رہا ہے ٹھیک ہے:

ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اختلافات کو قرآن وحدیث سے حل کریں۔ پھر اختلاف ختم ہو سکتے ہیں باقی لوگوں نے اپنے اپنے طور پر بہت سارے طریقے ایجاد کئے ہیں' فرقہ بندی اور اختلاف کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے طریقے بنالئے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بنایا گیا ہے کہ جہاں کوئی جس طرح کر رہا ہے' وہ ٹھیک ہے۔

کُلُ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ. یعنی ہر مجتہد ٹھیک ہے۔ اس کی بات کتاب وسنت کے مطابق ہے پھر بھی ٹھیک' قرآن وسنت کے مطابق نہیں پھر بھی ٹھیک۔ یہ حل پیش کیا گیا ہے۔ کیا یہ حل ہے؟ یہ تو لڑائی کی جڑ ہے۔ جب آپ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ جو آپ نے سوچنا ہے وہ حق ہے' دوسرے نے سوچنا ہے وہ بھی حق ہے۔ تیسرے نے جو سوچنا ہے وہ بھی حق ہے۔ یہ حقیقت میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف کرنا ہے۔ ایک کہتا ہے امارت اور خلافت میرا حق ہے۔ دوسرا کہتا ہے میرا حق ہے۔ اور آپ کہتے ہیں دونوں ٹھیک ہیں۔ تو کیا یہ آپس میں لڑیں گے نہیں؟ لڑائی ختم کیسے ہوگی؟

ایک کہتا ہے ہر نشہ آور حرام ہے۔ دوسرا کہتا ہے ہر نشہ آور حرام نہیں۔

ایک کہتا ہے ایمان بڑھتا ہے دوسرا کہتا ہے نہیں بڑھتا۔ اور آپ کہتے ہیں دونوں ٹھیک ہیں۔ کیا اس سے اختلاف ختم ہوا ہے کہ زیادہ مضبوط ہوا ہے؟ اس طرح اختلاف ختم نہیں ہوتا۔

پھر آپ غور کریں کہ اگر ہر ایک جہاں کہیں ہے اور جس جس طریقے کو اس نے اپنایا ہے وہ حق اور درست ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کو کیوں مبعوث فرمایا ہے؟ کیا ضرورت تھی جب یہودیت بھی حق ہے اور نصرانیت بھی حق ہے' مجوسیت بھی حق ہے' بدھ مت بھی حق اور سکھ بھی حق' مسلمان بھی حق اور مسلمانوں کے تمام گروہ بھی حق' اور کافروں کے تمام گروہ بھی حق تو پھر پیغمبروں کو

---

[1] ابوداؤد: كتاب الصلٰوة، باب من ترك القراءة في صلاة (بفاتحة الكتاب) (٨٢٣).

ترمذی: كتاب الصلٰوة، باب في القراءة خلف الامام (٣١١).

مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اصول نمبر۲ ✽ تقلید:

کچھ لوگوں نے ایک اور تجویز پیش کی کہ تمام لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا جائے۔ یعنی لوگ تقلید کریں تو اختلاف ختم ہو جائے گا۔ جب سب نے ایک ہی امام کی بات تسلیم کرنا ہے دوسرے کی تسلیم ہی نہیں کرنا تو بذات خود اتفاق ہو جائے گا۔ اس لئے تقلید کو ایجاد کیا گیا کہ اس سے لوگوں کا اختلاف اور افتراق ختم کیا جائے۔ یہ نسخہ کیمیا دریافت کیا گیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اختلاف اور انتشار آگے ہی بہت تھا۔ اعتقادی اختلاف تھا پھر سیاسی اختلاف ہو گیا۔ پھر ساتھ تقلید بھی آ گئی۔

سوچا تو انہوں نے یہ تھا کہ ایک ہی گروہ ہو جائے گا باقی ختم ہو جائیں گے' آپ اگر یہ کہیں کہ اس امام کی تقلید کرنا ہے جبکہ کتاب وسنت میں اس امام کا نام نہیں آیا' پھر تو دوسرا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی امام ہے' اس پر تمام لوگ متفق ہو جاؤ۔ تیسرا تیسرا امام بنا لے گا۔ اس پر تمام متفق ہو جاؤ اور ہوا بھی اسی طرح ہے کہ کچھ لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام بنا کر دعوت دینا شروع کر دی اور کچھ لوگوں نے امام مالک رحمہ اللہ کو امام بنا کر دعوت دینا شروع کر دی۔ اور کچھ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو۔ اور پھر ان کی خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں اور دوسروں کی خامیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔

کچھ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو امام بنا لیا' اور کچھ ایسے آئے جنہوں نے داؤد ظاہری کو امام بنا لیا۔ کچھ نے ابن خزیمہ رحمہ اللہ کو امام بنا لیا۔ کچھ نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو امام بنا لیا۔ اور آج تک یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ حتیٰ کہ کسی نے دیوبند کو امام بنا لیا اور کسی نے بریلی کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ یہ نسخہ نیک نیتی سے شروع کیا گیا کہ اس طرح اتفاق اور اتحاد ہو جائے گا لیکن اس طرح اتفاق اتحاد ہوا نہیں بلکہ اختلاف بڑھ گیا۔ بلکہ یہ فرقہ بندی کا ایک بنیادی سبب بن گیا۔

اسلامی تاریخ سے اختلاف اور اس کے حل کی چند مثالیں:

اب آپ کے سامنے مسئلہ کی تفہیم کے لئے بطورِ مثال ایک دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ اختلافات کو ختم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ قرآن وحدیث کو دل وجان سے تسلیم کر لیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلا اختلاف اور اس کا حل:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف یہ واقع ہوا کہ کیا نبی کریم ﷺ فوت بھی ہوئے ہیں یا کہ نہیں۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہہ رہے تھے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں مگر حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور کی زیارت کرنے اور آپ ﷺ کو بوسہ دینے کے بعد مسجد میں تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیٹھنے کا حکم دیا' مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اختلاف کے بعد اتنے غصے میں تھے کہ بیٹھنے سے ہی انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت خطبہ ارشاد فرمایا جو آج بھی کتب حدیث کے سینے میں محفوظ ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ پر لکھی تھی' وہ آپ کو مل چکی ہے' اب دوبارہ اللہ تعالیٰ آپ کو نہیں مارے گا۔ دو موتیں آپ پر طاری نہیں کرے گا''۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ تسلی کر کے سیدھے منبر پر بیٹھ گئے اور خطاب شروع کر دیا کہ ''اے لوگو! تم میں سے جو محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اس کا معبود اللہ تعالیٰ زندہ ہے' اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر بطورِ دلیل قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ﴾ [ال عمران : ۳/ ۱٤٤]

''محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول و پیغمبر ہیں۔ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے گئے تو کیا آپ دین چھوڑ جائیں گے؟ ایڑھیوں پر پھر جائیں گے؟''

فرمایا:

''جو دین چھوڑ گیا' ایڑیوں پر پھر گیا وہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' وہ نقصان اپنا ہی کرے گا' اور ہم شکر گزاروں کو ان کا صلہ دیں گے''۔

دوسری آیت تلاوت کی:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [الزمر : ۳۹/ ۳۰]

''(اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں:) آپ ﷺ فوت ہونے والے ہیں اور آپ ﷺ کے مخالف بھی فوت ہونے والے ہیں''۔ [1]

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ لوگو! رسول اللہ ﷺ کی

---

[1] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلاً (٣٦٦٨).

ذات کوئی ایسی ذات نہیں کہ جنہیں موت نہ آ سکے بلکہ آپ کو تو موت آ سکتی ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن مجید سن لینے کے بعد پھر جس طرح مسلمانوں نے اختلاف کو چھوڑ کر اتفاق و اتحاد کو اپنایا اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو ابھی چند لمحے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات کو مان کر بیٹھنے کے لئے بھی تیار نہ تھے قرآن مجید سن لینے کے بعد فرماتے ہیں:

''جب میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کی یہ آیت سنی کہ رسول اللہ ﷺ تو فوت ہو چکے ہیں تو میرے پاؤں نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور میں زمین پر بیٹھ گیا''۔ ❶

مزید فرماتے ہیں، یہ آیتیں افسوس اور غم کی بناء پر میرے ذہن سے اتر گئی تھیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس وقت تلاوت فرمائیں تو میں نے سمجھا کہ شاید یہ آیتیں ابھی نازل ہوئی ہیں:

''مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں''۔ ❷

قارئین غور فرمائیں! اتنا بڑا اختلاف اسی وقت ختم ہو گیا جب قرآن مجید کی آیات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنائیں، کیا آج ہمارے اختلافات قرآن و حدیث سے ختم نہیں ہو سکتے؟ یقیناً آج بھی اگر قرآن و حدیث پر عمل شروع کر دیا جائے تو تمام اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

دوسرا اختلاف اور اس کا حل:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امت مسلمہ میں ایک اختلاف یہ واقع ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو کس مقام پر دفن کیا جائے، کسی نے کہا مسجد میں دفن کر دیا جائے کسی نے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنے کا مشورہ دیا مگر یہ اختلاف اس وقت دم توڑ گیا جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (فداہ ابی وامی) نے حدیث رسول اللہ ﷺ پڑھ کر سنائی۔ چنانچہ ممتاز تاریخ دان علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے غسل اور کفن سے فراغت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اختلاف پڑ گیا کہ آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے یا آپ کے گھر ہی میں دفن کر دیا جائے۔ تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی جہاں فوت کیا جاتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ (اس حدیث کے سن لینے کے بعد) پھر آپؐ کے

---

❶ بخاری: ۲/ ٦٤١.

❷ صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب (لو کنت متخذا خلیلا) حدیث: ٣٦٦٨
و أیقنت ان رسول اللہ ﷺ قدمات کے الفاظ مستدرك علی الصحیحین میں ہیں۔

بستر کو اٹھایا گیا اور اسی جگہ قبر کھودی گئی جس جگہ پر آپ ﷺ فوت ہوئے تھے اور طبقات ابن سعد میں صاف الفاظ میں موجود ہے کہ جس جگہ پر نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اسے وہاں ہی دفن کر دیا جاتا ہے"۔ ❶

یہ فرمان پیغمبر ﷺ کی ہی برکت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں جب بھی قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث رسول اللہ ﷺ پیش کی گئی تو تمام اختلافات ہباءً منثوراً ہو گئے اور بغیر کسی چوں و چراں اور قیل وقال کے صرف قرآن مجید اور حدیث پر عمل کیا گیا۔

تیسرا اختلاف اور اس کا حل:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس وقت حالات انتہائی ناسازگار ہو گئے جب سقیفہ بنی ساعدہ میں جماعت انصار نے خلیفہ مقرر کرنے کے لئے اجلاس بلایا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں پر پہنچے' وہاں خلافت کے مسئلہ پر اختلاف برپا تھا۔ انصار کہتے تھے کہ ہم اپنے میں سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنائیں گے کیونکہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو جگہ دی' آپ ﷺ کا ہر موقع پر ساتھ دیا' اس لئے خلافت ہمارا (انصار) کا حق ہے۔ جبکہ مہاجرین کے اپنے دلائل تھے اس طرح کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی قربت کو دلیل بنا کر خلافت پر اپنا حق جتایا' مگر اس شدید اختلاف میں جو اتنا شدید اختلاف تھا کہ اگر معاذ اللہ اس وقت خلافت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی نفوس قدسیہ میں اختلاف مستقل طور پر برقرار رہتا تو شائد آج ہم تک اسلام نہ ہی پہنچتا مگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انصار کی تعریف اور فضیلت میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے اور پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

> "اے سعد! بیشک تم خود جانتے ہو کہ تمہاری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ امارت (خلافت) کے حقدار قریش ہیں نیک نیکوں کی اتباع کریں گے' اور بدٗ بدلوگوں کی اتباع کریں گے"۔

تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

> "آپ نے سچ فرمایا ہے' لہٰذا اب ہونا یہ چاہئے کہ امیر تم ہو اور وزیر ہم ہوں"۔ ❷

---

❶ ابن خلدون ص ۲/ ۸۵۳. طبری ص ۲/ ٤٥۲. مختصر سیرت الرسول ص ٤۷۱.
البدایه والنهایه ص ٥/ ٤٦۳. ابن سعد ص ۲/ ۳۳۱.
ترمذی، ابواب الجنائز، باب این تدفن الانبیاء، رقم: ۱۰۱۸.
ابن ماجه، ابواب الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه نبی ﷺ رقم ۱٦۲۸.

❷ طبری ص ۲/ ٤٤٤. البدایه والنهایه ص ٥/ ٤۳۱.

یہ حدیث سن لینے کے بعد انصار کے نامزد امیر (خلیفہ) نے گویا خود ہی دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی وقت جھگڑا ختم ہو گیا۔ جبکہ بخاری میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کا فرمان آپ کو سناتا ہوں۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ)).

''امام' خلفاء' حکمران قریش سے ہیں''۔

سب لوگ تسلیم کر گئے' اسی وقت جھگڑا ختم ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ خلیفہ کون بنے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے جلدی جلدی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا' میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کر لی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ ❶

نتیجہ:

اختلافات کا حل صرف اس بات میں ہے کہ اختلاف کے وقت صرف قرآن مجید اور سنت رسول پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ اوپر چند مثالیں گزر چکی ہیں کہ شدید ترین اور معمولی سے معمولی اختلاف کے وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل صرف یہی تھا کہ وہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بڑا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا' حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تو لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اپنے امیر کی سمع واطاعت کرنا' اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور تم عنقریب میرے بعد بہت سخت اختلاف دیکھو گے تو (ان اختلافات کے وقت) میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا' اسے اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوط پکڑنا اور اپنے آپ کو بدعات سے بچانا' بیشک تمام بدعات گمراہی ہیں''۔ ❷

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اختلافات کے وقت اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ کیونکہ اختلاف کا حل صرف اسی بات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

---

❶ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا (٣٦٦٨).

❷ ابن ماجه، المقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين (٤٢).

حدیث اور سنت پر عمل کیا جائے اور خلفائے راشدین کی سنت بھی یہی ہے کہ انہوں نے اختلاف کے وقت قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلے کئے۔ انہوں نے اپنی کوئی فقہ نہیں ٹھونسی۔

قارئین! آج بھی ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں تو ہمارے بھی تمام اختلافات فوراً ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم قرآن وحدیث کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی بجائے ندی نالوں کی طرف ہی بھاگ دوڑ کرتے رہے تو نہ صرف یہ کہ ہمارے اختلافات ختم نہ ہوں گے بلکہ یہ خلیج مزید وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائے گی۔

مذکورہ معروضات کی روشنی میں ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم فقہاء یا ائمہ دین کے دامن سے وابستہ ہونے کی بجائے صرف اور صرف امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں جونہی ہم کتاب وسنت پر عمل کریں گے کوئی وجہ نہیں کہ اختلافات کے مرض سے شفایاب نہ ہوں۔ اب تک اختلافات ختم نہ ہونے کی وجہ محض یہ ہے کہ ہم نے مرض کا علاج تشخیص کے مطابق نہیں کیا۔ کتاب وسنت کو چھوڑ کر ہم آراء الرجال کو اپنی دوا سمجھتے رہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تقلید کا نتیجہ' قرآن وحدیث معطل:

شریعت اور دین کا دارومدار قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ پر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں وحی ہیں۔ جبکہ تقلید نے ان دونوں کو معطل کر کے رکھ دیا ہے۔

قرآن یوں معطل ہوا کہ مقلدین نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ قرآن مجید صرف مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ عام آدمی کے لئے قرآن پاک سمجھنا ناممکنات میں سے ہے' بلکہ یہ اصول بنایا گیا ہے کہ جب تک ۲۲ علوم نہ سیکھے جائیں قرآن مجید کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یعنی نہ کوئی ۲۲ علوم سیکھے اور نہ قرآن سمجھے۔ حالانکہ اس اصول کا قرآن وحدیث سے دور دور تک کوئی اتہ پتہ نہیں ملتا۔ ان ہی جیسے بے سروپا اصولوں کا رعب ڈال کر مسلمانوں کو قرآن سے دور کر دیا گیا ہے اور اسے عضو معطل بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

جبکہ حدیث یوں معطل ہوئی کہ ہمارے لئے ہمارے امام کی تقلید واجب ہے' اب صرف وہی حدیث قابل قبول ہے جسے امام صاحب نے بیان کیا ہے یا جو امام صاحب کے قول کے موافق ہے چاہے وہ ضعیف' موضوع اور من گھڑت ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ ایسی حدیث قطعاً قابل قبول نہیں جو امام صاحب نے بیان نہیں کی یا جو امام صاحب کے موافق نہیں چاہے وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک بالکل صحیح حدیث ہو۔ دوسرے لفظوں میں اصل اور حقیقی بات امام صاحب کا قول ہے جبکہ حدیث ایک ثانوی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے آج شافعی نماز میں رفع الیدین اس لئے کرتا ہے کہ اس کے امام (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)

نے ایسے ہی بیان فرمایا ہے۔ جبکہ حنفی نماز میں رفع الیدین اس لئے نہیں کرتا کہ اس کے امام (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے ایسے ہی بیان کیا ہے جبکہ نماز وتر میں امام ابوحنیفہ کے حکم پر رفع الیدین کرتے جائیں گے چاہے حدیث میں اس کا دور دور تک اتہ پتہ نہ ملتا ہو۔ اسی طرح جعفری ہاتھ چھوڑ کر نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اس کے امام نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

اے لوگو! کوئی ہے جو یہ کہے کہ محمد ﷺ نماز اس طرح پڑھتے تھے' کوئی ہے جو یہ کہے کہ آؤ رسول اللہ ﷺ کی طرف اختلافی مسائل کا فیصلہ ان سے کروا لیتے ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ [النساء : ٤/٥٩]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے امر والوں کی اطاعت کرو اور اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو''۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الاعراف : ٧/٣]

''اتباع کرو اس کی جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اولیاء کی اتباع نہ کرو''۔

یعنی اختلاف کی صورت میں کسی امر والے کی' کسی امام کی یا کسی ولی کی یا کسی دوسرے تیسرے کی پیروی نہیں کرنی' بلکہ اس اختلاف کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول یعنی قرآن و حدیث سے کروانا ہے' کسی امر والے کی فقہ سے فیصلہ نہیں کروانا۔ جبکہ مقلدین اختلافی مسائل میں اپنے امام کی پیروی کرتے ہیں اور صریحاً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

دین اسلام اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کی شکل میں بالکل محفوظ کر دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہر بات کا فیصلہ قرآن و حدیث سے ہوتا تھا۔ پھر تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ آیا۔ وہاں بھی یہی صدائیں لگتی تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ان سنہرے زمانوں میں حنفی' شافعی کی طرح کوئی صدیقی' عثمانی' فاروقی یا علوی وغیرہ فرقہ وجود میں نہ آ سکا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ نسبت ان اماموں کے اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی اور ان کے ناموں سے مذہب بنائے جاتے' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رتبہ ان اماموں سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور بلند ہے جن کی آج تقلید کی جا رہی ہے۔ کسی صحابی' تابعی یا تبع تابعی نے کسی بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید اختیار نہیں کی۔ اس بات کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ وہ تقلید کو اسلام نہیں سمجھتے تھے اور وہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے' اسی لئے انہوں نے تقلید کو اختیار نہیں کیا۔

اس تقلید کو چوتھی صدی ہجری میں لوگوں نے اختیار کیا اور اس تقلید کے پھندے نے انسانیت کو گھٹنوں کے بل گرا دیا اور تقلید نے ایک ایسا جمود پیدا کر دیا کہ جس کے نتیجے میں انسان نے بجائے تحقیق کے محض فقہی اقوال و آراء اور قیاس کو کافی سمجھ لیا۔

تقلید کے متعلق عبداللہ بن المعتمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول بڑا مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں "جو جانور باندھ کر کھینچا جاتا ہے اس کے اور تقلید کرنے والے انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں"۔ ❶

کیونکہ جس جانور کو گلے میں رسی ڈال کر کھینچا جائے، اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے، گھاس کھلانے کے لئے یا ذبح کرنے کے لئے۔ جس طرح بندھا ہوا جانور پوچھ نہیں سکتا بالکل اسی طرح مقلد بھی پوچھنے کا حق نہیں رکھتا۔ بلکہ دلیل معلوم کئے بغیر اس نے پیچھے پیچھے چلنا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حق کی طرف جا رہا ہے یا باطل کی طرف۔

تقلید کا کرشمہ * قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کرنا گمراہی اور کفر ہے:

علامہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

"اگر عام لوگ اپنے مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کریں تو گمراہ ہو جائیں"۔ ❷

ایک مالکی عالم علامہ صاوی مالکی فرماتے ہیں "مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔ اگرچہ وہ آثار صحابہ، احادیث یا قرآن کے موافق ہی ہو۔ مذاہب اربعہ سے نکلنے والا گمراہ ہے۔ بلکہ ایسا بسا اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے، وہ اس لئے کہ کتاب وسنت کے ظاہر پر عمل کرنا کفر میں سے ہے"۔ ❸

اس بات کو مفتی احمد یار خاں نعیمی نے اپنی مشہور کتاب جاء الحق میں رقمطراز ہیں، "یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول، صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیونکہ حدیث وقرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے"۔ ❹

یہ ہے تقلید کا خوفناک اور بھیانک نتیجہ کہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع گمراہی ہے اور قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کرنا کفر ہے۔

---

❶ اعلام الموقعین. جامع بیان العلم.

❷ اقامۃ القیامۃ ص ٥ بحوالہ دین الحق حصہ اوّل ص ٣٩ ناشر مکتبہ عزیزیہ لاھور.

❸ علامہ صاوی مالکی. تفسیر صاوی برحاشیہ جلالین مصری بحوالہ مقام حدیث اور اصلی اہل سنت ص ٢٠١ ناشر دارالاندلس.

❹ جاء الحق، صفحہ ٣٣، حصہ اوّل، چوتھا باب، اقول مفسرین و محدثین.

ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں یا حدیث میں یہ کہاں آیا ہے کہ چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں؟ اور یہ کہ قرآن پاک کی کس آیت اور نبی پاک ﷺ کی کونسی حدیث کا یہ ترجمہ یا مفہوم ہے کہ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ ہے۔ قرآن مجید یا حدیث رسول ﷺ میں یہ کہاں لکھا ہے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی لینا کفر ہے۔ خدا کا خوف کریں اور بات کو سمجھیں۔ دین اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث ہے۔ جو بات قرآن وحدیث کے مطابق نہیں وہ اسلام نہیں۔ اور جو اصول وقوانین آپ بیان کر رہے ہیں ان کا قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی وجود نہیں ہے۔ اس لئے ان کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں۔ اسلام خودساختہ اصولوں پر نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتا ہے۔

درحقیقت تقلید نے ان کو ایسی راہ پر چلا دیا کہ ان کو قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ کے معنی ومفہوم پر عمل کفر نظر آتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم آسان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ قرآن کریم عوام وخواص، عربی وعجمی، گورے وکالے سب کے لئے اترا ہے جس کے ظاہری معنی ومفہوم ہر کوئی پا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ [القمر : ١٧/٥٤]

"بے شک ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے، کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا"۔

﴿ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا وَّ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ○ لَهُمْ دَارُالسَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ ﴾ [الانعام : ٦/ ١٢٧،١٢٦]

"یہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے (اس پر چلنے کے لئے) ہم نے آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ اس کے صلہ میں ان کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر (جنت) ہے اور اللہ ان کا ولی ہے ان کے اعمال کے سبب"۔

یہ تقلید ہی کا کرشمہ ہے کہ جس سے یہ اصول منکشف ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ ذریعہ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی اور کفر کا ذریعہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طریقے پر رسول اللہ ﷺ کو عمل کرتے ہوئے دیکھا، اسی ظاہری طریقہ پر وہ خود بھی عمل پیرا ہو گئے۔ ظاہر یا باطن کے چکر میں وہ کبھی نہیں پڑے۔ ان کا دھیان کبھی اس طرف نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء اس طرح کیا ہے لہٰذا اس کے ظاہر کو چھوڑ کر ہمیں اس کے پوشیدہ راز معلوم کرنا چاہئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ کار نہیں تھا۔ بلکہ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جب نبی کریم ﷺ کا فرمان سنتے فوراً اسی ظاہری مفہوم میں اس پر عمل شروع کر دیتے۔ انہوں نے کبھی اس کے باطنی مفہوم تلاش کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔

لوگوں کو قرآن مجید سے دور کرنے کا ہتھکنڈہ

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ۱۴؍علوم کا حصول ضروری ہے:

عام لوگوں کو قرآن مجید سے دور رکھنے کے لئے یہ شرمناک' خودساختہ ہتھکنڈہ استعمال کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث کو سمجھنے کے لئے ۱۴؍علوم کا حصول ضروری ہے جب تک ان ۱۴؍علوم کو سیکھ نہ لیا جائے قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث کو سمجھنا ممکن نہیں' (بعض ان علوم کی تعداد ۲۲؍بیان کرتے ہیں)۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی شکل میں حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ اسے سمجھنے سمجھانے اور پڑھنے پڑھانے کے تمام طریقے اور اصول وقوانین بھی اس میں بیان کر دیئے ہیں' بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اور ایک دوسرے سے قرآن وحدیث کا علم پڑھ کر اور پڑھا کر' سمجھ کر اور دوسروں کو سمجھا کر ان اصولوں اور قوانین کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

اس چودہ علوم والے قانون کا ثبوت نہ تو قرآن کریم سے ہے اور نہ ہی حدیث رسول ﷺ سے' اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے ہے۔ اگر قرآن وحدیث کا علم ان چودہ علوم کے بغیر نہیں آ سکتا تو اس کا اطلاق سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہونا چاہیئے تھا' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ بلکہ نبی کریم ﷺ خود اُمّی تھے۔ تمام عربی وعجمی صحابہ کرام ان چودہ علوم کے بغیر ہی قرآن وحدیث سیکھتے رہے اور دوسروں کو سکھاتے رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام عربی اور عجمی لوگ ان علوم کے بغیر ہی قرآن وحدیث پڑھتے رہے۔ اگر چودہ علوم اتنے ہی ضروری تھے تو ان کا ذکر قرآن مجید اور حدیث شریف میں کیوں نہیں آیا؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے یہ مجوزہ ۱۴؍ یا ۲۲؍علوم حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ قرآن مجید آسان اور واضح ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [الانعام: ٦/ ١٢٧، ١٢٦]

"یہ تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے (اس پر چلنے کے لئے) ہم نے آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں' ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ اس کے صلہ میں ان کے لئے ان

کے رب کے پاس سلامتی کا گھر (جنت) ہے اور اللہ ان کا ولی ہے ان کے اعمال کے سبب''۔

② ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ [القمر : ٥٤/١٧]

''بے شک ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا' کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا''۔

ویسے بھی شریعت میں قانون سازی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے۔ کسی دوسرے کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔ چودہ یا بائیس علوم والا قانون نہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور نہ ہی اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے بیان کیا ہے۔ یہ قانون خود ساختہ اور گھڑا ہوا ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ہر آیت اور ہر حدیث کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن جس آیت یا حدیث کی پوری طرح سمجھ نہیں آتی تو سمجھنے کے لئے یہ کوئی طریقہ نہیں کہ جی پہلے چودہ علوم حاصل کرو بعد میں اس کی سمجھ آئے گی۔ نہ کوئی ۱۴ علوم سیکھے اور نہ قرآن وحدیث پڑھے۔ آیت یا حدیث کو سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف مسالک کے مختلف علماء سے قرآن وحدیث کے حوالہ سے اس آیت یا حدیث کا مطلب وتفسیر پوچھیں۔ ان شاء اللہ حق سامنے آ جائے گا۔

بہر حال مذکورہ ۱۴ علوم والے قانون کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں۔ اسے لوگوں کو قرآن وسنت سے دور رکھنے کے لئے اپنی طرف سے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ آمین

کیا اختلاف رحمت ہے؟

اکثر مقلدین چاروں اماموں اور مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلاف کو درست اور جائز بنانے کے لئے ایک ایسی روایت کا سہارا لیتے ہیں جو سراسر من گھڑت روایت ہے۔ روایت کچھ یوں ہے:

((اِخْتِلَافُ أُمَّتِيْ رَحْمَتِيْ)). ❶

''میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے''۔

یہ روایت سراسر ضعیف' موضوع' جھوٹی اور من گھڑت ہے' جسے امت مسلمہ میں اختلاف کو پکا کرنے اور انہیں آپس میں لڑانے کے لئے دشمنانِ اسلام نے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منسوب کر دیا۔ اختلاف کے متعلق قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ﴾ [هود : ١١/ ١١٨، ١١٩]

''وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے''۔

---

❶ لا اصل له، سلسلة الاحاديث الضعيفه والموضوعة (١/ ١٤١) (٥٧).

مذکورہ آیت سے ثابت ہو رہا ہے جن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اختلاف کو رحمت قرار دے دیا جائے۔

اختلاف سیاسی ہو یا مذہبی، اصولی ہو یا فروعی کبھی رحمت نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے ہمیشہ امت مسلمہ کو نقصان ہی پہنچا ہے، ہاں! فروع میں اختلاف ہونا ایک طبعی امر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف اسی طبعی امر کے تحت ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف دو وجوہات کی بناء پر ہوا کرتا تھا۔ ایک وجہ شرعی دلیل سے لاعلمی تھی اور دوسری وجہ بعض مسائل کے نسخ سے لاعلمی تھی۔ لیکن وہ ان اختلافات کے موقع پر اپنے اپنے مؤقف پر ڈٹے نہیں رہتے تھے، بلکہ دلیل شرعی کا علم ہو جانے پر فوراً اپنے مؤقف کو ترک کر کے دلیل شرعی کو قبول کر لیتے اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔ اس بارے میں وہ اپنی رائے اور اپنے مؤقف کو انا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ وہ اپنی رائے کو چھوڑ کر حدیث رسول ﷺ کو ترجیح دیتے تھے۔ جس کی متعدد مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی جس کے پوتے کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے پوچھا کہ مجھے اپنے پوتے کی میراث سے کیا ملے گا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ فتویٰ آپ نے کیسے دے دیا؟ بالکل یہی کیفیت رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی کہ ایک دادی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جس کا پوتا فوت ہو چکا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ میرا کیا حصہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تیرا چھٹا حصہ ہے۔ یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا۔ یعنی اسے واپس لے لیا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان کردہ رسول ﷺ کا مسئلہ نافذ کر دیا۔ [1]

صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین کے دور تک یہی صورت حال تھی۔ لیکن ان کے بعد جو اختلافات پیدا ہوئے ان کی بنیادی وجہ تقلید ہے۔ اور تقلید کی وجہ سے جو اختلافات پیدا ہوئے ان کی بنیاد تعصب اور جمود پر ہے۔ جس میں اہمیت احادیث کی بجائے آئمہ کے اقوال اور فتووں کو دی گئی ہے۔ اور صرف وہ احادیث قابل عمل سمجھی گئی ہیں جو ان آئمہ کرام کے موافق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو حدیث خواہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو اس کو حیلہ بہانہ سے رد کر دیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں ضعیف روایت کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کی متواتر احادیث ہیں۔ جنہیں ادنیٰ سا احتمال پیدا کر کے

---

[1] ترمذی، ابواب الفرائض، باب ما جاء فی میراث الجدة (٢١٠٠، ٢١٠١).

رد کر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک بڑی زبردست خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو باہمی تفرقہ کا ذریعہ نہیں بناتے تھے۔ وہ ایسے تفرقہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے اختلاف کی بنیاد پر کوئی مذہب اور فرقہ تشکیل نہیں دیا تھا' جبکہ مقلدین نے اپنے اپنے امام کے نام پر باقاعدہ الگ الگ مذہب اور فرقے قائم کر رکھے ہیں۔ بظاہر یہ چاروں حق کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن عملاً ایسا نہیں۔ یہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتے۔ اس لئے آئمہ کرام اور فقہاء کے اختلاف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر قیاس کر کے اور اس سلسلہ میں من گھڑت روایت کا سہارا لے کر جائز اور درست سمجھنا قطعاً جائز نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا صریحاً ظلم اور ناانصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

تقلید کا رد قرآن وحدیث سے:

① ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ﴾ [البقرة:۲/۱۴۵]

"اگر آپ نے تابعداری کی ان کی خواہشوں کی علم پہنچنے کے بعد تو تو (اے محمد ﷺ!) بے انصافوں میں سے ہے"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم پہنچنے یعنی دلیل اور ثبوت مل جانے کے بعد کسی غیر کی بات پر عمل کرتے جانا ناجائز ہے۔ یعنی قرآن وحدیث سے کسی مسئلہ کی وضاحت کے باوجود کسی امام کی فقہ پر عمل کرتے رہنا درست نہیں۔

② ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ﴾ [الزخرف: ۴۳/ ۴۳، ۴۴]

"(اے محمد ﷺ!) آپ وحی الٰہی پر عمل کریں' بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں اور وہ وحی ذکر ہے' آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور تم سے اسی کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو صرف وحی الٰہی کا مکلف بنایا ہے۔ خواہ وہ قرآن کی شکل میں ہو یا حدیث کی شکل میں۔ اور روزِ قیامت سوال بھی اسی وحی یعنی قرآن وحدیث کے متعلق ہی ہوگا۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے صرف وحی الٰہی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے' کسی امام کی فقہ پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کی تقلید کرنے کا قطعاً کوئی حکم نہیں دیا' اس لئے تقلید کے متعلق روزِ قیامت یہ سوال تو نہیں ہوگا کہ تم نے کس کی تقلید کی۔ ہاں! البتہ یہ سوال ضرور پوچھا جا سکتا ہے کہ تم نے تقلید کیوں کی؟ تم نے کس قرآنی آیت یا حدیث رسول ﷺ کے تحت تقلید کی؟

③ ﴿أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ

وَالرَّسُوْلِ ﴾ [النساء : ٤/٥٩]

''اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی؛ پس اگر کسی مسئلہ میں اختلاف یا تنازعہ ہو جائے تو پھر اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو''۔

اس آیت میں سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے' اور پھر امر والوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ امر والوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہو گی۔ اس آیت میں اولی الامر کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع بیان کیا گیا ہے۔ یعنی امر والوں کی اطاعت اس وقت تک کرنی ہے جب تک وہ خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں۔ جب ان کی بات کتاب وسنت سے مخالف ہو جائے یا جھگڑا پڑ جائے اور اختلاف ہو جائے تو پھر ان کی اطاعت جائز نہیں۔ بلکہ پھر صرف اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ [النساء : ٤/٥٩]

''جب تمہارا (آپس میں) کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو وہ معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو''۔

﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الاعراف : ٧/٣]

''اتباع کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو''۔

اس بحث سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

اوّل : یہ کہ کسی بھی بزرگ' امام' پیر اور ولی کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک وہ قرآن وسنت کے مطابق بات کرتا ہے۔

دوم : یہ کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے کوئی جھگڑا اور تنازع پیدا ہو جائے تو پھر کسی امام' بزرگ پیر اور ولی کی اطاعت جائز نہیں۔ بلکہ اب مذکورہ مسئلہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ہوگا۔ یعنی اختلافی مسائل کا فیصلہ کتاب وسنت سے کرنا ہوگا نہ کہ کسی امام صاحب کی فقہ سے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی صورت میں معاملے کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم دے کر تقلید کی نفی کی ہے۔ جیسا کہ امام ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اور اپنے رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف معاملے کو لوٹانے

سے منع کر کے تقلید کا رد کیا ہے"۔ ❶

④ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"۔ ❷

یعنی جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ حب رسول کے ساتھ مشروط ہے اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حب سنت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور حب رسول کا یہ تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صحیح حدیث کو براہ راست بلا چوں چرا قبول کیا جائے، چاہے یہ کہیں سے بھی ملے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملے یا امام شافعی رحمہ اللہ سے، امام مالک رحمہ اللہ سے ملے یا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے، امام بخاری رحمہ اللہ سے ملے یا امام مسلم رحمہ اللہ سے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ملے یا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ سے ملے۔ یعنی ہر امام کی بیان کردہ ہر صحیح اور حسن حدیث کو قبول کیا جائے۔ یہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ تمام احادیث کو تو بلا چوں چرا قبول کر لیا جائے اور باقی تمام علمائے کرام و آئمہ دین کی بیان کردہ احادیث کو رد کر دیا جائے، خاص طور پر وہ احادیث جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق نہ ہوں۔ یہ حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں بلکہ یہ حب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہے۔

⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ ❸

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ اطاعت رسول کے ساتھ مشروط ہے۔ واضح رہے کہ اطاعت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بولا جاتا ہے اور تقلید کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں بلکہ کسی غیر نبی کے لئے بولا جاتا ہے۔ لہٰذا جو جنت میں داخلہ کا خواہش مند ہے وہ اطاعت رسول کا راستہ اختیار کرے اور تقلید کا راستہ چھوڑ دے، کیونکہ یہ جنت کو نہیں جاتا۔ کیونکہ کسی قرآنی آیت یا کسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کی تقلید کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"میری امت میں ۷۳ر فرقے ہوں گے، ان تمام فرقوں میں سب سے بڑا فتنہ پھیلانے والا وہ

---

❶ اعلام الموقعين ج ٢ ص ١٧٠، ٢/ ١٨٩.

❷ ترمذی، کتاب العلم عن رسول اللّٰه ﷺ، باب ما جاء في الاخذ بالسنة و اجتناب البدع (٢٦٧٨).

❸ بخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه ﷺ (٧٦٨٠).

فرقہ ہے جو دینی امور میں بھی رائے اور قیاس سے کام لیں گے"۔ ❶

کسی امام کی رائے اور قیاس پر عمل ہی تقلید ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے سب سے بڑا فتنہ پھیلانے والا گروہ قرار دیا ہے۔ پس اگر کامیابی چاہتے ہو تو رائے اور قیاس یعنی تقلید کا راستہ چھوڑ دو اور اطاعت رسول ﷺ کا راستہ اختیار کرو۔

⑦ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"دین میں کسی عالم کی تقلید نہ کرنا"۔ ❷

⑧ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اگر چہ (عالم) ہدایت یاب ہو (تب بھی) دین کے معاملہ میں اس کی تقلید نہ کرو"۔ ❸

تقلید کا رد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

اگر امام صاحب رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث من وعن بیان کر دیں اور ہم اسے قبول کر لیں تو یہ امام صاحب کی تقلید ہرگز نہیں کیونکہ مذکورہ بات دراصل امام صاحب کی بات ہے ہی نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی بات ہے۔ تقلید امام صاحب کی ذاتی رائے اور قیاس کا نام ہے جو وہ کسی مسئلہ کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ رائے اور قیاس کے متعلق حدیث نبوی ﷺ ابھی ابھی پچھلے صفحہ میں گزر چکی ہے (صفحہ نمبر 503 حدیث نمبر 6) یہاں رائے اور قیاس کے متعلق چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں۔

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رائے اور قیاس کرنے والوں سے بچو کہ بیشک وہ سنت کے دشمن ہیں۔ جب احادیث کو یاد کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو رائے اور قیاس سے فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں"۔ ❹

---

❶ رواه الطبراني في الكبير بحواله مجمع الزوائد ج ١ ص ١٧٩.

❷ طبراني في الاوسط.

❸ مجمع الزوائد طبع دهلى ص ٧٥ ج ١ بحواله اوسط طبراني بحوالہ تقلید آیات محکمات کی روشنی میں ص ١٠ ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی۔

❹ اعلام الموقعين ج ١ ص ٥٥.

② حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"اگر دین رائے اور قیاس کا نام ہوتا تو موزوں کے اوپر کی بجائے نیچے مسح کرنا زیادہ بہتر تھا"۔ ❶
یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ رائے اور قیاس کو دین نہیں سمجھتے تھے۔

③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"ایک قوم پیدا ہوگی جو دین کو رائے اور قیاس سے طے کرے گی جس کی وجہ سے اسلام منہدم اور عیب دار ہو جائے گا"۔ ❷

④ ایک دفعہ ایک شامی آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا حج تمتع جائز ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جائز ہے۔ تو وہ شامی کہنے لگا کہ آپ اس کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں جبکہ آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے باپ نے تو منع کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا وہ مقلدین کے لئے باعث عبرت ہے۔ فرماتے ہیں:
"کیا اتباع میرے باپ کی ہوگی یا امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی"۔ ❸

غور فرمائیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مطابق اتباع اور پیروی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز اور درست ہے اس کے مقابلہ میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں عشرہ مبشرہ کے قول پر عمل نہیں کیا جا سکتا تو پھر کسی ایسے شخص کا قول اور فتویٰ کس طرح واجب العمل ہو سکتا ہے جو صحابی بھی نہ ہو۔ لہٰذا یہ مشہور فقرہ قطعاً غلط، غیر شرعی اور ناجائز ہے کہ "ہم پر تو ہمارے امام کی تقلید واجب ہے"۔ بندہ ان سے پوچھے کہ تم پر یہ تقلید کس نے واجب کی؟ اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ یا کہ تم پر وحی کے ذریعے یہ حکم نازل ہوا ہے؟۔

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:
"تم میں سے کوئی شخص اپنے دین میں کسی آدمی کی تقلید نہ کرے"۔ ❹

---

❶ ابوداؤد، الطھارۃ، باب کیف المسح (۱۶۲).
❷ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۷.
❸ ترمذی، ابواب الحج، باب ما جاء فی التمتع (۸۲۴).
❹ رواہ الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد انصاری ج ۱ ص ۷۶ بحوالہ تقلید آیات محکمات کی روشنی میں ص ۱۱ ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی۔ و اعلام الموقعین: تفصیل القول والتقلید ۱۷۲/۲ بحوالہ حقیقۃ الفقۃ طبع دوئم ص ۷۸۰ ناشر نعمان پبلیکیشنز.

تقلید کا رد چاروں اماموں سے

اقوال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

① جب صحیح حدیث مل جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔ ❶

② کسی کے لئے یہ حلال ہی نہیں کہ وہ ہماری بات کو اخذ کرے' جب تک اس کو علم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ بات کس مقام سے اخذ کی ہے۔ ❷

③ میں کوئی بات کہوں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر اور حدیث کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دینا۔ ❸

امام صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو۔ اب جو قول صحیح حدیث کے خلاف ہو وہ تو پھر ان کا اپنا مذہب ہی نہیں اور امت کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم کرنا ہے۔ میری بات کو چھوڑ دینا ہے۔

امام صاحب اب بری الذمہ ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ اب اگر کوئی زبردستی ان کا مقلد بنتا ہے حالانکہ وہ خود اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کر رہے ہیں اور احادیث کی بجائے ان کے اقوال کو ترجیح دیتا ہے تو ایسا شخص نہ تو قرآن و حدیث کی بات پر عمل کر رہا ہے اور نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات پر عمل کر رہا ہے۔ اس کا وبال اس پر ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ امام صاحب فرما گئے ہیں کہ میری بات چھوڑ دو اور قرآن و حدیث پر عمل کرو۔

اقوال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

① میں انسان ہوں' خطا بھی کر جاتا ہوں اور درست بھی کہتا ہوں' میری رائے میں غور و فکر کیا کرو' اور میری ہر وہ بات اور رائے جو کتاب و سنت کے موافق ہے اس کو قبول کرو' اور میری ہر وہ بات جو کتاب و سنت کے موافق نہیں اس کو ترک کر دو۔ ❹

---

❶ ردالمختار ۱/۷۲، ۱/۴۱۵.

❷ مقدمہ هدایہ' جلد اوّل۔ مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۹ مقدمہ عین الهدایہ: کیفیت الاجتهاد ۱/۹۲ بحوالہ حقیقۃ الفقہ ص ۸۸ طبع دوئم نعمان، پبلی کیشنز.

❸ عقد الجید ص ۹۴، ارشاد النقاد ۱/۱۴۳، القول المفید ۱/۵۴.

❹ اعلام الموقعین، ایقاظ هم أولی الاوصارا: ۱/۷۲.

② تم میرے قول کو کتاب وسنت پر پرکھو' اگر میرا قول کتاب وسنت کے مطابق ہو تو قبول کر لینا ورنہ چھوڑ دینا۔ ❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیسا دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے' اگر کوئی اس فیصلے کو ہی حرزِ جان بنائے اور اس کی حفاظت کرے تو یہ سارے بغض حسد اور کینے اختلاف جھگڑے ختم ہو جائیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے ہر قول کی تحقیق کرو' اگر کتاب وسنت کے موافق ہو تو قبول وگرنہ نا قابل قبول۔ تقلید کا کس قدر صاف رد ہے' کیونکہ تقلید میں متعلقہ امام کی ہر بات قبول کی جاتی ہے' اس میں تحقیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ تقلید میں تحقیق جائز نہیں۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر کسی کے قول پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کو رد بھی کیا جا سکتا ہے' مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ایسا ہے کہ جس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ ❷

دوسرے لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول واجب ہے جبکہ کسی اور کا قول ہرگز واجب نہیں ہے۔ جبکہ تقلید میں متعلقہ امام کے قول کو واجب جانا جاتا ہے۔ اور اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو درست نہیں سمجھتے۔

اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

① میرا قول جو بھی ہو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہو تو اس صورت میں حدیث واجب الاتباع ہوگی اور میری تقلید کرنا روا نہ ہوگا۔ ❸

② حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ ❹

③ کوئی شخص ایسا نہیں جو بعض حدیثیں بھول نہ گیا ہو یا بعض حدیثیں اس پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہی ہوں۔ تو اگر میں نے کوئی بات کہی ہو یا کوئی اصولی قاعدہ بیان کیا ہو۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری بات کے خلاف منقول ہو تو بات وہی مانی جائے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے اور وہی میرا قول ہوگا۔ ❺

---

❶ المختصر المؤمل ص ٣٩، ١/٦١أ.

❷ عقد الجيد ص ١٢٢، ١/٢٧.

❸ آداب الشافعي، اعلام الموقعين: ٢/٢٨٥.

❹ عقد الجيد، المؤتلف والمختلف، توضيح المشتبه: ٤/١٩٣.

❺ امام شافعي، اعلام الموقعين: ٢/٢٨٥.

④ میری تقلید نہ کرنا' نہ مالک اور نہ کسی اور کی اور احکام کو وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے لئے ہیں' یعنی کتاب وسنت سے۔ ❶

⑤ اگر میرا قول قرآن وحدیث کے خلاف ہوتو قرآن وحدیث کو لے لو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔ ❷

اقوال امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

① میری تقلید نہ کرو' مالک اور شافعی کی بھی تقلید نہ کرو' اوزاعی اور ثوری کی بھی تقلید نہ کرو' کسی کی بھی تقلید نہ کرو۔ بلکہ جہاں سے انہوں نے احکام لئے ہیں' وہاں سے آپ بھی لیں۔ ❸

② دین کو ان آئمہ اور بزرگ علماء کا مقلد نہ بناؤ' دین میں ان کی تقلید نہیں کرنی۔ ❹

③ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہے۔ بس وہ گرنے ہی والا ہے اور تباہ وبرباد ہونے والا ہے۔ ❺

نتیجہ:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چاروں اماموں نے دوسروں کو اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''چاروں اماموں سے ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ اور یہی حکم دیا ہے کہ جب کوئی بات ان کو کتاب وسنت سے معلوم ہو جائے' ان کے قول سے قوی تر' تو اسی بات کو لیں جو کتاب وسنت سے معلوم ہوئی اور ان کے قولوں کو چھوڑ دیں''۔ ❻

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بے شک تمام جماعت فقہاء نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے''۔ ❼

---

❶ تحفة الاخيار حجة الله البالغة: ١/١٥٧، بحواله حقيقة الفقه ص ٩٧ طبع دوئم، نعمان پبلی کیشنز.

❷ حجة الله البالغة: ١/١٥٧، بحواله حقيقة الفقه ص ٩٢ طبع دوئم، ناشر نعمان پبلی کیشنز.

❸ حجة الله البالغه ج ١ ص ١٥٢، قواعد التحديث: ١/٣٥٩، شرح مقده ابن القيم.

❹ الانصاف، للممرادوى ١١/١٥٦.

❺ مناقب الامام احمد فقه صلاة النبى للالبانى ص ٣١ بحواله احناف كا رسول الله ﷺ سے اختلاف ص ٣٦ ناشر اداره تحفظ افكار اسلام.

❻ فتاویٰ ابن تیمیه ج ٢ ص ١٠، ٢٠/١٠.

❼ عقد الجيد ص ٦١، ١/١٤.

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کاش! یہ مقلدین تمام مسائل میں اپنے امام کی تقلید کرتے۔ اور اگر یہ ایسا کرتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ مسئلہ تقلید میں بھی ان کی تقلید کرتے اور آئمہ کرام اس اصولی مسئلہ (مسئلہ تقلید) کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ پس اگر مقلدین اس مسئلہ میں بھی ان کی اقتداء کرتے تو انہیں تمام مسائل میں تقلید چھوڑنا پڑتی اور یہ اپنے آپ کو اس تقلید کے پھندے سے نکال لیتے''۔ ❶

تقلید کا رد فقہاء و علمائے امت سے

① امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تقلید کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علماء کو دیکھو جنہوں نے دنیا کی طلب میں کتاب و سنت کے دلائل چھوڑ کر اسلاف کی تقلید کو اپنا لیا ہے اور شارع معصوم کے کلام کو چھوڑ دیا ہے''۔ ❷

مزید فرماتے ہیں:

''پس اگر ہمیں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پہنچ جائے جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے' سند اس کی درست ہو مگر امام صاحب کے مذہب کے خلاف ہو تو ہم حدیث کو چھوڑ کر خود ساختہ قول کو اپنا لیں تو ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہمارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا''۔ ❸

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''تمام صحابہ کرام اور تمام تابعین کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ہر انسان تقلید سے خود بھی باز رہے اور دوسروں کو بھی منع کرے کہ اپنے دور یا گزشتہ زمانے کے کسی آدمی کی تقلید نہ کی جائے''۔ ❹

---

❶ القول المفيد، ١/٩٢.

❷ الفوز الكبير فى اصول تفسير ص ٢٧ مطبوعه كراچى بحواله مقام حديث ص ١٦٩ ناشر دارالاندلس.

❸ حجة الله البالغه ج ١ ص ١٥٦، ١/٣٢٩.

❹ عقد الجيد ص ٦٠، ١/١٤.

② امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

امام ابن تیمیہ تقلید کا رد کرتے ہوئے قلم طراز ہیں:

"اور جب بھی مسلمانوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس عالم سے مسئلہ پوچھنا چاہئے جو قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ دے۔ اور اس سلسلہ میں کسی ایک شخص کو متعین نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں پر واجب نہیں کہ کسی ایک شخص کی ہر بات میں تقلید کرے"۔ ❶

③ حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کتاب وسنت کو اپنا امام بنالے اور ان دونوں میں ہی غور وفکر کر اور ان دونوں پر ہی عمل کر"۔ ❷

④ حضرت پیر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

"وقت کے صوفیاء بھی اگر انصاف پر آئیں اور اور ضعف اسلام اور شیوخ کا جھوٹ ملاحظہ فرمائیں تو ان کو چاہئے کہ اتباع سنت کے بغیر اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور بدعی کاموں کو اتباع شیوخ کے بہانے سے اختیار نہ کریں۔ اتباع سنت موجب نجات اور خیر و برکات کے حصول کا ذریعہ ہے اور سنت کے مخالف تقلید میں ہر طرح خطرہ ہی خطرہ ہے"۔ ❸

⑤ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ:

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

"تقلید کے ساتھ عبادت کرنا گمراہی ہے"۔ ❹

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے کیا ہوا ایک سوال اور اس کا جواب:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی تقلیدی مذاہب میں سے کسی مذہب کا فقیہ ہے' اور اس کی بصیرت رکھتا ہے' پھر اسے حدیث سے اشتغال ہوا' اسے کچھ احادیث صحیحہ ایسی ملیں جن

---

❶ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۳۸۷ بحوالہ مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۹۹۔

❷ معیار لحق، باب دوم، قول شیخ عبدالقادر فی منع التقلید ص ۸۷.

❸ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ مکتوب ۲۳ ص ۸۱.

❹ بوستان سعدی باب ۸ ص ۲۰۸، باب حکایت سفر ہندوستان وضلالت بت پرستان، ص ۲۵۴۔

کے ناسخ ومخصص یا معارض کا اسے علم نہیں لیکن یہ احادیث صحیحہ اس کے تقلیدی مذاہب کے خلاف ہیں۔تو کیا اسے اس تقلیدی مذہب کی پیروی کرنی چاہئے جو احادیث مذکورہ کے خلاف ہیں؟ یا کہ اس پر اپنے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر حدیث کے مطابق عمل کی طرف رجوع کرنا لازم ہے؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ الحمد للہ رب العالمین' کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت فرض کی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی ہر بات کی اطاعت کو فرض نہیں کیا ہے' حتیٰ کہ اُمت کے صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم لوگ میری اطاعت کرو' اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کوئی اطاعت ضروری نہیں' اور پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی بھی شخص معصوم نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کیا ہے' لہٰذا ان اماموں کی یہ بات ماننی واجب ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے بیان کردہ فقہی مسائل کی بابت فرمایا کرتے تھے کہ یہ محض میری ذاتی رائے ہے' اپنی دانست میں میری یہ بات سب سے اچھی ہے' اگر کوئی شخص اس سے بہتر رائے پیش کرے تو ہم اسے قبول کرلیں گے' یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے افضل ترین شاگرد امام ابویوسف جب امام دارالہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آئے اور ان سے صاع اور سبزیوں میں زکوٰۃ سے متعلق مسئلہ پوچھا تو امام مالک رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں وہ جواب دیا جو سنت نبویہ سے ثابت تھا' اس موقع پر امام ابویوسف نے کہا کہ میں آپ کے اس فرمان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔اگر میرے استاد امام ابوحنیفہ بھی یہ جان لیتے تو اپنے قول سے اسی طرح رجوع کر لیتے جس طرح میں نے رجوع کرلیا ہے۔

حق ظاہر ہونے پر اپنی رائے چھوڑ کر حق کی پیروی ہی طریق محمود ہے' اس کے برخلاف دوسرے قول پر اڑے رہنا غلط روی ہے۔

اگر مقلد نے کوئی حدیث سنی خصوصاً ایسی حدیث جس کو ثقہ رواۃ نے بیان کیا ہو تو ایسی حدیث چھوڑ کر تقلیدی مذہب کی بات پر عمل کرنے کے لئے اس آدمی کے پاس کوئی عذر نہیں رہ جاتا۔

اگر اس مسترشد مستفتی سے کہا جائے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا فلاں امام زیادہ جانتے ہیں' جن کی تقلید کی جاتی ہے تو یہ معارضہ فاسد ہوگا' کیوں کہ امام مذکور سے اس مسئلہ میں اسی جیسے دوسرے اماموں نے اختلاف کر کے حدیث ونصوص کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے آگے چل کر فرمایا کہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے کہ حدیث صحیح پر تقلیدی مذہب کی بات مقدم رکھی جائے تو اس سے اللہ ورسول کے حکم

سے اعراض لازم آئے گا۔ اور ہر تقلیدی امام نبی و رسول کی طرح بن جائے گا' اور یہ بات دین کو بدل دینے کے ہم معنی ہے اور نصاریٰ کے اس طرزِ عمل سے مشابہ ہے جس کی مذمت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾[التوبہ : ۹/۳۱]

''عیسائیوں نے اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا' نیز انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بھی رب بنا لیا' حالانکہ انہیں صرف ایک ہی معبود اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا' اللہ پاک ہے ان تمام چیزوں سے جن کو یہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں''۔ ❶

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''میں اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ امت کے کسی آدمی کے متعلق جو ثواب اور خطاء دونوں کا مرتکب ہو سکتا ہے' یہ خیال رکھا کہ اسی کی اتباع واجب ہے اور جسے یہ کہے وہی امر واجب ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کے برابر ہے' کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے موجود ہے''۔ ❷

شاہ صاحب نے اپنے اس فتویٰ میں تقلید شخصی کو کفر باللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

''اگر حدیث صحیح ہو' محدثین اس کی صحت کے شاہد ہوں' عامۃ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہے۔ معاملہ واضح ہو چکا ہو' پھر اس پر صرف اس لئے عمل نہ کیا جائے کہ امام صاحب یا اس کے متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا' بہت بڑی گمراہی ہے''۔ ❸

آگے فرماتے ہیں:

''کیا تم نہیں جانتے کہ حکم صرف اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا' بہت سے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں فلاں مذہب پر عمل کروں گا۔ حدیث پر عمل نہیں کروں گا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ حدیث صرف آئمہ کرام اور ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور آئمہ کرام نے ایسی حدیث پر عمل کسی وجہ سے ہی ترک کیا ہوگا'

---

❶ فتاویٰ ابن تیمیہ بحوالہ بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم ص ۱۰۸،۱۱۰، ناشر نعمانی کتب خانہ لاہور۔

❷ تفہیمات جلد اوّل صفحہ ۲۱۱.

❸ تفہیمات جلد اوّل ص ۲۱۱.

منسوخ ہو یا مرجوح یقیناً جان لو' یہ قطعاً دین نہیں ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے تو آپ کی اطاعت کرو' کسی مذہب کے مطابق ہو یا مخالف' اللہ کی رضا اسی میں ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت پر عمل کیا جائے"۔ [1]

تقلید اور اطاعت' چند پیدا شدہ سوالات:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تقلید اور اطاعت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ تقلید اور اتباع دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کسی سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں۔ کسی سے مسئلہ سن کر یا پوچھ کر عمل کرنا تقلید نہیں۔ کسی عالم یا بزرگ کی اطاعت و پیروی کرنا تقلید نہیں۔ کسی راوی کی بات سن کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں' کسی عالم' بزرگ یا امام کی بات سن کر یا پوچھ کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں۔ اگر کسی عالم' بزرگ یا امام کی اطاعت و پیروی کرنا اور اس سے مسئلہ سن کر یا پوچھ کر عمل کرنا تقلید ہے تو پھر سارا عالم اسلام مقلد ہے۔ کیونکہ تمام کے تمام مسلمان ایسا ہی کرتے ہیں۔ تمام صحابہ کرام' تمام تابعین و تبع تابعین کرام' تمام علمائے کرام و بزرگانِ دین' چاروں امام' تمام کے تمام فرقے اور گروہ کیا اہلحدیث اور کیا اہلسنّت' کیا مقلد اور کیا غیر مقلد سب کے سب اپنے بزرگوں' علمائے دین اور اساتذہ سے مسائل پوچھتے' سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب کے سب مقلد ہوئے۔ پھر تو مقلد اور غیر مقلد کی تقسیم بھی غلط ہوئی۔ کیونکہ جب ہر مسلمان مقلد ہے تو پھر غیر مقلد کہاں سے آ گیا؟ اگر یہی تقلید ہے تو پھر امام ابوحنیفہؒ سمیت چاروں امام بھی مقلد ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنے بزرگوں' علماء اور اساتذہ سے مسائل سن کر اور پوچھ کر عمل کئے۔ اور فقہ کا یہ پکا اور ٹھوس اصول ہے کہ کسی مقلد کی تقلید جائز نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ سمیت کسی امام کی تقلید بھی جائز نہ رہی بلکہ ناجائز ہوئی۔

اگر کسی عالم یا بزرگ سے مسئلہ پوچھنا اور سن کر عمل کرنا ہی تقلید ہے تو پھر مقلد تو اس بزرگ یا عالم کا ہونا چاہئے جس سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ کو فوت ہوئے تو کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ دریں صورت کوئی اپنے آپ کو حنفی نہیں کہلا سکتا۔ جبکہ صورت احوال یہ ہے کہ مسئلہ کسی اور عالم سے پوچھتے ہیں اور مقلد کسی اور عالم یا امام کے ہوتے ہیں۔ اس بات کا سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں کہ مسئلہ سننا' پوچھنا اور پھر اس پر عمل کرنا تقلید ہے ہی نہیں۔ تو پھر تقلید کیا ہے؟

اگر آپ تعصب کی عینک اتاریں اور کھلے دل و دماغ سے ہماری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں تو عرض ہے کہ

---

[1] تفہیمات جلد اوّل صفحہ ۲۱۵.

☆ کسی غیر نبی کی بات کو بلا چوں چرا قبول کرنا اور اس سے شرعی دلیل کا نہ پوچھنا تقلید ہے۔
☆ غیر نبی کی بات کو قرآن وحدیث سے پرکھے بغیر اور قرآن وحدیث سے تصدیق کئے بغیر قبول کر لینا تقلید ہے۔ غیر نبی کی ہر بات کو قبول کرنا تقلید ہے چاہے وہ قرآن وحدیث کی رو سے درست ہو یا نہ ہو۔
☆ قرآن وحدیث کو دیکھے بغیر کسی غیر نبی کی بات کو قبول کر لینا تقلید ہے۔
☆ آنکھیں بند کر کے کسی غیر نبی کی بات کو قبول کر لینا اور اس سے شرعی دلیل کا نہ پوچھنا تقلید ہے۔
☆ قرآن وحدیث کو جمع خاطر لائے بغیر کسی غیر نبی کی بات کو قبول کرنا تقلید ہے۔

جبکہ عام حالات میں جب ہم کسی عالم یا بزرگ سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو یہ صورت حال نہیں ہوتی۔ بلکہ اس وقت یہ سوچ اور نظریہ ہوتا ہے کہ عالم سے قرآن وحدیث کی بات پوچھنی ہے۔ اگر بات قرآن وحدیث کی رو سے درست ہوگی تو قبول کی جائے گی ورنہ رد کر دی جائے گی۔ یعنی عالم سے شرعی دلیل کا تقاضا کیا جاتا ہے' جبکہ تقلید کی صورت میں کسی مسئلہ کی قرآن وحدیث سے تصدیق نہیں کی جاتی اور امام صاحب کی بات ہی کو دلیل مانا جاتا ہے۔

جبکہ تقلید کی صورت میں مذکورہ امام کی کسی بات کو رد کرنے اور اس سے شرعی دلیل پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں! امام صاحب کے بیان کئے گئے مسئلہ کے موافق احادیث ضرور ڈھونڈی جاتی ہیں' چاہے وہ ضعیف' موضوع اور من گھڑت ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بخاری ومسلم وغیرہ کی صحیح ترین احادیث کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

اس ساری بحث کے باوجود اگر کوئی یہی کہتا ہے کہ کسی عالم' بزرگ یا امام کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا ہی تقلید ہے تو ان سے چند سوالات کئے جا رہے ہیں جن کے جوابات قرآن وحدیث کی رو سے چاہئیں۔

سوال نمبر 1 : کیا قرآن وحدیث میں کسی شخص کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے؟ واضح رہے کہ شرعی حدود کے اندر رہ کر صحابہ کرام' بزرگان دین وعلمائے کرام کی اطاعت وپیروی کا حکم موجود ہے۔ سوال تقلید کا ہے کہ کیا تقلید کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ آیت یا حدیث پیش کی جائے جس میں کسی عالم' بزرگ یا امام کی تقلید کا حکم دیا گیا ہو۔

سوال نمبر 2 : اگر آپ یہ کہیں کہ تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہے' تو پھر اس بات کا بھی ثبوت پیش کریں کہ تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہے۔ یعنی قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں یہ واضح کیا گیا ہو کہ تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہے۔

سوال نمبر 3 : کیا قرآن وحدیث میں کسی عالم' بزرگ یا امام سے مسئلہ پوچھ کر یا سن کر اس پر عمل کرنے کو تقلید کہا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کی جائے جس میں کسی بزرگ' عالم یا امام سے مسئلہ سن کر یا پوچھ کر اس پر عمل کرنے کو تقلید کہا گیا ہے۔

سوال نمبر 4 : کیا قرآن وحدیث میں کسی عالم' بزرگ یا امام کی اطاعت و پیروی کو تقلید کہا گیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں کسی بزرگ' عالم یا امام کی اطاعت' اتباع اور پیروی کو تقلید کہا گیا ہے۔

سوال نمبر 5 : کیا قرآن وحدیث میں معین طور پر صرف چار اماموں کی تقلید کا حکم موجود ہے کہ چار میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔ اگر ایسا ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں چار اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کا حکم دیا گیا ہو۔

سوال نمبر 6 : کیا قرآن وحدیث میں چار اماموں کے نام موجود ہیں؟ کہ ان میں سے کسی کی تقلید کی جائے یعنی کیا قرآن وحدیث میں امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نام موجود ہیں؟ اگر ایسا ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نام موجود ہوں اور کہا گیا ہو کہ ان چاروں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔

سوال نمبر 7 : کیا قرآن وحدیث کی رو سے صرف ایک شخص معین کر کے اس کی تقلید کرنے کا حکم موجود ہے؟ اگر ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں صرف ایک شخص کی تقلید کا حکم دیا گیا ہو۔

سوال نمبر 8 : کیا قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی جائے؟ یعنی قرآن وحدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ یہ حکم موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی جائے۔ اگر ایسا ہے تو قرآن مجید کی وہ آیت یا رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جائے جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ امت مسلمہ پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب اور ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات کچھ یوں ہیں:

- قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ میں کسی شخص کی تقلید کا کوئی حکم موجود نہیں ہے۔
- قرآن وحدیث میں یہ بات کہیں بھی موجود نہیں کہ تقلید اور اطاعت ایک ہی چیز ہے۔
- قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ میں کسی عالم' بزرگ یا امام سے مسئلہ پوچھ کر یا سن کر عمل کرنے کو تقلید نہیں کہا گیا۔

❁ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ میں کسی بزرگ' عالم یا امام کی اطاعت' پیروی یا اتباع کو تقلید نہیں کہا گیا۔

❁ قرآن وحدیث میں اس قسم کا کوئی حکم موجود نہیں کہ امت محمدیہ میں چار امام ہوں گے جن میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی جانی چاہئے۔ اور نہ ہی ان چاروں یا ان میں سے کسی ایک امام کا نام کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر ہے۔

❁ قرآن مجید اور حدیث رسول میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم موجود نہیں کہ اسلام میں کسی ایک معین شخص کی تقلید واجب ہے۔

❁ قرآن مجید اور حدیث رسول میں کوئی بھی ایک آیت یا حدیث ایسی نہیں کہ جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اُمت محمدیہ پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے۔

خدارا مذکورہ سوالات اور ان کے جوابات پر غور کریں۔ کیا مروجہ رائج الوقت تقلید کا کوئی جواز بنتا ہے؟

تقلید کا سادہ ترین مطلب ومفہوم:

❁ تقلید کا ایک سادہ ترین اور واضح ترین مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ہر وہ بات ماننا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے اور نبی پاک ﷺ کی وہ بات رد کر دینا جو امام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل ودیگر آئمہ کرام رحمہم اللہ نے بیان کی ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب ان کی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کے مخالف ہو۔

❁ تقلید کا مطلب قرآن وحدیث کی وہ تشریح وتفسیر ماننا ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور وہ تشریح وتفسیر ردّ کر دینا ہے جو کہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، امام شوکانی ودیگر آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کی ہے۔

❁ تقلید کا مطلب ان احادیث کو قبول کرنا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں اور ان احادیث کو رد کر دینا ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ودیگر محدثین کرام نے بیان کی ہیں۔

❁ تقلید کا مطلب صرف ان احادیث کو قبول کرنا ہے جو فقہ حنفی کے معیار پر پورا اترتی ہیں اور ان احادیث کو رد کر دینا ہے جو فقہ حنفی کے معیار پر پورا نہیں اترتی۔

❁ پس تقلید کا مطلب شریعت محمدی ﷺ کے صرف ان احکامات ومسائل پر عمل کرنا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں۔ یا جو فقہ حنفی کے معیار پر پورا اترتے ہیں' اور شریعت محمدی ﷺ کے ان تمام احکامات ومسائل کو چھوڑ دینا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان نہیں کئے یا جو فقہ حنفی کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اُترتے۔

❁ یعنی تقلید صرف ایک بزرگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کیے ہوئے مسائل پر عمل کرنے کا نام ہے۔ جبکہ باقی تمام بزرگوں کے بیان کیے ہوئے مسائل کو ردّ کر دینے کا نام تقلید ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جی نہیں! ہم تمام بزرگوں کو مانتے ہیں تو ان کی بات درست نہیں، کیونکہ یہ لوگ ان تمام بزرگوں کی بھی صرف وہ باتیں تسلیم کرتے ہیں جو فقہ حنفی کے مطابق ہیں اور صرف ان بزرگوں کو تسلیم کیا جاتا ہے جو فقہ حنفی کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔ یعنی اصل الاصل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی ہی ہے۔ جو کوئی بات یا جو کوئی بزرگ اس کے مطابق نہیں وہ درست نہیں۔

❁ پس تقلید کا مطلب صرف ایک بزرگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ماننا اور باقی تمام بزرگوں کو نہ ماننا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقلید کا مطلب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ماننا اور ان کے علاوہ ان بزرگوں کو ماننا ہے جو فقہ حنفی کے مطابق بات کرتے ہیں اور باقی بزرگوں کو نہ ماننا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ بزرگوں کے متعلق اس صریح غیر منصفانہ طرزِ عمل کے باوجود گستاخ ہم ہیں۔ ذرا کھلے دِل سے، بغیر کسی تعصب کے سوچیں اور فیصلہ کریں کہ تمام علمائے کرام، آئمہ کرام، محدثین کرام بزرگانِ دین کو ماننے والے اور ان کی تحقیق سے فائدہ اُٹھانے والے گستاخ ہیں یا صرف ایک بزرگ کی مان کر دوسرے تمام بزرگوں کو رد کر دینے؟

بدنام ہم ہیں کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتے۔ اللہ کے بندو ہم نہیں مانتے کہ آپ نہیں مانتے؟ آپ تو درحقیقت صرف ایک بزرگ ابوحنیفہ کو مانتے ہیں۔ اور باقی تمام کو ردّ کر دیتے ہیں جبکہ ہم تمام آئمہ کرام، محدثین کرام اور بزرگانِ دین کو مانتے ہیں۔ ہاں! اتنا فرق ضرور ہے کہ ہم اندھا دھند اور بلا دلیل و تحقیق نہیں مانتے۔ جس طرح کہ حنفی ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اندھا دھند پیروی کرنی ہے۔ یعنی ان سے منسوب ہر بات بلا تحقیق و دلیل قبول کر لینی ہے اور ان کے علاوہ باقی علمائے دین کی ہر بات جو فقہ حنفی کے مطابق نہ ہو اسے اندھا دھند اور بلا تحقیق و دلیل رد کر دینی ہے۔ جبکہ ہم ہر محدث، ہر امام اور ہر بزرگ کی ہر وہ بات مانتے اور قبول کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو اور ان کی وہ بات قبول نہیں کرتے جو قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو۔

یعنی ہم ہر امام اور بزرگ ولی اور پیر وغیرہ کے ہر قول، فرمان اور تحقیق کو قرآن و حدیث پر پیش کرتے ہیں۔ اسے قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو تو سر آنکھوں پر اور اگر یہ قرآن و حدیث کے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترتا ہو تو پھر ہم اسے قبول نہیں کرتے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: کیا نئے دور کے نئے مسائل کے حل کے لئے فقہ ضروری ہے؟

تقلید کے اثبات کے لئے ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ وقت کے بدلنے سے مسائل کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان نئے مسائل کا حل صرف فقہ پیش کرتی ہے۔ پس تقلید ضروری ہے اس کے بغیر آپ زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتے بلکہ پیچھے رہ جائیں گے۔

یہ مؤقف اور دلیل کئی وجوہ سے غلط اور باطل ہے۔

پہلی وجہ: جس طرح حضرت محمد ﷺ نبی آخرالزماں ہیں، خاتم النبیین ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح ان کی شریعت یعنی شریعت محمدی ﷺ بھی آخری شریعت ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت محمدی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری شریعت ہے، اور ہر مسلمان کا یہ بھی عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ شریعت قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہے۔ یعنی ہر خطے اور ہر نسل کے ہر پرانے اور ہر نئے آنے والے تمام انسانوں کے لئے یہی شریعت کافی ہے۔ نئے آنے والے انسانوں کے لئے کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی بلکہ شریعت محمدی ﷺ ہی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے۔

اب چونکہ شریعت محمدی ﷺ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے ہے تو لامحالہ یہ بات تبھی درست ہوسکتی ہے جب اس میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل بھی موجود ہو۔ اگر یہ شریعت وقت گزرنے کے ساتھ نئے آنے والے لوگوں کے نئے مسائل کا حل پیش نہیں کرتی تو پھر یہ بات غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ شریعت محمدی ﷺ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے ہے۔

پس جو مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور شریعت محمدی ﷺ آخری شریعت ہے اور یہ تاقیامت ہر انسان کے لئے ہے تو پھر لازمی طور پر یہ عقیدہ بھی رکھنا پڑے گا کہ اس شریعت میں قیامت تک پیش آنے والے تمام نئے اور پرانے مسائل کا حل موجود ہے۔ اس دوسرے عقیدے کے بغیر پہلا عقیدہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس دوسرے عقیدہ کا انکار دراصل پہلے عقیدہ کا انکار ہے۔ یعنی اس بات کا دعویٰ کرنا کہ اس دین میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل موجود نہیں دراصل اس بات کا انکار ہے کہ یہ دین قیامت تک کے لئے ہے۔

پس اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ شریعت محمدی ﷺ قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہیں کہ اس میں نئے مسائل کا حل موجود نہیں تو یہ دونوں باتیں بیک وقت درست نہیں ہوسکتیں۔ یعنی ایک یہ کہ "شریعت محمدی ﷺ آخری شریعت ہے، اس میں قیامت تک کے ہر انسان کے لئے راہنمائی موجود ہے" اور دوسری یہ کہ "اس شریعت میں بعض مسائل کا حل موجود نہیں"۔ ان میں ایک

بات لازمی طور پر غلط ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ پر ہے آپ کس بات کو غلط کس کو درست تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾ [المائدہ : ۵/۳]

''آج کے دِن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔

کامل اور مکمل اس چیز کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہ ہو۔ تبھی اس کو مکمل کہتے ہیں۔ اگر کسی چیز میں کسی قسم کی کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے مکمل نہیں کہتے بلکہ اسے نامکمل کہتے ہیں۔ مثلاً ماہ رمضان میں حافظ صاحب یکم رمضان کو قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے ہیں اور عام طور پر ستائیسویں یا اس سے ایک دو دِن پہلے یا بعد میں قرآن مجید مکمل کر لیتے ہیں۔ اب حافظ صاحب کے قرآن مجید مکمل کرنے کا مطلب صرف یہی ہے کہ انہوں نے پورے اور مکمل قرآن مجید کی تلاوت کی ہے۔ کوئی ایک آیت بھی نہیں چھوڑی۔ اب یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ حافظ صاحب نے کچھ آیات چھوڑ دی ہیں اور ان کی تلاوت نہیں کی۔ اور اگر یہ بات درست ثابت ہو جائے کہ واقعی حافظ صاحب نے دورانِ تلاوت کچھ آیات چھوڑ دی تھیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید مکمل نہیں کیا۔ اور اگر انہوں نے قرآن مجید مکمل کیا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کوئی ایک آیت بلکہ کوئی ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا۔ ہاں! بتقاضائے بشریت حافظ صاحب سے کسی غلطی اور کوتاہی کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہاں کسی انسان کی تو بات ہی نہیں ہو رہی کہ جس سے کوئی کمی و کوتاہی ہو جائے۔ بلکہ یہاں تو خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی بات ہو رہی ہے۔ اللہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اب جس چیز کو اللہ تعالیٰ کہہ دیں کہ یہ مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کمی و کوتاہی کا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس دین کو اللہ تعالیٰ کہہ دیں کہ یہ مکمل اور کامل دین ہے اس دین کے متعلق یہ کہنا کہ کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس دین میں موجود نہیں ہیں۔ ذرا سوچیں آپ کس کی بات کو غلط کہہ رہے ہیں۔ کس کی بات کو جھٹلا رہے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ایمان کی فکر کریں۔ کیونکہ یہ بات کہنا کہ کچھ مسائل کا حل اس دین میں موجود نہیں ہے دراصل اس بات کا دعویٰ کرنا ہے کہ یہ دین نامکمل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بات اس بات کا ردّ ہے کہ

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾ [المائدہ: ۵/۳]

''آج کے دِن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔

اگر مقلدین اس بات کو تسلیم کر لیں جو کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دین مکمل ہے تو پھر انہیں یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ اس میں ہر مسئلے کا چاہے وہ نیا ہو یا پرانا حل موجود ہے۔ اب اگر اس بات کو

تسلیم کرلیا جائے کہ دین مکمل ہے اور اس میں ہر نئے و پرانے مسئلے کا حل موجود ہے تو پھر فقہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جس پر کہ مقلدین حضرات کے دین کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

بہر حال ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہارے لئے دین اسلام مکمل کر دیا ہے' اس لئے اس بات کا اس کے سوا کچھ مطلب نہیں کہ یہ دین ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی و کوتاہی نہیں ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہر نئے اور ہر پرانے مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کامل اور مکمل دین کے ہوتے ہوئے کسی نئے دین اور کسی نئی فقہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا یہ دو عقیدے اوّلاً یہ کہ "دین مکمل ہے" اور دوئم یہ کہ "بعض نئے مسائل کا حل قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے" بیک وقت درست نہیں ہو سکتے۔ ایک کا انکار دوسرے کا انکار ہے۔ یعنی اگر آپ یہ بات کہیں کہ بعض مسائل ایسے ہیں جو قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے تو یہ اس بات کی واضح نفی ہے کہ دین مکمل ہے۔ کیونکہ جب کچھ مسائل یا کچھ مسائل کا حل اس دین میں موجود نہیں تو وہ مکمل کس طرح ہوا وہ تو نامکمل ٹھہرا۔

مقلدین حضرات شاید یہ خیال رکھتے ہیں کہ دین مکہ و مدینہ میں حضرت محمد ﷺ سے مکمل نہیں ہوا بلکہ اس کی تکمیل کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاتھوں انجام پائی۔ (العیاذ باللہ)

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ قیامت کو ہر شخص اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہوگا فیصلہ کریں کہ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ بات ماننی ہے کہ "دین مکمل ہے" یعنی اس میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے یا اس کے برعکس آپ نے مقلدین کی یہ بات ماننی ہے کہ "بعض مسائل کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں"۔ یعنی دین نامکمل ہے۔

تیسری وجہ: اگر نئے نئے مسائل پیدا ہونے کی بات درست مان لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج کل نئے مسائل پیدا نہیں ہو رہے اور آنے والے وقت میں مزید نئے مسائل پیدا نہیں ہوں گے؟ ان کا حل کون دے گا۔ اگر مقلدین یہ کہیں کہ امام صاحب نے ایسی فقہ ترتیب دی ہے کہ یہ آنے والے وقت کے تمام مسائل کا حل پیش کرتی ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ کام حضرت محمد ﷺ نے کیوں نہ کیا۔ انہوں نے ایسی شریعت کیوں پیش نہ کی جو آنے والے وقت کے تمام مسائل کا حل پیش کرتی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا دین صرف چند سو سال کام دے سکا اور نئے نئے مسائل کی وجہ سے فقہ کی ضرورت پڑ گئی جبکہ امام صاحب نے ایسا کامل اور مکمل دین پیش کیا کہ وہ کئی سو سالوں سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک کام دیتا رہے گا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے تو صرف ایک یا دو سو سال بعد ہی امام صاحب کی ضرورت پڑ گئی جو نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل پیش کرے لیکن امام صاحب کے بعد تیرہ چودہ سو سال ہو گئے مزید کسی امام کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ شاید قیامت تک پیش نہ آئے۔

کیا امام صاحب کی وفات۔کے بعد آج تک کوئی نیا مسئلہ پیش نہیں آیا اور آئندہ قیامت تک مزید کوئی نیا مسئلہ پیش نہ آئے گا؟ اگر مقلدین کہیں کہ امام صاحب نے اصول ہی ایسے بنائے ہیں کہ وہ قیامت تک پیش آنے والے تمام نئے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں' تو ہمارا سوال پھر وہی ہے کہ یہ کام حضرت محمد ﷺ کیوں نہ کر سکے؟ انہوں نے ایسے اصول کیوں پیش نہ کئے جو آنے والے تمام مسائل کا حل پیش کرتے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ان پر وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ فلاں وقت میں فلاں نیا مسئلہ پیش آنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آنے والے تمام مسائل کا حل کیوں نہ بتایا تا کہ وہ اپنی اُمت کو بتا سکتے۔

ایک سوال: بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو علم غیب حاصل تھا۔ اس کا لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت تک پیش آمدہ تمام واقعات و مسائل کا علم تھا۔ اس صورت میں نبی کریم ﷺ نے ان مسائل کا حل کیوں پیش نہ کیا جن کا حل بعد میں امام ابوحنیفہ نے پیش کیا۔ کیا نبی کریم ﷺ دین کو نامکمل چھوڑ گئے؟

دوسرا سوال: اگر واقعتاً ایسا ہی ہے کہ دین کے کچھ مسائل ہیں جن کا ذکر یا جن کا حل قرآن و حدیث میں نہ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾[المائدہ : ۵/ ۳۰]

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔

تیسرا سوال: بریلوی حضرات کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے دُنیا میں زندہ تھے اور وہ ہر ایک کی بات سنتے ہیں۔ تو پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ ان نئے مسائل کے حل کے لئے ان کی طرف رجوع کیوں نہیں کیا جاتا۔ ان مسائل کا حل حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ سے کیوں پوچھا جاتا ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ آخر قبر میں نبی کریم ﷺ کی دُنیاوی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وہ زندہ ہونے کے باوجود خود ان نئے مسائل کا حل کیوں نہیں بتاتے؟ اُمت مسلمہ اختلافات میں گھری ہوئی ہے۔ ایک ایک مسئلہ کے بارے بیسیوں مختلف آراء ہیں۔ آخر نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر ان اختلافات کو دور کیوں نہیں کیا جاتا اور نبی کریم ﷺ ان اختلافات کو جانتے بوجھتے ان کا حل پیش کیوں نہیں کرتے؟

کیا واقعی بعض مسائل ایسے ہیں جو کہ قرآن وحدیث میں نہیں ہیں اور وہ امام صاحب نے بتائے ہیں؟

مقلدین حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ بعض مسائل یا بعض مسائل کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے اور وہ مسائل یا ان مسائل کا حل ہمیں امام صاحب نے بتایا ہے۔ مقلدین اس سلسلہ میں کچھ مثالیں بھی پیش کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ اور فلاں مسئلے کا حل قرآن وحدیث میں نہیں ہے اگر ہے تو ہمیں ڈھونڈ کر بتائیں۔ ان کے بقول یہ مسائل اور ان کا حل ہمیں امام صاحب نے بتایا ہے۔

ہمارا دعویٰ اور عقیدہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ آپ کسی بھی مسئلہ کی نشاندہی کریں ہم ان شاء اللہ اس کا حل قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ سے بتائیں گے۔ لیکن فی الوقت ان سطور میں ہمارا موضوع مقلدین کے اس دعوے کی جانچ پڑتال ہے کہ "بعض مسائل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہیں"۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ دعویٰ درست ہے یا غلط۔ اس اہم مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہم مقلدین سے کچھ سوال کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے متوقع جواب بھی درج کئے جارہے ہیں تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو سکے۔

دعویٰ مقلدین کا یہ ہے کہ فلاں مسئلہ قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے اور یہ ہمیں امام صاحب نے بتایا ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ مسئلہ قرآن وحدیث میں تو ہے نہیں تو امام صاحب نے کہاں سے بتایا؟ ہمارے سوال اسی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش ہے۔

سوال نمبر 1: مسئلہ قرآن وحدیث میں ہے نہیں اور امام صاحب بتارہے ہیں تو کیا امام صاحب پر وحی نازل ہوتی تھی؟

متوقع جواب: نہیں! ہرگز نہیں۔ امام صاحب پر قطعاً کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ حضرت محمد ﷺ نبی آخرالزماں ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ وحی کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو چکا۔

سوال نمبر 2: مسئلہ یا اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث میں تو ہے نہیں تو کیا امام صاحب نے یہ مسئلہ یا اس کا حل خود تخلیق کیا ہے؟ اپنے پاس سے گھڑ کر بیان کیا ہے؟ امام شریعت کی تشریح کرنے والے تھے یا خود شریعت بنانے والے؟ کیا امام صاحب کا کام یہی تھا کہ اپنے پاس سے گھڑ گھڑ کر لوگوں کو مسئلے اور ان کا حل بتاتے رہتے تھے؟ کیا وہ شریعت ساز تھے؟

متوقع جواب: نہیں! قطعاً نہیں۔ نہ تو امام صاحب شریعت ساز تھے اور نہ ہی وہ اپنے پاس سے گھڑ کر لوگوں کو کچھ بتاتے تھے۔ وہ خود شریعت تخلیق نہیں کرتے تھے۔ وہ کوئی بھی مسئلہ یا کسی مسئلے

کا حل اپنے پاس سے بنا کر شریعت بنانے کے سنگین جرم کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔

سوال نمبر 3: اب صورت حال کچھ یوں ہے کہ مسئلہ قرآن وحدیث میں تو ہے نہیں اور نہ تو امام صاحب پر وحی آتی تھی اور نہ ہی وہ کسی مسئلے کا حل اپنے پاس سے بیان کرتے تھے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امام صاحب مسئلے کا حل کیسے بیان کرتے تھے؟ وہ مسئلے کا حل کہاں سے نکالتے تھے؟ کہاں سے اخذ کرتے تھے؟ ان کا منبع و ماخذ کیا تھا جہاں سے وہ مسائل کا حل ڈھونڈتے تھے۔

متوقع جواب: ہر عالم کو اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھ سکے۔ اس لئے وہ بعض پیچیدہ مسائل کا حل نہیں ڈھونڈ سکتا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قرآن وحدیث اور فقہ کے بہت بڑے عالم اور مجتہد تھے۔ وہ تقریباً تمام آیات واحادیث کا مطلب سمجھتے تھے۔ وہ انتہائی غور وفکر اور بڑی فہم وفراست سے ان آیات و احادیث سے پیچیدہ مسائل کا حل ڈھونڈ لیتے تھے جن کو دوسرے ڈھونڈے سے قاصر رہتے تھے۔

ان کا منبع و ماخذ جہاں سے وہ مسائل اخذ کرتے تھے قرآن وحدیث تھا۔ وہ قرآن وحدیث پر ہی غور وفکر کر کے مسائل کا حل ڈھونڈتے تھے۔

نتیجہ:

مقلدین کا یہ دعویٰ بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض مسائل یا ان کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے اور اب ان کے اس جواب پر بھی غور کریں کہ امام اپنے پاس سے کچھ نہیں بتاتے تھے بلکہ قرآن وحدیث سے ہی مسائل کا حل ڈھونڈ کر بتاتے تھے۔

اب یہ دونوں باتیں ایک یہ کہ بعض مسائل یا ان کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں اور دوسری یہ کہ امام صاحب ان مسائل کا حل قرآن وحدیث سے ڈھونڈ کر بتاتے تھے۔ بیک وقت ہرگز درست نہیں ہوسکتیں۔ ان میں سے ایک لازمی طور پر غلط اور نا درست ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بعض مسائل قرآن وحدیث میں نہیں ہیں تو پھر انہیں وہاں سے ڈھونڈنا کیسا؟ جو چیز کسی جگہ ہے ہی نہیں اس چیز کو ہاں سے ڈھونڈا کیسے جا سکتا ہے؟ زید اگر گھر میں ہے ہی نہیں تو زید کو گھر کے اندر ڈھونڈنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ تو ایک عبث اور فضول کام ہے۔

اور اگر آپ یہ کہیں کہ امام صاحب اپنے پاس سے کچھ نہیں بتاتے تھے بلکہ قرآن وحدیث ہی سے مسائل اخذ کر کے بتاتے تھے' تو پھر آپ کا یہ دعویٰ قطعی طور پر غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ بعض مسائل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ جب منبع و ماخذ ہی قرآن وحدیث ہے' انہی پر غور و فکر کرنا ہے۔ انہی کے اندر سے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ وہ مسائل

قرآن وحدیث میں موجود ہیں تبھی تو وہاں سے اخذ کئے جا رہے ہیں۔ تو دریں صورت یہ کہنا کہ وہ مسائل قرآن وحدیث کے اندر ہیں ہی نہیں تو یہ سراسر جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ ہے۔ پس یہ دعویٰ ہرگز درست نہیں کہ بعض مسائل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ مسائل یا ان کے حل کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

1. جو کچھ امام صاحب نے بیان کیا ہے وہ واقعی قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے تو پھر امام صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اپنے پاس سے گھڑ کر بیان کیا ہے اور یوں نئی شریعت تخلیق کر کے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔
2. یا پھر وہ قرآن وحدیث کے اندر موجود تو ہے لیکن اسے ڈھونڈا امام صاحب نے ہے۔ اخذ امام صاحب نے کیا ہے یا آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ قرآن وحدیث میں موجود تو ہے لیکن اشارۃً اور کنایۃً ہے یعنی پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ نہیں۔ اور امام صاحب نے اسے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ تو جو چیز قرآن وحدیث میں موجود تو ہو لیکن پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ نہ ہو تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قرآن و حدیث میں موجود ہی نہیں۔ جو چیز کسی جگہ موجود ہو تو تبھی اسے وہاں سے ڈھونڈا جاتا ہے اور تبھی اس کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ جو چیز موجود ہی نہ ہو تو اسے ڈھونڈنا کیسا اور اس کی وضاحت کیسی؟

یعنی جو مسائل قرآن وحدیث میں موجود تو تھے لیکن بوجوہ دوسرے انہیں نہ ڈھونڈ سکے' لیکن امام صاحب نے انہیں ڈھونڈ لیا یا ان کی پوری تفصیل موجود نہ تھی لیکن امام صاحب نے انہیں فصاحت و بلاغت سے بیان کر دیا۔ ان مسائل کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسائل قرآن وحدیث میں موجود ہی نہیں ہیں۔

پس مقلدین کا یہ دعویٰ کہ بعض مسائل یا ان کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے ہرگز درست نہیں بلکہ سراسر غلط ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیان کردہ شریعت پر بہتان ہے اور اسے ادھوری اور نامکمل ثابت کرنے کی سازش ہے۔

حنفیوں کا طریق کار اور طرز استدلال:

حنفی علماء نے اپنی کتابوں میں جس طریقہ کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے فقہی مسائل کا ذکر کرتے ہیں' جن میں وہ اپنے مذہب کی برتری ثابت کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان مسائل میں اپنے

امام کے اختیار کردہ فیصلہ کی روشنی میں اصول وقواعد مقرر کرتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں ان کے امام کا اختیار کردہ فیصلہ ان کے مقرر کردہ کسی قاعدہ کے خلاف پڑ جائے تو وہ اپنے اس قاعدہ کو ایسی شکل دے دیتے ہیں جو ان کے امام کے فیصلہ کے مطابق ہو۔ گویا انہوں نے وہی قواعد مقرر کئے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے سمجھا کہ ان کے امام نے ان ہی کے مطابق مسائل کا حل بتایا ہوگا اور ان میں اپنے فیصلے دیئے ہوں گے۔

دوسرے لفظوں میں حنفیوں کا طریقہ استدلال کچھ یوں ہے کہ پیش آمدہ اختلافی مسئلہ سب سے پہلے امام صاحب کی فقہ پر پیش کیا جاتا ہے' اور امام صاحب کا فیصلہ دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ بعدازاں ان کے فیصلہ کی روشنی سے ان کے فیصلہ کی تائید اور مطابقت والی احادیث ڈھونڈی جاتی ہیں چاہے وہ ضعیف' موضوع اور منکر ہی کیوں نہ ہوں اور انہیں اپنے امام صاحب کے فیصلہ کی تصدیق کے لئے پیش کیا جاتا ہے' اور اس مسئلہ سے مطابقت نہ رکھنے والی تمام احادیث کو رد کر دیا جاتا ہے چاہے وہ شک وشبہ سے پاک بالکل صحیح احادیث ہوں۔ یعنی اختلافی مسائل کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے امام ابوحنیفہ سے کروایا جاتا ہے۔ جبکہ ہونا یوں چاہئے تھا کہ اختلافی مسائل کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کروایا جاتا۔ یعنی اختلافی مسائل قرآن وحدیث پر پیش کئے جاتے اور جو بات قرآن وحدیث کی رو سے درست ہوتی اسے مان لیا جاتا۔ اور جو بات قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہوتی اسے رد کر دیا جاتا۔ جس امام کی بات قرآن وحدیث کے مطابق ہوتی اسے قبول کر لیا جاتا اور جس امام کی بات قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہوتی اسے رد کر دیا جاتا۔ جبکہ ہوتا یوں ہے کہ اختلافی مسائل قرآن وحدیث کی بجائے امام ابوحنیفہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جو بات ان کی فقہ کے مطابق درست ہو اسے قبول کر لیا جاتا ہے اور جو بات ان کی فقہ کے مطابق درست نہ ہو اسے رد کر دیا جاتا ہے' چاہے وہ بات حدیث کے مطابق درست ہی ہو۔ یہ صریحاً ظلم اور ناانصافی ہے۔

حنفیوں کا طریقہ کار کیا ہے؟ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھو' نماز کی یہ فضیلت ہے' نماز کا یہ ثواب ہے' نماز کا یہ درجہ اور مقام ہے۔ قرآن پاک کی آیات واحادیث نماز کی فضیلت کے بارے میں پیش ہو رہی ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز پڑھیں کیسے؟ جواب یہ ہے کہ "جیسے امام صاحب نے فرمایا ہے"۔ اب حدیثیں کہاں گئیں' اس سوال کا یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ "جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے"۔ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ نہیں پڑھنی۔ کیوں؟ امام ابوحنیفہؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اللہ کے بندو رسول اللہ ﷺ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟

یہ اسلام نہیں۔ اسلام یہ ہے کہ ہر معاملے میں' چاہے وہ معاملہ اجتہاد کا ہو' فضائل کا ہو' طریقے کا ہو یا عقیدے کا ہو' طریقہ نماز' طریقہ حج' طریقہ سیاست و معاشرت' غرض ہر معاملے میں راہنمائی رسول اللہ ﷺ سے لی جائے۔ یہی سچا ایمان ہے۔ جبکہ تقلید میں ایسا نہیں ہوتا' بلکہ تقلید میں راہنمائی امام صاحب سے لی جاتی ہے۔ جیسا کہ حنفی حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے راہنمائی لیتے ہیں' اسی لئے تو ان کا نام حنفی ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنے والے۔ کاش! یہ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنے والے ہوتے۔

مقلدین کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے امام کی ایسی تعظیم کرتے ہیں کہ جیسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ ﷺ کی نہ کی تھی۔ کسی امام کا مقلد جب کوئی حدیث اپنے امام کے مذہب کے موافق پاتا ہے تو خوش ہو کر اسے قبول کر لیتا ہے۔ لیکن یہی شخص جب کوئی حدیث اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے کے مسلک کی تائید میں پاتا ہے تو اس کے قبول کرنے سے اعراض کرتا ہے اور اس سے جان چھڑانے کے لیے طرح طرح کی دور از کار تاویلوں کے دروازے کھولتا ہے اور اس حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے مذہب کو راجح ثابت کرنے کی دلیلیں ڈھونڈتا ہے حالانکہ وہ حدیث اپنی جگہ بالکل صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے۔

قرآن میں بار بار ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ کا ذکر ہے۔ تقلید امام کا کہیں نام و نشان تک نہیں اور نہ یہ ہی کہا گیا ہے کہ کچھ عرصہ بعد قرآن و حدیث کو سمجھنا ممکن نہیں رہے گا اور پھر اس وقت تقلید امام واجب ہو جائے گی۔ جس طرح سے یہ پیشوائے مقلدین اقوال رجال کو ثابت کرنے کے لیے بڑی بڑی علمی کاوشیں کرتے ہیں اور ایسے ایسے دلائل اکٹھے کرتے ہیں کہ جن سے ان کا امام بھی واقف نہیں تو یہ لوگ اپنی ذہانت اور محنت اور اپنی صلاحیتوں کو قرآن و حدیث میں غور و فکر کے لیے استعمال کیوں نہیں کرتے؟ ایسا غور و خوض جو کہ تعصب سے پاک ہو اور صرف حق کی جستجو کے لیے ہو:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد : ٢٤/٤٧]

''کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دِلوں پر تالے لگ گئے ہیں''۔

مفتی محمد شفیع (دیوبندی) فرماتے ہیں: ''قادیان کے سالانہ جلسے میں سید محمد انور شاہ کاشمیری اندھیرے میں بوقت فجر سر پکڑے بیٹھے تھے کہ میں نے پوچھا حضرت مزاج کیسا ہے؟ فرمایا ٹھیک ہی ہے' میاں کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع ہو چکی۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہماری عمر اور کدو کاوش کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ پر آپ کی ترجیح ثابت کریں۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی''۔ [1]

---

[1] وحدت امت: ص ۱۸، مطبع المنبر فیصل آباد.

سنت رسول بہتر یا سنت امام؟

تقلید کا سلسلہ سراسر گمراہی کا سلسلہ ہے' اس سے بالکل بچنا چاہیے۔ اب آپ دیکھ لیں کہ آپ کو سنت رسول ﷺ چاہیے یا سنت امام۔ اگر سنت رسول ﷺ چاہیے تو وہ حدیث رسول ﷺ سے ملے گی۔ اگر سنت امام چاہیے تو وہ فقہ حنفی سے ملے گی۔ اگر آپ اعتراض کریں کہ سنت تو صرف رسول ﷺ کی ہوتی ہے امام کی نہیں تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ اگر امام کی سنت نہ ہو تو آپ حنفی کیوں بنے' آخر حنفی کسے کہتے ہیں؟ تو آپ جواب دیں گے کہ حنفی وہ ہوتا ہے جو فقہ حنفی پر چلے یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر۔ پھر ہم آپ سے سوال کریں گے کہ مسلک سے کیا مراد ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ مسلک طریقہ کو کہتے ہیں۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ سنت بھی طریقہ کو کہتے ہیں' جب ہم کہتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا طریقہ ہے' اس طریقہ سے انھوں نے یہ کام کیا تھا یا کرنے کو کہا تھا۔ لہٰذا جس کے طریقہ پر آپ (مقلد) چلتے ہیں گویا اس کی سنت پر آپ عمل کرتے ہیں۔ کہیے یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ حنفی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے طریقہ پر چلتا ہے' اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر۔ اگر مقلد ہماری اس بات پر اعتراض کرے اور کہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا طریقہ کوئی علیحدہ تو نہیں' ان کا طریقہ بھی تو وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ہے؟ تو اس اعتراض کا بھی معقول جواب ہمارے پاس موجود ہے لیکن اگر کوئی عقل سلیم والا ہو تو اسے سمجھے! بات انتہائی اہم ہے اور توجہ طلب بھی' کیونکہ نکتہ باریک ہے۔ تو ذرا غور سے سنیے۔

خواہ امام کا طریقہ وہی ہو جو نبی ﷺ کا طریقہ ہے یا مختلف' حنفی مقلد کے پیش نظر تو طریقہ حنفی ہوتا ہے' وہ تو حنفی طریقہ پر ہی چلتا ہے وہ سنت رسول ﷺ کے موافق ہو یا مخالف۔ اگر مخالف ہو تو اسے ڈر نہیں کہ سنت رسول ﷺ کی مخالفت ہوتی ہے اور اگر موافق ہو تو اسے خوشی نہیں کہ میں نے سنت رسول پر عمل کیا ہے کیونکہ اس کا مطمع نظر فقہ حنفی پر چلنا ہے۔ حنفی اگر شروع نماز میں رفع الیدین کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ سنت رسول ہے بلکہ وہ اس لیے کرتا ہے کہ حنفی طریقہ نماز یہی ہے' وہ رکوع کو جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہیں کرتا' اس لیے نہیں کہ یہ سنت رسول نہیں بلکہ اس لیے کہ حنفی نماز میں یہ رفع الیدین نہیں۔ جو رفع الیدین حنفی مذہب میں نہیں خواہ وہ سنت رسول ہو وہ اسے گھوڑے کی دم مارنے سے تشبیہ دیتا ہے یا مکھیاں مارنے سے تعبیر کرتا ہے۔ جو اس کے مذہب میں ہے خواہ وہ سنت رسول ﷺ نہ ہو وہ اس پر جان دیتا ہے جیسے وتروں والی رفع الیدین۔ پس حقیقت حال یہی ہے کہ مقلدین کو بالکل یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان کا یہ مسئلہ سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے یا مخالف۔ انہیں تو یہ یاد ہوتا ہے کہ وہ حنفی ہیں

اور انہیں اپنی فقہ پر چلنا ہے۔ مقلدین کو صحیح سے صحیح حدیث بھی دکھائی جائے اگر چہ وہ اس حدیث کا انکار نہیں کرتے لیکن وہ اس حدیث پر عمل بھی نہیں کرتے۔ ان کے دِل میں یہ ہوتا ہے کہ ''یا یہ حدیث ٹھیک نہیں یا اس کا مطلب وہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے یا یہ منسوخ ہے یا کوئی اور بات ہے۔ بہر کیف جب ہمارے امام نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا تو ہم کیوں کریں۔ ہم تو اپنے امام کے مذہب پر چلیں گے''۔ الغرض حنفی اپنے امام کے مسلک ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ قول امام کو حدیث رسول پر پیش نہیں کرتا بلکہ حدیث رسول کو قول امام پر پیش کرتا ہے۔ اگر سنت رسول امام کے مسلک پر پوری اترتی ہو تو اسے قبول کرتا ہے وگرنہ نہیں۔ تبھی تو ہم کہتے ہیں کہ حنفی کا اہل سنت کا دعویٰ کرنا ٹھیک نہیں۔ جب وہ سنت رسول ﷺ پر چلتا نہیں' اپنے امام کی سنت پر چلتا ہے تو اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرے۔ اللہ کی قسم! جس پابندی کے ساتھ آج ایک حنفی اپنے امام کی تقلید کرتا ہے اگر وہ اسی پابندی کے ساتھ اتباع رسولؐ کرے تو اس کی نجات ہو جائے۔ لیکن اس حال میں وہ نجات کی کیا توقع کر سکتا ہے۔

ہم آپ مقلدین سے دوٹوک بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ آپ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں اگر آپ موسیٰ علیہ السلام کی تقلید بھی کریں تو بھی نجات نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اگر آج موسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور تم ان کے پیچھے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ گے''۔ ❶

اب آپ سوچ لیں کہاں موسیٰ علیہ السلام اور کہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں نجات نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید میں کیسے نجات ہو سکتی ہے؟ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی کد نہیں' ہمیں ان سے کوئی حسد نہیں' نہ ہم کسی کے مقلد ہی ہیں کہ ہم آپ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے توڑ کر کسی اور سے جوڑ رہے ہیں۔ ہم تو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی دعوت دے رہے ہیں جن کا آپ کلمہ پڑھتے ہیں۔ جن کی پیروی میں نجات ہے اور اس سے باہر نجات نہیں' سوچ لیں' معاملہ نجات کا ہے اگر حنفیت پر آپ کا خاتمہ ہو گیا تو معاملہ بڑا خطرناک ہے۔

حنفی مدارس میں حدیث کیوں پڑھائی جاتی ہے؟

یہ بالکل درست ہے کہ آج کے دور میں احناف کے مدارس میں دورۂ حدیث کروایا جاتا ہے مگر یہ اس وقت جب طالب علم حدیث کو ٹھکرانے کی پوزیشن سنبھال چکا ہوتا ہے' وہ ایسے کہ طالب علم جب ابتداء کرتا ہے تو ساتھ ہی فقہ کی کتب شروع کرا دی جاتی ہیں۔ سات سال تک وہ فقہ کی کتابیں' کنز'

❶ دارمی: المقدمة، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ (٤٤١). مسند احمد: ٣/ ٤٧١.

قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ وغیرہ پڑھتا رہتا ہے اور آخری ایک سال میں اس کو حدیث کا درس دے دیا جاتا ہے اور وہ بھی مکمل صحاح ستہ کا نہیں بلکہ منتخب ابواب کا۔ اور پھر اسے سند دے دی جاتی ہے کہ اب یہ شیخ الحدیث بن گیا ہے۔ جب احناف سے یہ سوال کیا جائے کہ تم ابتداء سے حدیث کیوں نہیں پڑھاتے ہو تو فوراً جواب ملتا ہے کہ ابھی طالب علم میں حدیث سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ حالانکہ فقہ حنفی کی کتب، کتب احادیث سے بہت مشکل ہیں جبکہ حدیث کی کتب، کتب فقہ کے مقابلے میں بالکل آسان ہیں۔ لیکن یہ حنفی بزرجمہر ہیں کہ کہتے ہیں ابھی طالب علم میں حدیث سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قارئین کرام! طالب علم میں حدیث سمجھنے کی صلاحیت تو ضرور ہوتی ہے مگر حدیث ٹھکرانے کی صلاحیت ابھی پیدا نہیں ہوئی ہوتی۔ جب وہ فقہ حنفی پر عبور حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ حدیث کو درخود اعتناء نہ سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر آخری سال بھی حدیث اس لئے نہیں پڑھائی جاتی کہ اس کو سمجھا جائے یا اس پر عمل کیا جائے بلکہ صرف اس لئے حدیث پڑھائی جاتی ہے تاکہ بوقت ضرورت اس حدیث کا رد کر سکے۔

رضائے الٰہی کا سبب: اتباع یا تقلید؟

ہر قسم کی عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، جہاد، تبلیغ کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اللہ کی رضا کیسے حاصل ہوگی؟ اس کی راہنمائی قرآن مجید کرتا ہے کہ رضائے الٰہی کا کیا طریقہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي ﴾[آل عمران : ۳۱/۳]

"(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضاء اور محبت اتباع رسول پر قائم ہے۔ اللہ کی رضاء اللہ کے پیغمبر کی اطاعت و اتباع اور محبت میں ہے۔ اللہ کی رضا تقلید میں نہیں ہے۔ ایسی کسی آیت یا حدیث کا وجود نہیں ہے جس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہو کہ اللہ کی رضا تقلید میں ہے۔ اللہ کی رضا اطاعت رسول ﷺ میں ہے نہ کہ تقلید میں۔

اللہ کی محبت، خوشنودی اور رضاء ایسی چیزیں ہیں جو تمام اعمال اور پوری شریعت کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ نہیں کچھ نہیں اور اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ اور یہ سب کچھ اتباع اور اطاعت پر قائم ہے۔ یہ سب کچھ تقلید پر قائم نہیں ہے۔ تقلید سے اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ شریعت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اللہ کی رضا و خوشنودی تقلید میں ہے۔ شریعت میں جس بات کا ثبوت ہے وہ یہ کہ اللہ کی محبت و خوشنودی اتباع رسول میں ہے۔

فقہ حنفی کی تاریخ:

یہ بات مسلمہ ہے کہ چاروں اماموں میں سے تین آئمہ کرام نے خود کتابوں کو تصنیف کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا لکھی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے الام والرسالہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد تحریر فرمائی، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی کتاب منقول نہیں۔ اس بات کا اعتراف حنفی محقق مولانا شبلی نعمانی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''ہم نے یہی معلوم کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی''۔ [1]

ماسوائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے آئمہ اربعہ اور ان کے ہم عصر دوسرے آئمہ کرام وعلمائے کرام سے محدثین نے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمدؒ امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ امام ابوداوٗدؒ امام ابن ماجہؒ امام دارمی رحمہم اللہ نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔ [2]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود کوئی کتاب نہیں لکھی، فقہ حنفی کی جتنی کتابیں ہیں سبھی امام صاحب سے تقریباً تین سو سال بعد حنفی علماء نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی بتائی ہوئی باتوں کی مدد سے تصنیف کیں اور وہ بھی بغیر کسی سند کے۔ یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آیا ان کتابوں میں واقعی امام ابوحنیفہ کے فتوے ہیں بھی یا نہیں، کیونکہ فقہ کی کوئی سند نہیں۔ فقہ کی کتب کے مصنفین اور امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے اور پھر ان ہزاروں مسئلوں میں سے جو کہ ان کتابوں میں لکھے ہوتے ہیں کسی ایک مسئلہ کی سند امام صاحب تک بیان نہیں کی جاتی تو پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں کا تعلق حضرت امام صاحب کی ذات گرامی یا فرمودات سے ہے۔

مقلدین کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیں کہ امام صاحب کے وہ اقوال جن کے راویوں کے ضبط وعدل کا کوئی اتہ پتہ نہیں، کسی ایک مسئلہ کی سند بھی امام صاحب تک نہیں پہنچتی کہ کس نے سنا اور کس سے سنا۔ وہ پھر بھی حرف بحرف درست بلکہ واجب العمل بھی ہیں۔ لیکن ایسی صحیح حدیث جس کو محدثین بمعہ سند بیان کرتے ہیں اور جن کی اسناد تنقید وتحقیق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہوں ان کو ناقابل عمل ٹھہرانا۔ خدا سے ڈریں اور انصاف سے کام لیں۔ تقلید کی عینک اتار کر دیکھیں کہ کیا قابل عمل ہے، کیا ناقابل عمل۔

حدیث کی سند ہوتی ہے جس کے ذریعے اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ تو جو

---

[1] سیرت نعمان ص ۹۱.

[2] مصفی شرح موطا: ۱/ ۶.

مسئلے سرے سے ہیں ہی بے سند ہوں وہ کیسے درست اور غلطیوں سے پاک قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ کتب فقہ میں امام صاحب کے جس قدر فتوے اور ارشادات موجود ہیں وہ سب بے سند اور بغیر دلیل کے ہیں' کیونکہ ان کی سند امام صاحب تک نہیں ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کا ایک صفحہ بھی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ویسے بھی کتب فقہ حدیث کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ اس میں امام ابوحنیفہ کی رائے اور اجتہاد درج ہے' جو غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ معصوم نہیں ہیں۔ ان سے غلطی کا سرزد ہونا عین ممکن ہے۔ بلکہ اہل علم نے کتب فقہ سے ایک نہیں بیسیوں اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ اور اس بات کا امام ابوحنیفہ کو بھی اندازہ تھا کہ میری تحقیق اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر میرا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ٹکرائے تو اسے ترک کر دو۔ یہ کہہ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بری الذمہ ہو گئے۔ اب پکڑ ان کی ہوگی جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ٹکرانے کے باوجود نہیں چھوڑتے' اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہ اللہ نے واجب کی ہے اور نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ ❁ جو شخص قرآن وحدیث کا علم نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

☆ سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہری دور میں جس شخص کو قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوتا تھا وہ کیا کرتا تھا؟

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں جس شخص کو قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوتا تھا وہ کیا کرتا تھا؟

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جس شخص کو قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوتا تھا وہ کیا کرتا تھا؟

یعنی جب کسی صحابی' تابعی یا تبع تابعی کو کسی مسئلے کا علم نہیں ہوتا تھا' تو وہ کیا کرتے تھے؟ کیا وہ کسی ایک معین امام کی تقلید کرتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر آخر وہ کیا کرتے تھے؟ یقیناً وہ کسی ایسے شخص سے پوچھ اور سن کر اس متعلقہ مسئلے کا علم حاصل کرتے جسے اس مسئلے کا علم ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھتے۔ اسی طرح تابعین بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اپنے ساتھی علمائے کرام سے پوچھ کر علم حاصل کرتے۔ وہ کسی کی تقلید ہرگز نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہمیں بھی صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین کے اس طرز عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔ اور تقلید شخصی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس شخص میں علم کی کمی ہو وہ تقلید کرے۔ کیونکہ پیغمبروں نے جن قوموں کو تقلید آباؤ اجداد سے روکا تھا وہ سب جاہل تھیں، بے علم تھیں، پیغمبروں نے ان کو تقلید سے منع کر

کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور پیروی کے راستے پر لگایا۔

لہٰذا آج اگر کوئی شخص قرآن و حدیث کا علم نہیں رکھتا تو اس کا حل یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ تقلید اختیار کرے بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے اہل علم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم کرے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے عالم سے مسئلہ پوچھے جو کہ خالص قرآن وسنت سے اور صحیح احادیث کی رو سے مسئلہ بتائے نہ کہ اپنے فرقہ اور اپنے امام کے بتائے ہوئے مسئلے بیان کرے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک مسئلہ کے بارے میں مختلف مسالک کے مختلف علماء سے مسئلہ پوچھے۔ ان سے دلیل طلب کرے اور جتنی ممکن ہو اس دلیل کی پڑتال کرے۔ ایسے شخص پر یہ بات فرض ہے کہ مسئلہ دریافت کرتے وقت اس کی نیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم جاننے کی ہو کسی عالم یا امام کی رائے جاننے کی نہ ہو۔ وہ عالم سے پوچھ لے اور اس بات کی تصدیق کر لے کہ جو کچھ آپ بتلا رہے ہیں وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں موجود ہے' وہ کسی خاص گروہ اور خاص عالم کا بندہ نہ بنے' بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بندہ بنے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات جہاں سے بھی ملے چاہے وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو' کسی بھی امام سے ملے اسے قبول کر لے۔ مسئلہ پوچھتے وقت یہ عقیدہ رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب بھی اس کو معلوم ہو گیا کہ فلاں عالم نے اللہ کی کتاب اور احادیث صحیحہ کے خلاف کوئی مسئلہ بتا دیا تھا تو وہ اس مسئلہ کو رد کر دے گا اور اس پر اپنا عمل ترک کر دے گا۔ اور اس بات کی پوری اور بھر پور کوشش کرے گا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اصلی شکل میں اس کے سامنے آ جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم اصل شکل میں اس کے سامنے آ جائے تو وہ فوراً بلا چوں و چرا اسے قبول کر لے چاہے وہ اس کے یا کسی اور عقیدے اور مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

•

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ جاننے کی حالت میں پوچھنا جرم نہیں اور نہ ہی یہ تقلید ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے کسی بزرگ' عالم یا امام کو پیشوا بنا لینا اور اس کے ہر قول و عمل کو بغیر تصدیق و تحقیق کے اپنا لینا غلط ہے اور یہی تقلید ہے۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں کو یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ علم حاصل کرنا بھی ان کا فرض ہے۔ اپنی جہالت پر قائم رہنا اور علم حاصل نہ کرنا اسلامی شان کے خلاف ہے۔ ہر مسلمان کو کم از کم اتنا علم ضرور حاصل کرنا چاہئے کہ قرآن مجید اور احادیث کا ترجمہ و تفسیر پڑھ سکے' اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام براہِ راست معلوم کر سکے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی خاص فرقہ کے خاص عالم کی لکھی ہوئی ترجمہ و تفسیر ہی نہ پڑھتا رہے بلکہ مختلف مسالک کے مختلف علماء کی ترجمہ و تفسیر پڑھے اور حق بات تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

فقہ حنفی کا قرآن وحدیث سے اختلاف

چند مثالیں:

فقہ حنفی نے سینکڑوں مسائل میں رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں بطور نمونہ چند مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

① ایمان میں کمی وزیادتی:

آیت قرآنی:

﴿ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾[الانفال : ٨/٢]

"اور جب قرآن پاک کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو مؤمنوں کا ایمان بڑھ جاتا ہے"۔

فقہ حنفی: زمین اور آسمان والوں، انبیاء، نیک اور بدلوگوں کا ایمان برابر ہے۔ اس میں کمی وزیادتی نہیں ہوتی۔ ❶

② جلسہ استراحت (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بیٹھ کر اٹھنا):

حدیثِ نبویؐ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' جب بھی آپ اپنی طاق رکعت (پہلی اور تیسری) پڑھتے تو اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے"۔ ❷

فقہ حنفی: سجدہ کرنے کے بعد اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو جائے اور بیٹھے مت۔ ❸

③ فرض نماز والی جماعت کے وقت نفل نماز:

حدیثِ نبویؐ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر صرف فرض نماز ہی ہوتی ہے"۔ ❹

---

❶ شرح فقہ اکبر ص ٧٦ مقدمہ عین الھدایہ مترجم اُردو ٢١/١ بحوالہ حقیقۃ الفقہ طبع دوئم ص ٢٤٥ ناشر نعمان پبلی کیشنز۔

❷ بخاری، کتاب الاذان، باب من استویٰ قاعدا فی وتر من صلوٰۃ ثم نھض (١٤٢)۔

❸ ھدایہ ١/ ١١٠' کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ. شرح وقایہ ١/ ١٢٩، ھدایۃ: ١/١٥۔

❹ مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین، باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن فی اقامۃ الصلوٰۃ (١٦٤٤)۔

فقہ حنفی : آدمی مسجد میں پہنچا تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور اس نے ابھی تک فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں، تو آدمی اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی مگر دوسری رکعت میں وہ جماعت میں مل جائے گا تو فجر کی سنتیں مسجد کے دروازے کے پاس پڑھ لے۔ ❶

④ بغیر ولی نکاح:

حدیثِ نبویؐ : ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ❷

فقہ حنفی : امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد، عقلمند، بالغہ عورت ولی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔ ❸

⑤ نفل کے پیچھے فرض:

حدیثِ نبویؐ : حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے، پھر اپنی قوم کے پاس آتے اور ان کو نماز پڑھاتے۔ ❹

جبکہ دارقطنی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ''وہ نماز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نفلی نماز ہوتی اور پیچھے پڑھنے والی قوم کی فرض نماز ہوتی''۔ ❺

اس حدیث سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ اگر امام نفل پڑھ رہا ہو تو اس کی اقتداء میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ ماہ رمضان میں عشاء کے وقت ہوتا ہے جب کسی وجہ سے عشاء کی نماز رہ جائے اور تراویح کی جماعت کھڑی ہو تو آدمی اس میں شامل ہو کر اپنی عشاء کی نماز کو باجماعت بنا سکتا ہے۔ [دو رکعت باجماعت اور باقی دو رکعت اُٹھ کر اکیلا]

فقہ حنفی : فرض نماز پڑھنے والا آدمی نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ ❻

⑥ فجر کی سنتوں کی قضاء:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا،

---

❶ هدايه ١/ ١٥٩، ١/ ٧١، كتاب الصلوٰة، باب ادرك الفريضة. فتاوىٰ عالمگيرى ١/ ١٢٠.

❷ بخارى ٢/ ٧٦٩. ابوداؤد، كتاب النكاح، باب فى الولى (٢٠٨٥).

❸ هدايه ٢/ ٣١٣، ١/ ١٩٦، كتاب النكاح، باب فى الاولياء والاكفاء.

❹ بخارى، كتاب الاذان، باب اذا صلى ثم ام قوماً (٧١١).

❺ دارقطنى ١/ ٢٧٤.

❻ هدايه ١/ ٢٩، كتاب الصلوٰة، باب الامامة. شرح وقايه ١/ ١٧٧، هداية: ١/ ٥٨.

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے صبح کی نماز دو مرتبہ پڑھی ہے' تو وہ آدمی کہنے لگا کہ میں نے فرضوں سے پہلے والی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں تو وہ سنتیں میں نے اب پڑھی ہیں۔ تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں خاموش ہو گئے۔ ❶

فقه حنفی : اگر کسی آدمی کی فجر کی سنتیں قضاء ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی قضاء دے ہی نہیں سکتا' نہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور نہ بعد میں' لیکن امام محمد کے نزدیک طلوع شمس کے بعد زوال تک فجر کی فوت شدہ سنتوں کی قضاء دے سکتا ہے۔ ❷

⑦ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ:

احادیث نبوی :

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔ ❸

② ابوامامہ بن سہیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے' پھر فاتحہ پڑھی جائے' پھر نبی پر درود اور میت کے لئے دعا اور اس کے بعد سلام۔ ❹

③ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ لوگو! جان لو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے"۔ ❺

فقه حنفی : نمازِ جنازہ میں قرآن نہ پڑھا جائے۔ ❻

⑧ با جماعت نماز استسقاء:

حدیثِ نبویؐ : آپ ﷺ نے بارش طلب کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ ❼

---

❶ ابوداؤد، کتاب التطوع، باب من فاتتة متی یقضیها: ١٢٦٧.

❷ هدایه ١/ ١٥٩' ١/ ٧١، کتاب الصلوٰة' باب ادرك الفریضة.

❸ ابوداؤد: ٣١٩٨. ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فی القراء ة علی الجنازه (١٤٩٥).

❹ مصنف عبدالرزاق، باب القراة والدعافی الصلوٰة علی المیت (٦٤٢٨).

❺ بخاری، کتاب الجنائز، باب قرآة فاتحة الکتاب علی الجنازه (١٣٣٥).

❻ فتاویٰ عالمگیری ١/ ١٦٤' باب الحادی والعشرون فی الجنائز' فصل فی الصلوٰة علی المیت.

❼ بخاری' کتاب الاستسقاء' باب صلاة الاستسقاء رکعتین (١٠٢٦).

فقه حنفی : باجماعت نماز استسقاء پڑھنا مسنون نہیں۔ ❶

⑨ خطبہ جمعہ کے وقت نماز:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب بھی تم میں سے کوئی آدمی اس حالت میں مسجد میں آئے کہ امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت مختصر سی نماز پڑھے"۔ ❷

فقه حنفی : جب امام خطبہ دینے کے لئے نکل کھڑا ہو تو لوگوں کو نماز اور باتیں چھوڑ دینی چاہئیں۔ ❸

⑩ مسجد میں نمازِ جنازہ:

حدیثِ نبویؐ : آپ ﷺ نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی۔ ❹

فقه حنفی : جماعت والی مسجد میں نماز جنازہ ادا نہ کی جائے۔ ❺

⑪ نماز میں قنوت:

حدیثِ نبویؐ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے' پھر پوچھا گیا کہ کیا آنحضرت ﷺ قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے"۔ ❻

فقه حنفی : وتر کی نماز کے علاوہ دوسری نمازوں میں دُعائے قنوت نہ پڑھی جائے۔ ❼

⑫ سفر میں نمازیں جمع کرنا:

احادیثِ نبویؐ : ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دورانِ سفر ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔ ❽

---

❶ هدايه ١/ ١٧٦' ١/٨٨' باب الاستسقاء.

❷ مسلم' كتاب الجمعه' باب التحية والامام يخطب (٢٠٢٢).

❸ هدايه ١/ ١٧١، باب الصلٰوة الجمعة، هداية : ١/٨٤.

❹ مسلم' كتاب الجنائز' باب الصلٰوة على الجنازة فى المسجد (٩٧٣).

❺ هدايه ١/ ١٨١' ١/٩٢' فصل فى الصلٰوة على الميت.

❻ بخارى' ابواب الوتر' باب القنوت قبل الركوع و بعدهٗ (١٠٠١).

❼ هدايه ١/ ١٤٥' ١/٦٦' باب صلٰوة الوتر (١٠٠١).

❽ بخارى' كتاب تقصير الصلٰوة' باب الجمع فى السفر بين المغرب والعشاء (١١٠٧).

فقه حنفی: حج کے موقع کے علاوہ دو فرض نمازیں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ❶

⑬ آمین بالجہر:

احادیثِ نبویؐ: ❶ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ پس بے شک جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی تو اس کے گذشتہ سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

امام ابن خزیمہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام اونچی آواز سے آمین کہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ مقتدی کو امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنے کا حکم اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب مقتدی کو معلوم ہو (وہ سن سکے) کہ امام آمین کہہ رہا ہے۔ کوئی عالم اس بات کا تصور نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ مقتدی کو امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنے کا حکم دیں جب کہ مقتدی اپنے امام کی آمین کو سن ہی نہ سکے''۔ ❷

یعنی رسول اللہ ﷺ کا مقتدی کو آمین کہنے کا حکم اس کے امام کی آمین سننے کے ساتھ مشروط ہے۔ اور مقتدی صرف اسی صورت میں آمین سن سکتا ہے جب امام اونچی آواز سے آمین کہے گا۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ امام اونچی آواز سے آمین کہے گا تاکہ مقتدی اسے سن سکے۔ مندرجہ بالا حدیث کی رو سے یہ بات بھی واضح ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین کہنے کی کیفیت و ہیئت ایک جیسی ہے۔ جیسی آمین امام کہے گا ویسی ہی مقتدی کہے گا۔ اب چونکہ امام آمین اونچی آواز سے کہے گا لہٰذا مقتدی بھی اونچی آواز سے ہی آمین کہے گا۔ تبھی اس سنت رسولؐ پر عمل ہوگا' وگرنہ یہ سنت فوت ہو جائے گی۔

❷ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا اور آمین کہا' اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا۔ ❸

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین بلند آواز کے ساتھ کہی' تبھی تو وائل بن حجر نے سنی اور یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا تھا۔ اگر نبی کریم ﷺ کی آمین آہستہ ہوتی تو نہ وہ اسے سن سکتے تھے اور نہ یہ کہہ سکتے تھے کہ نبی ﷺ نے اپنی

---

❶ شرح وقایہ ۱/ ۱۰۰' کتاب الصلوٰۃ بحوالہ احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۳۳۲ ناشر ادارہ تحفظ افکار اسلام.

❷ صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۲۸۶.

❸ ترمذی' کتاب الصلوٰۃ' باب ما جاء فی التامین (۲۰۵).

آواز کو کھینچا تھا۔ پس حضرت وائل بن حجر کے آمین سننے اور اس کی کیفیت بیان کرنے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین اونچی آواز میں تھی۔

فقہ حنفی : امام اور مقتدی دونوں آمین آہستہ یعنی دل میں کہیں۔ ❶

⑭ سجدہ سہو اور سلام:

سجدہ سہو بعض حالتوں میں سلام سے پہلے ہے جبکہ بعض حالتوں میں سلام کے بعد ہے۔ ہر دو صورتوں میں سلام دونوں طرف ہے۔ جیسا کہ ذیل کی احادیث سے ظاہر ہے۔

احادیثِ نبویؐ : ❶ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم میں سے کسی کو رکعات کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار؟ تو شک کو چھوڑ دے اور یقین پر اعتماد کرے' پھر سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کرے''۔ ❷

❷ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز (سہواً) پانچ رکعات پڑھائی' آپ سے پوچھا گیا: ''کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''کیوں؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''آپ ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھائی ہیں''۔ تب آپ ﷺ نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے اور فرمایا: ''میں بھی تمہاری مانند آدمی ہوں' میں بھی بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو پس جب بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو''۔ ❸

فقہ حنفی : آخری تشہد میں محمداً عبدہ ورسولہ تک پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرا جائے' پھر سجدہ سہو ادا کرنے کے بعد دوبارہ التحیات سے شروع کر کے آخر تک تشہد پڑھے اور پھر سلام پھیرے۔ ❹

⑮ بٹے کا نکاح:

حدیث نبویؐ : بٹے کا نکاح جائز نہیں۔ ❺

فقہ حنفی : بٹے کا نکاح جائز ہے۔ ❻

---

❶ هدايه ١/ ١٠٥' ١/ ٤٩' كتاب الصلوٰة' باب صفة الصلوٰة.

❷ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو فى الصلوٰة والسجود له (٥٧١).

❸ بخارى، كتاب الصلوٰة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان (٤٠١).

❹ فتاوىٰ عالمگيرى ١/ ١٣٥، ١/ ١٢٥.

❺ بخارى' كتاب النكاح' باب الشغار (٥١١٢).

❻ هدايه ١/ ٢٠٦، فصل فى الوكالة بالنكاح وغيرها.

⑯ حلالہ:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور جس کے لئے کیا گیا ہے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ ❶

فقہ حنفی : حلالہ کی شرط سے نکاح مکروہ ہے مگر بیوی پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ ❷

⑰ اعمال میں نیت:

حدیثِ نبویؐ : اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ❸

فقہ حنفی : ❶ تیمّم میں نیت کرنا شرط نہیں۔ ❹

❷ طہارت میں نیت شرط نہیں۔ ❺

❸ بلا نیت وضوء سے نماز ہو جائے گی۔ ❻

⑱ وضوء میں ترتیب:

حدیثِ نبویؐ : ترتیب سے وضوء کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے' آپ ﷺ نے ساری زندگی ایک مرتبہ بھی بے ترتیب وضوء نہیں فرمایا۔

فقہ حنفی : وضوء میں ترتیب ضروری نہیں۔ ❼

⑲ پگڑی پر مسح:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے پگڑی' پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔ ❽

فقہ حنفی : پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں۔ ❾

---

❶ ترمذی' ابواب النکاح' باب ما جاء فی المحلل والمحلل له (١١٢٠).

❷ ھدایہ ١/ ٤٠٠' کتاب الطلاق، ھدایة: ٢/ ١١.

❸ بخاری' کتاب بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰه ﷺ (١).

❹ ھدایہ ١/ ٥١' کتاب الطهارت، باب التیمم بحواله احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ٢٦٣.

❺ درمختار، کتاب الطهارت، ١/ ٤٨.

❻ درمختار، کتاب الطهارت ١/ ٤٦.

❼ ھدایہ ١/ ٣٣، ٣٢، کتاب الطهارت.

❽ مسلم ١/ ١٣٤' کتاب الطهارة باب المسح علی الناصیة والعمامة (٦٣٣).

❾ ھدایہ ١/ ٦١' ١/ ٣٠' باب مسح علی الخفین.

⑳ شوال کے چھ روزے:

حدیثِ نبویؐ: جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے مہینے کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھے۔ ❶

فقہ حنفی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنے مکروہ ہیں۔ ❷

㉑ مدینہ اور حرم:

حدیثِ نبویؐ: مدینہ حرم ہے۔ ❸

فقہ حنفی: جس طرح مکہ حرم ہے اسی طرح مدینہ حرم نہیں ہے۔ ❹

㉒ ہبہ کی ہوئی چیز واپس لینا:

حدیثِ نبویؐ: جو شخص کوئی چیز ہبہ کر کے واپس لے لیتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے دوبارہ اس قے کو کھا جاتا ہے۔ ❺

نوٹ: باپ اور بیٹے کا مسئلہ استثنائی صورت رکھتا ہے۔ صرف باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ ❻

فقہ حنفی: اگر آدمی کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ واپس لے سکتا ہے۔ ❼

㉓ شراب کا حرام ہونا:

حدیثِ نبویؐ: ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ❽

فقہ حنفی: گندم' جو' شہد اور جوار کی شراب امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔ ❾

---

❶ مسلم ١/ ٣٦١' كتاب الصيام' باب استحباب صوم ستة ايام من شوال اتباعا رمضان (٢٧٥٨).

❷ فتاویٰ عالمگیری ١/ ٢٠١، كتاب الصوم، باب فی ما يكره لصائم وما لا يكره.

❸ بخاری' كتاب فضائل المدينه' باب حرم المدينه (١٨٦٧).

❹ درمختار. عمدة القاری شرح بخاری ١/ ٢٣٩، الدرالمختار ٢/٦٢٦.

❺ بخاری، كتاب الهبه، باب لايحل لاحد ان يرجع فی هبته و صدقته (٢٦٢١).

❻ نسائی ٢/ ١٢٧' كتاب الهبه' باب رجوع الوالد فيما يعطی ولده (٣٧١٩).

❼ هدايه ٣/ ٢٣٩' ٣/٢٢٧' كتاب الهبه' باب الرجوع فی الهبة.

❽ مسلم' كتاب الاشربه' باب ان كل مسكر خمر و ان كل خمر حرام (٥٢١٨).

❾ هدايه ٤/ ٤٢٠' ٤/١١١' كتاب الاشربه.

㉔ زانی عورت کی کمائی اور کتے کی قیمت:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔ ❶

فقہ حنفی : ❶ کتے کی' بھیڑیئے کی اور درندوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ❷

❷ اگر کوئی زانیہ زنا کے بدلے مقرر کردہ اجرت لے تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے۔ ❸

㉕ قتل کا بدلہ قتل:

حدیثِ نبویؐ : قتل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ ❹

فقہ حنفی : جس شخص نے کسی بچے یا بالغ کو سمندر میں غرق کر دیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ❺

㉖ تعداد وتر:

احادیثِ نبویؐ : ❶ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو چاہے کہ وہ پانچ یا تین یا ایک وتر پڑھے وہ پڑھ لے''۔ ❻

❷ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''رات کی نماز دو رکعت ہے اور جب تم میں سے کوئی صبح کے طلوع ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو ایک رکعت نماز پڑھ لے' وہ اس کے لئے وتر بن جائے گی''۔ ❼

فقہ حنفی : ❶ وتر واجب ہے اور وہ صرف تین رکعت ہے۔ ❽

❷ ایک رکعت نماز تو ہو ہی نہیں سکتی۔ ❾

---

❶ بخاری ١/ ٢٩٨، كتاب الاجارة، باب كسب البغي والاماء.

❷ هدايه ٢/ ٧٥، كتاب البيوع، مسائل منثوره ٣/٧٩.

❸ حلبی حاشیه شرح وقايه ص ٢٩٤' باب الاجارة الفاسدة الظهر المبين ص ٢١٤.

❹ مسلم ٢/ ٥٩، كتاب القسامة، ما يباح به دم المسلم (٤٢٧٥).

❺ هدايه ٤/ ٤٨١' ٤/١٦٣' كتاب الجنايات.

❻ ابوداؤد ١/ ٢٠١، كتاب الوتر، باب كم الوتر (١٤٢١).

❼ بخاری ١/ ١٣٥' كتاب الوتر' باب ما جاء في الوتر (٩٩٠).

❽ كنز الدقائق، البحر الرائق ٢/ ٤٠.

❾ عمدة القاری ٨/ ٤' كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر.

㉗ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا:

نماز میں آنحضرت ﷺ سے رفع الیدین کی دو حالتیں مروی ہیں۔ ایک کندھوں کے برابر اور دوسری کانوں کے برابر۔ دونوں ہی درست ہیں' دونوں پر عمل کیا جانا چاہئے' یعنی کبھی تو کندھوں تک ہاتھ اُٹھالیں اور کبھی کانوں تک۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔ مگر فقہ حنفی نے ایک سنت تو اپنائی ہے مگر دوسری کا سرے سے ہی انکار کر دیا' اور جو سنت اپنائی اس کے طریقہ کار میں سنت کی مخالفت کر گئے۔

احادیثِ نبویؐ : ❶ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز کی ابتداء میں جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ آپ ان کو کندھوں کے برابر کرتے"۔ ❶

❷ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتے حتیٰ کہ ان دونوں کو اپنے کانوں کے برابر لے جاتے"۔ ❷

فقہ حنفی : تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرے یہاں تک کہ اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کی لوتک پہنچائے۔ ❸

㉘ قیام میں ہاتھ باندھنے کی کیفیت:

احادیثِ نبویؐ : ❶ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ (نماز میں) آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع (بڑی انگلی سے لے کر کہنی کے جوڑ تک کا سارا حصہ) پر رکھے۔ ❹

اس حدیث میں بیان شدہ کیفیت میں ہاتھ باندھے جائیں تو وہ ناف سے اوپر سینے پر ہی آتے ہیں۔

❷ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔ ❺

---

❶ بخاری ۱/ ۱۰۲' کتاب الاذان' باب رفع الیدین اذا کبرو اذا رکع و اذا رفع (۷۳۶).

❷ مسلم ۱/ ۱٦۸' کتاب الصلوٰۃ' باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام (۸٦۵).

❸ ھدایہ ۱/ ۹۸' ۱/٤٦' کتاب الصلوٰۃ' باب صفۃ الصلوٰۃ. شرح وقایہ ۱/ ۱٦٤.

❹ بخاری ۱/ ۱۰۲، کتاب الاذان، باب وضع الیمنی علی الیسری (۷٤۰).

❺ ابن خزیمہ ۱/ ۲٤۳.

فقه حنفی : بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر ناف کے نیچے باندھے۔ ❶

㉙ نماز میں سورۃ فاتحہ:

احادیث نبویؐ : ❶ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں''۔ ❷

اس حدیث میں مقتدی' امام' اکیلا' با جماعت' بے جماعت' فرض' نفل کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں' ہر نمازی کے لئے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

اعتراض: حنفی حضرات امام کے پیچھے مقتدی کے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

حالانکہ اس آیت میں غور سے سننے اور خاموش رہنے کے دو حکم ہیں۔ اس آیت میں قرآن نہ پڑھنے کا کوئی حکم نہیں۔ بلکہ اس سے متصل اگلی آیت میں دل میں اور خفیہ یعنی آہستہ آواز سے پڑھنے کا حکم ہے۔ دونوں آیات پڑھیں' یہ کوئی طریقہ نہیں کہ ایک آیت پڑھ لیں اور اس سے اگلی چھوڑ دیں۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب یہ دونوں آیات اکٹھی نازل ہوئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِينَ ○ ﴾

[الاعراف: ۷/ ۲۰۴، ۲۰۵]

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ آہستہ بغیر آواز بلند کئے صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہو جانا''۔

ان آیات اور اس سے پہلے درج کردہ حدیث کی رو سے چار حکم سامنے آتے ہیں:

اوّل: خاموش رہنا۔

دوئم: غور سے سننا۔

---

❶ هدايه ۱/ ۱۰۰' ۱/ ۴۷' كتاب الصلوٰة' باب صفة الصلوٰة. شرح وقايه ۱/ ۱۶۵.

❷ بخاری' كتاب الاذان' باب وجوب القراة للامام والماموم (۷۵۶).

سوئم: دل میں پڑھنا۔

چہارم: سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ دونوں وحی الٰہی ہیں' ان دونوں پر عمل لازمی ہے۔ لہٰذا نماز کے امام صاحب کی قرآءت کو غور سے سننا' خاموش رہنا اور آہستہ آواز کے ساتھ دل میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ان سب حکموں پر عمل کرنا چاہیئے۔ تاکہ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ دونوں پر عمل ہو۔

الحمدللہ ہم ان آیات اور حدیث دونوں پر پوری طرح عمل کرتے ہیں' ہم دوران نماز جب امام صاحب سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم خاموش بھی رہتے ہیں' تلاوت کو غور سے سنتے بھی ہیں اور آہستہ اور بغیر آواز بلند کیئے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھتے بھی ہیں۔ اس عمل کی تائید میں کچھ مزید احادیث درج کی جاتی ہیں:۔

2 رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی' پس وہ نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے' پوری نہیں''۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (تو کیا پھر بھی پڑھیں) تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اس کو دل میں پڑھو۔ [1]

3 حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے' آپ نے قرآن پڑھا' پس آپ پر پڑھنا بھاری ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

''شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھا کرتے ہو؟''

ہم نے عرض کیا:

''ہاں! اللہ کے رسول ﷺ''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو' کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے''۔ [2]

4 حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی' فارغ

---

[1] مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب وجوب القراء ۃ فی کل رکعۃ (۸۷۸).

[2] ابوداؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب من ترك القراء ۃ فی صلاته بفاتحة الکتاب (۸۲۳).

مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب وجوب قراء ۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ (۸۷۸).

ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا:

"کیا تم اپنی نماز میں امام کی قراءت کے دوران میں پڑھتے ہو؟"

سب خاموش رہے۔ تین بار آپ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایسا نہ کرو، تم صرف سورۃ فاتحہ دل میں پڑھ لیا کرو"۔ ❶

نبی کریم ﷺ کے اس حکم سے ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ لازمی پڑھنی چاہیئے۔ اگر نہ پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی، کون کہتا ہے نہیں ہوگی؟ محمد ﷺ فرماتے ہیں نہیں ہوگی، لیکن بہت سے لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، ان سے پوچھو، تو کہتے ہیں، ہمارے امام صاحب نے ہمیں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا ہے، اس لئے ہم نہیں پڑھتے، عوام تو درکنار، بعض علماء لوگوں سے کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے منع کیا ہے۔ اس لئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ مت پڑھو۔

اب آپ از راہ انصاف غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھو، نہ پڑھو گے تو نماز نہیں ہوگی، اور لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کو بالائے طاق رکھ کر امام کی بات پر عمل کر لیا ہے کہ خلف امام سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دِل سے اس کوتاہی پر غور کرنا چاہیئے۔

ہمارا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بڑا نیک گمان ہے کہ وہ ہرگز حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنے قول پیش نہیں کرتے تھے۔ یہ سب کچھ امام صاحب کے انوکھے محبوں کی تراشی ہوئی باتیں ہیں، جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ.

"صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے"۔ ❷

تو جب صحیح حدیث میں سورۂ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ثابت ہو گیا تو امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو، پھر امام صاحب نے اپنے بریت یہاں تک کر دی ہے، فرمایا:

وَ إِذَا رَأَيْتُمْ كَلَامِيْ يُخَالِفُ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلُوْا بِالْحَدِيْثِ وَاضْرِبُوْا بِكَلَامِي الْحَائِطَ.

"جب میرے کلام کو حدیث کے خلاف پاؤ تو (خبردار!) حدیث پر عمل کرو، اور میرے قول کو دیوار پر مار دو"۔ ❸

---

❶ ابن حبان ٥/ ١٥٢. بيهقى ٢/ ١٦٦.

❷ عقد الجيد.

❸ عقد الجيد.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان فرامین کی روشنی میں جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ رہا، وہ امام ابوحنیفہ کی بھی مخالفت کر رہا ہے۔

ذرا اس بات پر بھی غور فرمالیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ باقی تینوں آئمہ کرام یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا عقیدہ بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے۔ ان تینوں آئمہ کرام رحمہم اللہ کا عمل اور حکم یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے، نہ پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔

ایک باریک نقطہ:

اس سلسلہ میں حنفی حضرات کے اس اصول پر غور کریں جو کہ ان کی مشہور کتاب عالمگیری میں درج ہے:

''امام قراءت شروع کرے تو مقتدی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھ لے''۔ [1]

یعنی اگر کوئی شخص اس وقت نماز میں شامل ہوا ہو کہ جماعت کھڑی ہے اور امام قرأت فاتحہ کر رہا ہے تو وہ شخص سبحانك اللهم پڑھ لے۔

یعنی حنفی حضرات دوران قراءت سبحانك اللهم پڑھ لیں تو وہ جائز لیکن دوسرے سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تو وہ ناجائز۔ اب خاموش رہنے کا حکم کہاں گیا؟

ایک اور صورت پر غور کریں، فرض کریں کہ جماعت کھڑی ہے اور امام صاحب سورۃ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ ایک حنفی آدمی بعد میں آیا ہے اور دورانِ قراءت جماعت میں شامل ہوا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ شخص کم از کم الله اکبر تو کہہ کر ہی نماز میں داخل ہوگا اور پھر سبحانك اللهم یا اعوذ بالله اور بسم الله یا ان تینوں کاموں سے کم از کم ایک کام تو امام صاحب کی قراءت کے دوران ضرور کہے گا یعنی اللہ اکبر تو ضرور کہے گا۔ تب ہی نماز میں داخل ہوگا۔ تو اب خاموش رہنے کا حکم کہاں گیا؟ کیا خاموشی کا حکم صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے پر لاگو ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی وہ روایات ضعیف ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ روایات سورۃ فاتحہ کے بعد والی قراءت پر لاگو ہوں گی' سورۃ فاتحہ پر نہیں۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا الگ اور واضح حکم موجود ہے۔ سورۃ فاتحہ ان روایات سے باہر ہے۔ یہ بات ایک مثال سے سمجھیں جس طرح نماز ہر مسلمان مرد و عورت

---

[1] عالمگیری کتاب الصلوٰۃ، فصل مسبوق اور لاحق کے بیان میں۔

پر فرض ہے لیکن حائضہ یعنی مخصوص ایام والی عورت اس حکم سے باہر ہے' کیونکہ اس کے لئے الگ حکم موجود ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے کے حکم سے باہر ہے کیونکہ اس کا الگ حکم موجود ہے۔ پس امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے کا حکم سورۃ فاتحہ کے بعد والی قراء ت پر لاگو ہوگا سورۃ فاتحہ پر نہیں۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ کا نام لے کر پڑھنے کا ایک الگ واضح اور صریح حکم موجود ہے۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب یہ حدیث صحیح ہو جبکہ دراصل یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

فقہ حنفی: ❶ مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے (یعنی خاموش کھڑا رہے)۔ [1]

❷ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ فقہ حنفی میں نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہیے اکیلا ہو چاہے جماعت کے ساتھ ضروری ہے ہی نہیں۔ سورۃ فاتحہ کے متعلق ان کا مذہب یہ ہے:

"فاتحہ کی بجائے کوئی حصہ قرآن سے پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا"۔ [2]

㉚ رفع الیدین عندالرکوع:

احادیث نبویؐ: ❶ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک بلند کیا اور جب آپ نے رکوع کے لئے تکبیر کہی تو اسی طرح کیا اور جب رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو اسی طرح کیا اور آپ نے سجدوں میں اس طرح نہیں کیا"۔ [3]

❷ رسول اللہ ﷺ شروع نماز میں' رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھایا کرتے تھے' یعنی رفع الیدین کرتے تھے۔ [4]

❸ آخر عمر میں رفع الیدین: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ پہلے ۹ ہجری اور پھر ۱۰ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں

---

❶ ھدایہ' ۱/ ۱۲۱' ۱/۵۵' کتاب الصلوٰۃ' باب صفۃ الصلوٰۃ' فصل فی القراءۃ۔

❷ ھدایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب فقۃ الصلوٰۃ فصل فی القراۃ ۱/۵۴۔

❸ بخاری' کتاب الاذان' باب رفع الیدین اذا کبرو اذا رکع و اذا رفع (۷۳۶)۔

❹ مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین (۸۶۱)۔

ہاتھ اٹھاتے' پھر اپنے ہاتھ کپڑے میں ڈھانک لیتے' پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے۔ جب رکوع کرنے لگتے تو کپڑوں سے ہاتھ باہر نکالتے۔ اللہ اکبر کہتے اور رفع الیدین کرتے' جب رکوع سے اٹھتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع الیدین کرتے''۔ [1]

لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰ھ ہجری تک رفع الیدین کرتے رہے ہیں۔ جبکہ ۱۱ھ ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ آخر عمر تک رفع الیدین کرتے رہے۔

تنبیہ:

رفع الیدین والی سنت نہ تو منسوخ ہے اور نہ نبی کریم ﷺ نے اس سے کبھی منع کیا ہے۔ رفع الیدین کی منسوخی والی کسی ایک حدیث کا بھی وجود نہیں ہے۔ اسی طرح رفع الیدین سے منع کرنے والی بھی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رفع الیدین نہ کرنے والی حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں۔ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت خطا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ دونوں فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ترین شے ہے۔ جبکہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی شریر گھوڑوں کی دم والی حدیث رفع الیدین کے متعلق نہیں بلکہ وہ سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنے کے متعلق ہے۔ ملاحظہ کریں:

> حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا بات ہے کہ میں تم کو اس طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں' نماز میں سکون اختیار کرو''۔

یہ حدیث صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ میں موجود ہے' یہ حدیث نمبر ۴۳۰ ہے۔ جبکہ اسی سے متصل اگلی دو حدیثوں کو بھی پڑھیں جن کا نمبر ۴۳۱ اور ۴۳۲ ہے تو بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ حدیث نمبر ۴۳۱ نیچے درج کی جاتی ہے۔

> حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب ہم نماز پڑھتے تو نماز کے خاتمہ پر دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے'

---

[1] مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ (۸۹٤).

یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہلتی ہیں' تمہیں یہی کافی ہے کہ تم قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہو'' ۔ ❶

پس شریر گھوڑوں کی دم والی بات رفع الیدین عند الرکوع کے متعلق ہرگز نہیں بلکہ یہ سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کے متعلق ہے۔

پس رفع الیدین ہمیشہ جاری رہنے والی سنت غیر منسوخہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا آخری عمر تک اس پر عمل رہا ہے۔

فقہ حنفی: تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع الیدین نہ کی جائے۔ ❷

(31) نماز کا آغاز اور اختتام:

حدیثِ نبویؐ: نماز کی چابی طہارت (وضوء) ہے اور اس کی تحریم تکبیر (اللہ اکبر) ہے اور تحلیل سلام (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) ہے۔ ❸

فقہ حنفی: ❶ اگر نمازی تکبیر (اللہ اکبر) کی بجائے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر یا لا الہ الا اللہ یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نام سے نماز شروع کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ الفاظ اسے کفایت کر جائیں گے۔ ❹

❷ اگر تشہد کی حالت میں جان بوجھ کر حادث ہو جائیں (یعنی جان بوجھ کر پاخانے والی جگہ سے ہوا نکال دیں) یا پھر کلام کرے یا کوئی بھی ایسا کام کریں جو نماز میں کرنا جائز نہیں تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔ ❺

(32) نماز عربی میں یا فارسی میں:

حدیثِ نبویؐ: رسول اللہ ﷺ نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین (سورۃ فاتحہ) سے کرتے تھے۔ ❻

---

❶ مسلم' كتاب الصلوٰة' باب الامر بالسكون فی الصلوٰة (٤٣١).

❷ هدايه ١/ ١١٠' ١/١٥' كتاب الصلوٰة' باب صفة الصلوٰة.

❸ ترمذی ١/ ٦' ابواب الطهارة باب ما جاء فی مفتاح الصلوٰة الطهور (٣).

❹ هدايه ١/ ٩٩' ١/٤٧' كتاب الصلوٰة' باب صفة الصلوٰة.

❺ هدايه ١/ ١٣٢' ١/٦٠' كتاب الصلوٰة' باب الحدث فی الصلوٰة.

❻ بخاری' كتاب الاذان' باب ما يقول بعد التكبير (٧٤٣).

فقه حنفی : 1 اگر نماز کی ابتداء فارسی زبان میں کرے یا اس میں قراءت فارسی زبان میں کرے اور وہ عربی بھی اچھی طرح بول سکتا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے یہ بات کفایت کر جائے گی۔ [1]

2 التحیات سوا عربی کے ہر زبان میں جائز ہے۔ [2]

33 نماز میں اطمینان:

حدیثِ نبویؐ : رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو نماز سکھاتے ہوئے فرمایا:

''جب تو نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ پھر جو تجھے قرآن مجید سے میسر ہو قراءت کر' پھر رکوع کر حتیٰ کہ تو رکوع کی حالت میں مطمئن ہو جائے' پھر رکوع سے سر اُٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے' تو پھر اطمینان کی حالت میں سجدہ کر' پھر طمانینت کے ساتھ جلسہ میں بیٹھ' پھر اطمینان کے ساتھ دوسرا سجدہ کر' پھر اپنی تمام نماز میں اس طرح کر''۔ [3]

فقه حنفی : 1 اگر اطمینان سے رکوع نہ کرے تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ [4]

2 رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا کوئی فرض نہیں۔ [5]

3 جلسہ' رکوع اور سجدہ میں اطمینان بھی فرض نہیں۔ [6]

34 غلام اور نابینا کا امام بننا:

احادیثِ نبویؐ : 1 رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابن مکتوم کو اپنا خلیفہ بنایا اور وہ لوگوں کو امامت کرواتے تھے اور وہ نابینا تھے۔ [7]

2 مہاجرین کی پہلی جماعت رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد قباء جگہ پہنچی تو ان کی امامت حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو ابوحذیفہ کے غلام تھے کراتے تھے۔ [8]

---

1 هدایه ۱/ ۸۸' ۱/ ٤٧'کتاب الصلٰوۃ' باب صفة الصلٰوۃ.

2 هدایه، کتاب الصلٰوۃ، باب فقه الصلٰوۃ، عین الهدایة: ۱/٤٤٩.

3 بخاری' کتاب الاذان' باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعه بالاعادہ (٧٩٣).

4 فتاویٰ عالمگیری ۱/ ٧٤' هدایه ۱/ ۱۰٦.

5 هدایه ۱/ ۱۰٧' ۱/ ٤٩' کتاب الصلٰوۃ' باب صفة الصلٰوۃ.

6 هدایه ۱/ ۱۰٧' ۱/ ٤٩' کتاب الصلٰوۃ' باب صفة الصلٰوۃ.

7 ابوداؤد' کتاب الصلٰوۃ' باب امامة الاعمٰی (٥٩٥).

8 بخاری' کتاب الاذان' باب امامة العبد والمولٰی (٦٩٢).

فقه حنفی : اس بات کو ناپسند کیا گیا ہے کہ کوئی غلام یا دیہاتی یا فاسق یا نابینا یا بدعتی یا حرام زادہ امامت کرائے۔ ❶

㉟ اکہری تکبیر:

احادیثِ نبویؐ : ❶ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار اور تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں۔ ❷

❷ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار اور تکبیر کے کلمات ایک ایک بار تھے' سوائے اس کے کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ دو بار کہتا تھا۔ ❸

فقہ حنفی : اقامت بھی اذان کی طرح ہی ہے' صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کیا جائے گا۔ ❹

کچھ مزید مسائل:

❶ **اوّل وقت نماز :** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''اوّل وقت نماز پڑھنا افضل ہے''۔ ❺

❷ **سجدہ میں جانا :** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے''۔ ❻

❸ **قصر کے لئے سفر کی حد :** رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسنگ کی مسافت پر نکلتے تو نماز دو رکعتیں پڑھتے۔ ❼

---

❶ شرح وقایہ ۱/ ۱۷۵' ھدایہ ۱/ ۱۲۲' ۱/۵٦.

❷ بخاری' کتاب الاذان' باب بدء الاذان (٦٠٣).

❸ ابوداؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب فی الاقامۃ (۵۱۰).

❹ ھدایہ جلد ۱ ص ۸٦، ۱/٤۱، باب الاذان.

❺ بیھقی ۱/ ٤۳٤.

❻ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ (۸٤۰).

❼ مسلم' کتاب صلوٰۃ المسافرین' باب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا (۱۵۸۳).

اس حدیث میں راوی نے پوری ایمانداری سے کام لیتے ہوئے تین میل یا تین فرسنگ کہا ہے' یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ تین میل کی مسافت پر سفر کرتے تھے یا تین فرسنگ (تقریباً ۲۴ کلو میٹر) پر۔ پس مسافر کو چاہئے کہ احتیاطاً تقریباً ۲۴ کلو میٹر پر قصر کرے۔ یعنی اپنے شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد اگر منزل مقصود تقریباً ۲۴ کلو میٹر یا اس سے زیادہ مسافت پر واقع ہو تو مسافر قصر کر سکتا ہے۔

4 سفر میں سنتیں اور نفل: (۱) حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا:

"اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں رہا' مگر آپ ﷺ نے دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہ پڑھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح قبض فرمالی"۔ [1]

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دو رکعت (نماز قصر) پڑھ کر اپنے بستر پر چلے جاتے تھے۔ حفص کہتے ہیں کہ میں نے کہا چچا جان اگر آپ اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"اگر مجھے یہ کرنا ہوتا تو (فرض) نماز ہی پوری پڑھ لیتا"۔ [2]

قرآن وحدیث کوٹھکرانے کے حنفی اصول

تقلید کی ایک نامرادی یہ بھی ہے کہ اسی تقلید کی وجہ سے قرآن وحدیث کا رد ہوا' بلکہ رد کرنے کے لئے باقاعدہ اصول وضع کر لئے گئے۔ جو کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں' اور یہ وہ کتابیں ہیں جو کہ حنفی مدارس میں پڑھائی جارہی ہیں۔ چند ایک اصول نیچے درج کئے جاتے ہیں:

① امام کرخی رحمہ اللہ جو احناف کے نزدیک بلند پایہ اصولی ہیں' فرماتے ہیں: "بیشک ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب (احناف) کے مذہب کے خلاف ہوگی تو اس کو منسوخ تصور کیا جائے گا یا ترجیح دی جائے گی لیکن بہتر ہے کہ اس آیت کی کوئی تاویل کر لی جائے"۔ [3]

② بے شک ہر وہ حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی تو اس کو منسوخ سمجھا جائے گا یا پھر یہ سمجھا جائے گا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اس جیسی اور حدیث ہے یا پھر کوئی اور دلیل تلاش کی جائے یا ترجیح

---

[1] مسلم، کتاب صلٰوۃ المسافرین وقصرھا، باب صلٰوۃ المسافرین وقصرھا (۱۵۷۹).

[2] مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب قصر الصلٰوۃ (۱۵۸۰).

[3] اصول الکرخی ص ۱۱' کنز الاصوال الی معرفۃ الاصول البزوری ۱/۳۷۳.

تصور کی جائے گی۔ ❶

③ فقہ کا سیکھنا قرآن سیکھنے سے افضل ہے۔ ❷

④ اگر راوی عادل ہو، حافظ اور ضابط ہو لیکن فقیہ نہ ہو تو اگر اس کی حدیث قیاس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لیا جائے گا ورنہ چھوڑ دیا جائے گا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں۔ تا کہ رائے کا دروازہ بند نہ ہو۔ ❸

⑤ حاصل ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ چونکہ غیر فقیہ تھے اس لئے ان کی وہ احادیث رد کر دی جائیں گی جو قیاس کے خلاف ہوں تا کہ رائے کا دروازہ بند نہ ہو۔ ❹

⑥ مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے، مقلد صرف یہی کہے کہ اس مسئلہ کا حکم میرے نزدیک یہی ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ کی رائے یہی ہے اور جو رائے میرے امام کی ہوگی میرے نزدیک تو وہی صحیح ہے۔ ❺

⑦ مقلد قرآن کے ظاہر پر عمل نہیں کر سکتا اس کے لئے صرف امام کا قول کافی ہے۔ ❻

⑧ عامی (جو اجتہاد نہ کر سکے) کے لئے امام کے قول کو چھوڑ کر کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ رجوع کرنے میں دلیل کی حاجت ہوگی جو کہ تقلید کے خلاف ہے۔

⑨ مولانا تقی عثمانی حنفی حدیث کے رد کے لئے اصول بیان کرتے ہیں: ''عامی ایسا نہیں ہوتا جو دلائل کو پرکھ سکے۔ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آ جائے جو بظاہر اس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو، تب بھی اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے امام مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ میں اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض (خلاف) کوئی قوی دلیل ہوگی''۔ چند سطور کے بعد مزید لکھتے

---

❶ اصول الكرخي ص ١١ كنز الوصول ١/٣٧٣.

❷ درمختار ١/ ٢٩، البحر الرائق (مقدمه) رد المحتار ٦/٤٣١.

فتح القدير لابن الصمام كتاب الصلاة باب صفة الصلوٰة فصل فى القراءة، كنزالوصول ١/٣٧٣.

❸ حسامى مع شرح النامى ص ١٥٢، ص ١٤٨.

❹ نور الانوار ص ١٧٩.

❺ شرح التلويح على التوضيح ١/ ٢١، ١/٣٩.

❻ مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ٤٧۔

ہیں: "اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پا کر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا"۔ ❶

⑩ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و صاحبین کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اپنے آئمہ کے قول پر عمل ہوگا حدیث پر نہیں۔ ❷

⑪ محدث الاحناف شارح مشکوۃ ملا علی قاری حنفی حدیث پر تقلید کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے اور شافعی مذہب کی صریحاً تائید کرتی ہے، لیکن اس حدیث پر ہمارے مذہب کے مطابق عمل بہت مشکل ہے، لہٰذا ہم اس حدیث کو ظاہری حالت میں کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ ❸

⑫ جو آیت یا حدیث ہمارے آئمہ کے مسلک کے خلاف ہوگی اس کی یا تو ہم تاویل کریں گے یا وہ منسوخ سمجھی جائے گی۔ ❹

⑬ جب حدیث اور امام کا فتویٰ معارض ہو تو امام کے فتویٰ پر عمل ہوگا۔ ❺

⑭ مقلدین حدیث کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس مشہور اور بنیادی اصول پر عمل پیرا ہیں کہ "ہم پر ہمارے امام کی تقلید واجب ہے"۔ ❻

⑮ اگر حدیث پر بھی عمل کیا جائے تو رائے کا دروازہ بالکل ہی بند ہو جائے گا۔ ❼

⑯ امام الاحناف ابن ہمام فرماتے ہیں: "کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا اور آئمہ اربعہ کے فتوے پر عمل کرنا برابر ہے"۔ ❽

⑰ امام الاحناف ابن ہمام کا قول ہے: "بخاری و مسلم کی احادیث میں نظر ہے۔ یعنی ان احادیث کو قبول کرنا ضروری نہیں"۔ ❾

---

❶ تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷ بحوالہ احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۱۱۷ ناشر ادارہ تحفظ افکار اسلام۔

❷ مقدمہ عین الهدایہ، طریقہ فتویٰ ۱/ ۱۱۰، بحوالہ حقیقۃ الفقہ طبع دوئم ص ۲۴۲ نعمان پبلی کیشنز۔

❸ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۸۲، ج ۳ بحوالہ تقلید کی مخالفت کیوں ص ۵۲ ناشر دار الرحمانیہ کراچی طبع دوئم۔

❹ اصول کرخی، اصول نمبر ۲۸ ص ۳۷۳ بحوالہ تقلید کی مخالفت کیوں؟ ص ۵۵ ناشر دار الرحمانیہ کراچی۔

❺ فتاویٰ عزیزی ص ٦٣ بحوالہ مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۱۸۰۔

❻ مواهب الجليل ٦/٩٣۔

❼ قمر الاقمار، شرح نور الانوار مطبوعہ لاہور ص ۱۷۹ بحوالہ تقلید کی مخالفت کیوں؟ ص ٦٨ ناشر دارالرحمانیہ کراچی۔

❽ عقد الجید ص ٩٦ بحوالہ مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۱۴۹۔

❾ فتاویٰ عزیزی ص ٦٣ بحوالہ مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۱۸۰۔

⑱ اگر حدیث قیاس کے موافق ہو تو عمل ضروری ہوگا' اگر قیاس کے مخالف ہو حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہوگا''۔ ❶

خرافات حنفیّت

فقہ حنفی کے بے شمار مسئلے اور فتوے ایسے ہیں کہ انہیں ضبط تحریر میں لاتے ہوئے انتہائی شرم آتی ہے۔ لکھنے کو دل بالکل نہیں مانتا تھا' کیونکہ انہیں پڑھتے ہوئے منہ سے خود بخود توبہ توبہ اور استغفر اللہ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ صرف حقیقت واضح کرنے کے لئے چند مسائل بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان مسائل کو لکھنے کا مقصد حق اور باطل واضح کرنا ہے' کسی کی عزت پہ حرف لانا نہیں ہے۔ اگر کسی کی دل آزاری ہو تو پیشگی معذرت۔ واضح رہے کہ یہ مسائل فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے لئے گئے ہیں جن پر حنفیوں کا دارومدار ہے اور جو فقہ حنفی کے مدارس میں پڑھائی جا رہی ہیں۔

① اگر نکسیر پھوٹ پڑے تو پیشانی پر خون اور پیشاب سے الحمد شریف لکھنا جائز ہے۔ ❷
② انگلی کو پاخانہ یا کوئی نجاست غلیظہ لگی ہو تو تین دفعہ چاٹ لینے سے پاک ہو جائے گی۔ ❸
③ مرد و عورت ننگے ہوں اور ان کی شرمگاہیں مل جائیں تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔ ❹
④ مرد نے عورت یا نابالغہ سے صحبت کی یا جانور' گدھی' گھوڑی' بکری وغیرہ سے صحبت کی تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ ❺
⑤ امامت کا مستحق وہ ہے جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو' سر بڑا ہو اور عضو چھوٹا ہو۔ ❻
⑥ مرد اپنی دبر میں یا عورت اپنی شرمگاہ میں کسی مردہ کا آلہ تناسل یا کسی زندہ جانور مثلاً گدھا' گھوڑا' کتا وغیرہ کا آلہ تناسل داخل کرے تو غسل فرض نہیں ہوتا۔ ❼

---

❶ اصول الشاشی ١/٧٥، ١/٢٧٥ بیروتی.

❷ شامی شریف، کتاب الطهارة، باب مطلب فی التداوی ج ١ ص ١٥٤، فتاوی قاضی خان صاحب باب الخطر والاو الاباحة ٤/٣٦٥، فتاوی سراجیه باب التداوی ص ٧٥، البحر الرائق، باب تترح اکبر بوقوع نحس ص ١١٦، فتاوی شامی باب التراوی بالمحرم ص ١٤٧.

❸ بهشتی زیور' حصه دوم مسئله نمبر ٢٦ صفحه ٥۔ فتاویٰ عالمگیری ج ١ ص ٦١.

❹ در مختار ج ١ ص ٩٦' عالمگیری کتاب الطهارت باب نواقص وضوء ١/ ١٨' ١/ ١٣.

❺ در مختار' کتاب الصوم' باب مایفسد الصوم وما لا یفسد ١/ ٥٦٧، ٢/ ٤٠٤.

❻ در مختار' کتاب الصلوٰة' باب الامامة ١/ ٢٩٠، ١/ ٥٥٨.

❼ در مختار' کتاب الطهارة ج ١ ص ٩٥.

⑦ اگر مرد سوئی ہوئی عورت یا پاگل عورت سے جماع کرے تو اس پر روزہ کا کوئی کفارہ نہیں۔[1]

⑧ ہاتھ وغیرہ سے منی نکال لے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔[2]

⑨ اگر ایک آدمی کسی اجنبی اور غیر عورت پر جھوٹا دعویٰ دائر کر دے کہ وہ میری بیوی ہے حالانکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے اور وہ جھوٹے گواہ پیش کر کے عدالت سے ڈگری لے لے تو وہ آدمی اس عورت کو بغیر نکاح کے بطورِ بیوی استعمال کر سکتا ہے۔[3]

⑩ کسی عورت کو زنا کے لئے اجرت پر لا کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں۔[4]

⑪ بچے کو گود میں اٹھا کر نماز جائز نہیں لیکن کتے کے بچے کو گود میں اٹھا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔[5]

⑫ مرد نماز پڑھ رہا ہو اور عورت بوسہ لے لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔[6]

⑬ زندہ یا مردہ جانور مثلاً گدھی' گھوڑی' گائے' بھینس' بکری یا کم عمر لڑکی سے جماع کیا تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔[7]

⑭ اگر کسی عورت کو شہوت سے ہاتھ لگا لیا یا شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا تو اس مرد کے لئے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہیں' لیکن اگر ہاتھ لگانے والا اتنی دیر تک ہاتھ لگا تا رہا کہ انزال ہو گیا یا اس عورت سے صحبت کر لے تو پھر نہ ماں حرام نہ بیٹی حرام۔[8]

⑮ کتا وغیرہ حرام جانوروں کو اگر ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتا ہے۔[9]

⑯ مرد عورت اپنی شرم گاہیں ملائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔[10]

---

[1] در مختار' کتاب الصوم' باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد ١/ ٥٦٧، الدرالمختار ٢/٤٠٥.

[2] درمختار' کتاب الصوم' باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد ١/ ٥٦٧، ٢/٤٠٤.

[3] درمختار صفحہ ١٤٢' ہدایہ صفحہ ٢٩٣' درالمختار ٢/٢٦.

[4] فتاویٰ عالمگیری ٢/١٥١' عالمگیری جلد ٢ صفحہ ٢١٢ طبع سراج دین.

[5] در مختار' کتاب الطهارة' باب المیاه' ١/ ١٥٣ بحوالہ تقلید کے خوفناک نتائج۔

[6] عالمگیری ١/١٠٤' درمختار ص ٢٩٣' عالمگیری ص ١٤٣.

[7] درمختار ص ٨٣' الدرالمختار ١/١٦٦.

[8] عالمگیری ٢/ ١٣٩' ہدایہ ص ٢٨٩ بحوالہ تقلید کے خوفناک نتائج۔

[9] درمختار' کتاب الطهارة' باب المیاه' ١/ ١٥٣، ٦/٤٧٤.

[10] درمختار' کتاب الصوم' باب ما یفسد وما لا یفسد ١/ ٥٦٧، ٢/٣٩٧.

⑰ سلام کی جگہ پاد مار کر نماز ختم کرے تو نماز صحیح ہے۔[1]
⑱ نماز فارسی کیا بلکہ ہر زبان میں جائز ہے۔[2]
⑲ بادشاہ پر کسی قسم کی حد نہیں خواہ وہ زنا کرے یا چوری۔[3]
⑳ سور اور شراب حق مہر میں دینا جائز ہے۔[4]
㉑ ہر نشہ آور چیز حرام نہیں۔[5]
㉒ کوئی شخص کسی شخص کو ڈبو کر مارے تو اس پر قصاص نہیں ہے۔[6]
㉓ فقہ کا سیکھنا افضل ہے باقی قرآن کے سیکھنے سے (کچھ قرآن پڑھ لینے کے بعد)۔[7]
㉔ قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔[8]
㉕ اگر کوئی شخص کسی عورت کو اجرت پر لے لے کہ اس سے زنا کرے' پھر اس سے زنا کرے تو اس پر کوئی حد نہیں اور جو رقم اس عورت نے بطور زنا کی اجرت کے لی ہے وہ حلال ہے۔[8]
㉖ اغلام بازی سے اپنی خواہش کی تسکین کرے تو روزہ کا کوئی کفارہ نہیں۔[9]
㉗ حوض میں کتا گر کر مر گیا اگر تہ میں بیٹھ گیا تو وضو جائز ہے۔[10]

---

[1] هدایه' کتاب الصلوٰة' باب الحدث فی الصلاة ص ۱۳۰' ۱/۶۰' درمختار ۱/ ۲٤٥.

[2] درمختار' کتاب الصلوٰة' باب صفة الصلوٰة ۱/ ۲٤٦.
هدایه' کتاب الصلوٰة' باب فقه الصلوٰة ۱/ ۱۰۱' ۱/٤۷.

[3] عالمگیری ص ٦٥۱ بحواله مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۱۹.

[4] شرح وقایه ص ۳٤ بحواله مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۱۷.

[5] هدایه ٤/۱۱۱.

[6] هدایه ٤/۱٦۳.

[7] فتاویٰ عالمگیری ٥ / ۳۷۷.

[8] هدایه ۳/۲٤۰.

[8] درمختار' عالمگیری' کنز الدقائق' فتاویٰ عالمگیری ۲/۱٥۱.

[9] هدایه ۱/ ۲۰۰، ۱/۱۲٤.

[10] عالمگیری: کتاب الطهارة، باب سوم، فصل اوّل حکم آب ۱/۱۷.

㉘ دہ دردہ حوض میں شیرہ انگور بھرا ہو اور پیشاب پڑ گیا تو وہ پاک ہے۔ ❶

㉙ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے' ان کا پیشاب پینا بلا عذر جائز ہے۔ ❷

㉚ جس عضو پر نجات لگی ہو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ❸

㉛ افعال نماز میں ترتیب شرط نہیں (یعنی بے شک سجدہ پہلے کریں اور رکوع بعد میں)۔ ❹

㉜ نمازی گریبان کی طرف سے شرم گاہ کو دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ❺

㉝ ران وغیرہ میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو روزہ کا کفارہ نہیں۔ ❻

㉞ مرد عورت پر جھوٹا دعویٰ کر کے ڈگری حاصل کر لے تو مرد کو اس عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔ ❼

㉟ کم عمر لڑکی یا مردہ یا جانور سے وطی کرے تو حد نہیں۔ ❽

㊱ بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے زنا کرے تو حد نہیں۔ ❾

㊲ جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں (ماں' بہن' خالہ' پھوپھی وغیرہ)۔ اگر کوئی ان کے ساتھ نکاح کرے اور حلال جان کر صحبت کرے تو اس شخص پر حد نہیں۔ ❿

---

❶ بہشتی زیور: باب کس پانی سے وضو درست اور کس پانی سے درست نہیں، حصہ اوّل، ص ٧٤ بحواله حقيقة الفقه ص ٢٥٣ ناشر نعمانی پبلی کیشنز.

❷ عين الهدايه: كتاب الطهارة، فصل فی البیراج ١/١٤٣، بحواله حقيقة الفقه ص ٢٥٨ طبع دوئم ناشر نعمانی پبلی کیشنز.

❸ عالمگیری: کتاب الطهارت، باب نجاسات۔ بهشتی زیور، حصه دوم، باب اوّل' ب ٢ نجاست پاک کرنے کا بیان مسئله نمبر ١٦.

❹ عالمگیری: کتاب الصلوٰة، باب ١١، ١/١٢١.

❺ درمختار: كتاب الطهارة، باب شروط الصلوٰة ١/٢٠٦ بحواله حقيقة الفقه ص ٢٣٣ طبع دوم ناشر نعمانی پبلی کیشنز.

❻ كنز الدقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده ص ٦٨، بحواله حقيقة الفقه ص ٢٨٢ طبع دوئم، نعمان پبلی کیشنز.

❼ درمختار: كتاب النكاح، فصل فی الحرمات، درالمختار ٢/٢٦.

❽ درمختار: كتاب الحدود ٢/ ٤٥٨، ٤/٢٦.

❾ درمختار: كتاب الحدود، باب ما يوجب الحدود مالا يوجب ٤/١٩.

❿ درمختار: كتاب الحدود، باب وطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبه ٢/٤٧٢.

(38) مرد انتہائے مغرب میں ہو اور عورت انتہائے مشرق میں اتنے فاصلے پر دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت ہو (یعنی ان کا ملاپ ایک سال کے قبل قطعی ناممکن ہو) کسی طرح ان کا نکاح کر دیا گیا۔ اگر بعد تاریخ نکاح کے عورت چھ ماہ میں بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا حرامی نہ ہوگا بلکہ یہ اس مرد کی کرامت تصور کی جائے گی۔ [1]

(39) لکڑی اپنی دبر میں ڈالی اگر سالم لکڑی دونوں سروں سمیت اندر نہ جائے اور ایک سرا اس کا باہر رہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ [2]

(40) کوئی شخص اپنا آلہ تناسل اپنی ہی دبر میں داخل کرے تو بغیر انزال اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ [3]

(41) جس عورت کو مرد طلاق رجعی دے چکا ہو اگر نماز میں اس کی شرمگاہ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ [4]

(42) زیر ناف کے بال حجام آنکھیں بند کر کے مونڈھے تو جائز ہے۔ [5]

(43) اغلام بازی اور چوپائے سے وطی کرنے والے پر حد نہیں۔ [6]

(44) حاجی احرام کی حالت میں چوپایہ سے صحبت کرلے تو اس کے حج میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ [7]

(45) روزہ کی حالت میں عورت کی شرمگاہ کو چومنے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ بالکل فاسد نہ ہوگا۔ [8]

(46) چھوارے اور منقیٰ کی شراب حلال ہے۔ [9]

(47) شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے۔ [10]

(48) جو حالت روزہ میں زنا کے ڈر سے جلق لگائے یا جانور سے صحبت کر کے منی نکال دے تو امید ثواب

---

(1) درمختار ج ۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۲/ ۲۰ بحوالہ حقیقۃ الفقہ طبع دوئم ص ۲۸۸، نعمانی پبلیکیشنز.

(2) درمختار: کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد ۲/۲۹۷.

(3) درمختار: کتاب الطهارة، مسائل الغسل ۱/۹۳.

(4) فتاویٰ عالمگیری: عین الهدایه، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوة ومایکره فیها، ۱/ ٦٥٠.

(5) عالمگیری ٥/۳٥۸.

(6) هدایه ۲/ ۱۰۲.

(7) فتح القدیر، شامی بحواله مقام حدیث اور اصل اہل سنت ص ۱۷۷ ناشر دارالاندلس.

(8) درمختار بحواله مقام حدیث اور اصل اہل سنت ص ۱۷۷ ناشر دارالاندلس.

(9) قدوری عین الهدایه، کتاب الاشربه ٤/٤٣٦ بحواله حقیقة الفقه ص ۳۰۲ طبع دوئم ناشر نعمانی پبلیکیشنز.

(10) هدایه ٤/ ۱۱۳.

ہے۔[1]

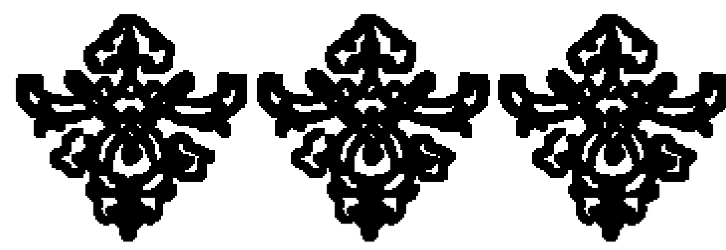
49 اگر منی اپنے ہاتھ سے نکالے یا عورت کے ہاتھ سے نکلوائے تو روزہ بالکل فاسد نہیں ہوتا۔[2]

50 ناف یا ران میں جماع کرے، اگر انزال نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں۔[3]

اہم تنبیہ:

فقہ حنفیہ کی جتنی کتابیں ہیں سبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تین سو سال بعد (بغیر کسی سند کے) تالیف ہونا شروع ہوئیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کوئی بھی تصنیف نہیں ہے۔[4]

اسی لیے ہم مندرجہ بالا غلیظ مسائل اور اسی طرح کے دیگر مسائل حنفیہ کو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے متقی اور عالم ہستی کی طرف منسوب کرنا درست نہیں سمجھتے' لیکن عقل حیران ہے کہ مقلد حنفی جن کو اپنی کتاب فقہ کی صحت پر ناز ہے' ان سب مسائل کو امام ابوحنیفہ' ابو یوسف اور محمد شیبانی رحمہم اللہ کے ہی فتاویٰ تسلیم کرتے ہیں اور اس پر مزید ظلم یہ کہ ائمہ کے گستاخ پھر بھی ''وہ'' نہیں بلکہ ''ہم'' گردانے جاتے ہیں؟



---

1 عين الهداية كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء و الكفارة ١/١١١٢.

2 درمختار: كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد ١/٥٦٨.

3 درمختار: كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد ٢/٢٩٧.

4 سيرت النبی از شبلی نعمانی.

مسلمان مشرک

[یہ مضمون علامہ عبدالرزاق ملیح آبادی ایڈیٹر ''الجامعہ'' کلکتہ نے تقریباً پون صدی قبل ۱۹۲۵ء میں ''الوسیلہ'' کے اُردو ترجمہ میں مقدمہ کے طور پر لکھا تھا۔ ایک دردمند مؤحد کے دِل کی یہ پکار اس کتاب میں بطورِ عبرت پیش کی جا رہی ہے]۔

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ [یوسف : ۱۲/۱۰۶]

''اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اسؔ کے ساتھ) شرک کرتے ہیں''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بنی اُمیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اوّل کا دین باقی نہیں رہا، اگر وہ ہمارے اس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیا وہ ہمیں ''مشرک'' قرار نہ دیتے، اور ہم انہیں کوئی برا نام نہ دیتے، کیونکہ اُس وقت اور اِس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام ہے یا چند ظاہری و رسمی عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ جیسی آسمان سے اُتری تھی اب تک بے غل وغش قائم ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ بھی مدوّن و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں، طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں یا گنڈوں، تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزاد ہیں اور باوجود ادعائے اتباع ان سے مخالف چل رہے ہیں۔ اجمیر کا عرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہیں جو عامل قرآن اور علمبردارِ توحید تھے؟ اودھ کے ایک ہندو رہنما نے اجمیر کی کیفیت دیکھ کر کہا تھا:

''اب تک مجھے شک تھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد ہو سکتا ہے مگر آج یقین ہو گیا، کیونکہ ہمارے اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے''۔

اور یہ اُس نے سچ کہا۔ کیونکہ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں اگر فرق ہے تو ناموں اور طریقوں کا ہی ہے ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہے۔ ہندو بتوں کے سامنے جھکتے ہیں تو مسلمان قبروں کے سامنے، ہندو رام و کرشن کی پرستش کرتے ہیں تو مسلمان جیلانی و اجمیری کی، یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، انہیں اللہ نہیں سمجھتے، محض بے معنی ہے۔ کیونکہ ہندو بھی سوائے اللہ واحد کے کسی کی بھی اللہ سمجھ کر پرستش و عبادت نہیں کرتے اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو

"پرستش و عبادت" نہیں کہتے' کچھ اور نام دیتے ہو' مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تو بدل نہیں سکتی۔

حساس آدمی کے لئے مسلمان مشرکوں کے حالات و خیالات معلوم کرنا ایک نا قابل برداشت مصیبت ہے۔ اس فرقہ میں عقل و نقل کا کال ہے۔ ایک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ علام الغیوب ہے' سمیع و بصیر ہے' آسمان اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں اور نہ بغیر اس کی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے' وہ ہم سے دور نہیں' نزدیک ہے' اور اتنا نزدیک ہے کہ اس سے زیادہ نزدیکی ممکن نہیں' پھر وہ رحمٰن و رحیم ہے' غفور و غفار ہے' سخی ہے' بے حساب دیتا ہے' جبار بادشاہ نہیں کہ کسی کو اپنے در پر نہ آنے دے۔ ہر وقت اس کا دروازہ کھلا ہے' ہر وقت اس کا ہاتھ پھیلا ہے' ہر وقت اس کا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اور اس سے زیادہ مانتے ہیں۔ مگر...... "مگر" کے آگے عقل و دانش کی موت ہے' انسانیت اور انسانی شرافت کا ماتم ہے۔ "مگر" کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جھکنا ضروری ہے! مردوں سے منتیں ماننا لازمی ہے! سفارش و شفاعت کے بغیر اس دربار میں رسائی ناممکن ہے! یہ قبر غوثِ اعظم کی ہے جو مر جانے کے بعد بھی "غوث" ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں! "یہ محبوبِ سبحانی ہیں" عاشق جاں نثار کو ضد کر کے مجبور کر دیتے ہیں! یہ غریب نواز ہیں اور مرنے پر بھی مٹھیاں بھر بھر کر دیتے ہیں!! چنانچہ انسانیت و اسلام کے یہ مدعی جوق در جوق قبروں پر جاتے ہیں' ماتھے گھستے ہیں' ناک رگڑتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس اور خود دار انسان کسی مخلوق کے سامنے نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس سب سے بڑی دولت اس کی اپنی انسانیت ہے' یہ جاتے ہیں اور اس متاعِ عزیز کو چونے اور اینٹ کے چبوتروں پر بڑی بے دردی سے قربان کر آتے ہیں۔

اگر کہا جاتا ہے کہ دیکھو کیا کرتے ہو؟ شریعت نے منع کیا ہے' شرک ٹھہرایا ہے' جہنم سزا بتائی ہے تو جواب اعراض و انکار ہے' تاویل و تحریف ہے' شریعت و حقیقت کی بحث ہے' ظاہر و باطن کی حجت ہے' وہابی و حنفی کا فرق ہے۔ قرآن کی آیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں حسن بصری' شبلی' جیلانی' چشتی کے ملفوظات ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی شرک جائز نہیں رکھا۔ مگر کس سے کہا جائے' کان ہوں تو سنیں' آنکھیں ہوں تو دیکھیں' دِل ہو تو سمجھیں۔

﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴾ [الاعراف : ۱۷۹/۷]

"ان کے دِل ہیں مگر وہ ان کو سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کرتے' ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں' ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں' دراصل وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے"۔

یہ صرف عوام کا ہی حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور کہے جائیں' اُن لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں منہ پھاڑ پھاڑ کر "علماء امت"، "وارث علومِ نبوت" اور انبیاء بنی اسرائیل" کا مشابہ بتاتے ہیں۔ ایک طرف اسفارِ شریعت کے حامل اور دوسری طرف حقیقت وطریقت کے رازداں ہونے کے مدعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ اُمت محمدیہ کے لئے اصلی فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصلی سبب ہیں۔ یہ علماء سوءاس اُمت کے "فقیہی" و"فریسی" و"صدوقی" ہیں۔ "ہاروت و ماروت" ہیں۔ "رؤس الشیاطین" ہیں۔ انہیں نے شریعت کی تحریف کی ہے۔ انہیں نے کتاب وسنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے۔ انہیں نے طریقت و بدعت کی تاریکی پھیلائی ہے۔ انہیں نے اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسلمانوں کے دِلوں سے اُکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو سال کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہے۔ وہ کون سی مصیبت ہے جو ان کے ہاتھوں نہیں آئی؟ وہ کون سی گمراہی ہے جس کا جھنڈا انہوں نے اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھایا؟ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کہہ گئے ہیں:

وَ هَلْ بَدَّلَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَ اَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا؟

"کیا دین کو بادشاہوں' علماء سوءاور صوفیوں کے علاوہ کسی اور نے بدل ڈالا ہے؟"

الفاظ سخت ضرور ہیں اور شاید قابل مواخذہ بھی ہیں' مگر دِل وجگر میں جو گھاؤ پڑے ہیں اور زیادہ ماتم پر مجبور کرتے ہیں۔ کون انسان ہے جو تیس کروڑ انسانوں کی بے دردانہ تباہی دیکھے اور خاموش رہے؟ کون مسلمان ہے جو اُمت مرحومہ پر یہ قزاقانہ تاخت اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چپ رہے؟ کیا اس کے بعد بھی انسان دیوانہ نہ ہو جائے کہ دن کو رات بتایا جاتا ہے' آفتاب کو سیاہ ٹکیہ کہا جاتا ہے' حق کو باطل اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے؟ کون مسلمان ہے جس کے دل میں ذرا بھی نورِ ایمان ہو اور شریعت کو ضلالت' سنت کو بدعت' ایمان کو کفر' توحید کو شرک اور شرک کو توحید کہتے ہوئے دیکھے اور جوش سے اُبل نہ پڑے؟ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ "کتاب وسنت کا فہم ناممکن ہے لہٰذا اس سے دور رہو۔ اشخاص کی تقلید واجب ہے لہٰذا بے چون وچرا ہمارے پیچھے چلو۔ قبریں اونچی کرو' قبے بناؤ' اولیاء سے منتیں مانو' خدا تک مخلوق کو وسیلہ بناؤ' جو چاہو کرو بخشے جاؤ گے' کیونکہ شفیع المذنبین کی اُمت ہو۔ یہی دین ہے' یہی شریعت ہے' یہی سنت ہے"۔ کیا ہم یہ سب سنیں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مصلحین اُمت اٹھیں اور علماء سوء کے اس شرذمہ مشومہ کے چہرے سے نقاب اُلٹ دیں تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان بڑی بڑی پگڑیوں کے نیچے شیطان کو سجدہ کرنے والے سر ہیں اور ان لمبی لمبی گھنی داڑھیوں کی اوٹ میں کفر وریاء کی سیاہی چھپی ہوئی ہے؟

کیا مسلمان اپنے "عالموں" اور "راہنماؤں" کے اسلام واصلاح کا حال سننا چاہتے ہیں؟ اچھا ایک مستقل کتاب کا انتظار کریں۔ یہاں اس مختصر دیباچہ میں گنجائش نہیں' تاہم عبرت کے ساتھ یہ واقعہ

نوٹ کرلیں[1] کہ ان کے ایک مستند عالم نے جو صوفی اور شاید پیر بھی ہیں' تحریکِ خلافت کے دوران تجویز پیش کی تھی کہ علماء ومشائخ کا ایک وفد مرتب ہو کر اجمیر شریف جائے اور خواجہ صاحب کو اُمت کی ایک مصیبت سنا کر فریاد کرے۔ صرف تجویز ہی نہیں بلکہ سنا ہے کہ عملاً یہ مولوی صاحب اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شدرِحال کر کے گئے اور مزار پر خوب روئے پیٹے۔ مگر افسوس! وہاں سے کوئی جواب نہ ملا اور بے مراد لوٹے چلے آئے۔

کیا یہی وہ توحید ہے جس کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں؟ جس کی حفاظت کے علماء مدعی ہیں اور جس کی اتباع وتمسک پر مسلمانوں کو ناز ہے؟ اگر خواجہ صاحب اُمت محمدیہ کو اس کے مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں تو رام وکرشن کی خدائی پر مسلمان کیوں منہ بناتے ہیں؟ اس اجمیری وفد کی تحریک پرائیویٹ نہ تھی' اخبارات کے کالموں میں اعلانیہ کی گئی تھی' مگر کسی عالم نے بھی یہ اعلان کرنے والے کی زبان نہ پکڑی کہ یہ شرک ہے بلکہ بہت سے مولویوں نے تو اس کی تحریراً تائید کی جیسا کہ اخبارات کے پرانے فائل گواہ ہیں۔ کیا یہی وہ حفاظت دین ہے جس کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں؟

اور اے کاش! ضلالت وبدعت کی حمایت علماء کے اسی گروہ میں محدود ہوتی جسے ''بدعتی'' کہا جاتا ہے اور اس گروہ میں منتقل نہ ہوتی جو اصلاح وتجدد کا مدعی ہے۔ میں یہ المناک واقعہ انتہائی رنج و اندوہ کے ساتھ تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کے گوشِ گزار کرتا ہوں کہ ابھی چند دن کی بات ہے کہ اس جماعت کے ایک تعلیمی مرکز کے شیخ اعظم اور دوسرے مشائخ نے ''تعزیہ داری جیسے صریح بدعت'' بلکہ ''شرک'' کے خلاف فتویٰ دینے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ موجودہ حالات میں ایسا فتویٰ خلاف مصلحت ہے۔

کیا یہ طریقہ شریعت کی حفاظت کا ہے؟ کیا یہی نیابت انبیاء ہے جس کا فرض ہمارے علماء اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان آنکھیں کھولیں' اپنے مذہبی پیشواؤں کی حقیقت معلوم کریں اور دین کی حفاظت اور شرک و بدعت کے ازالہ کے لئے خود آگے بڑھیں؟ اسلام نہ پاپائیت ہے' نہ روحانی پیشوائیت۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ خود ساختہ پیشوائیت ڈھا دی جائے تا کہ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ کے دین سے براہِ راست ہو جائے۔

---

[1] اسی طرح کا ایک واقعہ الیکشن ۱۹۷۷ء کے دوران پیش آیا کہ تجدید واحیاءِ دین کی علمبردار ''جماعت اسلامی'' کے لیڈر اور اُس وقت کے قومی اتحاد کے راہنما پروفیسر غفور احمد صاحب نے امام بری کے مزار پر جا کر چادر چڑھائی۔ ملاحظہ ہو نوائے وقت ۱۹ر فروری ۱۹۷۷ء۔ اس سے بڑھ کر یہ واقعہ کہ پاکستان کے سابق صدر جناب جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دورۂ برما کے وقت رنگون کے ایک مندر میں نصب سنہری موتی پر پھول رکھے اور اپنی خواہش پوری کرانے کے لئے مندر سے باہر لگی ہوئی چالیس ٹن وزنی گھنٹی کو تین بار بجایا۔ ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ لاہور ۷ر مئی ۱۹۸۵ء۔



کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں امام کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(مولانا الطاف حسین حالی)

فرقہ بندی چھوڑ دو' آؤ الجماعۃ میں داخل ہو جاؤ:

① حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں ۷۳ رفرقے ہوں گے' ان تمام فرقوں میں سب سے بڑا فتنہ وہ فرقہ ہے جو دینی امور میں رائے اور قیاس سے کام لیں گے''۔ ❶

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہودیوں کے اکہتر فرقے بن گئے اور عیسائیوں کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے۔ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے''۔

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جنت میں جانے والا فرقہ کون سا ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جنتی گروہ وہ ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں''۔ ❷

ہمارا بالکل آسان اور سادہ سا سوال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک و منہج اور طریقہ و مذہب کیا تھا؟ کیا وہ احکام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے؟ کیا وہ کسی امام کی تقلید کرتے تھے؟ آخر وہ کس فقہ پر چلتے تھے؟ اس کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن و حدیث پر تھے۔ ان کی فقہ، فقہ محمدی ﷺ یعنی صرف قرآن و حدیث تھی۔ جو کہ ان کے جنتی ہونے کی بشارت کا سبب بنی۔ اس لئے آج بھی جو جنتی گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح بجائے تقلید کے خالص قرآن و سنت کا دامن تھام لے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف قرآن و حدیث کی پیروی کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت بھی صرف قرآن و حدیث کی دعوت تھی نہ تو وہ خود کسی کے مقلد تھے اور نہ کوئی ان کا مقلد تھا۔ انہوں نے کسی قسم کی کوئی فقہ تخلیق نہیں کی بلکہ وہ خالص کتاب و سنت کی دعوت دیتے رہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہی تعلیم تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور دیگر سلف صالحین بھی خالص قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ ان کے دور میں بھی نہ تو کوئی ایسا امام تھا جس کی تقلید کی جاتی ہو اور نہ ہی کوئی مقلد تھا۔ کوئی تابعی کسی صحابی کا مقلد نہیں تھا۔ بلکہ وہ تمام مسائل کے حل کے لئے قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور اسی کی دعوت و تبلیغ کرتے۔

آج بھی ایک جماعت اور گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین اور دیگر سلف صالحین کی غیر فرقہ وارانہ روش پر گامزن ہو کر صرف اور صرف قرآن و حدیث کی دعوت دے رہا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں

---

❶ رواه الطبراني في الكبير بحواله مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۹۔

❷ سنن ترمذی' کتاب الایمان' باب افتراق هذه الامة (۲٦٤١)۔

تمام فرقوں اوران کی غلط دعوتوں کی پرزور تردید کرتا ہے۔ یہ گروہ موجودہ تقلیدی دور میں بھی نفاذ فقہ حنفیہ یا نفاذ فقہ جعفریہ کے نعروں کی بجائے صرف اور صرف قرآن وحدیث کے نفاذ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ یہ جماعت اور گروہ اہلحدیث ہے۔ یہ جماعت اور گروہ نہ تو فرقہ ہے اور نہ ان کا مسلک فرقہ وارانہ۔ ان کی دعوت صرف کتاب وسنت کی دعوت ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت تھی۔ ان کی دعوت کسی خاص فرقہ یا فقہ کی دعوت نہیں بلکہ ان کی دعوت قرآن وسنت پر مبنی ہے۔ ایسے گروہ کو ہی رسول اللہ ﷺ الجماعۃ (جماعت' گروہ) کہا ہے۔ کیونکہ صرف اہلحدیث ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والی جماعت ہے جو صرف حضرت محمد ﷺ کو اپنا امام مان کر ان کی اطاعت و پیروی کر رہے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کو امام مان کر اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہے۔

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی کے مقلد نہ تھے اور تمام مسائل کا حل قرآن وحدیث سے ڈھونڈتے تھے اور اس بات کی تعلیم دیتے تھے' اسی طرح اہلحدیث بھی کسی کے مقلد نہیں ہیں اور اپنے تمام مسائل کا حل قرآن وسنت سے ڈھونڈتے ہیں اور اسی منہج کی دعوت وتبلیغ کر رہے ہیں۔

کیا اہلحدیث بھی ایک فرقہ ہے:

اہلحدیث کو فرقہ کہنا سراسر غلط ہے۔ اہلحدیث ایک فرقہ نہیں بلکہ نام اہلحدیث صرف تعارف اور پہچان کے لئے ہے تا کہ پہچان ہو جائے کہ یہ لوگ کسی امام کی فقہ نہیں بلکہ محمد ﷺ کی حدیث کی دعوت وتبلیغ کرنے والی جماعت ہے۔ جس طرح نبی ﷺ کے دور میں مہاجرین اور انصار کے نام سے دو بڑی جماعتیں موجود تھیں۔ لیکن وہ کوئی الگ الگ فرقہ نہیں تھے۔ بلکہ دونوں کتاب وسنت پر عمل کرنے والی جماعتیں تھیں۔ لہٰذا جس طرح مہاجرین اور انصار کو فرقہ کہنا غلط ہے اسی طرح اہلحدیث کو بھی فرقہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ اہلحدیث کسی خاص فرقے کی فقہ پر عمل کرنے کا نام نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے نظام کو ماننے' اس پر عمل کرنے اور اسے پوری دُنیا میں نافذ کرنے کی تحریک کا نام ہے۔

فرقہ کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ فرقہ کیا ہوتا ہے' یہ کیسے بنتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرقہ کسی شخص یا بستی کے نام پر قائم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو امام تسلیم کر کے اس کے نام پر اپنے مذہب کا نام رکھنا ایک علیحدہ فرقہ بنانا ہے۔

مثلاً حنفی ایک فرقہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی طرف منسوب فقہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ شافعی ایک فرقہ ہے جو امام شافعی اور فقہ شافعی کی طرف بلاتا ہے۔ اسی طرح جعفری ایک فرقہ ہے

جوامام جعفر صادق اور فقہ جعفریہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔اسی طرح اسماعیلی ایک فرقہ ہے جن کا اپنا ایک راہنما اور اپنا ایک دستور ہے' جس کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں۔اسی طرح احمدی ایک فرقہ ہے جو غلام احمد قادیانی کے نام پر قائم ہوا ہے۔اسی طرح بریلوی اور دیوبندی مخصوص جگہوں کے نام پر بننے والے فرقے ہیں۔اور اسی طرح کے دیگر۔یہ فرقے ہیں جو لوگوں کو مخصوص افراد اور مخصوص فقہوں کی طرف بلاتے ہیں۔جبکہ اہلحدیث کی دعوت شخصی یا حربی نہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کا محور ومرکز اور دعوت وتبلیغ کا مرکز صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور اسی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے ہیں۔وہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور امام یا کسی مخصوص فقہ کی طرف دعوت نہیں دیتے جو کہ فرقہ کے وجود میں آنے کی بنیادی وجہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں دو بڑی جماعتیں موجود تھیں' یعنی مہاجر اور انصار۔ لیکن وہ فرقہ ہرگز نہیں تھے۔کیونکہ ان کی نسبت کسی مخصوص امام یا کسی مخصوص فقہ یا کسی مخصوص جگہ کی طرف نہیں تھی' بلکہ یہ دونوں جماعتیں قرآن وحدیث پر ہی مجتمع تھیں۔مہاجرین اور انصار صرف اپنی پہچان علیحدہ رکھنے کے لئے نام رکھے گئے تھے کہ یہ مہاجر ہے اور یہ انصار' بالکل ایسے ہی نام اہلحدیث صرف پہچان کے لئے ہے۔اہلحدیث ایک فرقہ ہرگز نہیں بلکہ مہاجرین اور انصار کی طرح ایک جماعت ہے جو مہاجرین اور انصار کی طرح صرف قرآن وحدیث کی طرف دعوت دیتا ہے اور کسی مخصوص امام یا کسی مخصوص فقہ کی طرف لوگوں کو نہیں بلاتا۔

جب شیعہ کا چرچا ہوا تو اہل سنت کا نام مشہور ہوا اور جب اماموں کی تقلید نے زور پکڑا اور حنفی' شافعی وغیرہ کا چرچا ہوا تو اہل حدیث کا نام مشہور ہوا۔چونکہ اہلحدیث اور اہل سنت جیسے ناموں سے اتباع رسول اور تعلق بالسنّت اور تعلق بالحدیث کا اظہار ہوتا ہے اس لئے یہ نام جائز اور درست ہے۔جبکہ حنفی شافعی وغیرہ نام درست نہیں۔کیونکہ ان سے تعلق بالرسول اور تعلق بالحدیث یا تعلق بالسنّت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ حنفی سے تعلق بالامام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ایک حنفی کہلائے گا تو دوسرا شافعی۔ایک مالکی کہلائے گا تو دوسرا حنبلی۔ایک بریلوی کہلائے گا تو دوسرا دیوبندی ایک حیاتی کہلائے گا تو دوسرا اماتی۔اس طرح اسلام میں فرقے پیدا ہوں گے۔جو کہ دین میں تفریق پیدا کر کے اسے برباد کر دینے کے مترادف ہے۔اس لئے مختلف اماموں کی تقلید چھوڑ دینی چاہئے اور اپنے آپ حنفی شافعی بریلوی دیوبندی وغیرہ نہیں کہلوانا چاہئے اور سب کو خالص کتاب اللہ اور خالص سنت رسول پر آ کر اہل سنت اور اہل حدیث بن جانا چاہئے۔کیونکہ نام وہ ہونا چاہئے جو اسلام کے مترادف ہو' جس سے اسلام کی وضاحت ہوتی ہو جس سے اسلام کے ساتھ تعلق کا اظہار ہوتا ہو۔اور وہ نام اہل سنت اور اہل حدیث ہی

ہو سکتے ہیں۔ ان میں نام اہل حدیث زیادہ جامع ہے کیونکہ لفظ حدیث قرآن کو بھی شامل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ﴾[الزمر : ۳۹/ ۲۲]

''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث (قرآن پاک) نازل فرمائی''۔

علاوہ ازیں سنت رسول ﷺ کو پہچاننے کا معیار بھی حدیث پر ہی ہے۔ پس اہل حدیث سے مراد وہ جماعت ہوتی ہے جو قرآن و حدیث پر عمل کرے۔ یعنی اہل حدیث سے مراد ہے قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے اور حنفی سے مراد ہے فقہ حنفی پر پر عمل کرنے والے۔ اب آپ سوچ لیں فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا بہتر ہے یا فقہ حنفی پر۔ قرآن و حدیث اللہ کی نازل کردہ ہے جبکہ فقہ حنفی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے اقوال' فتاویٰ اور رائے کا نام ہے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ روزِ قیامت یہ کہنا ہرگز کام نہ آئے گا کہ ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔

فرقہ بندی ختم کرنے کی بھی صرف اور صرف یہی ایک واحد صورت ہے کہ تمام اماموں' تمام فقہوں' تمام نسبتوں اور تمام مسلکوں کو چھوڑ کر صرف ایک امام' ایک مسلک اور ایک نسبت پر جمع ہو جائیں۔ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ ان کی نسبت اور انہی کے مسلک قرآن و حدیث پر۔ یہی اہلحدیث کی دعوت ہے۔

فرقے کیسے بنے؟

رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دور میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف ایک امام' امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ تمام صحابہ کرام صرف قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ ان کا عمل صرف قرآن و حدیث پر تھا۔ ان کی فقہ صرف قرآن و سنت تھی۔ اس وقت کوئی فرقہ نہیں تھا۔ صرف ایک ہی جماعت تھی۔ خالص قرآن و سنت پر عمل کرنے والی جماعت۔ ہم اس جماعت کو اصلی اور حقیقی جماعت کا نام دیتے ہیں، فقہ محمدی ﷺ یعنی خالص قرآن و سنت پر عمل کرنے والی اصل اور حقیقی جماعت۔

نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی کئی سالوں تک یہی صورت حال رہی۔ کہ لوگ صرف قرآن و حدیث کی پیروی کرتے تھے اور صرف ایک امام امام اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ ان کی شریعت' حجت اور فقہ صرف قرآن و سنت تھی۔ ان میں کوئی فرقہ نہیں تھا بلکہ صرف وہی ایک ہی جماعت تھی خالص قرآن و سنت پر عمل کرنے والی اصلی اور حقیقی جماعت۔

اُمت مسلمہ میں اہل تشیع پہلا فرقہ ہے۔ یہ فرقہ اس وقت بنا جب اُمت مسلمہ میں سے کچھ

لوگوں نے اپنی ایک الگ فقہ، فقہ جعفریہ ترتیب دے کر اس کی پیروی شروع کر دی۔ اور نبی کریم ﷺ کے علاوہ الگ امام مقرر کر کے اور انہیں معصوم اور حجت سمجھ کر ان کی تقلید شروع کر دی۔ یہ شیعہ دین اسلام میں پہلا فرقہ تھا۔

پس اس اصلی اور حقیقی جماعت کے کچھ لوگ اہل تشیع کے نام پر اس جماعت سے الگ ہو گئے جبکہ اس اصلی اور حقیقی جماعت کے باقی لوگ اہل سنت والجماعت کہلانے لگے۔ یعنی وہ لوگ جو شیعہ نہ بنے اور جنہوں نے فقہ جعفریہ کی پیروی نہ کی اور حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور امام کی پیروی نہ کی اور ان کے قول وفعل کو حجت تسلیم نہ کیا اور خالص قرآن وحدیث پر قائم رہے۔ انہوں نے اللہ کی اسی قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اسلام میں فرقہ بندی کا سبب نہ بنے ان لوگوں کا نام اہل سنت پڑ گیا۔

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [آل عمران : ۳/ ۱۰۳]

''اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو''۔

اللہ کی رسی کیا ہے؟ اللہ کی رسی صرف قرآن وسنت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں ہیں ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور دوسری سنت رسول ﷺ''۔ ❶

اب سوال یہ ہے کہ کیا اہل سنت بھی ایک فرقہ تھا؟ نہیں۔ اہل سنت ہرگز فرقہ نہ تھا کیونکہ انہوں نے اللہ کی اسی قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور فرقوں میں بٹ کر گمراہ نہ ہوئے۔ اہل سنت درحقیقت نبی ﷺ کے دور سے چلے آنے والی وہی اصلی اور حقیقی جماعت تھی۔ اب چونکہ اہل تشیع اس جماعت سے الگ ہو گئے تھے اس لئے اس اصلی اور حقیقی جماعت کے باقی لوگوں کو اہل سنت کہا جانے لگا۔ اہل سنت اس لئے بھی کوئی الگ فرقہ نہیں تھا کہ ان کی کوئی الگ فقہ نہیں تھی۔ ان کی فقہ وہی فقہ محمدی ﷺ یعنی قرآن وسنت تھی۔ ان کا کوئی الگ امام نہیں تھا ان کے امام محمد رسول اللہ ﷺ ہی تھے۔ اس لئے یہ فرقہ نہیں تھے بلکہ نبی ﷺ کے دور والی اصلی اور حقیقی جماعت تھی جن کا نام اب اہل سنت پڑ گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر اہل سنت فرقہ نہیں تھے تو انہوں نے علیحدہ نام اہل سنت کیوں رکھا؟

---

❶ مؤطا امام مالك: ۲/ ۸۹۹، باب النهى عن القول بالقدر.

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علیحدہ نام صرف پہچان کے لئے ہے۔ اہل تشیع الگ فرقہ بن گیا تھا۔ اصلی اور حقیقی جماعت کے باقی لوگوں نے یہ پہچان کرانے کے لئے کہ ہم شیعہ نہیں اپنا نام اہل سنت رکھ لیا۔

پس اہل سنت والجماعت ہرگز فرقہ نہ تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے دور والی ہی اصلی اور حقیقی جماعت تھے کیونکہ ان کا کوئی الگ امام اور الگ فقہ نہ تھی۔ جبکہ اہل تشیع کا الگ امام اور الگ فقہ ہے۔ اس لئے وہ ایک فرقہ ہیں۔

مزید چند سال تک یہی حالات رہے کہ کچھ لوگ اہل تشیع کے نام پر زندگی گزارتے رہے۔ جبکہ اصلی اور حقیقی جماعت والے لوگ اہل سنت کے نام پر زندگی گزارتے رہے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ وہ کام جو اہل تشیع نے کیا تھا وہی کام اہل سنت والجماعت کے کچھ لوگوں نے شروع کر دیا۔ یعنی الگ امام اور الگ فقہ۔ کچھ لوگ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام مان کر ان کی فقہ پر چلنے لگ گئے اور حنفی بن گئے، کچھ لوگوں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو امام مان لیا، ان کی فقہ کی پیروی شروع کر دی اور حنبلی بن گئے۔ اس طرح کچھ شافعی اور کچھ مالکی بن گئے۔ اہل سنت والجماعت کے یہ لوگ چار بڑے فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

1. امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام ماننے والے اور ان کی فقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت حنفی۔
2. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام ماننے والے اور ان کی فقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت شافعی۔
3. امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو امام ماننے والے اور ان کی فقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت مالکی۔
4. امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو امام ماننے والے اور ان کی فقہ پر چلنے والے اہل سنت والجماعت حنبلی۔

یعنی اہل سنت والجماعت کے یہ لوگ چار بڑے فرقوں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں تقسیم ہو گئے۔ جبکہ اس اہل سنت والجماعت کے باقی لوگ جو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی نہ بنے انہیں اب اہل حدیث کہا جانے لگا۔ اہل حدیث جن کی فقہ اب بھی فقہ محمدی ﷺ تھی یعنی قرآنِ وحدیث۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اہل تشیع کے قیام کے وقت اپنے اصل دین یعنی قرآن وسنت کو تھامے رکھا اور اب بھی حنفی شافعی وغیرہ فرقوں کے قیام کے وقت فقہ حنفی اور فقہ شافعی وغیرہ کی طرف نہ گئے بلکہ اصل دین اور اصل فقہ یعنی فقہ محمدی ﷺ قرآن وحدیث کو ہی تھامے رکھا۔ اب ان کا نام اہل حدیث پڑ گیا۔

جس طرح پہلے اصل اور حقیقی جماعت کے کچھ لوگ اہل تشیع کے نام پر اس جماعت سے الگ ہو گئے اور الگ امام اور الگ فقہ کی وجہ سے فرقہ بن گئے اور باقی رہ جانے والے لوگوں کا نام اہل سنت پڑ گیا جو کہ فرقہ نہ تھے کیونکہ ان کا کوئی الگ امام اور الگ فقہ نہ تھی۔ بلکہ ان کی فقہ قرآن وحدیث اور محمد ﷺ امام تھے۔

بعینہٖ ویسے ہی اب جب اس اصلی اور حقیقی جماعت جس کا نام اب اہل سنت والجماعت تھا کے کچھ لوگ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی کے نام پر اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور الگ امام اور الگ فقہ کی وجہ سے فرقہ بن گئے تو اس اصلی اور حقیقی جماعت کے باقی رہ جانے والے لوگوں نے پہچان کے لئے اپنا نام اہل حدیث رکھ لیا جو کہ فرقہ نہ تھا بلکہ وہی نبی کریم ﷺ کے دور والی اصلی اور حقیقی جماعت تھی کیونکہ ان کا کوئی الگ امام اور الگ فقہ نہ تھی بلکہ ان کا امام اب بھی محمد مصطفیٰ ﷺ ہی تھے اور ان کی فقہ اب بھی صرف قرآن و حدیث تھی۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے شیعہ فرقہ کے ظہور کے وقت اللہ کی رسی یعنی قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور الگ امام اور الگ فقہ کی پیروی نہ کی اور اب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فرقوں کے ظہور کے وقت بھی انہوں نے اللہ کی رسی یعنی قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اور الگ اماموں اور الگ فقہوں کی پیروی نہ کی۔ بلکہ ایک ہی امام حضرت محمد ﷺ کی پیروی جاری رکھی اور وہی فقہ' فقہ محمدیؐ یعنی قرآن و حدیث کی پیروی پر کاربند رہے اور الگ فرقہ نہ بنے۔ پس اہل حدیث نبی ﷺ کے دور سے چلی آنے والی وہی اصل اور حقیقی جماعت ہے جو کہ پہلے اہل سنت کہلاتے تھے اب انہیں اہل حدیث کہا جانے لگا کیونکہ اہل سنت اب اہل سنت نہ رہے تھے بلکہ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی بن گئے تھے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ حنفی خالص حنفی بھی نہ رہ سکے بلکہ یہ مزید دو فرقوں میں بٹ گئے۔ بریلوی اور دیوبندی۔ کچھ لوگوں نے احمد رضا بریلوی کو امام مان کر ان کی پیروی شروع کر دی اور حنفی بریلوی بن گئے جبکہ کچھ نے علمائے دیوبند کو اپنا امام اور پیشوا بنا لیا اور حنفی دیوبندی بن گئے۔

پھر کیا ہوا؟ دیوبندی دیوبندی نہ رہ سکے یہ مزید دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے: حیاتی اور مماتی۔ کچھ لوگ مولانا سرفراز احمد خاں صفدر اور مولانا عبدالحمید سواتی کی پیروی میں ان کی بتائی ہوئی شریعت اور فقہ پر چلنے لگ گئے اور دیوبندی حیاتی بن گئے جبکہ کچھ لوگ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا غلام اللہ مرحوم کی پیروی میں دیوبندی مماتی بن گئے۔ (جمعیت اشاعت توحید والسنۃ والے)۔

جبکہ بریلوی بھی خالص بریلوی نہ رہے بلکہ ان میں بھی نئی نئی نسبتیں اور نئے نئے فرقے اور گروہ قائم ہونے لگے۔ مثلاً قادری' رضوی' حسینی' نظامی' چشتی' سیالوی' قادری' نوشاہی' اویسی وغیرہ وغیرہ۔

1 ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ﴾

[انعام : ٦/ ١٥٩]

''جو لوگ فرقے اور گروہوں میں بٹ گئے دین کو پارہ پارہ کر دیا آپ ﷺ کا ان سے کوئی

تعلق نہیں''۔

2 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جنتی گروہ وہ ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں''۔ [1]

اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حنفی نہ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ کے علاوہ کوئی اور امام نہ تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی اور فقہ نہ تھی۔ صحابہ کرام کے امام حضرت محمد ﷺ تھے۔ اور صحابہ کرام کی فقہ قرآن و سنت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی کے مقلد نہ تھے۔

بالکل ایسے ہی اہل حدیث بھی کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ اہل حدیث کی فقہ قرآن و سنت ہے، اہل حدیث کے امام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ پس اہل حدیث ہی جنتی گروہ ہے کیونکہ یہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق پر ہیں۔

اگر نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کسی نیک آدمی کو امام مان کر ان کی فقہ پر چلنا اور ان کے نام پر الگ گروہ بنانا جائز ہوتا تو پھر سب سے پہلا حق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص طور پر خلفائے راشدین کا تھا کہ ان کو امام بنایا جاتا۔ ان کی فقہ کی پیروی کی جاتی اور ان کے نام پر گروہ کے نام رکھے جاتے۔ مثلاً صدیقی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام پر)، عثمانی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر)، علوی (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر)، فاروقی (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام پر) وغیرہ۔ لہٰذا جب ان کے نام پر گروہ اور فرقہ بنانا جائز نہیں (اگر یہ جائز ہے تو حنفیوں کو چاہیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید چھوڑ کر کسی صحابی کی تقلید اختیار کریں۔ کیونکہ ہر صحابی رسول، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہزارہا، بلکہ کروڑہا ارب ہا درجے بہتر اور افضل ہے) جب صحابی کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ ان کے نام پر کوئی فرقہ بنایا جائے تو کسی غیر صحابی کو یہ حق کس طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کے نام پر الگ اور علیحدہ فرقہ بنایا جائے۔ جب مسلمان صدیقی، عثمانی، فاروقی اور علوی نہیں کہلا سکتے تو پھر حنفی، شافعی، بریلوی اور دیوبندی کہلانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: کیا اہلحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں؟

حنفی اور شیعہ حضرات اہلحدیثوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اہل حدیث مقلدین کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے پکے مقلد ہیں۔ دلیل اس کی وہ یہ دیتے ہیں کہ جس طرح حنفی

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق هذه الامة (٢٦٤١).

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہر بات مانتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد بن جاتے ہیں، اسی طرح اہل حدیث بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہر بات مانتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور خود کو غیر مقلد کہلا کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

یہ نظریہ دراصل تقلید اور اطاعت کے اصل معنی و مفہوم کو درست طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ آیئے ایک بار پھر تقلید اور اطاعت اور ان کے اصل معنی و مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تقلید اور اطاعت میں بنیادی فرق:

سب سے بنیادی بات یہ یاد رکھیں کہ تقلید اور اطاعت میں بنیادی فرق دو طرح کا ہے۔

(الف) **شخصیت:** حقیقی اطاعت نبی کی ہوتی ہے جبکہ تقلید غیر نبی کی ہوتی ہے۔

(ب) **دلیل:** اطاعت اور پیروی دلیل کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ تقلید بلا دلیل ہوتی ہے' (دلیل قرآن و حدیث سے تصدیق کو کہتے ہیں)۔

ہماری ان گزارشات کا ثبوت تقلید کی تعریفیں ہیں جو کہ بڑے بڑے جید اور نامی گرامی حنفی علماء کرام کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

① کسی کے قول کو اس کی دلیل کے جاننے کے بغیر قبول کرنا تقلید ہے۔ [1]

② غیر نبی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنے کا نام تقلید ہے۔ [2]

③ کسی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا جس کا قول چاروں شرعی حجتوں میں سے نہ ہو تقلید کہلاتا ہے۔ حدیث اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے۔ [3]

④ تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو۔ [4]

تقلید کی ان تعریفات سے دو باتوں کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔

اوّلاً یہ کہ تقلید کے لئے کسی عمل کا بلا دلیل اور بلا حجت ہونا ضروری ہے۔ دلیل اور حجت پر عمل تقلید نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ قرآن مجید کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال حجت اور دلیل ہیں، ان پر عمل کرنا تقلید نہیں، بلکہ یہ اطاعت باللہ اور اطاعت بالرسول ہے۔

---

[1] علامہ سبکی، شرح جمع الجوامع ص ۳۹۲ ج ۲.

[2] ملا علی قاری حنفی، قیعدہ امالی.

[3] ملاحسن شرنبلالی حنفی، معیار الحق ص ٦٦.

[4] ابن ھمام حنفی، ارشاد الفحول، ص ۲٦٥.

ثانیاً یہ کہ تقلید کسی نبی کی نہیں ہوسکتی بلکہ تقلید غیر نبی کی ہوتی ہے۔
ان دونوں باتوں کو اکٹھا بیان کریں تو بات یوں ہوگی:
غیر نبی کی بلا دلیل اور بلا حجت بات ماننا تقلید ہے۔

پس یہ موٹی، پکی اور ٹھوس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ حدیث پر عمل تقلید نہیں۔ کیونکہ حدیث دلیل ہے اور جو بات بلا دلیل ہوگی اس بات پر عمل کرنا تقلید ہے۔ یعنی ایسی بات پر عمل کرنا تقلید ہے جو قرآن و حدیث کے علاوہ ہو یعنی اس بات کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ہو۔ جبکہ دلیل یعنی قرآن وحدیث پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص آپ کو قرآن وحدیث کی بات بتلائے تو اس شخص سے وہ بات سن کر عمل کرنا تقلید نہیں، کیونکہ وہ دلیل اور حجت بتا رہا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بتا رہا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر عمل کرنا تقلید نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص آپ کو دلیل اور حجت یعنی قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی بات بتائے یا کوئی ایسی بات بتائے جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہ ہو تو یہ تقلید ہے۔

اب اگر اہل حدیث کا طرزِ عمل بھی یہ ہو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات جو قرآن وحدیث سے نہ ہو یعنی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی بات نہ ہو بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی بات ذاتی رائے یا فتویٰ ہو اور وہ اسے بلا تحقیق و تصدیق قبول کرلیں تو پھر وہ یقیناً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اہل حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات ہرگز نہیں مانتے جو دلیل نہ ہو یعنی رسول اللہ ﷺ نے نہ فرمائی ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور ترین کتاب صحیح بخاری جس پر کہ عمل کرنے کی وجہ سے اہل حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اس میں امام بخاریؒ کے ذاتی فتوے یا اقوال و اعمال ہیں ہی نہیں، بلکہ اس میں نبی کریم ﷺ کے فتوے و ارشادات اور اقوال و اعمال ہیں۔ لہٰذا صحیح بخاری پر عمل کرتے ہوئے ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و اعمال پر عمل نہیں کر رہے ہوتے بلکہ ہم نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث اور سنت پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں اور حدیث اور سنت پر عمل کرنا تقلید نہیں ہوتا۔ اگر حدیث اور سنت پر عمل کرنا تقلید ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔ کیا وہ حدیث اور سنت پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ اگر وہ ایسا کرتے تھے تو پھر وہ بھی مقلد ہوئے۔ اور فقہ کا پکا اور ٹھوس اصول ہے کہ مقلد کی تقلید جائز نہیں۔ لہٰذا یہ بات مان لیں کہ حدیث اور سنت پر عمل کرنا تقلید نہیں، یعنی نبی کریم ﷺ کی اطاعت تقلید نہیں۔ دوسرے لفظوں میں غیر نبی کی اطاعت جب کہ وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث اور سنت کے علاوہ کوئی بات کر رہا ہو، تقلید ہے۔ کیونکہ اگر وہ حدیث اور سنت کی بات کر رہا ہے تو پھر تو یہ اس کی اطاعت ہے ہی نہیں، بلکہ حدیث اور سنت پر عمل

کرنے کی وجہ سے یہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو تقلید نہیں کہتے ہیں۔ جیسا مشہور حنفی عالم مفتی احمد یار خاں نعیمی اپنی مایہ ناز کتاب ''جاء الحق'' میں تقلید کی تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی اطاعت کو تقلید نہیں کہتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے، تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا''۔ ❶

مفتی صاحب نے تقلید کی واضح اور صاف ترین تشریح کر دی ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت یعنی حدیث اور سنت پر عمل کرنے کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ حدیث اور سنت دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ دلیل شرعی یعنی حدیث اور سنت نہ دیکھتے ہوئے حدیث اور سنت کے علاوہ کسی بات کو اپنے لئے حجت سمجھنا تقلید ہے۔

ہم بھی اسی بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دلیل شرعی یعنی حدیث اور سنت پر عمل کرنا اطاعت ہے تقلید نہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کی بات کو یعنی غیر نبی کی ایسی بات جو حدیث اور سنت سے نہ ہو حجت سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اب ہمیں حدیث اور سنت نبی کریم ﷺ خود نہیں بتائیں گے کیونکہ انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ احادیث کسی نہ کسی انسان کے ذریعہ سے ہی ملیں گی۔ کسی انسان کے ذریعہ سے ملنے والی احادیث پر عمل کرنا اس انسان کی اطاعت نہیں ہوگی بلکہ وہ دراصل نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہوگی۔ کیونکہ وہ انسان اپنے ذاتی اقوال یا فتاویٰ نہیں بتا رہا بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کی احادیث بتا رہا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں ہمیں کسی غیر نبی کے قول واقوال یا اپنے ذاتی فتوے وارشادات نہیں بتا رہے بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال بتا رہے ہیں جو کہ دلیل شرعی ہیں اور دلیل شرعی یعنی احادیث پر عمل کرنا تقلید نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے جیسا کہ پیچھے وضاحت گزر چکی ہے۔ لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صحیح بخاری سے نبی کریم ﷺ کے فرمان پڑھ کر یا سن کر ان پر عمل کرنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہم اس وقت بنتے جب اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث کے علاوہ اپنے فتوے اور اقوال بیان کرتے اور ہم انہیں بلا تحقیق وتصدیق اپنے لئے حجت سمجھ کر انہیں قبول کر لیتے

---

❶ جاء الحق، حصہ اوّل، باب اوّل، تقلید کے معنی اور اس کی اقسام ص ۲۳۔

جبکہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے ہیں ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے اور اقوال واعمال ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ: کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث بیان کرنا تقلید ہے؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتے اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتے ہیں اور ہم ان کی بات پر عمل کرتے ہیں اور یہی تقلید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حالانکہ بات اگر یہی ہو جو اوپر بیان ہوئی ہے تو یہ بالکل جائز اور درست ہے، لیکن افسوس کہ ایسا ہرگز نہیں۔ کیونکہ

1. اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتا رہے ہیں تو پھر یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی ذاتی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یعنی سنت اور حدیث ہے۔ اور سنت اور حدیث پر عمل کرنا تقلید نہیں ہوتا بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ یعنی اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بتا رہے ہیں تو اس پر عمل کرنا تقلید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

2. اس بات کی وضاحت کے باوجود کہ کسی سے کوئی حدیث سن کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات پر بضد ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات یعنی حدیث سن کر عمل کرنا ہی تقلید ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی استاد یا عالم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اس پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو چونکہ کسی شخص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر اس پر عمل کرنا تقلید ہے تو پھر یہ کام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کر رہے ہیں، لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد ہوئے اور فقہ کا یہ پکا اور ٹھوس اصول ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا۔ اب دریں صورت یا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں، اور مقلد کی تقلید ہوتی ہی نہیں، بلکہ تقلید مجتہد کی ہوتی ہے۔ یا پھر کسی شخص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں۔ اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔

3. آج امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود تو یہاں موجود نہیں کہ وہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائیں۔ ظاہر ہے کسی موجودہ عالم نے ہی ہمیں وہ حدیث سنانی ہے۔ اب اگر کسی شخص سے حدیث سن کر اس پر عمل کرنا ہی تقلید ہے تو پھر مقلد تو اس موجودہ عالم کا ہونا چاہیے جو کہ حدیث سنا رہا ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

4. اگر آپ کہیں کہ موجودہ عالم ہمیں اپنی بات کہہ ہی نہیں رہا ہوتا، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ حدیث ہی بتا رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم مقلد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ تقلید اس کی ہوتی ہے جس کی بات ہو۔ اگر ایسا ہی ہے کہ موجودہ عالم اپنی بات نہیں بتاتا بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات بتاتا ہے اور تقلید اس کی ہوتی ہے جس کی بات ہو، اس لئے مقلد آدمی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی

رہتا ہے۔ تو پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کس کی بات بتا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یا اپنی ذاتی گھڑی ہوئی یعنی یہ دو صورتیں بنتی ہیں:

(الف) پہلی یہ کہ اگر تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ کی بات ہی بتا رہے ہیں تو پھر اس اصول کے تحت کہ تقلید اس کی ہوتی ہے جس کی بات ہو تو پھر یہ تقلید نبی کریم ﷺ کی ہوئی نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی۔ کیونکہ جس طرح موجودہ عالم اپنی بات نہیں بتا رہا بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات بتا رہا ہے، ایسے ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنی بات نہیں بتا رہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی بات بتا رہے ہیں تو ایسی صورت میں تقلید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تقلید حضور ﷺ کی ثابت ہو رہی ہے۔

(ب) یا پھر دوسری یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ کی بات نہیں بتا رہے بلکہ اپنی بات بتا رہے ہیں۔ ایسی بات جو کہ نبی کریم ﷺ نے نہیں کہی اور اسے حجت مان لیا گیا ہے اور یہی تقلید امام ابوحنیفہؒ ہے۔

ہم بھی یہی کہہ رہے ہیں اور اس بات کو سمجھانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان اقوال و فتاویٰ کو حجت سمجھنے کا نام تقلید ہے جو حدیث سے باہر ہیں یا ان کا قرآن و حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ اگر ان فتووں اور اقوال کا ثبوت حدیث سے مل جائے تو پھر وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال ہیں ہی نہیں بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اقوال ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صرف ان کو بیان کیا یا ان کی وضاحت کی ہے۔ اور ان اقوال پر عمل کرنا دراصل نبی کریم ﷺ کے اقوال پر عمل کرنا ہے، یہی حدیث پر عمل کرنا ہے اور حدیث پر عمل کرنا تقلید امام ابوحنیفہ نہیں بلکہ اطاعت رسول ﷺ ہے۔

پس یہ بات مان لیں کہ تقلید، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان اقوال و اعمال اور فتووں کو حجت سمجھنے کا نام ہے جن کا قرآن و حدیث سے ثبوت نہیں ملتا۔ اور دین قرآن و حدیث کا نام ہے جو چیز قرآن و حدیث سے باہر ہے وہ چیز دین نہیں بن سکتی۔

رسول اللہ ﷺ اہل الحدیث کے امام ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ ﴾ [الإسراء : ٧١/ ٧١]

''جس دن بلائیں گے ہم سب لوگوں کو ان کے اماموں کے ساتھ''۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سلف صالحین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''اہل الحدیث کے لیے یہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے کہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں''۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الاسراء، آیت ۷۱.

خوب جان لیجئے کہ اہل الحدیث وہ ''جماعت'' ہے جو محمد ﷺ کو کافی سمجھتی ہے اور آپ ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور کو امام نہیں بناتی۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور کو امام بنانا ''محمد رسول اللہ'' سے غداری کے مترادف ہے۔ یہ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے کہ کلمہ تو محمد ﷺ کا پڑھا جائے اور امام کسی اور کو بنا دیا جائے۔ اور اس کے قول وفعل کو حجت سمجھا جائے۔ محمد ﷺ جو اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں، جنہیں خود اللہ نے امت کے لیے بطور امام و ہادی مبعوث کیا ہے اور جن کی زندگی ایک ''اسوۂ کامل'' ہے، ایسی ہستی جو معصوم عن الخطاء تھی، جس پر وحی اترتی تھی، لوگوں نے اس پاکیزہ ہستی کو چھوڑ دیا اور خود ساختہ اماموں سے اپنی نسبتیں قائم کرلیں اور اُمت کو فرقہ بندی کے عظیم فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

پس اہلحدیث کو یہ شرف عظیم حاصل ہے کہ کا ایک ہی امام ہے اور وہ ہیں حضرت محمد ﷺ۔ وہ صرف انہی کے فرمان کو واجب الاطاعت مانتے ہیں۔ ان کی فقہ یا مسلک یا نسبت جس کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں صرف قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ ہیں۔ اس لئے وہ فرقہ نہیں بلکہ فرقوں کو ختم کرنے والے اصل اسلام کے داعی ہیں۔ جو صرف دامن رسالت سے وابستہ رہنے کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اہلحدیث کسی خاص فرقہ کی فقہ ماننے والوں کا نام نہیں بلکہ اہلحدیث قرآن وسنت کے نظام کو از سرِ نو زندہ کرنے کی تحریک کا نام ہے۔ اہلحدیث کی دعوت صرف یہی ہے کہ ہمیں اپنے تمام مختلف فیہ مسائل و معاملات قرآن وحدیث کی نصوص سے نمٹانے چاہیں۔

آیئے! آپ بھی اپنے فرقہ وارانہ رجحانات کو چھوڑ کر اسی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ خالص دین جو کہ قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ ہے پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔

سب سے بہترین اور افضل ترین نام ''مسلم'':

اس بات کے بیان کے باوجود کہ اہلحدیث کوئی فرقہ نہیں ہے، یہ بات سب سے بہترین اور اعلیٰ ترین ہے کہ ہم اپنا نام وہی رکھیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ ہے ''مسلم''۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [الحج : ٢٢/٧٨]

''اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے''۔

اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو اہلحدیث، اہلسنت، وہابی، سنی، شیعہ، حنفی یا شافعی وغیرہ کہلوائیں، ہمیں اپنے آپ کو مسلم کہلوانا چاہیئے۔ اس سے بہتر، افضل اور اعلیٰ اور کوئی نام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے فرقہ بندی کا خاتمہ کرے اور ہمیں پکا اور سچا مسلم اور مومن بننے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اصلی اہلسنّت کون؟

ایک مکالمہ: از جناب حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ علیہ

نوٹ: اس مکالمہ میں ''ح'' کو حنفی اور ''م'' کو محمدی (غیر مقلد) کے مخفف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

حنفی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

محمدی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کہیے! کہاں سے تشریف لائے؟

ح: یہیں شہر سے۔

م: آپ بہاول پور میں رہتے ہیں؟

ح: جی ہاں!

م: پہلے کبھی دیکھا تو نہیں؟

ح: میں پہلے کبھی آپ کی مسجد میں نہیں آیا۔

م: پھر آج کیسے تشریف لے آئے؟

ح: ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں۔

م: فرمایئے! میں حاضر ہوں۔

ح: سنا ہے کہ اہل حدیث ایک نیا فرقہ نکلا ہے' جو نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور نہ اماموں کو' بلکہ بزرگوں کو تو گالیاں بھی دیتے ہیں۔

م: بھئی! یہ سب یاروں کا پروپیگنڈا ہے' ورنہ دیانت داری کی بات ہے کہ ہم کسی کو برا کہتے ہیں' نہ کسی کو گالی دیتے ہیں بلکہ عزت والوں کی عزت کرتے ہیں اور ماننے والوں کو مانتے ہیں۔

ح: آپ اماموں کو مانتے ہیں؟

م: کیوں نہیں!

ح: لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ نہیں مانتے۔

م: عیسائی بھی تو کہتے ہیں کہ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے' تو کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے؟

ح: ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔
م: پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔
ح: اس لیے کہ جیسے وہ مانتے ہیں ویسے ہم نہیں مانتے۔
م: اسی طرح سے لوگ ہمیں کہتے ہیں۔ کیونکہ جیسے وہ اماموں کو مانتے ہیں ویسے ہم نہیں مانتے۔
ح: وہ اماموں کو کیسے مانتے ہیں؟
م: نبیوں کی طرح۔
ح: نبیوں کی طرح کیسے؟
م: ان کی پیروی کرتے ہیں' ان کے نام پر فرقے بناتے ہیں' حالانکہ پیروی اور انتساب صرف نبی ﷺ کا حق ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ عیسائی اور مرزائی جو کافر ہیں وہ تو اپنی نسبت اپنے نبی کی طرف کر کے عیسائی اور احمدی کہلائیں اور آپ مسلمان ہوتے ہوئے اپنے نبی ﷺ کو چھوڑ کر اپنی نسبت امام کی طرف کریں اور حنفی کہلائیں۔ کیا عیسائی اور مرزائی اچھے نہ رہے' جنھوں نے کم از کم نسبت تو اپنے نبی کی طرف کی۔
ح: آپ جو حنفی نہیں کہلاتے تو کیا آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں مانتے؟
م: اگر ہم حنفی نہیں کہلاتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ان کو امام نہیں مانتے۔ ہم ان کو امام مانتے ہیں' لیکن نبی نہیں مانتے کہ آپ کی طرح ان کے نام پر حنفی کہلائیں۔ آپ ہی بتائیں آپ جو شافعی نہیں کہلاتے تو کیا آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں مانتے؟
ح: ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ضرور مانتے ہیں' لیکن حنفی کہلاتے ہیں تو پھر شافعی کہلانے کی کیا ضرورت ہے؟
م: ہمیں بھی محمدی یا اہل حدیث کہلانے کے بعد حنفی کہلانے کی کیا ضرورت ہے؟
ح: آپ محمدی کیوں کہلاتے ہیں؟
م: آپ اپنے امام کے نام پر حنفی کہلائیں' ہم اپنے نبی ﷺ کے نام پر محمدی نہ کہلائیں۔ آپ بتائیں نبی بڑا یا امام؟ محمدی نسبت اچھی یا حنفی؟
ح: نسبت تو محمدی بہتر ہے لیکن حنفی بھی تو غلط نہیں؟
م: غلط کیوں نہیں؟ اصلی باپ کے ہوتے ہوئے پھر کسی اور کی طرف منسوب ہونا کس شریعت کا مسئلہ ہے؟ جب حضور ﷺ ہمارے روحانی باپ ہیں تو باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف نسبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ باپ کا نہیں یا پھر غلط کا رہے' جو اپنے آپ کو غیر کی طرف منسوب کرتا

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ)). ❶

''جو اپنے باپ سے نسبت توڑتا ہے وہ کفر کرتا ہے''۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

((مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)). ❷

''جو اپنی نسبت جانتے بوجھتے ہوئے غیر باپ کی طرف کرتا ہے اس پر جنت حرام ہے''۔

جب آنحضرت ﷺ ہمارے دینی باپ ہیں تو ان کو چھوڑ کر غیر کی طرف نسبت کرنا بے دینی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے علاوہ آپ بتائیں حنفی بننے کے لیے کہا کس نے ہے؟ کیا اللہ نے کہا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے یا خود امام رحمہ اللہ نے؟

ح: کہا تو کسی نے نہیں۔

م: جب حنفی بننے کے لیے کسی نے کہا نہیں۔ حنفیت اسلام کی کوئی قسم نہیں، حنفیت نام کی اسلام میں کوئی دعوت نہیں:

﴿ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ ﴾ [المومن: ٤٠/ ٤٣]

''نہ وہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے نہ آخرت میں''۔

تو حنفی نسبت غلط کیوں نہیں؟

ح: حنفی کہلانے والے پہلے جتنے گزرے ہیں، کیا وہ سب غلط تھے؟

م: پہلے حنفی آج کل جیسے نہ تھے، ان کی یہ نسبت کرنا گمراہی اس وقت بنتی ہے جب مذہبی ہو اور فرقہ پرستی کی بنیاد پر ہو۔ اگر یہ نسبت استادی شاگردی کی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

---

❶ بخاری: كتاب الفرائض، باب من ادعى الى غير ابيه، رقم : ٦٧٦٧.

مسلم: كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن ابيه وهو يعلم، رقم ١١٣.

مشكوة: رقم ٣٣١٥، بلفظ فقد كفر.

❷ بخاری: كتاب الفرائض، باب من ادعٰى الى غير ابيه، رقم ٦٥٦٦.

مسلم: كتاب الايمان، باب بيان حال من رغب عن ابيه وهو يعلم، ص ٤٩١ رقم الحديث ١١٤، ١١٥.

ابن ماجه: كتاب الحدود، باب من ادعٰى غير ابيه او تولّٰى غير مواليه، رقم ٢٦١٠.

ترمذی: كتاب الولاء والهبة باب ما جاء فى من تولى غير مواليه او ادعٰى الى غير ابيه، رقم: ٢١٢٨.

مشكوٰة: كتاب النكاح، باب اللعان، رقم : ٣٣١٤.

ح: اگر حنفی کہلانا صحیح نہیں' کیونکہ فرقہ پرستی ہے تو اہل حدیث کہلانا بھی تو فرقہ پرستی ہے؟

م: اہل حدیث کوئی فرقہ نہیں' اہل حدیث تو عین اسلام ہے۔ اسلام نام ہے نبی کریم ﷺ کی پیروی کا اور نبی ﷺ کی پیروی اس کی حدیث پر عمل کرنے سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اہل حدیث بنے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

ح: آپ جو اہلحدیث بنتے ہیں تو کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اہل حدیث بننے کے لیے کہا ہے؟

م: اگر اہل حدیث بننے کے لیے نہیں کہا تو اہل سنت بننے کے لیے کہا ہے' جو آپ اہلسنّت کہلاتے ہیں؟

ح: کیا قرآن وحدیث میں حضور ﷺ کی پیروی کا حکم نہیں؟

م: پیروی کا حکم ہے' لیکن اہل سنت بننے کا حکم تو نہیں۔

ح: پیروی آخر سنت کی ہوگی اور اہل سنت بن کر ہی ہو سکتی ہے۔

م: لیکن یہ پتا کیسے لگے گا کہ یہ سنت رسول ﷺ ہے؟

ح: یہ پتا تو حدیث سے ہی چلے گا۔

م: پھر اہل حدیث ہوئے بغیر کوئی اہل سنت کیسے ہو سکتا ہے؟ جیسے سنت کے بغیر کوئی اسلام کا پتا نہیں لگ سکتا ایسے ہی حدیث کے بغیر سنت کا پتا نہیں لگ سکتا۔ اسی لیے ہم لوگ عملاً اہل سنت ہیں اور مذہباً اہل حدیث۔ اگر ہم اہل حدیث نہ ہوتے تو آپ جیسے اہل سنت ہوتے کہ نام اہل سنت کا اور کام اہل بدعت کے۔ اب دیکھیں آپ کہتے اپنے آپ کو اہلسنّت ہیں اور کرتے عید میلاد النبیؐ ہیں' کہتے اپنے آپ کو اہل سنت ہیں پڑھتے مولود ہیں' کھاتے ختم اور گیارہویں ہیں۔ اسی طرح قل' تیجا' چالیسواں بہت سی ایسی بدعات ہیں جو آپ کرتے ہیں حالانکہ وہ حدیث رسول ﷺ سے بالکل ثابت نہیں۔ جب کوئی عمل حدیث رسول ﷺ سے ثابت نہ ہو' اس کے کرنے والا اہل سنت کیسے ہو سکتا ہے؟

ح: اللہ نے تو قرآن مجید میں مسلم نام رکھا ہے' پھر آپ اہل حدیث کیوں کہلاتے ہیں؟

م: مسلم تو ہمارا ذاتی نام ہے' جیسا کہ پیدائش پر اس کا نام رکھا جاتا ہے' لیکن اہل حدیث ہمارا وصفی نام ہے' جو ہمارے طریق کار کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ کے کئی نام اس کے پیشے' مشاغل اور اس کے اوصاف کے پیش نظر پڑ جاتے ہیں۔ نہ یہ شرعاً ممنوع ہے' نہ عرفاً۔ رسول اللہ ﷺ کے محمد اور احمد ذاتی نام ہیں' حاشر' عاقب' شافع وغیرہ وصفی نام تھے جو آپ کو ممتاز کرتے تھے۔ قرآن مجید نے عیسائی کو اہل انجیل کہا ہے:

﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ﴾ [المائدہ : ٥/ ٤٧]

حدیث میں ہے:

((فَأَوْتِرُوْا يَاأَهْلَ الْقُرْآنِ)).[1]

''اہل قرآن وتر پڑھا کرو''۔

ح کچھ بھی ہو حضور ﷺ کے زمانے میں تو یہ مسلمانوں کا نام نہ تھا۔

م کیوں نہیں تھا؟ نام تو تھا اگر چہ مشہور نہیں تھا' جب وصفی نام یا لقب رکھنا بشرطیکہ غلط اور برا نہ ہو' جائز ہے تو اگر چہ وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے اسلام کی وضاحت ہوتی ہے' تفریق نہیں ہوتی۔ اہل سنت و اہلحدیث وغیرہ نام جو پہلے مشہور نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان ناموں کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نام رکھے جاتے ہیں امتیاز کے لیے۔ اس وقت سب مسلم تھے' کوئی فرقہ نہ تھا۔ سب کا طریق کار ایک ہی تھا۔ اس لیے اس وقت ان ناموں کی ضرورت نہ تھی۔ جب فرقہ پرستی شروع ہوگئی تو یہ نام نمایاں ہوئے۔ جب شیعہ کا چرچا ہوا تو اہل سنت والجماعت کا نام مشہور ہوا' جب اماموں کی تقلید نے زور پکڑا تو اہل حدیث کے نام کا فروغ ہوا۔ چونکہ اہل سنت' اہل حدیث اور محمدی وغیرہ ناموں سے اتباع رسول ﷺ اور تعلق بالرسول کا اظہار ہوتا ہے' اس لیے یہ نام برے نہیں۔ صحابہ اپنے آپ کو ان ناموں سے موسوم کرتے تھے۔

ح: اگر وصفی اور لقبی نام رکھنا بدعت نہیں تو پھر حنفی کہلانے میں کیا حرج ہے؟

م: حنفی کہلانے میں بہت حرج ہے۔ ایک حنفی کہلائے گا تو دوسرا شافعی' اس طرح اسلام میں فرقے پیدا ہوں گے۔ جب ہمارا اصلی نام منجانب اللہ مسلمین ہے تو وصفی اور لقبی نام ایسا ہونا چاہیے جو اصلی نام کا ممیّز و معرف ہو' نہ کہ مقسم۔ حنفیت سے اسلام کی تعریف نہیں ہوتی۔ کیونکہ حنفیت اسلام کی کوئی قسم نہیں' بلکہ تفریق ہوتی ہے' دین کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ حنفی' شافعی وغیرہ فرقے اسی طرح تو پیدا ہوئے ہیں اس لیے اپنے آپ کو حنفی وغیرہ کہنا دین میں تفریق پیدا کر کے برباد کرنا ہے' نام وہ رکھنا چاہیے جو اسلام کے مترادف ہو اور وہ محمدی' اہل سنت' اہل حدیث وغیرہ ہی ہو سکتے ہیں۔ حنفی' شافعی وغیرہ نہیں۔ محمدی' اہل سنت اور اہل حدیث میں ''اہل حدیث'' نام زیادہ جامع ہے' کیونکہ محمدیت اور سنت رسول ﷺ کو جانچنے کا معیار صرف حدیث ہے۔ اسی حدیث

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تفریع ابواب الوتر باب استحباب الوتر (١٤١٦).

کے معیار نے بتایا کہ دیو بندی اور بریلوی کا اہل سنت کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ ان کا احادیث کے مطابق، سنتوں پر عمل نہیں۔ اہل حدیث کا نام اس لیے بھی زیادہ جامع ہے کہ لفظ حدیث قرآن کو بھی شامل ہے۔ اس لیے اہل حدیث سے مراد وہ جماعت ہوتی ہے جو قرآن و حدیث پر عمل کرے۔ حنفیت کے لفظ میں قرآن و حدیث دونوں نکل جاتے ہیں، صرف فقہ حنفی رہ جاتی ہے، جو خسارہ ہی خسارہ ہے۔

ح: حدیث کو تو ہم بھی مانتے ہیں۔

م: صرف مانتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ اگر عمل کرتے ہوتے تو اہل حدیث ہوتے۔ آدمی مانتا بہت سوں کو ہے، لیکن منسوب اسی کی طرف ہوتا ہے جس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ ماننے کو مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں، لیکن عیسائی نہیں کہلاتے کیونکہ ان کی شریعت پر عمل نہیں کرتے۔ مرزائی کہنے کو تو حضرت محمد ﷺ کو بھی مانتے ہیں، لیکن کہلاتے احمدی ہیں۔ کیوں کہ ان کا اصل تعلق مرزا غلام احمد سے ہے، جو ان کا نبی ہے، محمد ﷺ سے نہیں۔ ماننے کو تو آپ حدیث کو مانتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کو بھی، لیکن نہ اہل حدیث کہلاتے ہیں، نہ شافعی رحمہ اللہ۔ کیوں کہ آپ کا اصل تعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہے نہ کہ حدیث سے ہے نہ امام شافعی رحمہ اللہ سے۔ ماننے کو تو ہم بھی اماموں کو مانتے ہیں، لیکن منسوب صرف محمد ﷺ کی طرف ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان سے ہی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے نہ شافعی کہلاتے ہیں، نہ حنفی۔

ح: حضور ﷺ کو تو سب ہی مانتے ہیں۔

م: صرف مانتے ہی ہیں، پیروی نہیں کرتے، اگر پیروی کریں تو پھر حنفی شافعی بننے کی کیا ضرورت ہے؟

ح: حضور ﷺ کے بعد آپ کا کوئی امام نہیں؟

م: حضور ﷺ کے بعد کسی امام کی ضرورت نہیں۔

ح: زندگی متحرک ہے، نت نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، آخر وہ کس سے لینے ہیں؟

م: حضور ﷺ سے لیں۔

ح: ان سے اب کیسے، اب وہ کہاں ہیں؟

م: آپ حیات النبی ﷺ کے قائل نہیں؟

ح: حیات النبی ﷺ کا تو میں ضرور قائل ہوں۔

م: پھر امام کی کیا ضرورت ہے، جو لینا ہے نبی اکرم ﷺ سے لیں۔

ح: وہ اب کیا دیتے ہیں؟

م: اگر وہ کچھ نہیں دیتے تو حیات النبی ﷺ کیسی اور اس کا فائدہ؟

ح: حیات کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ اب کچھ دیتے لیتے ہیں۔

م: پھر حیات کا اور کیا مطلب ہے؟

ح: حیات کا مطلب تو یہ ہے وہ سلام سنتے ہیں۔

م: کیا وہ صرف سلام سننے کے لیے حیات ہیں۔ یہ حیات کیسی کہ ان کے عاشق ان کی آنکھوں کے سامنے شرک و بدعت کریں اور وہ چپ پڑے ان کو گمراہ ہوتا دیکھتے رہیں۔ اور سلام سنتے رہیں۔ کیا وہ سلام سننے کے لیے دُنیا میں آئے تھے یا شرک و بدعت کو مٹانے اور دین سکھانے کے لیے؟

ح: دین تو سکھا کر گئے تھے' اب کیا سکھانا ہے؟

م: اگر وہ دین سکھا کر گئے تو پھر امام کی کیا ضرورت؟

ح: زندگی میں نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا حل امام ہی پیش کر سکتا ہے' اس لیے امام کا ہونا ضروری ہے۔

م: آج کل آپ کا امام کون ہے' جو آپ کے پیش آمدہ مسائل کا حل کرتا ہے؟

ح: ہمارے امام تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

م: وہ کب پیدا ہوئے؟

ح: ۸۰ ہجری' یعنی حضور ﷺ کے ستر سال بعد۔

م: کیا ان کے بارے میں بھی آپ کا عقیدہ حیات النبی ﷺ کی طرح حیات الامام کا ہے؟

ح: نہیں وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔

م: ان کو فوت ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

ح: تقریباً ساڑھے بارہ سو سال۔

م: جب آپ امام کو حیات بھی نہیں سمجھتے اور حضور ﷺ کو حیات سمجھتے ہیں اور حضور ﷺ اور امام کی وفات میں کوئی زیادہ لمبا عرصہ بھی نہیں تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ امام کی فقہ تو زندگی کے تمام مسائل حل کرے اور حضور ﷺ کی فقہ فیل ہو جائے اور یہ کام نہ کر سکے۔

ح: امام صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اصول دین کو سامنے رکھ کر فقہ کی ایسی تدوین کی کہ لاکھوں مسائل ایک جگہ جمع کر دیئے جو رہتی دُنیا تک کام آئیں گے۔

م: حضور ﷺ نے یہ کام کیوں نہ کیا؟ آخر اس کی کیا وجہ کہ حضور ﷺ کا پیش کردہ دین تو صرف سو سال تک کام دے سکا لیکن امام صاحب نے دین کو ایسے انداز میں پیش کیا جو آج تک کام کر رہا

ہے' بلکہ قیامت تک کام دیتا رہے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے تو سو سال بعد ہی امام کی ضرورت پڑ گئی جو زندگی کے بڑھتے ہوئے مسائل کا حل پیش کرتے' لیکن اس امام کے بعد تیرہ سو سال ہو گئے' آج تک کسی نبی یا امام کو ضرورت پیش نہ آئی۔ وہی امام' وہی فقہ کام دے رہی ہے اور آپ اسی نام پر حنفی چلے آ رہے ہیں۔ اگر امام صاحب ایسے ہی تھے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو ان کو حضور اکرم ﷺ کی جگہ نبی ہونا چاہیے تھا تاکہ اختلافات ہی نہ ہوتے' نہ محمدی اور حنفی کا جھگڑا ہوتا' نہ اماموں کا چکر ہوتا۔ شافعی' مالکی' حنبلی کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا۔ سب ایک ہوتے اور حنفی ہوتے۔ اب عجیب بات یہ ہے کہ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ آپ لوگ حضور ﷺ کے لیے مانتے ہیں اور مسئلے امام صاحب کے مانتے ہیں۔ کلمہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پڑھتے ہیں اور حنفی بن کر پیروی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرتے ہیں۔

ح: آپ لوگ حیات النبی ﷺ کے قائل کیوں نہیں؟

م: اگر حضور ﷺ حیات ہوں تو ہم حیات النبی ﷺ کے قائل ہوں۔ اس عقیدے کا کچھ فائدہ ہو تو ہم اس کے قائل ہوں۔ جب آپ لوگ حنفی بن گئے تو حیات النبی ﷺ کا عقیدہ کہاں رہا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ لوگ حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں' تو صرف رسمی طور پر قائل ہیں۔ دِل و عقل سے آپ بھی اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اگر آپ اسے صحیح سمجھتے ہوتے تو کبھی حنفی نہ بنتے۔ آپ کا حضور ﷺ کے بعد حنفی بن جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ حضور ﷺ کو زندہ ہی نہیں سمجھتے۔ ورنہ کون ایسا بد بخت ہے جو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں امام اور پیر پکڑتا پھرے۔ آپ جو امام اور پیر پکڑتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ حضور ﷺ کو یا زندہ نہیں سمجھتے یا کافی نہیں سمجھتے۔

ح: آپ لوگ حضور ﷺ کی حیات کے بالکل قائل نہیں؟

م: ہم لوگ حضور ﷺ کی برزخی حیات کے قائل ہیں' دنیوی حیات کے قائل نہیں۔

ح: اس کا کیا مطلب ہے؟

م: یہی کہ آپ ﷺ دُنیا میں خود زندہ نہیں بلکہ آپ ﷺ کی نبوت زندہ ہے۔ برزخ میں اللہ کے ہاں آپ ﷺ خود زندہ ہیں۔

ح: دنیا میں اگر حضور ﷺ زندہ نہیں تو لوگ ان سے دین کیسے لیتے ہیں؟

م: جس امام کو آپ پکڑے ہوئے ہیں وہ کیا دُنیا میں ہے؟

ح: دنیا میں تو وہ بھی نہیں۔

م: پھر آپ اس سے مسئلے کیسے لیتے ہیں؟

ح: ان کی کتابیں موجود ہیں۔

م: تو کیا حضور ﷺ کی حدیث موجود نہیں؟

ح: کتابیں تو اماموں نے خود لکھی ہیں' لیکن حدیث تو حضور ﷺ نے خود نہیں لکھی' اس کو تو لوگوں نے بعد میں جمع کیا ہے۔

م: فقہ حنفی جس کو آپ مانتے ہیں وہ کون سی امام صاحب نے خود لکھی ہے' وہ بھی تو لوگوں نے ہی جمع کی ہے اور وہ بھی بغیر سند کے۔ پھر جیسے فقہ آپ تک پہنچ گئی حدیث ہم تک پہنچ گئی۔ آپ جیسے اپنے امام کی فقہ کو فقہ حنفی کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ یقین کے ساتھ ہم حدیث کو حدیث رسول ﷺ کہتے ہیں کیوں کہ فقہ آپ کے پاس بغیر سند کے پہنچی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث دین ہے۔ اللہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے' کسی امام کی فقہ کی حفاظت کا اللہ ذمہ دار نہیں۔

ح: اللہ فقہ کا ذمہ دار کیوں نہیں؟

م: اس لیے کہ فقہ لوگوں کی رائے کو کہتے ہیں' جو غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی۔ فقہ اللہ کی وحی نہیں ہوتی جو صحیح ہی ہو۔ فقہ ہر امام کی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے' حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہوتی ہے اور سب کے لیے ایک ہوتی ہے۔ فقہ بدلتی رہتی ہے حدیث بدلتی نہیں ہے۔ لہٰذا حدیث دین ہے' فقہ دین نہیں۔ اسی لیے اللہ فقہ کا ذمہ دار نہیں۔

ح: کیا سچ مچ ہی فقہ حنفی امام نے خود نہیں لکھی؟

م: کسی عالم سے پوچھ لیں' اگر کوئی ثابت کر دے تو۔۔۔

ح: مان لیا کہ حدیث رسول ﷺ کی ہے' لیکن حدیث کو ہر کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

م: کیا فقہ کو ہر کوئی سمجھ لیتا ہے؟

ح: فقہ تو بہت آسان ہے۔

م: کیا بغیر پڑھے آ جاتی ہے؟

ح: نہیں پڑھنی تو پڑتی ہے۔

م: پھر کیا حدیث پڑھنے سے نہیں آتی؟

ح: آ تو جاتی ہے' لیکن اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے کیونکہ حدیثوں میں اختلاف بہت ہے۔ حدیثوں کا سمجھنا تو امام ہی کا کام ہے۔

م: یہ سب دشمنان رسول ﷺ کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں ورنہ حدیثوں میں اختلاف کہاں؟ حدیث تو رسول ﷺ کے قول و فعل کو کہتے ہیں' جس میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کیونکہ دین ہونے کی وجہ سے اللہ اس کا ذمہ دار ہے۔ بلکہ اصل اختلاف تو فقہ میں ہے۔

ح: فقہ میں بھی اختلاف ہے؟

م: فقہ میں تو اتنا اختلاف ہے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ فقہ حنفی کے تین بڑے امام ہیں: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ۔ ان تینوں کا فقہ کے تقریباً دو تہائی مسائل میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب منخول میں لکھا ہے۔ مثال کے طور پر:

1 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز کے سات فرض ہیں صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ کل چھ فرض ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں التحیات میں اگر وضو ٹوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی کیونکہ ساتواں فرض ابھی باقی ہے۔ صاحبین کہتے ہیں ہو جاتی ہے کیونکہ چھ فرض پورے ہو چکے ہیں۔ [1]

2 اگر بیوی کا خاوند لاپتہ ہو جائے تو کوئی امام کہتا ہے کہ عورت خاوند کی ۱۲۰ سال کی عمر تک انتظار کرے، ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتویٰ ہے۔ حنفیوں کے زیادہ اماموں کی رائے ہے کہ جب اس کے خاوند کی عمر کے تمام آدمی مر جائیں، اس وقت تک انتظار کرے۔ بعض کہتے ہیں ۹۰ سال انتظار کرے۔ ایک حنفی عورت بے چاری کیا کرے، کدھر جائے؟ [2]

3 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو مثل سایہ ہو تو عصر کا وقت ہوتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں ایک مثل ہو تو وقت ہوتا ہے۔ [3]

4 امام صاحب فرماتے ہیں کہ چار آدمی ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے، صاحبین فرماتے ہیں تین ہوں تو ہو سکتا ہے۔ [4]

5 اس کے علاوہ مستعمل پانی کو ہی لے لیں جس سے ہر وقت واسطہ پڑتا ہے۔ کوئی پاک کہتا ہے، کوئی پلید پھر اس میں اختلاف ہوتا ہے کہ کم پاک ہے یا زیادہ، کم پلید ہے یا زیادہ۔ [5]

ح: یہ تو عالموں کی رائے کا اختلاف ہوگا، امام صاحب کا فیصلہ کیا ہے؟

م: امام صاحب ہی کے قول مختلف ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ

---

[1] ھدایۃ: کتاب الصلوٰۃ، باب الحدث فی الصلوٰۃ، ص ۱۳۰.

[2] ھدایہ : کتاب المفقود، ص : ٦٢٣٩.

[3] ھدایہ: کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت.

[4] ھدایہ: کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ الجمعہ.

[5] ھدایہ: کتاب الطھارۃ، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء.

استعمال شدہ پانی خود پاک ہے' دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستعمل پانی پلید ہے۔ امام حسن کی روایت میں نجاست غلیظ ہے اور ابو یوسف کی روایت میں نجاست خفیفہ ہے۔ ❶

منیۃ المصلی میں گھوڑے کے جھوٹے کے بارے میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں چار روایتیں ہیں۔ ❷

ایک روایت میں نجس' ایک روایت میں مشکوک' ایک روایت میں مکروہ اور ایک روایت میں پاک۔ بتائیے! اب حنفی مقلد کدھر جائے' کس کو صحیح سمجھے؟

حنفی مولوی حدیث سے متنفر کرتے ہیں' اختلاف کا ہوا دکھا کر اور یہ نہیں دیکھتے کہ فقہ میں کتنا اختلاف ہے۔ ان لوگوں کی تو یہ مثال ہے: فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَ قَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا)۔ حدیث کو تو چھوڑا ہے اس لیے کہ اس میں اختلاف ہے حالانکہ حدیث میں اختلاف نہیں اور پھنس گئے جا کر اختلاف کی دلدل یعنی فقہ میں۔

ح: آپ لوگ ہماری طرح کس امام کو نہیں پکڑتے کہ اس کی تقلید کریں؟

م: نہیں!

اولاً: اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو پکڑنے کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا معصوم نہیں جس سے غلطی نہ ہو۔ اگر ہم کسی ایک کو پکڑیں گے اور غلطی میں بھی اس کی پیروی کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ امام تو شاید اپنی اجتہادی غلطی کی وجہ سے بخشا جائے' لیکن ہم مارے جائیں گے۔

ثالثاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا کامل نہیں کہ جس کو پکڑ کر سارے کام چل جائیں۔ حنفی بننے کے بعد پہلے عقائد کے لیے ماتریدی بننا پڑتا ہے' پھر تصوف کے لیے بھی قادری' کبھی چشتی' کبھی سہروردی' کبھی نقشبندی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نہیں کہ ایک کو پکڑ کر گزارا ہو جائے۔ در در کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

رابعاً: ایک کو پکڑنے سے باقی اماموں کو انکار لازم آتا ہے۔ ایک کو پکڑنے سے فرقے پیدا ہوتے ہیں' دین کے ٹکڑے ہوتے ہیں' ایک دین کے چار ٹکڑے ایسے ہی تو ہو گئے۔ قرآن کہتا ہے:

---

❶ هدايه: كتاب الطهارة، باب الماء الذى يجوز به الوضوء ومالا يجوز به ج١ ص ٣٨.

❷ منية المصلى ص ٦٠ (جھوٹے پانیوں کا بیان)۔

﴿ وَلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ فرقے، فرقے نہ بنو۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ﴾ [الروم: ۳۰/۳۲-۳۱] ''اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے''۔ کیونکہ جو فرقے بنا لیتے ہیں وہ مشرک ہو جاتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد کسی ایک کو پکڑنا دین کو برباد کرنے اور خود کو مشرک بنانے کے مترادف ہے۔

ح: آپ کا فرقہ کب بنا ہے؟

م: ہمارا فرقہ بنا نہیں۔ فرقہ تو وہ بنتا ہے جو اصل سے کٹتا ہے اور حضور ﷺ کے بعد کسی ایک کو امام پکڑ کر اپنا نام اس کے نام پر رکھتا ہے۔ پھر اس کی تقلید کرتا ہے۔ ہم تو اصل ہیں۔ یعنی اہل حدیث اسی وقت سے ہیں جب سے حدیث ہے اور حدیث اسی وقت سے ہے جب سے رسول کریم ﷺ ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے بعد کسی کو نہیں پکڑتے کہ اس کی تقلید کر کے فرقہ بنیں۔ ہم فرقہ نہیں اصل ہین جو حضور ﷺ کے ساتھ ہیں اور ان کی حدیث پر عمل پیرا ہیں۔

ح: آپ ہماری طرح اہل سنت کیوں نہیں؟

م: آپ اہل سنت کہاں؟ آپ تو حنفی ہیں۔ اہل سنت تو ہم ہیں جو حنفی، شافعی کچھ نہیں، صرف اہل سنت ہیں۔

ح: آپ اہل حدیث کیوں ہیں؟

م: تا کہ حنفی اہل سنت اور اصلی اہل سنت میں فرق ہو جائے۔ اہل سنت وہ ہوتا ہے جو صرف سنت رسول ﷺ کا پابند ہو، کسی امام کا مقلد نہ ہو۔ وہ سنت اسے سمجھے جو صحیح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہو۔ اس کے نزدیک حدیث رسول ﷺ ہی سنت کا معیار ہے۔ اسی لیے اسے اہل حدیث کہتے ہیں۔ جب اسلام سنت رسول ﷺ کا نام ہے اور سنت رسول ﷺ بغیر حدیث رسول ﷺ کے مل ہی نہیں سکتی تو اہل سنت بغیر اہل حدیث کے ہو ہی نہیں سکتا۔ حنفی اہل سنت وہ ہے جو شیعہ کے مقابلے میں اہل سنت والجماعت ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ سنت اور جماعت صحابہ کو ماننے کا دعوے دار ہوتا ہے اور وہ منکر ہیں۔ لیکن عملاً یہ اہل سنت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتا ہے اور اہل سنت کی تعریف میں کسی امام کی تقلید کرنا بالکل شامل نہیں۔ اہل سنت اسے کہتے ہیں جو سنت رسول ﷺ پر چلے اور حنفی اسے کہتے ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے، فقہ حنفی پر چلے۔ اب دونوں یعنی حنفی اور اہل سنت کو ایک ثابت کرنے کے لیے سنت رسول ﷺ اور فقہ حنفی کو ایک ثابت کرنا ضروری ہے جو تقریباً ناممکن ہے۔ جب سنت رسول ﷺ اور فقہ حنفی

ایک ثابت نہیں ہو سکتے تو اہل سنت اور حنفی بھی ایک ثابت نہیں ہو سکتے۔ان میں فرق ضرور رہے گا۔

ح: میں سمجھتا ہوں فرق تو ان میں کوئی خاص نہیں؟

م: فرق تو اہل سنت اور اہل حدیث میں نہیں۔ دونوں ایک ہیں۔ کیوں کہ سنت بھی رسول ﷺ کی اور حدیث بھی رسول ﷺ کی۔حنفی اور اہل سنت میں تو بہت فرق ہے۔

ح: کیا فرق ہے؟

م: یہی کہ حنفیت امتیوں کی بنائی ہوئی ہے اور سنت نبی ﷺ کی۔ جو فرق نبی اور امتی میں ہے وہی فرق حنفی اور اہل سنت میں ہے۔حنفی اہل سنت وہ ہے جس کی قومیت تو اہل سنت ہے لیکن اس کا گوت (خاندان) حنفی ہے۔جس کی نسبت سے اب وہ اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے اور فخر محسوس کرتا ہے۔حنفی اہل سنت قدیمی آبا واجداد کی وجہ سے اہل سنت کہلاتا ہے اور انتساب جدید کی وجہ سے حنفی ہے۔ظاہر ہے کہ مذہب کوئی نسل قسم کی چیز نہیں کہ باپ کے بعد بیٹے کا بھی وہی مذہب ہے۔ مذہب تو اپنا کسب ہے' اپنی پسند ہے جو آپ کے عقائد و اعمال ہیں وہی آپ کا مذہب ہے۔کوئی آدمی اس وجہ سے اہل سنت نہیں کہلا سکتا کہ اس کے بزرگ اہل سنت تھے۔اہل سنت تو وہی ہو سکتا ہے جو خود اہل سنت ہو۔یعنی سنت رسول ﷺ پر چلے۔اہل سنت وہ نہیں ہو سکتا جو خود تو بدعتیں کرے' حنفیت اور بریلویت کو اپنائے اور ''پدرم سلطان بود'' کی وجہ سے اہل سنت کہلائے۔اہل سنت مذہب ہے' قوم نہیں۔ مذہب بدلتا رہتا ہے قوم نہیں بدلتی۔ مذہب کا تعلق عقائد و عمل سے ہے' قوم سے نہیں۔ جو آپ کا عمل ہوگا وہی آپ کا مذہب ہوگا۔اگر عمل سنت پر ہے تو مذہب اہل سنت ہے۔اگر عمل کسی پیر' فقیر' امام' ولی کی پیروی ہے تو مذہب اسی کا ہے جس کی پیروی ہے۔حنفی اور بریلوی اہل سنت کا اپنے آپ کو اہل سنت کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کے اکثر مسلمانوں کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا۔حالانکہ وہ اسلام کی حقیقت سے بالکل واقف نہیں۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں صرف اسی وجہ سے کہ ان کے نزدیک مسلمان ایک قوم ہے جو کبھی بدلتی نہیں۔ وہ اسلام کے منافی جو مرضی کرتے رہیں ان کی مسلمانی میں فرق نہیں آتا۔آج کل کتنے مسلمان ہیں کہ موروثی مذہب ان کا اسلام ہے' لیکن ذاتی مذہب ان کا سوشلزم ہے اور وہ اپنے آپ کو سوشلسٹ مسلمان کہتے ہیں۔حالانکہ اسلام کا کوئی ایڈیشن یا کوئی قسم سوشلزم و جمہوریت نہیں۔جیسا کہ شافعیت اور حنفیت بھی اسلام کی قسمیں نہیں۔سوشلزم ہو یا جمہوریت' حنفیت ہو یا شافعیت' دیوبندیت ہو یا بریلویت' یہ سب اسلام میں اضافے ہیں

جن کا اسلام بالکل متحمل نہیں۔ اسلام ایک خالص دودھ ہے جو نہ ازموں کی پلید ملاوٹ کا روادار ہے' نہ اماموں کی پاک آمیزش کا۔ دودھ میں پاک پانی ملے یا کوئی پلید چیز دودھ خالص نہیں رہتا۔ دودھ اس وقت تک دودھ ہے جب تک وہ خالص ہے۔ جونہی اس میں کوئی ملاوٹ ہوئی پاک یا پلید وہ ملاوٹی ہوگیا۔ اس طرح اہل سنت جو خالص اسلام ہے اسی وقت تک اہل سنت ہے جب تک وہ صرف اہل سنت ہے جونہی وہ حنفی بریلوی یا کسی اور قسم کا اہل سنت بنا ملاوٹی ہوگیا۔ اصلی نہ رہا اور اللہ بغیر اصلی کے کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔

ح: آپ جو مرضی کہیں عوام تو حنفیوں کو خاص کر بریلویوں کو ہی اہل سنت مانتے ہیں۔

م: عوام کو نہیں دیکھا کرتے۔ عوام تو کالانعام ہوتے ہیں۔ دیکھا تو حقیقت کو کرتے ہیں کہ حنفی بریلوی کی حقیقت کیا ہے اور اہل سنت کی کیا؟ اہل سنت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت رسول ﷺ کا پابند ہو' بدعات کے قریب نہ جائے۔ حنفی بریلوی وہ ہے جو حنفیت اور بریلویت کا پابند ہو جو بذاتِ خود بدعتیں ہیں۔ اب جس کی ذات ہی بدعت ہو وہ اہل سنت کیسے ہوسکتا ہے؟ رہ گیا عوام کا کہنا یا خود ان کا اہل سنت کہلانا تو یہ عرفاً ہے۔ عرف کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقت بھی ہو۔ عرف عام میں تو ہر کلمہ گو کو مسلمان کہہ دیتے ہیں اور ہر داڑھی والے کو صوفی اور مولوی۔۔ مشرک ہو یا موحد۔۔ سنی ہو یا شیعہ ضروریات دین کا قائل ہو یا منکر۔ حتیٰ کہ مرزائی بھی آج تک عرف عام میں مسلمان ہی شمار ہوتے رہے ہیں۔ تو کیا حقیقت ہے؟ کیا واقعی ہر کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے خواہ اس کے عقائد و اعمال کیسے ہی ہوں؟ اگر یہ صحیح ہے تو مرزائی کافر کیوں؟ کیا ان کا وہی کلمہ نہیں جو سب مسلمان پڑھتے ہیں؟ جب عقیدے کی خرابی سے مرزائی مسلمان نہیں رہ سکتا تو شرک و بدعت کرنے والا اہل سنت کیسے ہوسکتا ہے؟ حنفی بریلوی جو اہل سنت مشہور ہیں تو وہ صرف شیعہ کی وجہ سے۔ کیونکہ شیعہ کے مقابلہ میں سب ہی اہل سنت ہیں۔ بریلویوں کی چونکہ اکثریت ہے اس لیے وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہیں' لیکن شیعہ کے اہل سنت کہنے سے بریلوی اہل سنت نہیں ہوسکتے جیسا کہ ہندوؤں اور انگریزوں کے کہنے سے مرزائی مسلمان نہیں ہوسکتے۔ کوئی چیز کیا ہے' اس کے لیے اس کی حقیقت کو دیکھا جاتا ہے' نہ کہ عوام کالانعام کو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

ح: بریلوی صرف شیعہ کے کہنے سے ہی اہل سنت نہیں' اہل سنت ہونے کے تو وہ خود بھی زبردست دعوے دار ہیں۔

م: زبردست نہیں بلکہ زبردستی دعوے دار ہیں۔ صرف دعوے سے کیا ہوتا ہے؟ اگر کوئی منہ کرے بریلی کو اور قبلہ کہے کعبے کو' راستہ چلے کوفے کا اور دعویٰ کرے مدینے کا تو اسے کون سچا کہے گا؟

زبردست دعویٰ تو مرزائی بھی کرتے ہیں۔ کیا وہ مرزائی رہتے ہوئے اپنے دعوے سے مسلمان ہو سکتے ہیں؟

ح: آپ کا بھی تو دعویٰ ہی ہے کہ ہم اہل سنت ہیں؟

م: دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کیونکہ ہم صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور انہی کو اپنا امام و ہادی اور پیرو مرشد سمجھتے ہیں۔ ان کے سوا کسی کی طرف منسوب نہیں ہوتے۔ ہم بھی اہل سنت نہ ہوتے اگر آپ کی طرح کسی امام کے مقلد ہوتے اور اس کے نام پر اپنی جماعت کا نام رکھتے۔

ح: آپ کو تو وہابی بھی کہتے ہیں؟

م: وہابی تو آپ ہمیں بناتے ہیں ورنہ ہم وہابی کہاں؟

ح: ہمیں آپ کو وہابی بنانے کی کیا ضرورت؟

م: تاکہ ایک حمام میں سارے ہی ننگے ہوں' سارے ہی مقلد ہوں تاکہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دے سکیں۔

ح: مقلد ہونا بھی کوئی طعنہ ہے؟

م: زبردست' لیکن اگر کوئی سمجھے تو...!

ح: طعنہ کیسے؟

م: مقلد تو انسان کو جانور کہنے کے مترادف ہے' کیونکہ تقلید جانور کے گلے میں پٹا ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہ فعل جانوروں کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس لفظ کو انسانوں کے لیے کبھی استعمال نہیں کرتے۔ قرآن و احادیث میں یہ لفظ صرف جانوروں کے لیے آیا ہے۔

ح: آپ تقلید کسی کی بھی نہیں کرتے؟

م: جب تقلید ہے ہی جانوروں کے لیے' انسانوں کا یہ فعل ہی نہیں تو ہم تقلید کسی کی بھی کیوں کریں؟

ح: سنا ہے تقلید کے بغیر تو گزارہ ہی نہیں' تقلید تو ہر کوئی کرتا ہے' تقلید تو آپ بھی کرتے ہیں: ماں باپ کی بھی' استاد کی بھی۔

م: اگر اسی کا نام تقلید ہے اور وہ ہم بھی کرتے ہیں تو ہمیں غیر مقلد کیوں کہتے ہیں؟ اگر ماں باپ یا استاد کی بات ماننا بھی تقلید ہے تو آپ اپنے امام کو مقلد کیوں نہیں کہتے۔ آپ کیوں کہتے ہیں کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا۔ کیا اس کے ماں باپ نہیں ہوتے یا وہ اپنے ماں باپ کا فرماں بردار نہیں ہوتا۔ یہ سب مقلدین کے مولویوں کی تلبیس ابلیس ہے' ورنہ تقلید جو مابہ النزاع ہے' یہ نہیں۔

ح: آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی بھی تقلید نہیں کرتے؟

م: جب اللہ کے رسول ﷺ نے تقلید کے لیے کہا ہی نہیں تو رسول اللہ ﷺ کی تقلید کیسے ہو سکتی ہے؟

ویسے بھی تقلید اس آدمی کی بات ماننے کو کہتے ہیں جس کی بات شرعی دلیل نہ ہو۔ جب رسول ﷺ کا ہر قول و فعل شریعت ہے تو رسول اللہ ﷺ کی تقلید نہیں ہو سکتی۔ تقلید سے تو اللہ ہر انسان کو بچائے' یہ تو بہت بڑی لعنت ہے۔ اس سے بڑی ذلالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے گلے میں کسی ایسے کا رسہ ڈالے جو جانے نہ پہچانے اور نہ کسی کام آئے' نہ پکڑانے میں نہ چھڑانے میں۔

ح: ہم اپنے امام کو نہیں جانتے؟

م: آپ کو کس نے بتایا کہ یہ آپ کا امام ہے' اسے پکڑ لو' اس کا رسہ اپنے گلے میں ڈال لو۔ یہ آپ کو پار لگائے گا' یہی پکڑائے گا' یہی چھڑائے گا۔ اللہ کا رسول ﷺ جس کو اللہ نے امام مقرر کیا ہے' جس کا کلمہ پڑھوایا ہے' جس کی سنت کو اپنا قانون ٹھہرایا ہے' اور قانون بھی ایسا کہ وہ ہی پکڑائے گا' وہی چھڑائے گا' اس کی تو تقلید نہ ہو اور اپنے گھر کے بنائے ہوئے امام کی تقلید ہو جو قیامت کو نہ جانے نہ پہچانے کہ کون میرا' کون غیر؟

ح: جب آپ کسی کی تقلید بالکل نہیں کرتے تو پھر آپ کو وہابی کیوں کہتے ہیں؟

م: یہی بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ حنفی لوگ ہمیں ایک طرف تو غیر مقلد کہتے ہیں اور ایک طرف وہابی۔ حالانکہ اگر کوئی غیر مقلد ہو تو وہابی کیسا؟ اگر وہابی ہو تو غیر مقلد کیسا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ جتنے اہل بدعت ہیں وہ اہل حدیث سے بہت بغض اور حسد رکھتے ہیں۔ اسی حسد میں وہ ان کے طرح طرح کے نام رکھتے ہیں' خواہ ان ناموں سے ان کی اپنی حماقت ہی ظاہر ہوتی ہو۔ یہی حال مخالفین کا حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ وہ بھی ان کے مختلف نام رکھتے تھے' کبھی ساحر کہتے' کبھی کاہن کہتے' کبھی مجنوں' کبھی کذاب و مفتری...... اس لیے اللہ نے فرمایا:

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴾[الفرقان : ٢٥/ ٩]

''ان حاسدین کو دیکھو یہ کیسے آپ کے الٹے سیدھے نام رکھتے ہیں۔ بغض و حسد میں ایسے کو رباطن (دلوں کے اندھے) ہو رہے ہیں کہ ان کو صحیح بات سوجھتی ہی نہیں''۔

اہل حدیث پیر عبدالقادر جیلانی کی نظر میں

اب آپ شاہ عبدالقادر جیلانی کا بیان حق نشان بھی سنیں جو ہمارے حق میں زبردست شہادت ہے۔ وہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

((اِعْلَمْ اَنَّ لِاَهْلِ الْبِدَعِ عَلَامَاتٌ يُعْرَفُوْنَ بِهَا فَعَلَامَةُ اَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيْعَةُ فِي اَهْلِ الْاَثَرِ .... الخ)). [غنية الطالبين صفحه ٢٩٤]

"بدعتیوں کی بہت علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ بڑی علامت ان کی یہ ہے کہ وہ اہلُ حدیث کو برا بھلا اور سخت سست کہتے ہیں اور یہ سب عصبیت اور بغض کی وجہ سے ہے جو ان کو اصل اہل سنت سے ہوتا ہے۔ اہل سنت کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ اہل حدیث ہے"۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ جو اہل حدیث کو برا بھلا کہتے ہیں وہ بدعتی ہیں اور جو بدعتی ہوں وہ اہل سنت نہیں ہو سکتے۔

ح: آپ نے تو مجھے بہت ڈرا دیا۔

م: آپ خوش قسمت ہیں جو ڈر گئے' ورنہ کتنے لوگ ہیں جن کو اپنی نجات کی فکر نہیں' صرف فرقہ پرستی میں بدمست ہیں اور اس کی حمایت ہی کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں' اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلے حق کو پہچانے پھر اس پر پکا ہو جائے۔

ح: حق کا پتہ کیسے لگے؟ ہر ایک ہی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔

م: حق تو نبی ﷺ کی سنت کو کہتے ہیں اور اسی پر چلنا راہ نجات ہے۔

ح: کہتا تو ہر ایک یہی ہے کہ میں حق پر ہوں' یہ پتا کیسے لگے کہ کون حق پر ہے؟

م: جو دین میں ملاوٹ نہ کرے' وہ حق پر ہے۔ اس اصول سے آپ ہر ایک کو جانچ سکتے ہیں' دُنیا میں ہر فرقے نے نبی ﷺ کے بعد اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرف منسوب کر رکھا ہے اور یہ اس کے ملاوٹی ہونے کی دلیل ہے۔ اہل حدیث ہی ایک ایسی جماعت ہے جو کسی طرف منسوب نہیں ہوتے' صرف نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں جو حدیث سے ثابت ہے۔

ح: سنت کا کیا مطلب ہے؟

م: مَا سَنَّهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ...... جو راستہ نبی کریم ﷺ نے اُمت کے لیے مقرر کیا ہوُا اسے سنت کہتے ہیں اور اس پر چلنے والے کو اہل سنت۔

ح: سنت رسول ﷺ کا پتا کیسے اور کہاں سے لگتا ہے؟

م: حدیث پڑھنے سے اور حدیث کے عالموں سے پوچھنے سے۔

ح: حدیث کے تو سب ہی عالم ہوں گے' کیا حنفی' کیا اہل حدیث۔

م: حدیث کے عالم تو اصل میں اہل حدیث ہی ہوتے ہیں اوروں کو اوّل تو حدیث آتی نہیں اگر آ جائے تو ان کے پاس چلتی نہیں۔ حدیث وسنت کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو اہل حدیث عالموں سے دریافت کریں' فقہ کی کوئی بات پوچھنا ہو تو حنفی عالموں سے پوچھیں۔ چیز ایجنسی سے ہی اچھی ملتی ہے۔

ح: حدیثیں کون کون سی معتبر ہیں؟

م: حدیث کی کتابوں کے کئی درجے ہیں۔ بعض اعلیٰ درجے کی، بعض درمیانے درجے کی، بعض گھٹیا درجے کی، بعض بے کار سی۔ اعلیٰ درجے کی تین کتابیں ہیں: بخاری، مسلم، موطا امام مالک...... درمیانے درجے میں ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد وغیرہ۔ تیسرے درجے میں طحاوی، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ تیسرے درجے کی کتابوں میں چونکہ ہر طرح کی حدیثیں ہیں اس لیے اعتبار صرف پہلے اور دوسرے درجے کی کتابوں پر ہے۔ چوتھے اور پانچویں درجے کی کتابیں بہت حد تک ساقط الاعتبار ہیں۔

ح: کتابوں کی یہ تقسیم کس نے کی ہے؟

م: پہلے علماء، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھ کر دیکھیں۔ آپ کو ان شاء اللہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

ح: اس تقسیم کو سب فرقے مانتے ہیں؟

م: اہل سنت کہلانے والے سب فرقے مانتے ہیں۔

ح: کیا درجہ اوّل کی کتابوں کی تمام حدیثیں صحیح ہیں؟

م: ہاں! قریباً سب صحیح ہیں۔

ح: ہم نے سنا ہے کہ آپ تقلید کو بھی شرک کہتے ہیں حالانکہ تقلید کا شرک سے کیا تعلق؟

م: تعلق کیوں نہیں، تقلید اور شرک کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شرک اگتا ہی تقلید کی سرزمین میں ہے۔ ہر مشرک پہلے مقلد ہوتا ہے پھر مشرک۔ اگر تقلید نہ ہو تو شرک کبھی پیدا نہ ہو۔ شرک پیدا ہی تقلید سے ہوتا ہے۔ شرک کو اپنی پیدائش کے لیے جس زمین اور فضا کی ضرورت ہے، وہ تقلید ہی مہیا کر سکتی ہے۔ تقلید ہمیشہ جاہل، بے عقل کرتا ہے اور شرک بھی وہیں پایا جاتا ہے جہاں جہالت اور بے عقلی ہو۔ ان دونوں کے لیے ایسی فضا کی ضرورت ہے جہاں عقل کا فقدان اور اندھی عقیدت کا زور ہو۔ ان دونوں کی بنیاد کسی کو حد سے زیادہ بڑا اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو چھوٹے سے چھوٹا سمجھنے پر ہے اور یہی عبادت کا مفہوم ہے۔ عبادت کہتے ہیں دوسرے کو بڑے سے بڑا جان کر اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں چھوٹے سے چھوٹا سمجھنا۔ یہی کچھ مقلد اپنے امام سے کرتا ہے۔ وہ اپنے امام کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ خود کو اس کے سامنے جانور سمجھتا ہے اور جانوروں کی طرح اس کا قلادہ گلے میں ڈالنے کو اپنی سعادت خیال کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسے اللہ کا شریک ٹھہرا لیتا ہے۔

ح: اللہ کا شریک کیسے؟

م: اسی طرح کہ اس کی بات کو خدائی حکم سمجھتا ہے۔

ح: یہ شرک اور شریک ٹھہرانا کیسے ہو گیا؟

م: اللہ کا حق اپنے امام کو جو دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾[الشوریٰ : ٤٢/ ٢١]

''کیا ان مشرکوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لیے دین میں ایسے مسئلے بناتے ہیں جن کی منظور اللہ نے نہیں دی''۔

اس آیت میں جس کے قول و قیاس کو دین سمجھا جائے اس کو اللہ نے اپنا شریک قرار دیا ہے۔ اللہ کے اذن کے بغیر نبی کی بات دین نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ عالموں کی آراء کو دین بنایا جائے۔ لیکن مقلد اپنے امام کی بات کو دین سمجھتا ہے۔ گویا جو حق تشریع کا تھا وہ اپنے امام کو دیتا ہے۔ سورۃ التوبہ میں اللہ نے فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾[التوبہ : ٩/ ٣١]

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ بنا لیا''۔

یہود و نصاریٰ جب بگڑے جیسے آج کل کے مسلمان بگڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو ربّ بنا لیا۔ عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تو اپنے علماء اور مشائخ کو ربّ نہیں بنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان کے حلال کردہ کو حلال اور ان کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی ان کی تجویزوں کو دین نہیں بنا لیتے تھے؟ انہوں نے کہا یہ بات تو تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی تو ربّ بنانا ہے۔ [1]

ح: ہم تو اپنے امام کو ربّ نہیں بناتے، ہم تو صرف امام مانتے ہیں۔

م: ربّ تو وہ بھی نہیں کہتے تھے، لیکن درجہ ان کو ربّ کا دیتے تھے۔ اس لیے اللہ نے اسے ربّ بنانا قرار دیا ہے۔ نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ حقیقت حقیقت ہی رہتی ہے۔ نام خواہ کچھ بھی رکھ دیا جائے۔ آخر آپ امام کیوں بناتے ہیں؟

ح: دین کے مسئلے لینے کے لیے۔

---

[1] ترمذی فی تفسیر القرآن، باب من سورة التوبة، رقم: ٣٠٩٥.

التاريخ الكبير للامام بخاری: ٧/ ١٠٦.

م: یہی کام تو یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر تسلیم کیا۔ کیا ایسی امامت کی اسلام میں گنجائش ہے؟

ح: کیا قرآن مجید میں نہیں:

﴿ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾[الانبیاء : ۲۱/ ۷۳]

''اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے''۔

م: یہ تو انبیاء کے بارے میں ہے' نبی تو امام ہوسکتا ہے بلکہ امام ہوتا ہے کیونکہ اسے خدا امام بناتا ہے' نبی کے سوا کوئی امام نہیں ہوسکتا۔

ح: آپ کہتے ہیں نبی کے سوا امام نہیں ہوسکتا حالانکہ اسلام میں بہت بڑے بڑے ائمہ دین گزرے ہیں۔

م: ائمہ دین سے مراد یہ ہے کہ وہ دینی علوم کے بڑے عالم تھے' نہ کہ قابل اطاعت تھے' جن کو دین کے مسئلے بنانے اور دینی پیروی کرانے کا حق ہو' کہ ان کے نام پر تقلیدی مذہب چلائے جائیں۔ اس قسم کی امامت کا تصور اسلام میں بالکل نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ عقیدہ شیعہ نے گھڑا' اہل سنت نے یہ عقیدہ ان سے لیا' شیعہ نے یہ عقیدہ' عقیدہ رسالت کو کمزور کرنے کے لیے گھڑا تھا۔ ان کے ہاں پیغمبر اور امام میں کوئی فرق نہیں' دونوں ایک ہی چشمے اور ایک ہی ڈول سے پانی لینے والے' جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے:

((لِاَنَّ مُسْتَقَاهُمَا مِنْ قَلِیْبٍ وَ مَفْرَغَهُمَا مِنْ ذَنُوْبٍ)).

''مقلد خواہ سنی ہو یا شیعہ امامت کا تصور قریباً ایک ہی ہے''۔

ح: شیعہ تو امام کو معصوم کہتے ہیں' ہم اپنے امام کو معصوم نہیں کہتے۔

م: زبان سے بے شک نہ کہیں' لیکن سمجھتے معصوم ہی ہیں۔ جب ہی تو ان کے نام پر مذہب بنا کر حنفی کہلاتے ہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اسلام میں سوائے پیغمبر کے کوئی امام نہیں ہوسکتا' چہ جائیکہ کہ کسی کو امام اعظم بنایا جائے۔

ح: امام تو ہم نے اس لیے بنایا ہے کہ قیامت کے روز بلایا ہی اماموں کے نام پر جائے گا۔ جیسا کہ آیت: ﴿ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ﴾[الاسراء : ۱۷/ ۷۱] میں ہے۔

م: اس آیت میں امام سے مراد نامہ اعمال ہے۔ آپ کے بنائے ہوئے امام نہیں۔ چنانچہ آگے وضاحت موجود ہے:

﴿ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ ﴾[الاسراء : ۱۷/ ۷۱]

''ہم تمام لوگوں کو ان کے نامہ اعمال کے ساتھ بلائیں گے' پھر جس کے دائیں ہاتھ میں

نامہ اعمال دے دیا گیا وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھے گا (اور خوش ہوگا) ظلم کسی پر نہ ہوگا"۔

لیکن اگر امام سے مراد امام ہی لیا جائے تو وہ امام مراد نہیں جو آپ نے بنا رکھے ہیں' بلکہ امام سے مراد وہ امام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے امام بنایا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام۔ قیامت کے روز امتوں کو ان کے انبیاء کے نام پر بلایا جائے گا۔ اے فلاں نبی کی اُمت آؤ۔ اے فلاں نبی کی اُمت آؤ۔ جیسا کہ قبر میں ((مَنْ نَبِيُّكَ؟)) سے اپنے اپنے نبی کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ ❶

پھر خوش قسمت ہوں گے وہ جنہوں نے اپنے امام بنا کر ان کی تقلید نہیں کی' بلکہ نبیوں کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے:

((هٰذَا اَكْبَرُ شَرَفٍ لِاَصْحٰبِ الْحَدِيْثِ لِاَنَّ اِمَامَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ)). ❷

"اہل حدیث کے لیے یہ بہت بڑا شرف ہے کہ ان کے امام صرف نبی ﷺ ہیں"۔

وہ ان کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے اور اماموں کے مقلدین کھڑے رہ جائیں گے۔ پھر وہ اپنے بنائے ہوئے اماموں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

ح: کیا ہمارے امام دوزخ میں جائیں گے؟

م: آپ کے امام ہیں کون؟

ح: ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

م: وہ آپ کے امام کیسے؟ کیا اللہ نے ان کو امام بنایا ہے؟

ح: اللہ نے تو نہیں بنایا۔

م: پھر کیا خود انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہارا امام ہوں' میری تقلید کرنا؟

ح: انہوں نے تو نہیں کہا۔

م: پھر وہ آپ لوگوں کے امام کیسے ہو گئے؟

ح: ہم جو ان کو مانتے ہیں اور اپنا امام سمجھتے ہیں۔

م: آپ کے سمجھنے اور کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب تک امام اقتداء کی نیت نہ کرے وہ امام کیسے بن جائے گا۔ اگر ایسے امام بننے لگیں تو آپ کا کیا خیال ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کو دیوبندی اور بریلوی دونوں امام مانتے ہیں' دیوبندیوں اور بریلویوں میں سے کس کو لے کر جنت میں جائیں

---

❶ ابو داؤد: كتاب السنة، باب المسالة فى القبر و عذاب القبر، رقم: ٤٧٥٣ .

❷ ابن كثير: ٣/ ٥٨، الاسراء.

گے؟ بریلوی جنت میں گئے تو دیوبندی دوزخ میں جائیں گے۔ امام ابوحنیفہ ﷫ کس کے ساتھ ہوں گے؟ جب کہ وہ دونوں کے امام ہیں۔ ایسے ہی شیعہ اپنے اماموں کے ساتھ جنت میں چلے گئے تو پھر سنی اپنے اماموں کے ساتھ کہاں جائیں گے۔ اگر سنی اپنے اماموں کے ساتھ جنت میں چلے گئے تو شیعہ کہاں جائیں گے۔ جنت میں دونوں تو جا نہیں سکتے' کیونکہ ان میں بعد المشرقین ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ آپ کے اصول پر شیعہ امام دوزخ میں جائیں گے یا سنی؟ حالانکہ امام دونوں فرقوں کے نیک اور صالح تھے اور ان شاء اللہ جنت میں جائیں گے۔

ح: بات تو آپ کی ٹھیک ہے' یہ اماموں کا مسئلہ ہے تو یقیناً بہت بڑا چکر۔

م: ایسا ہی چکر وہ ہے جس کو ہمارے مقلدین اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. ''آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا''۔ [1] پڑھ کر دیا کرتے ہیں کہ ہم اماموں اور اولیاء کے ساتھ ہوں گے کیونکہ ہمیں ان سے محبت ہے اور اہل حدیث چونکہ کسی کو مانتے نہیں' اس لیے ان کو کسی کا ساتھ نصیب نہیں ہوگا۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر محبت کا معیار یہی ہے جو آپ نے سمجھا ہے تو کیا موجودہ عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کے دعوے دار ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنت میں جائیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں' کیونکہ ان کی محبت غلط ہے' تو تبرائی شیعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور گیارہویں دینے والے حضرت جیلانی کو وہاں کیسے مل لیں گے۔ اس لیے کہ ان کی محبت غلط ہے اور پھر محبت بھی وہ فائدہ دیتی ہے جو دونوں طرف سے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی کسی ایسے سے محبت نہیں رکھیں گے جو آنحضرت ﷺ کے آجانے پر ان کی اتباع نہ کرے۔ ایسے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ' شاہ جیلانی اور دیگر ائمہ واولیاء کبھی کسی ایسے سے محبت نہیں رکھ سکتے جو حضور ﷺ کی پیروی نہ کرے بلکہ شرک وبدعت کرے اور اپنی طرف سے امام بنا کر ان کی تقلید کرے۔ وہ سب جانتے ہیں کہ اطاعت صرف اللہ کے حکم کی ہے۔ اس لیے وہ اپنی پیروی کیسے کروا سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾[الاعراف : ۷/ ۳]

''اس کے پیچھے چلو جو اللہ نے تمہاری طرف اتارا ہے' اس کا حکم مانو' اس کے حکم کو چھوڑ کر اولیاء کے پیچھے نہ جاؤ''۔

اولیاء سے مراد یہاں وہ ہستیاں ہیں جن کو لوگ خود تجویز کرتے ہیں اور اپنا ذریعہ نجات سمجھ کر

---

[1] بخاری: کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ رقم: ۱٦۸.
مسلم: کتاب البر باب المرء مع من احب، رقم: ۱٦۱.

سہارا بناتے ہیں' حالانکہ سوائے پیغمبر کی پیروی کے اور کوئی ذریعہ نجات نہیں۔ دُنیا میں جتنے شرک و بدعت کرنے والے ہیں' حقیقت میں ان کا پیر' ان کا امام اور ان کا ولی صرف شیطان ہے۔ وہ نام اللہ والوں کا اور اماموں کا لیتے ہیں' عبادت و پیروی شیطان کی کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن شیطان کی عبادت و پیروی سے بار بار منع کرتا ہے۔ چنانچہ یہی قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ﴾ [یٰسٓ: ۳٦/ ٦۰]

''شیطان کی عبادت نہ کرو''۔

﴿ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ﴾ [البقرہ: ۲/ ١٦٨]

''شیطان کی پیروی نہ کرو''۔

دُنیا میں کون سا ایسا ہے جو شیطان کی پیروی کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد خود ساختہ ائمہ و اولیاء ہی ہیں۔ جن کے نام کا دھوکا دے کر شیطان اپنا کام کرتا ہے۔ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے علیحدہ کریں گے تو فرمائیں گے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ○ ﴾ [یٰسٓ: ۳٦/ ٦۰-٦۲]

''یعنی اے انسانو! کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا بڑا دشمن ہے۔ عبادت میری کرنا' یہی سیدھا راستہ ہے' لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ اس نے تم میں سے کتنی بھاری تعداد کو گمراہ کر لیا ہے' کیا تم بے عقل تھے جو تمہیں پتا نہیں لگا''۔

اور یہ ہوتا یوں ہے کہ جب شیطان کسی نبی کی پیروی میں ذرا نرم دیکھتا ہے تو فوراً اس کے شکار کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے بڑے بڑے انسانی چیلوں کے ذریعہ نبی کی جگہ پیروی کے لیے ان بزرگوں کے نام تجویز کرتا ہے۔ جن کی دُنیا میں مقبولیت و شہرت ہوتی ہے۔ ان کے نام پر شرک و بدعت کے بڑے بڑے سلسلے جاری کرتا ہے۔ تصور ان بزرگوں کا پیش کرتا ہے اور پوجا پاٹ اپنی کراتا ہے۔ جہلا ان بزرگوں کے ناموں کی وجہ سے اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور اس کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کسی الٹی راہ پر لگ گئے ہیں بلکہ اس الٹی راہ کو ہی راہ راست سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○ ﴾

[الکھف: ١٨/ ١۰٤]

"وہ لوگ جن کی سعی دُنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں"۔

یعنی شیطان کے گمراہ کردہ لوگ کام غلط کرتے ہیں' لیکن جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کر رہے ہیں اور یہ کتنا بڑا دھوکا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کا نام ہی غرور یعنی دھوکا دینے والا رکھا ہے۔ اور لوگوں کو اس کے دھوکے سے بار بار خبردار کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ○ ﴾ [فاطر : ٣٥/ ٥، ٦]

"ہوشیار رہنا' دھوکا باز تم کو دھوکا دے کر خدا سے دور نہ کر دے۔ یہ دھوکا باز شیطان تمہارا دشمن ہے' اسے دشمن ہی سمجھنا۔ وہ اپنی پارٹی کو اس لیے باطل کی دعوت دیتا ہے یہ کہ ان کو دوزخی بنا کر دشمنی نکالے"۔

اور اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ ائمہ اور اولیاء کے نام لے لے کر ان کے ذہنوں میں ایسا تصور پیدا کرتا ہے کہ وہ ان کی عبادت شروع کر دیتے ہیں۔ یہی ان کے امام اور اولیاء ہیں جن کا تصور ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ خارج میں بجز شیطان کے ان کا وجود نہیں ہوتا۔ رہ گئے اصلی بزرگ جن کے نام لے کر شیطان اپنی عبادت کرواتا ہے ان کو پتا تک نہیں ہوتا کہ ان کے ماننے والے کون ہیں اور وہ کیا کرتے ہیں۔ وہ ان کی طرف سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ [الاحقاف : ٤٦/ ٥]

"اور وہ ان کے پکارنے سے بالکل بے خبر ہوں"۔

﴿ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ ﴾ [یونس : ١٠/ ٢٨]

"تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے"۔

﴿ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ [مریم : ١٩/ ٨٢]

"اور وہ الٹے ان کے دشمن بن جائیں گے"۔

﴿ وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ [الاحقاف : ٤٦/ ٦]

"اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے"۔

﴿ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○ ﴾ [یونس : ١٠/ ٢٩]

"کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی"۔

جن کو تم پکارتے ہو‘ جن کی تم عبادت کرتے ہو‘ وہ تمہاری ان حرکتوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ قیامت کے دِن وہ تمہارے مخالف ہوں گے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے:

﴿ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [المائدہ : ۵/ ۱۱۶]

اے عیسیٰ! عیسائی جو تیری اور تیری ماں کی عبادت کرتے رہے ہیں تو کیا تو نے ان سے کہا تھا کہ ایسا کرنا۔ وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہم نے ان سے نہیں کہا کہ ہماری عبادت کرنا۔ یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا گمراہ ہونے والوں کے امام و اولیاء نہیں جن کا ذکر کتابوں میں ہے بلکہ وہ شیاطین ہیں جو ان کے ذہنوں میں ہیں‘ جو ان سے یہ کام کرواتے ہیں۔ وہی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ اس لیے تقلید کا سلسلہ سراسر گمراہی کا سلسلہ ہے۔ اس سے بالکل بچنا چاہیے۔ اب آپ دیکھ لیں کہ آپ کو سنت رسول ﷺ چاہیے یا سنت امام۔ اگر سنت رسول ﷺ چاہیے تو وہ حدیث رسول ﷺ سے ملے گی اور حدیث رسول ﷺ اہل حدیث سے ملے گی۔ اگر سنت امام چاہیے تو وہ فقہ حنفی سے ملے گی اور فقہ حنفی حنفیوں سے ملے گی۔

ح: سنت رسول ﷺ کی ہوتی ہے نہ کہ امام کی۔

م: اگر امام کی سنت نہ ہو تو آپ حنفی کیوں بنیں‘ آخر حنفی کسے کہتے ہیں۔

ح: حنفی وہ ہوتا ہے جو فقہ حنفی پر چلے۔

م: فقہ حنفی کسے کہتے ہیں؟

ح: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو۔

م: مسلک سے کیا مراد ہے؟

ح: مسلک طریقے کو کہتے ہیں۔

م: سنت بھی تو طریقے کو ہی کہتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کی سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا طریقہ ہے۔ اس طریقے سے انہوں نے یہ کام کیا تھا یا کرنے کو کہا تھا۔ لہٰذا جس کے طریقے پر آپ چلتے ہیں گویا اس کی سنت پر آپ عمل کرتے ہیں۔ کہیے! یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

ح: یہ بالکل ٹھیک ہے‘ یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔

م: اسی لیے تو ہم کہتے ہیں حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر چلتا ہے اور اصلی اہل سنت یعنی اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر۔

ح: لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کوئی علیحدہ نہیں ان کا طریقہ بھی تو وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

م: طریقہ وہی ہو یا مخلف حنفی کے پیش نظر تو طریقہ حنفی ہی ہوتا ہے۔ وہ تو حنفی طریقے پر ہی چلتا ہے۔ سنت رسول ﷺ کے موافق یا مخالف اگر مخالف ہو تو اسے ڈر نہیں کہ سنت رسول ﷺ کی مخالفت ہوتی ہے۔ اگر موافق ہو تو اسے خوشی نہیں کہ میں نے سنت رسول ﷺ پر عمل کیا ہے۔ حنفی اگر شروع میں رفع الیدین کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ سنت رسول ﷺ ہے' وہ اس لیے کرتا ہے کہ حنفی طریقہ نماز یہی ہے۔ وہ رکوع کو جاتے اور اٹھتے رفع الیدین نہیں کرتا' اس لیے نہیں کہ یہ سنت رسول ﷺ نہیں بلکہ اس لیے کہ حنفی نماز میں رفع الیدین نہیں۔ جو رفع الیدین حنفی مذہب میں نہیں وہ خواہ سنت رسول ﷺ ہو وہ اسے گھوڑے کی دم مارنے سے تشبیہ دیتا ہے یا مکھیاں مارنے سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے مذہب میں ہے خواہ وہ سنت رسول ﷺ نہ ہو وہ اس پر جان دیتا ہے جیسے قنوت کا رفع الیدین۔

ح: حقیقت حال یہی ہے' ہمیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہمارا یہ مسئلہ سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے یا مخالف' ہمیں تو یہ یاد ہوتا ہے کہ ہم حنفی ہیں اور ہمیں اپنی فقہ پر چلنا ہے۔ ہمیں کوئی صحیح سے صحیح حدیث بھی دکھائے۔ اگرچہ ہم اس حدیث کا انکار نہیں کرتے' لیکن ہم اس حدیث پر عمل بھی نہیں کرتے۔ ہمارے دل میں یہ ہوتا ہے کہ یا یہ حدیث ٹھیک نہیں یا اس کا مطلب وہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے یا یہ منسوخ ہے یا کوئی اور بات ہے۔ بہرکیف جب ہمارے امام نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا تو ہم کیوں کریں۔ ہم نے اپنے امام کے مذہب پر چلیں گے۔

م: جبھی تو ہم کہتے ہیں حنفی کا محمد رسول اللہ پڑھنا اہل سنت کا دعویٰ کرنا ٹھیک نہیں۔ جب وہ سنت رسول ﷺ پر چلتا نہیں' اپنے امام کی سنت پر چلتا ہے تو اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ محمد رسول اللہ بھی ساتھ پڑھے اور اہل سنت ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔ خدا کی قسم! جس پابندی کے ساتھ آج حنفی اپنے امام کی تقلید کرتا ہے اگر وہ اسی پابندی کے ساتھ اتباع رسول ﷺ کرے تو اس کی نجات ہو جائے۔ لیکن اس حال میں وہ نجات کی کیا توقع کر سکتا ہے۔ آپ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں۔ اگر آپ موسیٰ علیہ السلام کی تقلید بھی کریں تو بھی نجات نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ)).[1]

---

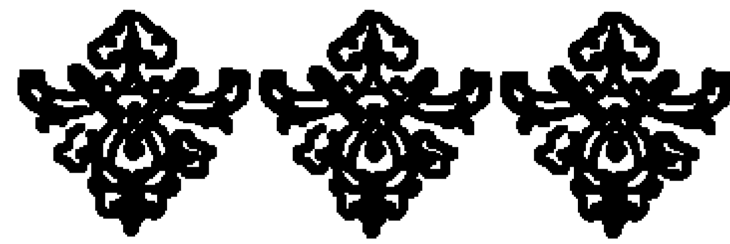
[1] مشكوة: كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتب والسنة، رقم: ١٩٤.

دارمی: ١/ ١١٥، ١١٦.

مسند احمد: ٣/ ٣٨٧، رقم: ١٤٧٣٦.

یعنی اگر آج موسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور تم ان کے پیچھے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ آپ اب سوچ لیں کہاں موسیٰ علیہ السلام اور کہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں نجات نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں کیسے نجات ہو سکتی ہے؟ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی کد نہیں۔ ہمیں ان سے کوئی حسد نہیں' ہمارا کوئی امام نہیں کہ ہم آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے توڑ کر کسی اور سے جوڑ رہے ہوں۔ ہم تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دے رہے ہیں جن کا آپ کلمہ پڑھتے ہیں' جن کی پیروی میں نجات ہے اور اس سے باہر نجات نہیں۔ سوچ لیں' معاملہ نجات کا ہے۔ اگر اس حنفیت پر آپ کا خاتمہ ہو گیا تو معاملہ بڑا خطرناک ہے۔

﴿ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [ابراهيم: ١٤/ ٥٢]


مراجع ومصادر

(۱) عقدالجید فی حکم الجتهاد والتقلید للإمام ولی اللّٰه الدهلوی
ط : المطبعة السلفیه القاهرة سنة ۱۳۸۵ء
بتحقیق محب الدین الخطیب
(۲) مکتوبات امام ربانی از محمود الف ثانی شیخ احمد سرهندی
ط : اسلامی کتب خانه لاهور
(۳) بوستان از شیخ بشرم و محشی (از وقاص سجاد حسین)
ط : قدیمی کتب خانه، آرام باغ، کراچی
(٤) معیار الحق از شیخ الکل فی الکل مکتبة نذیریه قصور
(٥) مختار الصحاح لمحمد بن أبی بکر السرازی
ط : مکتبة لبنان بیروت سنة ١٤١٥ الموافق ١٩٩٥ء
(٦) مصفی شرح مؤطا از شاه ولی اللّٰه الدهلوی
ط : کتب خانه رحیمیمه
(۷) صراط مستقیم از سید اسماعیل شهید
ط : اسلامی اکیڈمی لاهور
(۸) لسان العرب لابن منظور
ط : دارالاندس، بیروت
(۹) قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة لشیخ الإسماعیل ابن تیمیه
بتحقیق ربیع بن هادی المدخلی
ط : مکتبه الفرقان عجمان، سنة ١٤٢٢ھ
(۱۰) شرح السنة الإمام الحسین بن البغوی
بتحقیق شعیب الأرناؤوط و محمد الشاویش
ط : المکتب الإسلامی دمشق بیروت سنة ١٤٠٣ھ/١٩٨٣م
الطبعة الثانیه
(۱۱) نور الإیضاح و نجاة الأرواح لأبی الإخلاص الوفائی البشر نبلالی
ط : دارالحکمة دمشق سنه ......
(۱۲) تاریخ الأمم والملوك احمد بن جریر الطبری ابوجعفر
ط : دارالکتب العلمیة بیروت سنه ١٤٠٧
(۱۳) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح لعلی بن سلطان محمد القاری
ط : دارالکتب العلمیه بیروت لبنان بتحقیق جمال عیتانی
سنة ١٤٢٢ھ/٢٠٠١ء

(١٤) العقود الدرية من مناقب شيخ الإسلام أحمد بن تيميه لمحمد
بن أحمد بن عبدالهادى بن قدامة المقدسى أبى عبدالله
ط : دار كاتب العربى بيروت بتحقيق محمد حامد الفقى
(١٥) مجموع الفتاوى لابن تيميه
ط : مكتبة ابن تيميه طبعة الثانيه
(١٦) الفتاوى الهنديه لشيخ نظام وجماعة من علماء الهند
ط : دارالفكر سنة ١٤١١ھ/١٩٩١ء
(١٧) الدر المختار – ط : دارالفكر بيروت طبعه ثانيه سنة ١٣٨٦ھ
(١٨) البحر الرائق لزين بن ابراهيم بن محمد ابن بكر
ط : دارالمعرفة بيروت
(١٩) عمدة القارى شرح صحيح البخارى لبدر محمود بن أحمد العينى ط : دار احياء التراث....
(٢٠) الهداية شرح بداية المبتدى لأبى علي بن ابى بكر بن عبدالجليل
المرغينانى – ط : المكتبة الإسلامية بيروت
(٢١) روح المعانى للإمام آلوسى – دارالاحياء التراث بيروت
(٢٢) فتح السماوى بتخريج احاديث القاضى للإمام المناوى زين الدين
محمد المدعو بعبد الرؤف ط : دارالعاصمة رياض
(٢٣) الطبقات الكبرى لابن سعد ط : دار صادر بيروت
(٢٤) كتاب الاعتصام للشاطبى دارالنشر: المكتبة التجارية اللكبرى مصر
(٢٥) سير اعلام النبلاء للذهبى ط : مؤسسة الرسالة
(٢٦) بخارى
(٢٧) مسلم
(٢٨) ابوداؤد
(٢٩) ترمذى
(٣٠) مشكوٰة
(٣١) ابن ماجه
(٣٢) مؤطا امام مالك
(٣٣) مسند احمد
(٣٤) الفتح الربانى
(٣٥) تفسير كبير
(٣٦) حجة الله بالغه
(٣٧) تفسير نيشاپورى
(٣٨) سيرت ابن هشام
(٣٩) هداية
(٤٠) عالمگيرى
(٤١) مسند دارمى
(٤٢) طبرانى
(٤٣) مصنف ابن ابى شيبه
(٤٤) مصنف عبدالرزاق
(٤٥) فتاوىٰ قاضى خان
(٤٦) ارشاد الطالبين
(٤٧) جاء الحق
(٤٨) مستدرك حاكم
(٤٩) تفسير ابن كثير
(٥٠) الاعتصام لشاطبى
(٥١) نسائى


For the sake of ALLAH
في سبيل الله
کتابیں
اسلامی
PDF


Designed by: Imran Nadeem